مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا

مِرْاٰۃُ الْاَنْوَارْ

شرح اردو

مِشْکٰوۃُ الْاٰثَارْ

جزءِ اوّل

مؤلف

سید الملت حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب دیوبندیؒ

شارح

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری بجنوری مدظلہ

ناشر

ناظم مکتبہ نسیمیہ

سرائے پختہ، مراد آباد (یو۔پی)

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا

اور جو تم کو رسولؐ دیں لے لو اور جس چیز سے تم کو روک دیں رک جاؤ۔

مِرْآةُ الْاَنْوَار

شرح اردو

مِشْكٰوةُ الْآثَارِ

جزء اول

مؤلف

سید الملت العلامۃ ابو محمد دیوبندی

حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب

شارح

حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری بجنوری دامت برکاتہم

ناشر

ناظم مکتبہ نسیمیہ سرائے پختہ مراد آباد (یوپی)

(کاتب محمد یوسف قاسمی)

نام کتاب ______ مرآۃ الانوار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار
صفحات ______ ۲۶۴
تالیف ______ حضرت مولانا نسیم احمد صاحب غازی مظاہری بجنوری
سنہ طباعت ______ سنہ ۱۴۱۰ھ سنہ ۱۹۸۹ء
تعداد طبع دوسری بار ______ ایک ہزار
ناشر ______ مکتبہ نسیمیہ سرائے پختہ مراد آباد
مطبع جی۔سی۔ پرنٹرز۔ دریا گنج، نئی دہلی (زیر اہتمام محمد الیاس قریشی) فون : 23261393
قیمت ______ R. /
کتابت ______ محمد یوسف کاشی پوری

مختصر فہرست مضامین مرآۃ الانوار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار

جزء اول

اطلاع

اختصار کے پیشِ نظر فہرست میں جلی عنوانات درج کیے گئے ہیں۔
نیز چونکہ تین عنوانات (لغات، ترکیب، تشریح) ہر نص کے تحت مستقل طور پر پوری کتاب میں مذکور ہیں اسلئے فہرست میں انکا ذکر طولِ لاطائل خیال کرکے چھوڑ دیا گیا۔ فقط

نسیم احمد غازی مظاہری بجنوری

باسمہٖ تعالیٰ

نذر

اُس مُوفق و مُعین ربُّ العالمین کی بارگاہِ عالی میں جسکی توفیق و اعانت سے یہ کتاب " مرآۃ الانوار شرح اُردو مشکوٰۃ الآثار"، معرضِ وجود و منصّۂ شہود میں آئی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ خَالِصًا لِوَجْهِكَ الْكَرِيْمِ وَتَقَبَّلْهُ مِنِّيْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ عِبَادِكَ الصَّالِحِيْنَ الْمُخْلِصِيْنَ وَاحْشُرْنِيْ فِيْ زُمْرَتِهِمْ بِفَضْلِكَ يَا رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ وَصَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا حَبِيْبِكَ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ اَجْمَعِيْنَ بِرَحْمَتِكَ يَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِيْنَ ۔ اٰمين

العبد

نسیم احمد غازی مظاہری

۲۹؍ج ۱ سنہ ۹۷ھ ۱۸؍مئی سنہ ۷۷ء
چہار شنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وجہ تالیف

مرآۃ الانوار شرح اردو مشکوٰۃ الآثار

مدرسہ شاہی مراد آباد میں دادا استاذ حضرت اقدس مولانا السید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف گرامی مشکوٰۃ الآثار متعدد بار پڑھانیکی سعادت میسر آئی۔ دوران تدریس متعلمین نے بار بار کتاب مذکور کی شرح اردو لکھنے کی درخواست کی اور اس کی طباعت واشاعت کا بار برداشت کرنیکی ذمہ داری بھی لی، نیز مدرسہ شاہی کے بعض حضرات اساتذہ نے بھی اسکی متعدد بار فرمائش کی، بندہ کتاب کے آسان اور عدم ضرورت شرح کا اظہار کرکے عذر کرتا رہا۔

گو بعض حساد واصنام اقتدار کی غیر مسعود مساعی کی بناء پر شعبان ۹۶ھ میں مدرسہ شاہی سے خدمت تدریس کا تعلق منقطع ہوگیا مگر حضرات مذکورین کا تقاضا اور راقم کی عذر خواہی علیٰ حالہٖ باقی رہی۔ حسن اتفاق سے میرے استاذ ومربی حضرت اقدس مولانا قاری عبدالرحیم صاحب مجاز بیعت قطب الارشاد سیدنا ومولانا الشیخ محمد زکریا دامت برکاتہم نے بھی اس ضرورت کا اظہار فرمایا اور کمترین کو شرح لکھنے کا حکم فرمایا بندہ نے عدم ضرورت شرح اور عدیم الفرصتی کا عذر پیش کیا مگر حضرت استاذ محترم نے فرمایا کہ طلبۂ عیزاذکیاء کیلئے تو ضرورت مسلم ہے۔ نیز مشکوٰۃ الآثار دارالعلوم دیوبند میں داخل نصاب ہونیکی وجہ سے عامۃً مدارس نظامیہ میں پڑھائی جاتی ہے، اور چھوٹے مدارس کے اساتذہ کی ایک بڑی تعداد ایسی ہے جنکو تدریس حدیث کا موقع میسر نہ آسکنے کیوجہ سے ان کو اس علم شریف سے مناسبت وممارست باقی نہیں رہی ان کی ضرورت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ علاوہ ازیں اردو میں شرح ہوجانیسے اردو داں طبقہ بھی اس کتاب سے مستفیض ہوسکتا ہے۔ رہی عدیم الفرصتی تو "ہمت مرداں مدد خدا"، دانہ دانہ شود انبار۔ کام شروع کردو اللہ نے چاہا تو پورا ہو ہی جائیگا۔ اس حکم کے بعد چونکہ انکار کی گنجائش ہی باقی نہ تھی، امتثال امر کا عزم مصمم کرلیا، اس ارادہ کے بعد ہی کسی نے کہا کہ اسکی شرح ہوچکی لیکن جستجو کے باوجود اس خبر کی تصدیق نہ ہوسکی۔ حضرت والا نے پھر ایکبار تقاضا فرمایا تو باوجود ہجوم افکار وکثرت مشاغل (تدریس، وعظ وتقریر، درس تفسیر وکثرت اسفار وغیرہ) کے اللہ جل شانہٗ کے بھروسہ پر حضرت استاذ محترم ودیگر حضرات کے امتثال امر میں یہ عظیم کام (جو یقیناً اس کمترین وبے بضاعت کی استعداد وصلاحیت سے بلند ہے) آج شروع کردیا ہے حق تعالیٰ بعافیت پایۂ تکمیل کو پہنچا کر اپنے فضل سے قبول فرمائے۔ آمین۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ وَهُوَ الْمُوَفِّقُ وَالْمُعِيْنُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ الْكَرِيْمِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ فَازُوْا بِحَظٍّ جَسِيْمٍ ۵

خویدم الطلبہ:- نسیم احمد غازی مظاہری

۲۹ رجب ۱۳۹۷ھ م ۱۸ رمئی ۱۹۷۷ء چہارشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدّمہ

ہر کتاب شروع کرنے سے پہلے چند ایسی معلومات کی ضرورت ہوتی ہے جنکے فراہم ہوجانے کے بعد پڑھنے والے کو کتاب سے ایک خاص مناسبت اور دلچسپی پیدا ہوجائے اور وہ پورے شوق و انہماک کے ساتھ علیٰ وجہ البصیرۃ اس سے کما حقہٗ استفادہ کرسکے۔

پھر جب کہ یہ کتاب "مشکوٰۃ الآثار" طلبہ کے لیئے حدیث کی پہلی کتاب ہے (جسمیں ترواِثم زنکی اور گناہ) کے موضوع پر تقریبًا پانچسو احادیث کو مبتدی طلبہ کے لیئے جمع کیا گیا ہے) تو ان امور کی ضرورت واہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ اسلیئے اولاً چند مختصر اور ضروری معلومات کا ذکر کردینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

(۱) **حدیث کے لغوی معنیٰ** حدیث کے معنیٰ لغت میں جدید، ذکر، خبر، بیان، گفتگو اور بات کے آتے ہیں حدث یحدُث (ن) حُدُوثًا واقع ہونا، پیدا ہونا، نو پید ہونا (ک) جدید ہونا: جمع احادیث حِدثان، حُدثان۔

(۲) **اصطلاحی تعریف** حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال واحوال اور تقریرات کو حدیث کہتے ہیں۔ حدیث کو خبر اور اثر بھی کہدیتے ہیں۔ عمومًا صحابہؓ کے اقوال کو آثار کہتے ہیں بعض حضرات نے صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال وغیرہ کو بھی حدیث میں شامل کیا ہے۔

(۳) **علمِ حدیث** وہ علم ہے جسمیں اُمورِ مذکورہ بالا (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال واحوال وتقریرات) سے باعتبار اتصال وانقطاع سند بحث کیجائے

تقریرات سے مُراد ایسے واقعات اور مُعاملات ہیں جنکو آپؐ دیکھکر یا سُنکر خاموش رہے تو آپؐ کی یہ خاموشی بھی بیان ہے کیونکہ اگر وہ اُمور خلافِ شرع اور ناجائز ہوتے تو آپؐ کا فرضِ منصبی تھا کہ آپ انکی اصلاح فرماتے یا منع کردیتے۔

(۴) **وجہ تسمیہ** حدیث کے لغوی واصطلاحی معنیٰ میں یہ مناسبت ہے کہ اس علم کے ذریعہ احکامِ دین کا صحیح بیان، نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور آپکے صحابہؓ کے احوال وافعال کی خبریں اور انکے اقوال معلوم ہوتے ہیں اور اسمیں اُن کی عملی زندگی کا ذکر ہوتا ہے۔ نیز اللہ کے کلامِ قدیم (قرآن مجید) کے مقابلہ میں کلامِ رسول (حدیث) جدید ہے۔

(۵) **موضوعِ علمِ حدیث** ذاتِ رسول من حیث الرسول ہے یا ذاتِ رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)

آپؐ کے اقوال واحوال وتقریرات کی حیثیت سے۔

(٦) غرض وغایت: سعادتِ دارین اور اس علم شریف کی شرافت وکرامت اور فضیلت کا حاصل کرنا۔ (ماخوذ)

فضائلِ علمِ حدیث شریف

(١) حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ کوئی علم، علم حدیث سے افضل نہیں بشرطیکہ اللہ کی خوشنودی کے لیے اسکو حاصل کیا جائے یقیناً لوگ ایسے شخص کے اپنے کھانے پینے تک میں محتاج ہونگے۔ یہ علم نفلی نماز اور نفلی روزے سے بھی افضل ہے۔

(٢) بہت سی احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو سرسبز وشاداب رکھے جو میری بات (حدیث) سنکر یاد کرے اور دوسروں تک پہنچائے الخ (یہ دعا بھی ہوسکتی ہے اور بشارت بھی)

(٣) حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَللّٰھُمَّ ارْحَمْ خُلَفَائِیْ قُلْنَا وَمَنْ خُلَفَاءُکَ یَارَسُوْلَ اللہِ قَالَ الَّذِیْنَ یَرْوُوْنَ اَحَادِیْثِیْ وَیُعَلِّمُوْنَھَا النَّاسَ (یعنی اے اللہ میرے جانشینوں پر رحم فرما ہم نے پوچھا آپ کے جانشین کون ہیں اے اللہ کے رسولؐ فرمایا جو میری حدیثیں نقل کرتے اور لوگوں کو سکھاتے ہیں)

(٤) حضور اقدس صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے سب سے زیادہ قریب وہ ہونگے جو مجھ پر درود زیادہ بھیجیں گے۔ ابن حبانؒ فرماتے ہیں کہ اسکے مصداق حدیث پڑھنے پڑھانے والے ہیں کیونکہ وہی سب سے زیادہ آپ پر درود بھیجتے ہیں۔

علمِ حدیث کے بے شمار فضائل احادیث میں موجود ہیں اور علم الفقہ علم حدیث کا ثمرہ ہے۔ اور حدیث کلام اللہ کی تفسیر ہے۔ اور باقی علوم لغت، نحو، صرف، معانی، بیان، اصول وغیرہ ان علوم ثلاثہ کے خدام اور حصول کے ذریعے ہیں۔ (از مقدمہ اوجز)

تدوینِ حدیث: اہل عرب عموماً امی تھے۔ اکثر لوگوں سے لکھنا پڑھنا نہ آتا تھا مگر ان کے حافظے بہت قوی اور ذہن بہت اعلیٰ تھے جو سنتے تھے اسکو ذہن نشیں اور محفوظ کرلیتے تھے۔ ادھر قرآن پاک کے جمع کرنے اور لکھنے کا زبردست اہتمام تھا۔ اسلیئے ابتدائے اسلام میں حدیث لکھنے کا اہتمام نہ ہوا۔ خود حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی شروع میں قرآن کے علاوہ کے لکھنے سے منع فرمادیا تھا تاکہ قرآن اور حدیث میں کسی قسم کا خلط ملط نہ ہو سکے پھر آپ نے اجازت دیدی بلکہ آپ نے بعض احکام وہدایات قلم بند کرائیں اور کئی صحابہؓ نے احادیث لکھ لکھ کر صحیفے تیار کیئے۔ جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم دنیا سے تقریباً سب ہی رخصت ہو گئے اور ماہِ صفر ٩٩ھ میں امت کے سب سے پہلے مجددِ عمر ثانی حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ مسند خلافت پر جلوہ افروز ہوئے تو انہوں نے یہ دیکھ کر کہ صحابہ کرامؓ تو رخصت ہو گئے البتہ ان کے وارث بڑے بڑے تابعینؒ ابھی اس عالم ناپائیدار میں رونق افروز ہیں۔ جن کے سینوں

میں اصحاب رسول ؐ کے علمی خزانے اور احادیث کے بے بہا ہیرے محفوظ ہیں اگر یہ حضرات بھی رحلت فرما گئے تو احادیث کا ذخیرہ کم یا ختم ہو جائیگا علاوہ ازیں نئے نئے باطل فرقے معتزلہ، خوارج، شیعہ وغیرہ پیدا ہو گئے ہیں وہ اپنے باطل عقیدوں کی تائید کے لئے احادیث گھڑ گھڑ کر نہ پھیلا دیں اسلئے آپ نے اطراف مملکت میں ماہرین حدیث و علمائے راسخین کو احادیث جمع کرنیکا حکم دیا۔ چنانچہ یہ حکم پاتے ہی احادیث کی جمع و تدوین کا کام شروع ہو گیا، سب سے اول احادیث کے جامع محمد بن مسلم بن شہاب زہری ؒ متوفی سنہ ۱۲۵ھ اور ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزم ؒ متوفی سنہ ۱۲۰ھ ہیں۔ پھر دوسرے طبقہ میں ایک بڑی جماعت ہے۔ جنہوں نے ایک ہی زمانہ میں مختلف مقامات پر احادیث جمع کرنیکی خدمت انجام دی۔ مثلاً ابن جریج عبد الملک بن عبد العزیز ؒ (متوفی سنہ ۱۵۰ھ) نے مکہ میں۔ حضرت امام مالک بن انس ؒ (متوفی سنہ ۱۷۹ھ) نے مدینہ میں امام اوزاعی عبد الرحمٰن بن عمرو ؒ (متوفی سنہ ۱۵۷ھ) نے شام میں۔ امام سفیان بن سعید ثوری ؒ (متوفی سنہ ۱۶۱ھ) نے کوفہ میں۔ حماد بن سلمہ ؒ (متوفی سنہ ۱۶۷ھ) نے بصرہ میں۔ معمر بن راشد ؒ نزیل یمن (متوفی سنہ ۱۵۴ھ) نے یمن میں، عبد اللہ بن مبارک ؒ (متوفی سنہ ۱۸۱ھ) نے خراسان میں، ہشیم بن بشیر ؒ (متوفی سنہ ۱۸۳ھ) نے واسط میں، جریر بن عبد الحمید قاضی رَی (متوفی سنہ ۱۸۸ھ) نے رَی میں حدیث کی کتابیں لکھیں۔ اِن میں یہ فیصلہ نہیں کیا جا سکتا کہ کون اوّل ہے، پوری تفصیلات بڑی کتابوں سے معلوم ہو جائیں گی۔ (ماخوذ از مقدمہ اوجز)

احادیث صحیحہ کی سب سے پہلی کتاب

فقیہ دوراں حماد بن ابی سلیمان ؒ کی وفات کے بعد سنہ ۱۲۰ھ میں امام اعظم ابوحنیفہ دنیا کی اس سب سے بڑی درسگاہ جامع کوفہ کی مسند صدارت پر جلوہ افروز ہوئے جسکے بانی فقیہ الامت حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ تھے اور جسکو چار چاند لگانیوالے اُن کے سچے جانشین حضرت علقمہ اور ان کے بعد بحر العلوم حضرت ابراہیم نخعی ؒ پھر فقیہ زماں حضرت حماد بن ابی سلیمان ؒ ہوئے، جب اس عظیم مدرسہ کی ذمہ داری علم کے اس بحر ناپیدا کنارہ نے سنبھالی جسکے وسیع قلب میں کبار حرمین صحابہ ؓ و تابعین ؒ اور حضرت عبد اللہ بن مسعود ؓ کے آٹھ سَو سے زائد تلامذہ اور کوفی محدثین و فقہاء کے علوم مجتمع تھے تو آپ نے علوم کے دریا بہا ڈالے۔ آپکی ذات گرامی سے اِس درسگاہ کو وہ شہرت و مقبولیت عطا ہوئی کہ کوفہ کی بیشتر درسگاہیں ٹوٹ گئیں اور متبحر علماء و محدثین آ آ کر آپ کے حلقۂ درس میں شامل ہو گئے۔ درس و تدریس کے علاوہ آپ نے علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ فقہ کا عظیم الشان فن مدوّن فرمایا۔ آپکی خدمت

حدیث کا تصنیفی و تدوینی جلیل القدر شاہکار "کتاب الآثار" ہے جسکو چالیس ہزار احادیث احکام میں سے صحیح اور معمول بہا روایات کا انتخاب فرماکر ابواب فقہیہ پر مرتب فرمایا۔ آج اُمت کے پاس احادیثِ صحیحہ کی سب سے قدیم ترین کتاب یہی "کتاب الآثار" ہے جو دوسری صدی کے رُبع ثانی کی تالیف ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ سے پہلے حدیثِ نبوی کے جتنے صحیفے اور مجموعے لکھے گئے اُن کی ترتیب فنی نہ تھی بلکہ جامعین نے اپنی یادداشت کے مطابق کیف ما اتفق بلا لحاظ ترتیب احادیث کو قلمبند کردیا تھا۔ ہاں حضرت امام شعبیؒ نے ترتیب وار احادیث جمع کرنیکا کام شروع کیا تھا جسکی تکمیل نہ ہوسکی تھی۔ امام ابو حنیفہؒ نے "کتاب الآثار" تصنیف فرماکر نہایت خوش اسلوبی سے اِس کام کو مکمل فرمایا اور بعد کے ائمہ حدیث کے لیئے ترتیب و تبویب کا ایک عمدہ نمونہ قائم کیا

غلط فہمی کا ازالہ

عام خیال یہ ہے کہ بخاری شریف سے پہلے احادیث صحیحہ کی کوئی کتاب مدوّن نہ تھی۔ یہ خیال بالکل غلط ہے۔ "امام سیوطیؒ "تنویر الحوالک" میں لکھتے ہیں کہ حافظ مغلطائی نے کہا ہے کہ سب سے پہلے جس نے صحیح تصنیف کی وہ امام مالکؒ ہیں اور "کتاب الآثار" امام مالکؒ کی صحیح (موطا امام مالک) سے بھی پہلی تصنیف ہے جس سے خود موطا کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔ اور حافظ سیوطیؒ اپنی کتاب "تبییض الصحیفہ فی مناقب الامام ابی حنیفہ" میں تحریر فرماتے ہیں کہ "امام ابو حنیفہؒ کے اُن خصوصی مناقب میں سے جن میں وہ منفرد ہیں یہ بھی ہے کہ وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے علم شریعت کو مدوّن کیا اور ابواب پر اس کی ترتیب کی۔ پھر امام مالک بن انسؒ نے موطا کی ترتیب میں انہی کی پیروی کی اور اس بارے میں امام ابو حنیفہؒ پر کسی کو سبقت حاصل نہیں۔

غرض کتب خانۂ اسلام میں اس شان کی سب سے پہلی کتاب "کتاب الآثار" ہے جو ابواب پر مرتب و مدوّن ہوئی اور جسمیں صرف انہی احادیث و آثار اور فتاویٰ نے جگہ پائی جن کی روایت ثقات اور اتقیائے اُمت میں برابر چلی آتی تھی۔

امام اعظمؒ نے اس کتاب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری افعال و ہدایات کو مبنائے اول اور آثار و فتاویٰ صحابہؓ و تابعینؒ کو مبنائے ثانی قرار دیا۔

(ظفر المحصلین و معارف المشکوٰۃ وغیرہما)

تعارف اصل

"مشکوٰۃ الآثار" کی چند کے سوا سب احادیث "مشکوٰۃ المصابیح" سے ماخوذ و منتخب ہیں۔

جیسا کہ خود حضرت مؤلف نے "مشکوٰۃ الآثار" کے مقدمہ میں اس کا اظہار فرمایا ہے۔ اسلئے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل کتاب کا مختصر تعارف پیش کر دیا جائے۔ درحقیقت اصل تصنیف "مصابیح" علامہ بغوی کی تھی، صاحب مشکوٰۃ نے اسپر اضافات فرما کر مجموعہ کا نام "مشکوٰۃ المصابیح" رکھا۔ لہٰذا ذیل میں ہر دو بزرگوں کے مختصر حالات اور ضمناً اصل کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" کا اجمالی تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

صاحب مصابیح

صاحب "مصابیح" کا نام محی السنہ ابو محمد حسین بن مسعود الفراء البغوی تھا، مصنف کے والد مسعود پوستین دوزی کا کام کرتے تھے اسلئے اُن کو فراء کہتے تھے، بغو کی طرف نسبت ہے، جو ہرات و مرو یا ہرات اور خرس کے درمیان ایک گاؤں تھا وہی امام محی السنہ کا اصل وطن تھا۔ آپ ۴۳۵ھ میں مرو میں پیدا ہوئے اور اپنے وطن ہی میں ماہِ شوال ۵۱۶ھ میں وفات پائی اپنے استاذ علامہ قاضی حسین کے مزار کے پاس مدفون ہوئے۔

آپ حدیث و تفسیر و قرأت میں زبردست کمال رکھتے تھے۔ تمام عمر تصنیف و تالیف و خدمت فقہ و حدیث میں گزری۔ ہمیشہ باوضو درس دیتے۔ زاہدانہ زندگی گذارتے۔ خشک روٹی کے ٹکڑے پانی میں تر کرکے کھاتے تھے۔ لوگوں کے اصرار پر کبھی کبھی زیتون کے تیل سے کھاتے آپنے جب "شرح السنہ" نامی کتاب تصنیف فرمائی تو حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کو حالت استغراق یا خواب میں دیکھا کہ ارشاد فرما رہے ہیں کہ "تو نے میری احادیث کی شرح کرکے میری سنت کو زندہ کر دیا خدائے تعالیٰ تجھ کو بھی ایسی ہی حیات نصیب فرمائے" چنانچہ اسی دن سے لوگوں نے آپ کو محی السنہ کہنا شروع کر دیا۔

آپ نے ایک بے نظیر تفسیر "معالم التنزیل" لکھی "شرح السنہ" تالیف کی۔ اپنے شافعی مذہب کے موافق ایک مجموعۂ فتاویٰ "لکھا جو فتاویٰ بغویہ" کے نام سے مشہور ہے، ان کے علاوہ آپکے بہت سی تصنیفات ہیں۔ جنہیں سے ایک عظیم الشان حدیثی خدمت "مصابیح السنہ" ہے جسمیں (۴۸۴۴) احادیث ہیں صحاح ہیں۔ بخاری و مسلم سے (۴۳۴۲) اور حسان ہیں ابوداؤد و ترمذی وغیرہ سے دو ہزار پچاس (۲۰۵۰) احادیث ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ اسمیں کل احادیث — (۹۱۷۴) ہیں (۳۲۵) بخاری کی (۵۷۸) مسلم کی (۱۰۵۱) متفق علیہ اور باقی دیگر کتب حدیث کی ہیں واللہ اعلم۔ (معارف ظفر)

صاحبِ مشکوٰۃ

مؤلفِ مشکوٰۃ کا نامِ گرامی محمد یا محمود، کنیت ابو عبداللہ، والد کا نام عبداللہ اور لقب ولی الدین تھا۔ وہ خطیب تبریزی کے لقب سے زیادہ مشہور تھے۔ وہ تبریز کے رہنے والے انتہائی بہترین عالم، اپنے وقت کے محدثِ علّام اور فصاحت و بلاغت کے امام تھے۔ آپ کی حدیث میں امتیازی شان "مشکوٰۃ شریف" سے ظاہر ہے۔ جو مصابیح کی شرح تو نہیں البتہ مثل شرح ضرور ہے۔ مصابیح میں صرف احادیث مذکور تھیں۔ کسی راوی اور مخرج کا ذکر بالکل نہ تھا صحت و ضعف و حسن وغیرہ کا بھی بیان نہ تھا، صاحبِ مشکوٰۃ نے یہ تمام چیزیں بیان کیں۔ اور یہ بھی بتا دیا کہ کس کتاب میں اس حدیث کا سلسلۂ اسناد مذکور ہے۔ چنانچہ اس میں تیرہ ائمۂ حدیث کا خاص طور پر ذکر کیا ہے، صحاح ستہ کے مؤلفین، امام مالکؒ، امام شافعیؒ امام احمدؒ، امام دارمیؒ، دار قطنیؒ، بیہقیؒ، ابوالحسن رزین بن معاویہ عبدریؒ۔ یہ وہ حضرات ہیں جنکی مستقل تالیفاتِ حدیث موجود ہیں اور انہیں ہر حدیث کی مکمل سند مذکور ہے، صاحبِ مشکوٰۃ نے احادیث پر شروطِ شیخین اور صراحتِ ترمذی کے موافق تنقید کی ہے۔ کتابِ حمیدی اور ابن اثیر جوزیؒ کی جامع الاصول کی خاصکر پیروی کی ہے۔ انہوں نے صرف صاحبِ مصابیح کے لکھنے ہی پر اعتماد نہیں کیا بلکہ ان مذکورہ کتبِ اصول سے تمام روایات کا مقابلہ کرکے اس کتاب کا حوالہ ذکر کیا ہے جسمیں یہ حدیث مع سند مذکور ہے۔ اور جہاں جہاں صاحبِ مصابیح نے احادیث کو ضعیف، غریب یا منکر قرار دیا ہے۔ موصوف نے ان کا سبب بھی ظاہر کر دیا ہے۔

مصابیح کی فصلیں اور مشکوٰۃ میں اضافہ صاحبِ مصابیح نے ہر باب میں دو فصلیں ذکر کی تھیں فصلِ اول میں صحیحین (بخاری و مسلم) کی احادیث لائے اور انکو صحاح سے تعبیر کیا، دوسری فصل میں ابو داؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ کی احادیث درج کیں اور انکو حسان کا نام دیا۔ صاحبِ مشکوٰۃ نے اکثر و بیشتر ہر باب میں تیسری فصل کا اضافہ کیا جسمیں صحاح ستہ کے علاوہ دیگر کتبِ حدیث کی روایات، نیز مرفوع احادیث کے علاوہ صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال و افعال بھی باب کے مناسب ذکر کیئے ہیں۔

تعدادِ روایات شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے بستان المحدثین میں بیان کیا ہے کہ

مصابیح کی احادیث (۴۴۸۴) تھیں اُن پر صاحب مشکوٰۃ نے (۱۵۱۱) کا اضافہ کیا۔ تو مشکوٰۃ کی کل احادیث (۵۹۹۵) ہوئیں لیکن صاحب مظاہر حق نے مصابیح کی تعداد روایات (۴۴۳۴) بتلائی ہے جن پر (۱۵۱۱) کا اضافہ ہے لہٰذا مشکوٰۃ کی احادیث کی مجموعی تعداد (۵۹۴۵) ہے

؎ احادیث مشکوٰۃ کا سن شمار   جو پچپن ہوں زائد تو ہوں چھ ہزار

تاریخ الحدیث میں ہے کہ مشکوٰۃ میں ۲۹ کتابیں (۳۲۷) ابواب اور (۱۰۳۸) فصلیں ہیں۔ ماہ رمضان ۷۳۷ھ بروز جمعہ تالیف "مشکوٰۃ" سے فراغت ہوئی جیسا کہ "مشکوٰۃ" کے آخر میں مذکور ہے۔ پیدائش و وفات کی تاریخ کا صحیح علم نہ ہوسکا (حوالۂ بالا) لیکن حضرت استاذ محترم امیر العلماء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ صاحب مشکوٰۃ کی پیدائش ۶۸۰ھ میں ہوئی اور انکی وفات میں دو قول ہیں ایک ۷۴۰ھ کا دوسرا ۷۴۸ھ کا اول صحیح معلوم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

مؤلفِ مشکوٰۃ الآثار

نام و نسب مؤلفِ مشکوٰۃ الآثار کا اسم گرامی (حضرت العلامہ مولانا مفتی) سید محمد میاں بن سید منظور محمد بن سید محمد یوسف تھا۔ نسباً آپ خاندانِ سادات رضویہ کے ایک عظیم فرد تھے

ولادت و خاندان و وطن آپ کی ولادت ۱۳۲۱ھ م ۱۹۰۳ء میں مشہور مردم خیز قصبہ دیوبند میں ہوئی۔ آپکے مورثِ اعلیٰ وجدّ امجد سید محمد ابراہیمؒ گیارہویں صدی کے اوائل (م ۱۶۲۴ء) میں بعض اہل اللہ کی تحریک اور چند صاحبِ نظر بزرگوں کے اشارہ پر قصبۂ دیوبند میں بغرضِ تعلیم و تبلیغ تشریف لائے اور زندگی بھر دعوت و تبلیغ، اصلاح و ارشاد اور تعلیمِ علوم میں ہمہ تن مصروف رہے۔ وہ مسجد جسمیں سید ابراہیمؒ کا مدرسہ اور خانقاہ تھی آج بھی موجود ہے خود سید ابراہیم کا مزار بھی اس مسجد کے شمال میں واقع ہے۔ اسی خاندان کے آخری دور میں جو چند باکمال ہستیاں پیدا ہوئیں، ان میں سے حضرت حاجی سید عابد حسین رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۹۱۲ء) کا نام نامی سرِ فہرست ہے جو دار العلوم دیوبند کی تاسیس میں شریک اور اس کے سب سے پہلے مہتمم تھے، نیز جامع مسجد دیوبند کی تعمیر بھی انہی کی مساعیِ جمیلہ کا ثمرہ و نتیجہ ہے، ان کے بے شمار کمالات و اوصاف میں سے ایک خوبی پابندیِ جماعت تھی۔

اور نماز باجماعت کا زبردست اہتمام آپکی عادتِ ثانیہ بن چکی تھی۔ چنانچہ مسلسل اٹھائیس ۲۸ برس تک ان کی تکبیرِ اولیٰ فوت نہیں ہوئی۔ ۲۸ سال کے بعد ایک بار نمازِ فجر کی

تکبیر اولیٰ فوت ہوگئی تو بقیہ تمام عمر ان کو اس کا سخت قلق اور نہایت افسوس رہا۔ اس خاندان میں بہت سے اہم افراد پیدا ہوئے۔ حضرت مولانا محمد میاںؒ کا نسبی رشتہ بھی اسی خاندانِ سادات رضویہ سے وابستہ ہے۔ اس خاندان کے سلسلے خیرآباد، لکھنؤ، زید پور، امروہ وغیرہ میں جاری ہیں۔
سرسید مرحوم بانیٔ یونیورسٹی علیگڈھ بھی اسی خاندان میں سے تھے۔ ایک نام پر پہنچکر ساداتِ دیوبند و سرسید کا سلسلۂ نسب ایک ہوجاتا ہے۔

تعلیم وتربیت آپ نے ابتداء سے انتہاء تک منتخب علمائے روزگار وصلحائے نامدار، اساتذۂ دارالعلوم دیوبند ہی کی آغوشِ شفقت میں مکمل تعلیم وتربیت پاکر ۱۳۴۳ھ میں سندِ فراغت وفضیلت حاصل کی، یوں تو آپ کو اکثر اساطین وعلمائے راسخین دارالعلوم دیوبند سے شرفِ تلمذ واستفادہ میسّر آیا مگر آپ کو اپنے استاذِ حدیث علامۃ العصر شیخ الاسلام حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے علوم سے خاص نسبت اور گہرا ربط وتعلق تھا۔ اپنے بیشتر مضامین وتقریر ودرس میں آپ حضرتِ شاہ صاحب کی تحقیقاتِ عجیبہ وحقائقِ علمیہ بیان فرمایا کرتے تھے۔

درس وتدریس دریائے فیض دارالعلوم دیوبند سے سیراب ہوکر ایک عرصہ تک آپ مدرسہ عربیہ اسلامیہ شاہ آباد میں تشنگانِ علوم پر فیضان کے جام وپیمانے لٹاتے رہے پھر آپ نے عمر شریف کا ایک بڑا حصہ جامعہ قاسمیہ مدرسہ شاہی مرادآباد میں درس وتدریس کی خدمات پر صرف فرمایا۔ اور تقریر وتحریر سے بھی ملک وملت کی خدمت کرتے رہے۔ پھر ایک وقت آیا کہ تدریسی سلسلہ منقطع کرنا پڑا۔ اسلئے کہ جمعیۃ العلماء کو مرکزی دفتر کا نظم ونسق سنبھالنے کے سلسلہ میں آپ کی ضرورت پیش آگئی تھی۔ چنانچہ حضرتِ شیخ الاسلام ومجاہد ملتؒ نے آپ کو مستقل طور پر دہلی منتقل ہوجانے پر آمادہ کرلیا۔ آپ نے دہلی میں قیام فرماکر جمعیۃ العلماء کی نظامت سنبھالی۔
تقریبًا ۳۸ سال نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ آپ نے جمعیت کی نظامت کے فرائض انجام دیئے۔ سنہ ۱۹۶۲ء میں جب حضرتِ مجاہد ملت رحلت فرماگئے تو کچھ دنوں بعد ہی جمعیت کی نظامت سے مستعفی ہوکر درس وتدریس، تصنیف وتالیف وافتاء اور رکنِ شوریٰ ہونیکی حیثیت سے دارالعلوم دیوبند کی خدمت کے لئے خود کو ہمہ تن متوجہ اور وقف کردیا پھر سنہ ۸۲ھ سے مدرسہ امینیہ دہلی کے شیخ الحدیث وصدر مفتی کے عہدہ پر تادمِ واپسیں قائم رہے۔

ملکی وملی خدماتِ جلیلہ حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ نے سنہ ۱۹۳۰ء سے تحریک آزادی

میں جمعیت کے پلیٹ فارم سے حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی و مجاہدِ ملت حضرت مولینا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کے ساتھ زبردست حصہ لیا۔ اِسی سلسلہ میں مولانائے مرحوم نے پانچ مرتبہ گرفتار ہوکر قید و بند کی سخت مشکلات و صبر آزما مصیبتیں برداشت کیں ۱۹۴۲ء میں "ہندوستان چھوڑو" تحریک میں حضرت شیخ الاسلام و مجاہدِ ملت کے ساتھ مولانا کو بھی گرفتار کیا گیا اور بریلی کی جیل میں پورے دو سال تک رہے "ہندوستان چھوڑو" تحریک میں آپ نے وہ خطرناک کارنامے اور حیرت انگیز کام انجام دیئے کہ اگر وہ موقع پر گرفتار کیئے جاتے تو یقیناً ان کو پھانسی کی سزا ہو جاتی۔ مگر وہ جہاد فی سبیل اللہ کے جذبات سے سرشار ہوکر نہایت بے پروائی سے ایسے خطرات میں کود پڑتے تھے۔

آزادی کے بعد جب ہندوستان میں جگہ جگہ فتنۂ ارتداد رونما ہوا تو اس کو دبانے اور مسلمانوں کے ڈگمگاتے ہوئے قدموں کو جمانے کے لئے مجاہدِ ملت کے ساتھ ملکر مولانا نے ایک اہم کردار ادا کیا۔ اس موقع پر آپنے اپنی جان کو ہتھیلی پر رکھکر ملت کی خدمت کے سلسلہ میں سر دھڑ کی بازی لگادی۔ نحیف الجثہ و ناتواں ہونیکے باوجود مشرقی پنجاب، ہماچل پردیش، راجستھان، ہریانہ، سوراشٹر ضلع کھیڑا وغیرہ کے دشوار گذار اسفار کرکے وہاں کے باشندوں کو اسلام کے محاسن اور خوبیوں سے روشناس کرایا اسلام کی حقیقت و حقانیت اُن کو سمجھائی غرض یہ ہے کہ آپنے اِس فتنہ ارتداد و بے دینی کا ڈٹ کر مقابلہ کیا اور مسلمانوں کے پھسلتے ہوئے قدموں کو جمانیکی جان توڑ اور کامیاب کوشش کی (جزاہ اللہ خیر الجزاء)

سادگی و ذوقِ گمنامی

مولانائے مرحوم متبحر عالم دین، بلند پایہ محدث و مفتی، بلند حوصلہ مجاہد و زندہ دل، بذلہ سنج و خوش مزاج اور ملنسار ہونیکے باوجود صوفی منش، خلوت پسند، منکسر المزاج اور نہایت متواضع بزرگ تھے۔ اس ظاہری و باطنی گوناگوں کمالات کی حامل شخصیت کو خودنمائی و شہرت سے سخت نفرت اور گمنامی و یکسوئی سے بے حد رغبت تھی، چنانچہ آزادی کے بعد ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۷ء میں آپ کو لوک سبھا کے ٹکٹ پیش کیئے گئے تو اُن کو قبول کرنیسے انکار کردیا ۱۹۴۹ء میں جبکہ آپ اخبار الجمعیۃ کے نگراں تھے۔ کارکنانِ اخبار کو آپ نے تحریری حکم دیا کہ میرے نام کے ساتھ سید الملت نہ لکھا جائے۔ صرف مولانا حسین احمد مدنی کے نام کے ساتھ شیخ الاسلام اور مولانا حفظ الرحمٰن کے نام کے ساتھ مجاہد ملت لکھا جائے۔ الجمعیۃ کے آرڈر بک میں غالباً ابتک یہ آرڈر محفوظ ہوگا۔ اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَّاحْشُرْنِیْ فِیْ

ثُمَّ مَسَاةِ الْمَسَاكِيْن ۔ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا رہے جسمیں آپ نے زندگی و موت اور حشر کی تمنا مساکین کے ساتھ کی ہے ۔ مولانا کا اسپر تادم آخر عمل رہا ہے ۔ مرض الوفات میں جب آپ کو علاج کیلئے آروِن ہسپتال میں داخل کیا گیا تو آپ نے خصوصی سیٹ کے بجائے جنرل وارڈ میں رہنا پسند کیا ۔ آپ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھکو عام مسلمانوں کے قبرستان دگور غریباں، میں دفن کیا جائے ۔ چنانچہ آپ کی خواہش کے مطابق آپ کو دلی گیٹ کے گورِ غریباں میں دفن کیا گیا درحمۃ اللہ، مگر جسقدر آپ نے نام ونمود اور شہرت کو ناپسند فرماکر گمنامی اختیار فرمائی اللہ تعالیٰ نے مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰهِ رَفَعَهُ اللّٰهُ کے اصول کے مطابق آپ کو زبردست اور دیرپا شہرت ونیک نامی عطاء فرمائی ۔

سلسلۂ سلوک آپ کا اصلاحی تعلق قطب العالم شیخ الاسلام حضرت مولانا مدنی رح سے تھا مولانا نے تازیست اپنے شیخ ومرشد کی ہدایات اور منشار پر نہایت پامردی سے عمل کیا اور ان کے متعلقین ومنتسبین اور اولاد کا مثالی ادب و احترام فرمایا ۔ سحبان الہند مولانا احمد سعید صاحب رح آپ کے تقویٰ وطہارت اور احتیاط و پرہیزگاری سے متاثر ہوکر آپ کو جمعیۃ کے ,, بایزید بسطامی،، کہا کرتے تھے ، وہ اپنے لئے راحت وآرام کو زیادہ پسند نفرماتے ۔ جس گدّے پر بیٹھ کر کتب بینی وتصنیف و تالیف کرتے اکثر نیند کے غلبہ کیوقت اُسی پر تھوڑی بہت دیر سو جاتے ۔ پھر اُٹھکر اپنے کام میں مصروف ہوجاتے ، آپ کی زندگی مجاہدانہ بھی تھی اور طالب علمانہ بھی ۔ لیکن یہ علمی انہماک اور دیگر گوناگوں مصروفیات آپ کے معمولات و وظائف وتہجد وغیرہ میں مانع اور رکاوٹ نہ بنتیں آپ بڑے استقلال کے ساتھ سفر وحضر ہر حال میں اپنے تمام معمولات کے سختی سے پابند تھے ۔

عظیم ذمہ داریاں مجاہد ملت رح کی وفات کے بعد مولانا نظامت جمعیۃ کے بارگراں سے گو مستعفی وسبکدوش ہوگئے تھے مگر اسکے علاوہ آپ پر گوناگوں عظیم ذمہ داریاں تادم واپسیں رہیں ۔ (۱) دارالعلوم دیوبند کی رکنیتِ شوریٰ جس میں آپ نہایت اہتمام سے انعقادِ مجلسِ شوریٰ سے کم از کم ایک یوم قبل دارالعلوم تشریف لاتے اور جملہ اراکین کے بعد واپس ہوتے ، مجلس کی تجاویز اکثر وبیشتر آپ ہی مرتب فرماتے ، ممبرانِ شوریٰ بھی آپ کی رائے گرامی کا احترام اور آپ کے صائب مشوروں سے اتفاق کرتے تھے ۔ اپنے مادرِ علمی دارالعلوم سے آپ کو کمال درجہ کی دلچسپی اور والہانہ لگاؤ تھا ۔ آپ طلبۃ ومدرسین کا انتظامی امور میں دخل پسند نہ فرماتے تھے ۔

(۲) آپ مدرسہ شاہی مرادآباد کے صدر مہتمم بھی تھے۔ مدرسہ کے جملہ کلی وجزوی امور پر گہری نظر رکھتے تھے آخر حیات تک پابندی سے مجلس شوریٰ میں اور اسکے علاوہ حسب ضرورت مرادآباد تشریف لاتے رہے آپ حق بات کہنے میں کسی کی رورعایت نہ کرتے تھے حق وصداقت اور مدرسہ کی خیرخواہی آپ کی عادت تھی۔ اس راہ میں آپ کے نزدیک فلاں ابن فلاں بے معنی چیز تھی۔ ذاتیات پر ادارہ کی مصلحتوں اور مفاد کو قربان کردینے کی ذہنیت کے سخت خلاف تھے۔ وہ کہتے تھے یہ ذہنیت عدل وانصاف کا خون کرتی اور اداروں کو تباہی کی طرف لیجاتی ہے۔ مگر افسوس کہ دینی اداروں میں یہ وبائی بی کی طرح ذہنوں میں پیوست ہو چکی ہے۔

(۳) ۱۳۸۲ھ م ۱۹۶۲ء سے وفات تک آپ مدرسہ امینیہ کے شیخ الحدیث وصدر مفتی رہے علاوہ ازیں اور بہت سی ذمہ داریوں کو آپ نے باوجود ضعف و پیرانہ سالی تادم آخر نہایت خوش اسلوبی سے نباہا ہے۔

نونہالانِ اسلام کی تعلیم وتربیت

تدریس وتحدیث وافتاء اور تصنیف وتالیف کی عظیم مصروفیتوں اور گوناگوں ذمہ داریوں کے باوجود آپ کو نونہالانِ اسلام (بچوں اور بچیوں) کی تعلیم وتربیت اور مدارس ومکاتب کے نظام تعلیم کی اصلاح وتسہیل سے خاص شغف تھا۔ اسی لئے آپنے بچوں کیلئے دینی تعلیمی نصاب مقرر فرماکر اس کے لیئے از خود تقریباً ایک درجن دینی تعلیم کے رسالے اور چارٹ وغیرہ بڑی جانفشانی سے تیار فرمائے جو سہل ہونے کے ساتھ مفید ترین معلومات سے لبریز بھی ہیں۔ آپکے یہ رسائل تقریباً پورے ہندوستان میں مقبولیت کے ساتھ رائج اور اکثر مدارس میں داخلِ نصاب ہیں۔ آپ نے صرف نصابی کتابوں اور تعلیمی چارٹوں ہی پر بس نہیں کی بلکہ تعلیمی باقاعدگی کے لیئے آپنے ۱۹۵۶ء و ۱۹۵۷ء میں دہلی کے اندر اساتذہ کی ٹریننگ کا انتظام فرماکر ہندوستان بھر کے دینی مدارس کے ذمہ داروں کو دعوت دی کہ وہ اپنے فارغین میں سے کچھ نمائندے دہلی بھیجیں۔ اربابِ مدارس نے آپ کی یہ دعوت قبول کی اور اپنے فارغین کو ٹریننگ کیلئے دہلی بھیجا۔ مولانا نے ان کو بذاتِ خود بھی ٹریننگ دی اور جامعہ ملیہ و مدرسہ فتحپوری دہلی وغیرہ کے ماہرین تعلیم اساتذہ سے بھی اس سلسلہ میں تعاون حاصل کیا۔

تصانیف

حضرتِ مرحوم کی ذات میں قدرت نے بہت سے کمالات ودیعت فرمائے

تھے۔ آپ مجاہد، محدث، مفتی، مؤرخ، مفکر، صوفی، جیسے اوصاف سے متصف ہونیکے ساتھ ساتھ زبردست صاحب قلم اور کثیر التصانیف مصنف بھی تھے، آپکا رواں دواں قلم طبعی نشیب و فراز، صحت و علالت، فرصت و مشغولیت اور سفر و حضر کسی حال میں نہ رکتا تھا آپکو قلم سے عاشقانہ تعلق اور والہانہ شغف تھا، حد یہ ہے کہ دوران تدریس بھی آپ لکھتے رہتے، کاغذ قلم آپکے ساتھ رہتا۔ ذہن میں کوئی خاص بات آئی سبق روک کر فوراً اسکو لکھ لیا ان کے تلمیذ رشید اور میرے مشفق استاذ حضرت مولانا عبدالرحیم صاحب مدظلہ فرماتے ہیں کہ رکشہ، یکہ اور ریل گاڑی میں بھی ان کا قلم چلتا رہتا تھا، قلم ان کا تابع تھا۔ جب چاہتے وہ میدان تحریر میں بے جھجھک دوڑنے لگتا تھا۔ اسیوجہ سے حضرت شیخ الاسلام رحمہ اللہ آپکو "حیوانِ کاتب" فرمایا کرتے تھے، "علمائے ہند کا شاندار ماضی" تین جلدوں میں، "علمائے حق" دو جلدوں میں، "طریقہ تعلیم و مسئلہ تعلیم" "اربعین اسلام" "سیرۃ مبارکہ" "تحریک شیخ الہند" "اسیرانِ مالٹا" وغیرہ تاریخ و سیرت کے موضوعات پر آپ کی قابل قدر کتابیں علمی شاہکار اور زندۂ جاوید یادگار تصنیفات ہیں۔ نیز نور الاصباح شرح اردو نور الایضاح "شواہد تقدس" اور بہت سے اخبار و رسائل میں بالخصوص الجمعیۃ میں آپکے بہت سے کارآمد، اہم اور مفید مضامین اور فتاویٰ شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپکے غیر مطبوع فتاویٰ کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ اسطرح آپنے علمی، مذہبی سیاسی اور تاریخی عظیم سرمایہ فرزندانِ توحید کے لیے بطور میراث چھوڑا جو قیامت تک "لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ" کا مصداق ہوگا انشاء اللہ۔ آپ کی تالیف مشکوٰۃ الآثار کا تفصیلی تذکرہ مقدمہ کے ترجمہ میں آرہا ہے۔ محبانِ وطن و مجاہدین آزادی کے تاریخی سلسلہ کی پہلی کتاب "تحریک شیخ الہند" کو صدرِ جمہوریہ ڈاکٹر ذاکر حسین نے ۵ر جولائی ۱۹۷۵ء کو راشٹرپتی بھون میں ریلیز کیا۔ اسکے بعد اس سلسلہ کی دوسری کتاب "اسیرانِ مالٹا" چھپی تیسری کتاب کا مسودہ آپ تیار کر رہے تھے دورانِ علالت بھی اسی کتاب کی ترتیب و تکمیل میں مشغول رہے کہ "يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ" کا پیغام آپہنچا اور آپنے اس جہانِ ناپائیدار کو ہمیشہ کے لیے خیرباد کہہ دیا۔

وفات حسرت آیات یہ عظیم محدث و مؤرخ، مجاہد و متقی اور مصنف و مؤلف جو نحیف الجثہ و پیرانہ سالی کے باوصف میدانِ علم و عمل میں صبر و استقلال کا پہاڑ بن کر مسلسل مجاہدہ کر رہا تھا۔ قمری حساب سے (۷۴) اور شمسی حساب سے (۷۲) سال کی عمر میں چند روز شدید علالت کے بعد ۱۶ر شوال ۱۳۹۵ھ م ۲۲ر اکتوبر ۱۹۷۵ء کی شام کو تقریباً ساڑھے چھ بجے آغوشِ رحمتِ حق میں جاکر میٹھی نیند سوگیا۔ إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ۝

پسماندگان پسماندگان میں چار صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں ہیں لیکن رہتی دنیا تک آپ کا نام روشن رکھنے کے لیے گرانقدر تصنیفات آپ کی بہترین یادگار ہیں۔

فقط

نسیم احمد غازی مظاہری

مقیم سرائے پختہ مراد آباد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ترجمہ مقدمہ مؤلف

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی خُصُوْصًا عَلٰی سَیِّدِنَا وَسَیِّدِ الثَّقَلَیْنِ مُحَمَّدِنِ الْمُجْتَبٰی وَاَحْمَدَ الْمُصْطَفٰی وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَھْلِہِ الطَّیِّبِیْنَ الطَّاھِرِیْنَ وَاَصْحَابِہِ الْمُکَرَّمِیْنَ وَاَتْبَاعِھِمُ الْمُصْطَفَیْنَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی روشن کتاب میں ارشاد فرمایا اور وہ سب کہنے والوں سے زیادہ سچا ہے "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ ۝" (بیشک ہم نے قرآن نازل کیا اور ہم ہی اسکی حفاظت کریں گے) بندۂ ناتواں محمد میاں کہتا ہے کہ اسکی عجیب وغریب مثالوں میں سے جس حفاظت کا وعدہ حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا وہ (طریقہ کار) ہے جس کا ہندوستان کو شرف حاصل ہوا۔

بہ تقدیر الٰہی وہ مغلیہ سلطنت جو ہندوستان میں مسلمانوں کا سہارا اور ان کی قوت وشوکت کی ذمہ دار تھی۔ جس سے مسلمانوں کے تعلیمی ادارے سیراب اور ان کے علمی باغات شاداب رہتے تھے وہ سنہ ۱۲۷۴ھ م ۱۸۵۷ء میں پورے ہندوستان کے شہروں پر انگریز کے تسلط سے بالکل ختم ہوگئی۔ تو مسلمان انتہائی پریشانی اور زبردست رنج وغم میں اسطرح رہ گئے کہ گویا وہ ایسے یتیم ہیں جن کا کوئی حامی سرپرست، مددگار اور نگراں ہی نہیں، اس انقلابی غمناک حالت کا طبعی تقاضا یہ تھا کہ آتشہائے علوم اسلامیہ سرد ہوجائیں اور انکے علمی چراغدانوں کے چراغ بجھ کر رہجائیں۔ اور ہندوستان میں ملتِ بیضاء کا سورج گرہن اور اسکے تابناک ستارے بے نور ہوجائیں۔ اور جہالت وگمراہی کی تاریکیاں اسکے ظاہر وباطن پر چھاجائیں اور تقریبًا یہ سب کچھ منصۂ شہود پر آہی چکا تھا۔ کہ اچانک اس عظمت والے خدا کے فضل وکرم اور اسکی رحمت نے اللہ کے نیک بندوں کیطرف متوجہ ہوکر ایسے جدید طرز اور عجیب طریقے سے دین کی حفاظت کا ایک عزم مصمم انکے دلوں میں ڈالدیا۔ کہ پہلے زمانہ میں اسکی مثال نہیں ملتی، انکے قلوب واذہان میں ایسے علمی مدارس کی بنیاد ڈالنے کا داعیہ پیدا فرمایا جن میں بلند اخلاق پر تربیت کے ساتھ دینی علوم پڑھائے جائیں (اور وہ حضرات یہ سب کچھ) خدائے تعالیٰ پر بھروسہ رکھتے ہوئے حکومتِ متسلطہ کی اعانت سے بالکل بے نیاز ہوکر (اور) قناعت وصبر کے دامنوں کو مضبوط تھام کر اپنی مالی ضروریات میں خدا پرست اہلِ ایمان کے عطایا اور انکے مخلصانہ ہدایا کے سہارے پر کریں۔

اور سب سے پہلے جن لوگوں نے اس قلبی القاء پر لبیک کہا اور اس عظیم مقصد وغرض صحیح کے لیے کھڑے ہوئے وہ نواحِ سہارنپور کی اس بستی کے نیک لوگ تھے جو بستی "دیوبند" کے نام سے مشہور ہے۔ (اور) دارالسلطنت دہلی سے تقریبًا ڈیڑھ سو ۱۵۰ کلومیٹر کے فاصلہ پر (جانبِ شمال) واقع ہے۔ اور ان صلحائے دیوبند نے اس مقصد میں عالمِ یکتا، صاحبِ ذہن وذکاء، زاہد ومردِ باخدا، امامِ اتقیاء پیشوائے علماء مولانا شیخ "محمد قاسم" نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنا رئیس وقائد بنایا تو ہم نے روئے زمین پر ایک پرانی مسجد کے ایک گوشہ میں انار کے پیڑ کے نیچے ایک استاذ کو دیکھا جن کا نامِ نامی "محمود" تھا کہ وہ ایک ایسے شاگرد کو پڑھا رہے تھے

جو اُن (استاذ) کا ہم نام "محمود" ہی تھا یہ اُس علمی کِشت زار (کھیت) کا پہلا پودا تھا جسکو دیوبند کے نیک لوگوں نے ہجرتِ نبویہ (صاحبِ نبوت پر ہزار ہا سلام) کے ۱۲۸۳ھ بارہ سو اٹھاسی میں بویا تھا۔
اور اس کے نشو و نما کو ابھی چند ہی سال گذرے تھے کہ وہ ایک سرسبز گلستان اور مخمجان باغ ہوگیا وہ علمی اور رُوحانی ایسی ہر دو راہوں سے جنکے گلو عمدہ اخلاق سے مزین اور وہ سید المرسلین (صلوات اللہ علیہ وسلامہٗ) کی ہدایت والی سنتوں سے آراستہ تھیں، آخری منزل تک پہونچ گیا اور آج یہ مدرسہ "دار العلوم دیوبند" کے نام سے مشہور و معروف ہے۔ اس درسگاہ (دار العلوم دیوبند) کے فیض یافتہ حضرات عمدہ خصائل اور اچھی صفات میں نمایاں نظر آتے ہیں اور (بحمد اللہ) ان کی تعداد بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔
اور ان کے بلا واسطہ و بالواسطہ شاگردوں کا حلقہ (یوماً فیوماً) وسیع ہوتا چلا جارہا ہے۔
حتیٰ کہ پورے ہندوستان میں پھیل کر بیرونِ ہند (دوسرے ممالک میں) بھی پہونچ چکا ہے (اور یہ سلسلہ اتنا وسیع ہوگیا) کہ روئے زمین کا کوئی گوشہ بھی (دار العلوم دیوبند کے فیض سے خالی) باقی نہ رہا یہانتک کہ حرمین شریفین مکہ معظمہ و مدینہ منورہ کی سرزمین میں اس سرچشمہ علم (دار العلوم دیوبند) کے فیض یافتہ حضرات کی خاصی تعداد موجود ہے۔ (یہ سب فضلائے دار العلوم) اپنے ان مدارس کے اندر درس و تدریس میں مشغول ہیں جنکو انہوں نے خود قائم کیا ہے۔ یا وہ تصنیف و تالیف اور دعوت و تبلیغ میں اپنے قائم کردہ مرکزوں میں مصروفِ عمل ہیں یہی لوگ دورِ حاضر میں علومِ دینیہ کے حامل (و امین) ہدایت کے طریقوں اور آدابِ ایمان و یقین کے (سچے) محافظ (اور) سید المرسلین (صلے اللہ علیہ وسلم) کی اس بشارت کے مصداق ہیں کہ "میری اُمت کا ایک گروہ ہمیشہ غالب رہیگا یہانتک کہ ان کے پاس اللہ کا حکم (موت) آجائے درانحالیکہ وہ غالب ہی ہوں گے" (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۰۸۶) وہ لوگ اللہ کا شکر اور اس کی حمد بیان کرتے رہتے ہیں کیونکہ اس نے اُن کو یہ فضیلت و بزرگی عطا فرمائی کہ اُن کو اس وعدہ کے پورا کرنیکا مظہر اور ذریعہ بنایا جو اُس نے اپنے کلامِ محکم "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحَافِظُوْنَ" میں فرمایا ہے۔
پھر اسی دار العلوم کی (جسپر ایک صدی سے زائد مدت گذر چکی ہے (اور) موجودہ دور میں اس کا اہتمام فاضلِ جلیل خطیب بلیغ مولانا محمد طیبؒ فرماتے ہیں (جو اپنے فضائل و اخلاق میں اپنے اسم گرامی کے مثل طیب (اور پاکیزہ (نیز) بانیِ دار العلوم مولانا محمد قاسمؒ کے پوتے ہیں) ایک مجلسِ شوریٰ ہے جسکے منتخب ممبران ایسے پختہ کار علماء ہیں جن پر عوام و خواص اہل اسلام کو پورا پورا اعتماد ہے وہ ارکینِ شوریٰ علوم میں صاحبِ بصیرت اور تربیت و تعلیم کے طریقوں میں تجربہ کار ہیں وہ جدید افکار اور عصری تقاضوں سے اسی طرح باخبر ہیں جس طرح قدیم علوم میں ان کو مہارتِ تامّہ حاصل ہے۔
ہمیشہ دار العلوم کا نصابِ تعلیم ان کے پیشِ نظر اور مرکزِ بصیرت رہا ہے اور وہ لوگ حالات کے تقاضوں اور تعلیم و تدریس کی مصلحتوں پر تعلیم و تربیت کی رفعتِ شان (اور ترقی) کے لئے اس میں کمی بیشی کرتے رہتے ہیں۔
اُن کے فکرِ رسا و سعی کامل نے ۱۳۹۱ھ میں یہ فیصلہ فرمایا کہ نصابِ تعلیم میں بعض فنونِ جدیدہ داخل

کیئے جائیں۔ اور علومِ قدیمہ معینہ میں بعض ایسے علوم کا اضافہ کیا جائے جن کا حاصل کرنا آسان اور ان کا نفع مکمل ہو۔ چنانچہ اس مقصد کیلئے انہوں نے تالیفاتِ مطبوعہ میں غور و فکر کیا اور ان میں سے جو کتب ان کے مقصد کے موافق تھیں لے لیں۔ اور طبع شدہ تالیفات میں جو انکی مراد کے موافق نہ مل سکیں انہوں نے طے کر دیا کہ ان کی غرض کے مناسب کتابیں تالیف کی جائیں۔

اور یقیناً رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی احادیث اگرچہ اس دینی نصاب کے اہم مقاصد میں سے ہے لیکن (اس علمِ شریف) کے دامن تک رسائی اسکی آخری منزلوں ہی میں ہو پاتی ہے۔ اور کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" سب سے پہلی کتاب ہے۔ جو فراغت سے صرف ایک سال قبل پڑھائی جاتی ہے۔ اور بلاشبہ کلام اللہ اور احادیثِ رسول (صلے اللہ علیہ وسلم) بلند ترین مقصود اور ایسی عظیم الشان آرزو ہے جس کا تعلق اسی دینی نصاب سے ہے۔

لہٰذا اربابِ شوریٰ نے یہ بات طے فرما دی (اور واقعی ان کا یہ فیصلہ قابلِ تحسین و آفریں ہے) کہ درجۂ وسطیٰ سے ایسی احادیث کا سلسلۂ اسباق شروع کیا جائے جن کا تعلق عمدہ اخلاق نیکی و گناہ اور ہدایت کی راہوں (حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی سنتوں) سے ہو تاکہ طالبِ علم کو ان امور کی بصیرت بھی حاصل ہو اور اگر اسکو توفیق (خیر) کا کوئی حصہ ملا ہے تو وہ اللہ کی توفیق سے ان (فضائل و اخلاق) کے ساتھ مزین بھی ہو جائے —— اور میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ بہت بڑی سعادت ہے کہ اس عظیم الشان کام کو انہوں نے اس بندۂ گمنام و ناتواں کے حوالہ فرما دیا جبکہ کتبِ مروجہ مطبوعہ میں انہوں نے اپنی مراد کے مطابق اور اپنے نصب العین کے موافق کوئی کتاب نہ پائی۔ لہٰذا یہ مختصر سا مجموعہ ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پانچسو سے زائد حدیثوں اور اللہ عزوجل کی کتاب کی (بہت سی) آیتوں پر مشتمل ہے (اور یہ مجموعہ) اربابِ شوریٰ کے حکم کی اطاعت اور ان کے خیالِ نیک اور مبارک غرض کی تصویر ہے

اور چونکہ میں نے اکثر احادیث بلکہ معدودے چند کے سوا سب احادیث کتاب "مشکوٰۃ المصابیح" سے منتخب کی ہیں۔ اسلئے میں نے اس کے عمدہ اور خوبتر نام ہی سے برکت حاصل کرنا مناسب سمجھا۔ چنانچہ میں نے اس مجموعہ کا نام "**مشکوٰۃ الآثار**" اور "**مصباح الابرار**" رکھ دیا۔ اور ان احادیث کا انتخاب اگرچہ میں نے "مشکوٰۃ المصابیح" سے کیا ہے لیکن اسپر اکتفار نہیں کیا کہ صرف مشکوٰۃ کا حوالہ دیدوں اور اسی طرح اس کے اصل ماخذ کو بیان کر دینے ہی پر بس نہیں کی بلکہ جو صحاح کی احادیث تھیں میں نے حاشیہ میں اس کا وہ باب بھی درج کر دیا ہے جسمیں وہ حدیث آئی ہے۔ اور اکثر صفحات کے نمبرات بھی لکھدیئے ہیں تو میں نے اسی پر بس نہیں کی کہ مثلاً "رواہ البخاری" کہدوں بلکہ میں نے وہ باب معہ صفحہ نمبر ذکر کیا ہے جسمیں یہ حدیث موجود ہے۔ اور جس مطبع میں یہ کتاب طبع ہوئی ہے اس کا تذکرہ نہیں کیا کیونکہ صحیحین (بخاری و مسلم) اگرچہ مختلف مطابع (چھاپہ خانوں) میں طبع ہو چکی ہیں لیکن ان کے صفحات کے نمبرات بالکل یکساں اور ایک دوسرے کے موافق ہیں۔

اور باقی کتبِ صحاح کے صفحات کے نمبرات مختلف ہیں تو بہتر معلوم ہوتا ہے کہ میں ان مطابع کا ذکر کر دوں۔ چنانچہ سنن کی سب کتب یعنی سننِ ترمذی اور سننِ ابی داؤد اور ایسے ہی

سنن نسائی میرے پاس مطبع مجتبائی کی طبع شدہ ہیں۔ مگر سنن ابن ماجہ کے مطبع نظامی دہلی کے مطبوعہ نسخہ سے میں نے (احادیث) کو لیا ہے۔
اس تمہید و مقدمہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کوشش کو قبول فرمائے اور اس کو علماء و طلبۂ حدیث کے نزدیک ایسی ہی قبولیت عطاء فرمائے جیسا کہ اس کے اصل ماخذ (مشکوٰۃ شریف) کو عطا فرمائی۔ اور مفید عام ہونے اور بکثرت پڑھنے پڑھانے میں اس فرع کو اصل کی مانند بنا دے اور یہ اللہ پر کچھ دشوار نہیں۔

امید وارِ رحمتِ رحمٰن ، محتاجِ دعائے اکابر و اخوان
محمّد میاں بن سید منظور محمد بن سید محمد یوسف
دیوبندی باعتبارِ پیدائش و وطن و مسلک (اور)
دہلوی باعتبارِ اقامت۔

مترجم

نسیم احمد غازی مظاہری بجنوری مقیم محلہ سرائے پختہ
مراد آباد (یوپی)
۲۹ رجب ۹۷ھ م ۱۸ مئی ۷۷ء

چہار شنبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں جو بیحد رحم والا، بڑا مہربان ہے۔

لغات: ب حرف جر ہے بہت سے معنیٰ میں استعمال ہوتا ہے یہاں استعانت یا مُصَاحَبَت یا اِلصَاق کیلئے ہے۔ اسم بمعنیٰ نام، وہ لفظ جو کسی جوہر یا عرض کی تعیین وتمیز کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ اس کا ہمزہ ہمزۂ وصلی ہے یہ اُن گیارہ اسموں میں سے ایک ہے جن کا پہلا حرف ساکن ہوتا ہے اور ابتدا بالساکن سے بچنے کے لئے ان کے شروع میں ہمزۂ وصلی لایا جاتا ہے۔ وہ اسماء یہ ہیں۔ اِبْن۔ اِبْنَة، اِبْنَم، اِسْم، اِسْت، اِثْنَان، اِثْنَتَان، اِمْرَءٌ، اِمْرَأَة، اَیْمُنُ اللہ، اَیْمُ اللہ۔ نیز لفظ اسم اسمائے محذوفۃ الاعجاز (جنکا آخری حرف حذف کر دیا گیا ہو) میں سے ہے جیسے یَدٌ۔ دَمٌ اور وہ ان گیارہ اسمائے مذکورہ میں سے اخیر چار کے علاوہ ہیں۔

اسم کی جمع اَسْمَاء، اَسَامِ، اَسَامِیْ، اَسْمَاوَات آتی ہے۔ بسم اللہ شریف میں کثرت استعمال کیوجہ سے اسکے ہمزہ کو لکھنے میں بھی حذف کر دیتے ہیں اور اسکے بدلے میں بسم اللہ کی بار کو ذرا طویل کرکے لکھا جاتا ہے، دوسرے مواقع پر اس ہمزہ کو لکھتے ہیں۔ درج کلام میں بہر صورت پڑھا نہیں جائیگا۔

اسکی اصل بصریین کے نزدیک سُمُوٌّ عُلُوٌّ کے مثل ہے۔ جسکے معنیٰ اٹھنا، بلند ہونا آتے ہیں کیونکہ اسم سے مسمّٰی بلند یعنی اپنے ماسوا سے ممتاز اور جدا ہو جاتا ہے اسلئے اسم کو اسم کہتے ہیں (سَمَا یَسْمُو سُمُوًّا (ن) بلند ہونا اٹھنا، نام رکھنا۔ کوفیین کہتے ہیں اسم سِمَةٌ سے ماخوذ ہے وَسَمَ یَسِمُ وَسْمًا سِمَةً (ض) نشان لگانا، علامت لگانا اسم کی اصل وَسْمٌ تھی۔ واؤ کو حذف کرکے اسکی جگہ پر ہمزۂ وصلی لایا گیا۔

کیونکہ اسم اپنے مسمّٰی پر علامت ہوتا ہے اسوجہ سے اسم کو اسم کہتے ہیں۔ لیکن بصریین کا قول صحیح ہے کیونکہ اگر وَسْمٌ اسکی اصل ہوتی تو اسم کی جمع اَوْسَام آتی حالانکہ ایسا نہیں اور تصغیر وُسَیْمٌ آتی حالانکہ سُمَیٌّ آتی ہے۔ نیز کوفیین کے نزدیک اسم کا ہمزہ وصلی نہیں بلکہ عوض کا ہے۔ درج کلام میں حذف نہیں ہونا چاہیئے۔ حالانکہ وہ حذف ہوتا ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اسم کا ہمزہ مکسور اور مضموم دونوں طرح صحیح ہے اسمیں اور لغات بھی ہیں بعض نے اسکی لغات اٹھارہ ۱۸ تک تبلائی ہیں۔ چنانچہ ان دو ۲ شعروں سے ظاہر ہے ؎

لِلْاِسْمِ عَشْرُ لُغَاتٍ مَعَ ثَمَانِيَةٍ   بِنَقْلِ جَدِّيْ شَيْخِ النَّاسِ اَكْمَلَهَا
سُمٌ سِمَاتٌ، سِمًا وَاِسْمٌ، زِدْ سِمَةً   كَذَا اَسْمَاءٌ بِتَثْلِيْثٍ لِاَوَّلِهَا

اَللّٰہ یہ اس ذاتِ واجب الوجود وحدہٗ لاشریک لہٗ کا خاص نام ہے جو تمام صفاتِ کمالیہ کو جامع اور جملہ نقائص وعیوب سے مبرّا اور پاک ہے اسی لئے اس مبارک نام کو اسم ذات اور اسم اعظم بھی کہتے ہیں، اور ذاتِ باری کا مخصوص عَلَم ہونیکی وجہ سے یہ تمام اسمائے حسنیٰ وصفاتِ علیا کا موصوف بنتا ہے۔ اللہ کے سوا اور کسی معبودِ باطل یا غیر معبود کا یہ نام نہیں رکھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ کلام عرب سے اسکا اشتقاق اور باب آج تک صحیح طور پر معلوم نہ ہو سکا

حتیٰ کہ بعض نے یہ بھی کہدیا ہے کہ یہ لفظ عربی نہیں بلکہ عبرانی یا سُریانی زبان کا لفظ ہے۔ (ولٰکِنْ هٰذَا الْقَوْلُ سَاقِطٌ عَنْ دَرَجَةِ الْاِعْتِبَارِ لَا يُسَاعِدُهٗ عَقْلٌ وَلَا نَقْلٌ وَخِلَافُ مَا عَلَيْهِ جُمْهُوْرُ الْاُمَّةِ) لیکن صحیح یہی ہے کہ یہ عربی لفظ ہے بلکہ علمائے اسلام کا اسپر تقریبًا اتفاق ہے۔

پھر اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ لفظِ اللہ اسمِ جامد ہے یا مشتق۔ اکثر علماء اس کو اسمِ جامد ہی مانتے اور اسکے الف لام کو لازم اور اصل کلمہ میں داخل قرار دیتے ہیں۔ اسی وجہ سے اسپر بلا واسطہ حرفِ ندا داخل کرکے یَا اَللّٰہ کہہ سکتے ہیں جبکہ نحوی قاعدہ کی رو سے کسی اور معرف باللام پر حرفِ ندا کا داخل کرنا جائز نہیں مثلاً یا الرحمٰن نہیں کہہ سکتے۔ امام رازیؒ کا مختار مذہب، خلیلؒ و سیبویہ اور اکثر فقہاء و اصولیین کا قول بھی یہی ہے پھر جن لوگوں نے اس کو مشتق مانا ہے۔ اِشتقاق کے بارے میں اُن کے بہت سے اقوال ہیں جن میں سے چند حسبِ ذیل ہیں۔ (۱) اَلَهَ يَاْلَهُ اُلُوْهَةً وَاِلَاهَةً وَاُلُوْهِيَةً (ف) پرستش کرنا۔ عبادت اور بندگی کرنا۔ اِلٰہٌ مَاْلُوْهٌ کے معنیٰ میں ہے جسکے معنی معبود کے ہیں۔ (۲) اَلِهَ يَاْلَهُ اَلَهًا تَاَلُّهًا (س) عبادت کرنا، فرمانبرداری کرنا، قربانی کرنا، تضرع و زاری اور جزع فزع کرنا، گھبرانا، حیران ہونا، سکون حاصل کرنا، پناہ پکڑنا۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے کہ اسی کی عبادت و فرمانبرداری کیجاتی ہے۔ اور اسی کے لیے قربانی نیز آخرکار بندے اسی کے سامنے روتے اور گھبراکر اسی کی بارگاہ میں متوجہ ہوتے ہیں۔ نیز مخلوق اسکی ذات و صفات کے بارے میں حیران ہے، قلوب کو اسی کے ذکر سے اور روحوں کو اسی کی معرفت سے سکون ملتا ہے۔ اور سب اسی کی پناہ پکڑتے ہیں۔ اس صورت میں بھی اِلٰہ بمعنیٰ مَاْلُوْہٌ ہے۔

(۳) لَاهَ يَلُوْهُ لَوْهًا وَلَوْهَانًا (ن) چمکنا اور چھپنا (من الاضداد) اصل اِس صورت میں لَاہٌ ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نگاہوں سے پوشیدہ اور اسکی صفات کے جلوے نگاہوں کے سامنے ہیں۔ اس لئے اسکو اللہ کہتے ہیں۔ (۴) لَاهَ يَلِيْهُ لَيْهًا (ض) چھپنا، بلند ہونا۔ وجہ تسمیہ ظاہر ہے۔

(۵) وَلِهَ يَلِهُ وَلَهًا (ضح) بہت زیادہ غمگین ہونا۔ متحیر ہونا، عقل زائل ہونا چونکہ عشاق اسکے عشق میں غمگین و وارفتہ ہیں۔ اور اسکی ذات و صفات کی کنہ میں حیران۔ اسوجہ سے اسکو اللہ کہتے ہیں۔ اس صورت میں لفظِ اللہ کی اصل وِلاہٌ ہوگی۔ واؤ کو ہمزہ سے بدل دیا گیا جیسے وِشَاحٌ سے اِشَاحٌ، وِسَادَةٌ سے اِسَادَةٌ وغیرہ

بہرحال اِس کی اصل لَاہٌ تھی تو الف لام شروع میں لاکر ادغام کیا گیا، یہ قول سیبویہ کا پسندیدہ ہے۔ سیبویہ نے خلیل کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اسکی اصل اِلٰہٌ تھی۔ ہمزہ حذف کرکے اسکے عوض الف لام شروع میں لے آئے اور ادغام کردیا گیا جیسا کہ اُنَاسٌ سے اَلنَّاسُ ہوا۔

ع۔ بنی اسرائیل کی اصل زبان عبرانی تھی اور سُریانی آدم علیہ السلام کی زبان تھی۔ جب جنت سے دنیا میں تشریف لائے تو عربی زبان بولتے تھے پھر بدل کر ان کی زبان سُریانی ہوگئی تھی۔ سُریانی سُریانہ کیطرف منسوب ہے۔ سُریانہ ایک جزیرہ کا نام ہے جہاں حضرت نوحؑ اور انکی قوم طوفان سے پہلے آباد تھی، ابن انباری کہتے ہیں کہ اسوقت سب کی زبان سُریانی ہی تھی صرف ایک شخص کی جس کا نام جرہم تھا عربی زبان تھی، سُریانی زبان عربی سے ملتی جلتی ہے وہ لوگ اخیر میں الف کا اضافہ کردیتے تھے جیسے لَاهَا، رَحْمَانَا وغیرہ ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری۔

کسائی اور فراء کہتے ہیں کہ اصل اَلْاِلٰہ تھی۔ ثانی ہمزہ کو حذف کرکے الف لام کو اس کا عوض قرار دیا گیا پھر لام کا لام میں اِدغام کیا گیا جیسا لٰکِنَّا هُوَ اللّٰهُ رَبِّی میں لٰکِنَّا لٰکِنْ اَنَا تھا اَنَا کا ہمزہ حذف کرکے نون کا نون میں اِدغام ہوا۔ (وَفِي اسْمِ اللّٰهِ الْاَعْظَمِ مَبَاحِثُ طَوِيْلَةٌ وَاَسْرَارٌ كَثِيْرَةٌ لَا يَسَعُهَا هٰذَا الْمُخْتَصَرُ فَسُبْحَانَ مَنِ احْتَجَبَ بِنُوْرِ الْعَظَمَةِ حَتّٰى تَحَيَّرَتِ الْاَفْهَامُ فِي اللَّفْظِ الدَّالِّ عَلَيْهِ وَتَقَاصَرَتِ الْاَلْسِنَةُ عَنْ بَيَانِ حَقَائِقِهِ وَالْاَقْلَامُ وَمَنْ اَرَادَ التَّفَاصِيْلَ فَلْيُطَالِعْ رِسَالَتَنَا "اَسْرَارُ بِسْمِ اللّٰهِ")

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ـ رَحِمَ يَرْحَمُ رُحْمًا رَحْمَةً وَمَرْحَمَةً وَرُحْمًا وَرُحْمَانًا (س) نرم دل ہونا، مہربان ہونا، شفقت کرنا، بخش دینا، اسی سے رحمان و رحیم اللہ کے صفاتی نام ہیں۔ اور مشہور یہ ہے کہ یہ دونوں اِسم صفت مشبہ کے صیغے ہیں جو مبالغہ اور زیادۃِ معنی کا فائدہ دینے کے لئے ان کے فعل متعدی کو لازم مان کر بنائے گئے ہیں۔ اسلئے کہ صفت مشبہ کی بنا فعل متعدی سے نہیں ہوتی۔ دراصل رحمت کے معنی رقت قلب کے ہیں جو ایک اِنفعالی کیفیت اور مخلوق کی صفت ہے، باری تعالیٰ پر اس معنی میں اس کا اطلاق محال ہے۔ بلکہ غایت ونتیجہ کے اعتبار سے بمعنی "انعام واحسان" باری تعالیٰ پر اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے رحمٰن و رحیم کے معنی بہت بڑے منعم و محسن کے ہوئے، اسی طرح ہر اس صفت میں جس کے لغوی معنی کا حمل ذات باری پر محال ہو اس کی غایت ہی مراد ہوتی ہے۔ مبرد و احمد بن یحییٰ کہتے ہیں کہ رحیم تو عربی لفظ ہے لیکن رحمٰن عبرانی زبان کا لفظ ہے، جمہور علماء نے دلائل کے ساتھ اُن کے اِس قول کی تردید کی ہے۔

علامہ قرطبیؒ و ابو عبیدہؒ کہتے ہیں کہ رحمان و رحیم دونوں ندمان و ندیم کی طرح ہم معنی ہیں، دوسرے حضرات نے فرمایا کہ رحمٰن میں رحیم کی بہ نسبت زیادہ مبالغہ ہے۔ کیونکہ رحمٰن میں ایک حرف زیادہ ہے اور قاعدہ ہے "زِيَادَةُ الْمَبَانِي تَدُلُّ عَلٰى زِيَادَةِ الْمَعَانِي"، حضرت عبداللہ ابن عباسؓ سے بھی یہ ہی منقول ہے کہ رحمٰن، رحیم سے ابلغ ہے۔ یہ فرق کمیت کے اعتبار سے بھی ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمٰن، دنیا کے اعتبار سے ہے اور اسکی رحمت مؤمنین و کافرین سب پر عام ہے اور رحیم آخرت کے اعتبار سے ہے۔ کہ اُسکی رحمت وہاں مؤمنوں کے ساتھ خاص ہوگی۔ یا کیفیت کے اعتبار سے ہے اس طرح پر کہ وہ رحمٰن ہے دنیا و آخرت دونوں جہان میں اور رحیم صرف ایک جہان (صرف دنیا یا صرف آخرت) کے اعتبار سے ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ رحمٰن اُسے کہتے ہیں کہ اُس سے جو مانگا جائے عطا فرماتے اور رحیم وہ ہے کہ اُس سے نہ مانگا جائے تو خفا ہو جائے ؎

اَللّٰهُ يَغْضَبُ اِنْ تَرَكْتَ سُؤَالَهٗ ٭ وَبَنِيْ اٰدَمَ حِيْنَ يُسْئَلُ يَغْضَبُ۔

رحمٰن اللہ کا مخصوص صفتی نام ہے۔ غیر اللہ پر اس کا اطلاق جائز نہیں۔ اور رحیم کا اطلاق مخلوق پر بھی جائز ہے چنانچہ آیت وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ میں رحیم حضور صلے اللہ علیہ وسلم کو فرمایا

عہ اللہ سے نہ مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے اور انسان سے مانگا جائے تو وہ ناراض ہوتا ہے ۱۲ ف

گیا۔ واللہ اعلم۔

ترکیب | باحرف جر استعانت یا مصاحبت یا الصاق کیلئے اسم مضاف لفظ اللہ موصوف رحمان صفت اول رحیم صفت ثانی۔ لفظ اللہ اپنی دونوں صفتوں سے ملکر مضاف الیہ ہوا اسم مضاف کا اسم، مضاف اپنے مضاف الیہ سے ملکر مجرور۔ با حرف جر اپنے مجرور سے ملکر متعلق ہوا اَشْرَعُ یا اَبْتَدِاُ وغیرہ مقدم یا مؤخر فعل کے۔ فعل با فاعل اپنے متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔

تنبیہ | بعض لوگ شروع میں فعل محذوف مانتے ہیں کیونکہ اصل عامل کا معمول پر مقدم ہونا ہے۔ اور بعض لوگ بعد میں محذوف مانتے ہیں کیونکہ اس سے حصر کا فائدہ حاصل ہوتا ہے لِاَنَّ تَاخِیْرَ مَاحَقُّهُ التَّقْدِیْمُ یُفِیْدُ الْحَصْرَ وَالتَّخْصِیْصَ۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے۔ اللہ ہی کے نام سے شروع کرتا ہوں اور کسی کے نام سے نہیں۔ البتہ صحیح دونوں ہیں۔ پھر یہ بھی اختیار ہے کہ اَشْرَعُ یا اَبْتَدِاُ فعل عام محذوف مانا جائے یا خاص وہ فعل جسکو شروع کر رہا ہے۔ مثلاً لکھتے وقت اَکْتُبُ پڑھتے وقت اَقْرَاُ کھانے کے شروع میں آکُلُ وغیرہ وغیرہ۔

ان مذکورہ صورتوں میں تو جملہ فعلیہ ہوگا۔ اس کو جملہ اسمیہ بھی بنا سکتے ہیں اسطرح پر کہ جار، مجرور کو "ثابتٌ یا حاصلٌ" کے متعلق کرکے خبر مان لیں اور مصدر مضاف الی یاء المتکلم "شُرُوْعِیْ، اِبْتِدَائِیْ، اَکْلِیْ، قِرَاءَتِیْ وغیرہ مبتدا، مقدم یا مؤخر محذوف مان لیں، بسم اللہ شریف کی اور بہت سی ترکیبیں ہیں یہاں انہیں چند مشہور ترکیبوں کا یاد کرلینا کافی ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى

تمام تعریفیں اللہ کے لئے ثابت ہیں اور سلام اللہ کے ان بندوں پر جنکو اسنے منتخب فرمایا۔

لغات | اَلْحَمْدُ۔ حَمِدَ يَحْمَدُ حَمْدًا و مَحْمَدًا و مَحْمِدًا و مَحْمَدَةً و مَحْمِدَةً (س) فضیلت کی بنا پر تعریف کرنا۔

حمد کی اصطلاحی تعریف:۔ اَلثَّنَاءُ بِاللِّسَانِ عَلَى الْجَمِيْلِ الْاِخْتِيَارِيِّ مِنْ جِهَةِ التَّعْظِيْمِ نِعْمَةً كَانَ اَوْ غَيْرَهَا ہے۔ مدح حمد سے عام ہے جمیل اختیاری و غیر اختیاری دونوں پر اس کا اطلاق آتا ہے اور حمد جمیل اختیاری (ایسی خوبی جو محمود کے اختیار میں ہو) کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور شکر بھی مورد کے اعتبار سے حمد سے عام ہے۔ حمد صرف زبان سے ہوتی ہے اور شکر زبان، اعضاء اور دل (تینوں) سے ہوتا ہے

قال الشاعر: وَشُكْرِيْ ذَوِي الْاِحْسَانِ بِالْقَلْبِ تَارَةً ۔۔ وَبِالْقَوْلِ اُخْرٰى ثُمَّ بِالْعَمَلِ الْاَسْنٰى

وقال آخر:۔ اَفَادَتْكُمُ النَّعْمَاءُ مِنِّيْ ثَلَاثَةً ۔۔ يَدِيْ وَلِسَانِيْ وَالضَّمِيْرَ الْمُحَجَّبَا

اور متعلق کے اعتبار سے اسکے برعکس ہے یعنی شکر خاص ہے کہ اس کا تعلق صرف نعمت سے ہے اور حمد عام ہے کہ وہ صرف نعمت ہی کے مقابلہ میں نہیں ہوتی۔

سَلَامٌ۔ تسلیم کا اسم ہے جیسے تکلیم سے کلام۔ سَلَّمَ یُسَلِّمُ تَسْلِیْمًا وَسَلَامًا۔ سلام کرنا، سلامتی کی دعا کرنا، اطاعت و فرمانبرداری کرنا، محفوظ رکھنا۔ لفظِ سلام اللہ کے اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے یہاں سلامتی وحفاظت کے معنی مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ اپنے پیارے بندوں کو دونوں جہان کی مشکلات اور دشواریوں سے سلامت ومحفوظ رکھے اور مقصود اظہار محبت وتعلق ہے اور، دوست کا دوست دوست ہوتا ہے، کے اصول سے بندہ خود کو سلامتی کا مستحق قرار دیکر ایک خوبصورت انداز میں اللہ کی بارگاہ سے سلامتی کی بھیک مانگتا ہے۔ کیونکہ یہ بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ اللہ کی نصرت وحفاظت اپنے نیک بندوں کے ساتھ ضرور ہوتی ہے۔

مجرد میں سَلِمَ یَسْلَمُ (س) سے مستعمل ہوتا ہے نجات پانا، محفوظ وسالم رہنا، بری ہونا باب نصر سے سانپ کا ڈس لینا اور باب ضرب سے کھال کو سلم درخت کے پتوں سے دباغت دینا۔ سلم ببول کے مثل ایک خاردار درخت ہوتا ہے۔

عِبَاد۔ عَبْدٌ کی جمع۔ بندہ، خادم، غلام۔ عَبْد کی بہت سی جمعیں آتی ہیں مثلاً عَبِیْدٌ، اَعْبُدٌ، عُبْدَانٌ عِبْدَانٌ اَعْبَادٌ، عَبَدَۃٌ، عُبُدُوْن، مَعْبَدَۃٌ وغیرہ جمع الجمع اَعَابِدُ، مَعَابِدُ، اَعْبِدَۃٌ، عُبُدٌ۔ عَبَدَ یَعْبُدُ (ن) عِبَادَۃً وعبودیۃً ومَعْبَدًا ومَعْبَدَۃً ایک جاننا، خدمت کرنا، پرستش کرنا، ذلیل ہونا، جھکنا۔ عَبِدَ عَبَدًا وعَبَدَۃً (س)، غضبناک ہونا، ناک چڑھانا، انکار کرنا وغیرہ عَبُدَ (ک) غلام رہنا۔

اِصْطَفٰی۔ باب افتعال سے صیغہ واحد مذکر غائب اس میں ط۔ت سے بدل کر آئی ہے۔ مصدر اصطفاء چننا، منتخب کرنا۔ صَفَا یَصْفُو صَفْوًا صُفُوًّا اَصْفَا، روشن ہونا، صاف ہونا، خالص ہونا۔

ترکیب:۔

الحمد مبتدا، للّٰہ جار مجرور ثابتٌ کے متعلق ہوکر خبر جملہ اسمیہ معطوف علیہ واؤ حرفِ عطف سَلَامٌ مبتدا، علیٰ حرف جر عِبَادِہٖ مرکب اضافی موصوف الذین اسم موصول اِصْطَفٰی فعل ضمیر ہو راجع اللّٰہ کیجانب فاعل۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہوکر صلہ۔ اسم موصول اپنے صلہ سے ملکر عِبَادِہٖ کی صفت۔ موصوف وصفت ملکر مجرور۔ جار مجرور نازلٌ یا ثابتٌ کے متعلق ہوکر خبر۔ جملہ اسمیہ معطوف۔

تشریح مصنف نے اپنی کتاب کو تسمیہ وتحمید سے شروع فرماکر قرآن وحدیث اور بزرگانِ دین کا اتباع کیا ہے۔ کیونکہ قرآن پاک بھی بسم اللّٰہ کے بعد الحمد للّٰہ سے شروع ہے اور حدیث میں بھی آتا ہے کہ جو کام بغیر بسم اللّٰہ اور بغیر الحمد للّٰہ کے شروع کیا جائے اس میں برکت نہیں ہوتی، اسیوجہ سے سلفِ صالحین کا دستور اور اکثر مصنفین کا طرزِ عمل یہی رہا ہے۔ کہ وہ اپنے کاموں اور اپنی تصنیفات کو تسمیہ وتحمید سے شروع فرماتے رہے۔ اور بعض بزرگوں نے اپنی کتاب کے شروع میں تحمید کے لکھنے کا اہتمام نہیں فرمایا۔ زبانی پڑھنے پر اکتفاء کرلیا۔ کیونکہ مقصود شروع میں حمد وثناء کرنا ہے وہ زبان سے بھی حاصل ہوجاتا ہے۔

مصنف کے خطبہ میں ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اسمیں بعینہٖ قرآنی الفاظ ہیں جن میں مکمل جامعیت کے ساتھ ساتھ اعلیٰ درجہ کی برکت بھی ہے۔ یہ انیسویں پارے کی آخری آیت ہے اس آیت کے بعد بیسویں پارے میں توحید کے عظیم الشان مضامین ہیں جن کو شروع کرنیکے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اولاً اس مختصر و بلیغ خطبہ کے پڑھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ آیت کے شروع میں قُلْ ہے یعنی آپ الحمد للہ وسلام الخ کہیے۔

اِخْلَاصُ النِّيَّةِ وَتَعْيِيْنُ الْمَقْصِدِ

اَلْحَافِظُ الْعَلَّامُ عَلْقَمَةُ بْنُ وَقَّاصٍ اللَّيْثِيُّ يُحَدِّثُ اَنَّهٗ سَمِعَ عُمَرَ بْنَ

حافظ، علامہ علقمہ بن وقاص لیثی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ

الْخَطَّابِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُوْلُ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

عنہ سے سُنا در انحالیکہ وہ منبر پر فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا۔

يَقُوْلُ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰى فَمَنْ كَانَتْ هِجْرَتُهٗ

آپ فرماتے تھے کہ اعمال کا اعتبار نیتوں ہی کیساتھ ہے اور آدمی کو اپنی نیت ہی کا صلہ ملتا ہے اسلئے جسکی

لِدُنْيَا يُصِيْبُهَا اَوِ امْرَاَةٍ يَّتَزَوَّجُهَا فَهِجْرَتُهٗ اِلٰى مَا هَاجَرَ اِلَيْهِ۔ (بخاری ص۲ ج۱)

ہجرت دنیا کیلئے ہو کہ وہ اسکو حاصل کرے یا عورت کیلئے ہو کہ اس سے نکاح کرے تو اسکی ہجرت اسی کیلئے ہوگی جسکیلئے اسنے گھر بار چھوڑ دیئے

لغات:-
اَلْاِخْلَاص مصدر باب اِفعال۔ چن لینا، ریاؤ نمود اور کھوٹ سے خالی کرنا، چھڑا لینا، باب نصر سے نجات پانا محفوظ رہنا، خالص اور صاف ہونا، نیت یا کی تشدید اور تخفیف کیساتھ نَوٰی یَنْوِیْ نَوًی وَنِيَّةً (ض) ارادہ کرنا نیت قصد و ارادہ، دل کا عزم۔ جمع نِیَّات، تَعْیِیْن مصدر باب تفعیل متعین کرنا، ما عدا سے تمیز دیدینا، مجرد میں ضرب سے دیکھنا، آنسو یا پانی جاری ہونا اور سمع سے آنکھ کی چوڑی پتلی والا ہونا۔ مادہ اس کا ع ی ن ہے۔ مَقْصِد صیغہ ظرف۔ قصد کی جگہ جمع مَقَاصِد باب ضرب سے آتا ہے۔ توجہ کرنا، اعتماد کرنا، سیدھی چال چلنا، میانہ روی اختیار کرنا وغیرہ وغیرہ بہت سے معنی آتے ہیں۔
اَلْحَافِظُ واحد مذکر اسم فاعل حَفِظَ یَحْفَظُ حِفْظًا (س)، ضائع ہونے سے بچانا، خراب و خستہ ہونے سے محفوظ رکھنا، زبانی یاد کرنا، چھپانا، حفاظت و نگرانی کرنا جمع حَافِظُوْنَ، حُفَّاظ، حَفَظَة۔ محدثین کی اصطلاح میں حافظ اس شخص کو کہتے ہیں جسکے ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں اَلْعَلَّامُ بہت جاننے والا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے عَلِمَ یَعْلَمُ (س)، عِلْمًا۔ جاننا، یقین کرنا، اوپر کا ہونٹ پھٹنا اَعْلَمُ وہ شخص جس کا اوپر کا

بعض (ف)، محدث۔ جو شخص علم حدیث کے درس و تدریس، تصنیف و تالیف وغیرہ میں مشغول ہو، حافظ جسکو ایک لاکھ حدیثیں یاد ہوں حجۃ جسکو تین لاکھ حدیثیں یاد ہوں۔ حاکم جسکو تمام احادیث مرویہ مع متن وسند و جرح و تعدیل و تاریخ کے معلوم اور یاد ہوں ۱۲ ف

لگانا نشان سے ن، ض ہونٹ پھٹا ہوا ہو۔ اور أَعْلَم اسم تفضیل کا صیغہ بھی ہے۔ زیادہ علم والا اور باب ن، ض سے نشان لگانا
ہونٹ چیرنا، عُلَّام، عَلَّامہ، تِعلَّامَہ بھی مبالغے کے صیغے ہیں۔ لیکن بالتا کا باری تعالیٰ پر اطلاق نہ ہوگا۔
عَلْقَمَۃ بن وقاص اللیثی ان کی کنیت ابو واقد ہے، لیث بن بکر کی طرف نسبت کرکے ان کو لیثی کہتے
ہیں۔ ابن منذر نے ان کو صحابہؓ میں شمار کیا ہے۔ اکمال میں شیخ ولی الدین لکھتے ہیں کہ علقمہ بن وقاص
لیثی عہدِ نبویؐ میں پیدا ہوئے، غزوۂ خندق میں شریک ہوئے۔ اور ملک بن مروان کے دورِ
خلافت میں ۲۱۸ھ میں مدینہ منورہ کے اندر وفات پائی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ آپ جلیل القدر تابعی
تھے۔ یُحَدِّثُ صیغہ واحد مذکر غائب مضارع باب تفعیل تحدیث روایت کرنا۔ بیان کرنا مجرد میں
(ن) سے واقع ہونا، نوپید ہونا، حادث ضد قدیم، اسی سے حدیث ہے کلام قدیم (کلام اللہ) کے مقابلہ
میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال و احوال کو حدیث کہتے ہیں۔ اور محدِّث مشغول فی الحدیث
کو کہتے ہیں۔ رَضِیَ اللہ رَضِیَ یَرْضیٰ (س)، راضی ہونا، خوش ہونا، پسند کرنا، قناعت کرنا علی المنبر
نَبَرَ نَبْرًا (ض)، بڑھنا، ڈانٹنا، آواز بلند کرنا، مِنْبَر بلند جگہ جہاں سے واعظ یا خطیب لوگوں کو خطاب
کرتا ہے، بلند ہونیکی وجہ سے منبر کہا جاتا ہے۔ اور آلہ کی تشبیہ کیوجہ سے میم کو کسرہ دیا جاتا
ہے، اس کی جمع مَنَابِر ہے۔ یہاں منبر سے مراد مسجد نبوی کا وہ منبر ہے جسپر حضور صلی اللہ علیہ وسلم
خطبہ ارشاد فرماتے تھے۔ یَقُوْلُ قَالَ یَقُوْلُ قَوْلًا قَالًا قِیْلًا مَقَالًا مَقَالَۃً قَوْلَۃً (ن)، کہنا، بولنا، حکم کرنا
اعتقاد کرنا، پکڑنا، اشارہ کرنا، چلنا، روایت کرنا وغیرہ وغیرہ بہت سے معنیٰ آتے ہیں رَسُوْل بھیجا
ہوا۔ پیغامبر جمع رُسُلٌ، رُسْل، اَرْسُلٌ، رُسَلَاء آتی ہے۔ صَلّٰی صَلٰوۃٌ دعا کرنا، نماز پڑھنا بصلہ علیٰ
برکت دینا، اچھی تعریف کرنا (س)، سے جلنا بھُننا، آگ میں داخل ہونا۔ (ض)، سے آگ میں داخل کرنا
بھوننا۔ اِنَّمَا یہ لفظ حصر کیلئے وضع کیا گیا ہے۔ مذکور کو ثابت کرتا ہے اور اسکے ماسوا کی نفی کرتا ہے
اَعْمَال جمع عَمَل کی کام۔ عَمِلَ عَمَلًا (س)، کام کرنا، محنت کرنا۔ اَلنِّیَّات جمع نِیَّۃٌ کی گذر چکا۔ اِمْرِءٌ اور
مَرْءٌ انسان۔ اسکی جمع من غیر لفظہٖ رِجَالٌ آتی ہے۔ اسکی راء ہمزہ کی حرکت کے تابع ہوتی ہے جیسے
جَاءَنِیْ اِمْرُؤٌ وَرَاَیْتُ اِمْرَاً وَمَرَرْتُ بِامْرِءٍ۔ ھِجْرَۃٌ، ہَجَرَ ہَجْرًا ہِجْرًا (ن)، قطع تعلق کرنا، چھوڑنا،
اعراض کرنا، ہجرۃ ترکِ وطن۔ ایک ملک سے دوسرے ملک کو جانا۔ دُنْیَا دُنیا موجودہ زندگی، وہ
عالم جسمیں ہم لوگ اب موجود ہیں۔ اَدْنیٰ کی مؤنث ہے۔ اسکی جمع دُنیٰ اور نسبت دُنْیَوِی،
دُنْیَاوِی، دُنْیِیّ آتی ہے۔ یا تو دَنَا یَدْنُو دُنُوًّا (ن)، قریب ہونا سے ماخوذ ہے لانہا قریبۃ الی
الزوال والفناء او قریبۃ منا بالنسبۃ الی الاٰخرۃ۔ یا دَنَارَۃٌ سے ماخوذ ہے دَنِیَ یَدْنیٰ دَنَارَۃً
(س)، حقیر، ذلیل، گھٹیا اور ردی ہونا یقال لہا لانہا ذلیلۃ وحقیرۃ۔ یُصِیْبُہَا اَصَابَ یُصِیْبُ
اِصَابَۃً باب افعال سے پانا، تیر کا نشانہ پر لگنا، درست کرنا، تکلیف دینا وغیرہ۔ مجرد میں (ن
ض)، سے لازم مستعمل ہے۔ اِمْرَاَۃٌ عورت۔ جمع من غیر لفظہٖ نساءٌ و نسوۃٌ تَزَوَّج نکاح کرنا

زَاوَجَ زَوْجًا دن، بھڑکانا، فساد ڈالنا، باب تفعیل سے نکاح کرانا، مفاعلۃ سے باہم میل ملاپ رکھنا، باہم قریب ہونا، زَوْج شوہر، بیوی، ساتھی، جوڑا۔ جمع اَزْوَاجٌ، زَوْجَۃٌ ج اَزْوَاجٌ، زَوْجَۃٌ بیوی زَوْجَاتٌ جمع ازواج شادی بیاہ۔

ترکیب اِخْلَاصُ النِّیَّۃِ مرکب اضافی معطوف علیہ واو حرف عطف تعیین المقصد مرکب اضافی معطوف معطوف علیہ اور معطوف ملکر مضاف الیہ لفظ بیان محذوف کا مضاف اپنے مضاف الیہ سے مل کر مبتدا محذوف ہذا کی خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ یا اخلاص النیۃ وتعیین المقصد مبتدا ہذا خبر محذوف۔ غرضیکہ یہ عنوان مبتدا محذوف کی خبر ہے یا مبتدا محذوف الخبر ہے۔ یا فعل محذوف خُذْ یا اِقْرَأْ وغیرہ کا مفعول بہ ہے تو جملہ فعلیہ ہوگا، اور عنوان کو منصوب بر بنائے مفعولیت پڑھیں گے۔ الحافظ العلام موصوف صفت مبدل منہ علقمۃ مضاف ابی مضاف اپنے مضاف الیہ وقاص سے ملکر مضاف الیہ ہوا علقمۃ کا۔ علقمۃ اپنے مضاف الیہ سے ملکر موصوف اللیثی صفت۔ موصوف صفت سے ملکر بدل۔ مبدل منہ اپنے بدل سے ملکر مبتدا۔ رحم اللہ رَحِمَ فعل لفظ اللہ فاعل ہٗ ضمیر مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ دعائیہ انشائیہ معترضہ ہوا۔ یحدث فعل ضمیر راجع بسوئے علقمۃ فاعل اَنَّ حرف مشبہ بہ فعل ہٗ ضمیر شان اسکا اسم سمع فعل ضمیر ہو پوشیدہ راجع بسوئے علقمۃ فاعل عمر بن الخطاب مرکب اضافی ذو الحال علی المنبر جار مجرور کائنا کے متعلق ہو کر حال اول یقول فعل ضمیر ہو راجع بسوئے عمر فاعل۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ ہو کر قول۔ سمعت فعل با فاعل رسول اللہ مرکب اضافی ذو الحال۔ یقول فعل ہو ضمیر راجع بجانب رسول اللہ فاعل۔ فعل فاعل ملکر قول اِنَّ حرف مشبہ بہ فعل مَا کافۃ الاعمال مبتدا، بالنیات جار مجرور معتبرۃ کے متعلق ہو کر خبر۔ مبتدا خبر ملکر جملہ اسمیہ معطوف علیہ۔ واو حرف عطف اِنَّ حرف مشبہ بہ فعل مَا کافۃ۔ لامری جار مجرور حاصل کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ ما موصول نوی فعل ضمیر ہو محذوف راجع بسوئے ما فاعل جملہ فعلیہ صلہ موصول صلہ سے ملکر مبتدا مؤخر۔ مبتدا مؤخر خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ ہو کر معطوف فاء تعقیبیہ تفریعیہ برائے عطف مَن شرطیہ کانت فعل ناقص، ہجرتہ مرکب اضافی اسم لدنیا لام جار دنیا موصوف یصیب فعل ضمیر ہو راجع بسوئے مَن فاعل ہا مفعول بہ، فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ ہو کر صفت دنیا کی۔ دنیا موصوف اپنی صفت سے ملکر معطوف علیہ او حرف عطف امرأۃ موصوف یتزوجہا یصیبہا کی طرح جملہ فعلیہ ہو کر امرأۃ کی صفت، موصوف صفت سے ملکر معطوف، معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر مجرور، لام جار اپنے مجرور سے ملکر کائنا محذوف کے متعلق ہو کر کانت کی خبر۔ کانت اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر شرط۔ فاء جزائیہ۔ ہجرتہ مرکب اضافی مبتدا۔ الی حرف جر ما موصولہ ہاجر فعل ضمیر ہو راجع بسوئے مَن فاعل الیہ جار مجرور متعلق ہاجر فعل اپنے فاعل اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ ما موصولہ اپنے صلہ سے ملکر خبر۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہو کر جزاء۔ شرط اپنی جزاء سے ملکر معطوف۔ انما الاعمال معطوف علیہ اپنے

دونوں معطوفات سے ملکر مقولہ ہوا قول ثانی کا۔ قول اپنے مقولہ سے ملکر حال ہوا رسول اللہ ذوالحال کا۔ ذوالحال اپنے حال سے ملکر مفعول بہ ہوا سمعت کا۔ سمعت فعل اپنے فاعل اور مفعول بہ سے ملکر مقولہ قول اول کا۔ قول اول اپنے مقولہ سے ملکر حال ثانی ہوا "عمر بن الخطاب" ذوالحال کا۔ ذوالحال اپنے حال سے ملکر سمع کا مفعول بہ۔ سمع فعل اپنے فاعل ومفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر انّ کی خبر۔ انّ اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر مفرد کی تاویل میں ہوکر یحدث کا مفعول بہ۔ یحدث فعل اپنے فاعل ومفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر خبر ہوئی مبتدا کی۔ مبتدا اپنی خبر سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ جملہ معترضہ ہے۔ رضی اللہ عنہ کی طرح پوری کتاب کیلئے یہاں ایک جگہ اسکی ترکیب سمجھ لو۔ صلی فعل لفظ اللہ فاعل علیہ جار، مجرور متعلق فعل۔ فعل اپنے فاعل ومتعلق سے مل کر جملہ فعلیہ ہوکر معطوف علیہ واؤ حرف عطف سلم فعل ہو ضمیر راجع بسوئے اللہ فاعل۔ فعل فاعل جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر جملہ معطوفہ دعائیہ انشائیہ ہوگیا۔

تشریح (۱) یہ حدیث مختلف سندوں سے مختلف الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔ مثلاً انما الاعمال بالنیۃ یہ الفاظ مسلم ص۱۴۰ ج۲ میں ہیں۔ "الاعمال بالنیۃ" "والعمل بالنیۃ" حدیث کی دوسری کتابوں میں ہیں، اسی طرح بعض کتابوں میں "لامرئ" ہے اور بعض میں "لکل امرئ" بعض میں "وامرأۃ" اور بعض میں "او الی امرأۃ"، ایسے ہی بعض کتب میں "ینکحہا" ہے اور بعض میں "یتزوجہا" ہے بخاری ص۲ ج۱ میں تو اسی طرح مختصر ہے مگر مسلم میں اور بخاری شریف میں دوسرے مواقع میں انما الاعمال بالنیۃ وانما لامرئ ما نوی فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ومن کانت ھجرتہ الخ ہے اسکے الفاظ میں اور اختلافات بھی ہیں مگر مفہوم سب کا تقریباً ایک ہی ہے۔ اصل کیطرف رجوع کرنیکے لئے دیکھیے بخاری شریف میں یہ حدیث سات جگہ مذکور ہے۔ (۱) باب کیف کان بدو الوحی ص۲ ج۱ (۲) کتاب الایمان۔ باب ما جاء ان الاعمال بالنیۃ ص۱۳ ج۱ (۳) کتاب العتق۔ باب الخطاء والنسیان ص۳۴۳ ج۱ (۴) باب بنیان الکعبۃ باب ہجرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۵۵۱ ج۱۔ (۵) کتاب النکاح باب من ہاجر او عمل خیرا ص۷۵۰ ج۲ (۶) کتاب الحیل۔ باب ترک الحیل ص۱۰۲۸ (۷) کتاب الایمان باب النیۃ فی الایمان ص۹۸۹ ج۲۔ مسلم میں کتاب الامارۃ۔ باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم ص۱۴۰ ج۲۔

(۲) **شانِ ورود** ایک شخص نے مکہ سے مدینہ صرف ایک عورت ام قیس سے نکاح کرنے کی غرض سے ہجرت کی اسی لئے اُن کا نام مہاجر ام قیس مشہور ہوگیا تھا۔ روایات میں مہاجر ام قیس کا نام پردہ داری کیوجہ سے بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہونچکر خطبہ دیا اور تصحیح نیت پر اس ارشاد میں تنبیہ فرمائی۔

(۳) **حدیثِ نیت سے کتاب کی ابتدا** اس حدیث (انما الاعمال) کو مصنف اپنی کتاب کے

شروع میں لائے تاکہ پڑھنے اور پڑھانیوالے اپنی نیّت کو خالص اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک کرلیں
اس حدیث کا مضمون اگرچہ چند لفظوں پر مشتمل ہے مگر اس میں جس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے وہ
ہر عمل کی روح ہے جس کے بغیر عمل بے جان لاشہ اور بے کار تماشہ ہے، اسی لئے محدثین نے اس
حدیث کو نصفِ علم کہا ہے۔ اس حدیث کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ امام بخاریؒ نے اپنی کتاب کو اسی حدیث
سے شروع کیا ہے، امامِ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی عظمت وصحت اور کثیر الفوائد ہونے پر تمام
اہلِ اسلام کا اتفاق ہے، امام شافعیؒ اس حدیث کو ثلثِ اسلام فرماتے تھے۔ بعض اکابر نے ربعِ اسلام
کہا ہے، عبدالرحمٰن بن مہدیؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ جو شخص کوئی کتاب تصنیف کرے تو اس کو اس حدیث
سے ابتدا کرنی چاہیئے تاکہ کتاب پڑھنے والے کو تصحیحِ نیّت پر تنبیہ ہو جائے۔ علامہ خطابیؒ نے یہ
بات بہت سے اماموں سے نقل کی ہے، اس حدیثِ نیت کو حضرتِ عمرؓ سے علقمہ نے ان سے محمد بن
ابراہیم التیمی نے ان سے یحییٰ بن سعید انصاری نے اور ان سے بہت سے لوگوں نے نقل کیا ہے،
یہ حدیث سلسلۂ سند کی چار کڑیوں تک صرف ایک ہی ایک راوی سے منقول ہے، پانچویں
کڑی پر دو سو سے زیادہ راویوں نے اسکو روایت کیا ہے۔ اس لئے اسکو متواترعہ نہیں کہیں گے جیسا
کہ بعضوں نے کہدیا ہے، البتہ یہ خبر مشہورعہ یقیناً ہے۔

(۴) **اعمال سے کیا مراد ہے؟** اعمال دو قسم کے ہوتے ہیں۔ اعمالِ مقصودہ، اعمالِ غیر مقصودہ۔
اعمالِ مقصودہ وہ ہیں جن کو صرف ثواب کی خاطر کیا جاتا ہو وہ کسی اور عمل کے لیے شرط اور وسیلہ
نہ ہوں جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج۔ ان میں اگر ثواب اور رضائے خداوندی کی نیت نہوگی تو بے نتیجہ
اور بے کار ہوں گے۔ یعنی قطعاً صحیح نہ ہوں گے۔
اعمالِ غیر مقصودہ وہ ہیں کہ براہِ راست ان سے صرف ثواب ہی مقصود نہیں بلکہ دوسرے اعمال کیلئے
وہ ذریعہ بھی ہیں جیسے وضو، غسل، بدن کی طہارت، کپڑوں کی پاکی وغیرہ ان اعمال میں اگر ثواب کی
نیت کرلی تو ثواب بھی ملیگا ورنہ یہ اعمال نماز کا ذریعہ بننے یعنی نماز درست ہونیکے لیئے صحیح قرار دیئے جائیںگے
حاصل یہ ہے "انما الاعمال بالنیات" کا ترجمہ اگر یہ کرو کہ اعمال نیتوں سے ہی صحیح اور درست ہوتے ہیں
تو اس سے اعمالِ مقصودہ مراد ہیں اور اگر ثوابِ "الاعمال بالنیات" یا "الاعمال معتبرۃ بالنیات یعنی
باعتبار الآخرۃ" تو مطلق اعمال مراد ہوں گے خواہ وہ اعمالِ مقصودہ ہوں یا غیر مقصودہ، بس اسیوجہ سے
احنافؒ کے یہاں اعمالِ غیر مقصودہ کے درست ہونیکے لیئے نیت شرط نہیں البتہ حضرتِ امام شافعیؒ
وغیرہ وضو اور غسل میں نیت فرض قرار دیتے ہیں حالانکہ طہارتِ ثوب وغیرہ میں جو وضو کی
طرح نماز کے شرائط میں سے ہیں، نیت فرض قرار نہیں دیتے، یقیناً اسمیں حضراتِ احناف کی دقّتِ نظر
قابلِ داد اور لائقِ تسلیم وتقلید ہے

عہ خبر متواتر وہ ہے کہ جسکو اول سے اخیر سلسلۂ سند تک اتنے لوگ نقل کرنیوالے ہوں کہ عادۃً اتنے لوگوں کا جھوٹ پر اتفاق محال ہو ۱۲ ن
عہ خبر مشہور وہ ہے کہ اول وثانی زمانہ میں ایک دو راوی ناقل ہوں اسکے بعد امت نے اسکو قبول کیا ہو اور اسکے رواۃ کی
تعداد حدِ تواتر کو پہونچ گئی ہو ۱۲ ن

(۵) نیت کی حقیقت

نیت کے معنٰی ہیں دل کا ارادہ۔ اعمالِ مقصودہ میں اللہ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنیکا دل سے ارادہ کرنا۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ نیت کا تعلق دل سے ہے تو زبان سے نیت کے الفاظ کہنا ضروری نہ ہونا خود بخود سمجھ میں آگیا، حتیٰ کہ اگر دل میں ارادہ کچھ نہیں اور الفاظ کہہ لیئے تو وہ نیت نہوگی، اسی طرح اگر دل میں مثلاً ظہر کے فرض پڑھنے کا ارادہ ہے اور زبان سے عصر کے فرض کہہ لیئے تو ظہر کی نماز ہی ادا ہوگی۔ بعض علماء نے زبان سے الفاظِ نیت ادا کرنیکو مکروہ اور بدعت قرار دیا ہے، بعض دوسرے علماء نے حج کی نیت والی حدیث سے استدلال کرتے ہوئے نماز میں بھی الفاظِ نیت کہہ لینے کو مستحب قرار دیا ہے، مگر حج کی نیت کے الفاظ یعنی اللھم انی ارید الحج الخ صرف حج ہی کے سلسلہ میں ہیں اور کسی عبادت کے لیئے نیت کے الفاظ منقول نہیں ہیں۔ نہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم سے نہ حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم سے نیز علماء کا خود اس بارے میں اختلاف ہے فقہی قاعدہ ہے کہ جب کسی چیز کے سنت و بدعت یا مکروہ و مباح ہونے میں اختلاف ہوجائے۔ تو وہ چیز قابلِ ترک ہے۔ لہٰذا نماز، روزہ، زکوٰۃ میں زبان سے نیت کے الفاظ نہ کہنا احتیاط ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے شرح مشکوٰۃ میں لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم وصحابۂ کرامؓ نے چونکہ کبھی نیت کے الفاظ نہیں کہے اسلیئے جو چیز رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ سے منقول نہیں وہ سنت نہیں ہوسکتی جسطرح کسی فعل میں آپ کا اتباع ضروری ہے اسی طرح ترکِ فعل میں بھی آپکا اتباع کرنا چاہیئے اور اسکے خلاف کرنا بدعت اور اس کا مرتکب بدعتی ہے، حضرت مجددِ الفِ ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے جو ان کے مکتوبات میں موجود ہے۔

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ نیت عباداتِ مقصودہ میں ضروری اور شرط ہے، محرمات میں نیت کا اعتبار نہیں اور مباحات میں نیت کا اعتبار ہوگا کہ اچھی نیت سے مباحات عبادات بن جاتے ہیں، اور بری نیت سے معصیت اور نیت نہ کرنے سے نہ عبادت اور نہ معصیت۔

(۶) نیت کے شرائط

اعمال میں نیت کے لیئے چند شرائط ہیں (۱) مسلمان ہونا۔ بغیر اسلام و ایمان نہ کوئی عمل صحیح ہے نہ خدا کے یہاں مقبول ہے (۲) عاقل ہونا۔ دیوانے، بے عقل اور نابالغ پر شریعت کا کوئی حکم واجب نہیں (۳) جس کام کو کر رہا ہے اسکا علم ہونا اگر بیخبری و بے ہوشی میں ایسا عمل کیا جسمیں نیت شرط تھی جیسے نماز تو وہ عمل درست نہوگا۔
(۴) نیت کے خلاف کوئی فعل سرزد نہونا اگر ایسا ہوا تو نیت باطل ہوجائیگی جیسے روزہ رکھ کر توڑ دیا یا نماز شروع کرکے ہنس دیا یا نعوذ باللہ مرتد ہوگیا وغیرہ۔

(۷) نماز کی نیت

فرض نماز کی ادائیگی میں نیت کے چار جزء ہیں، نماز کا ارادہ، فرضیت کا علم، وقت کی تعیین مقتدی ہو تو اقتداء کا خیال۔ ان چاروں باتوں میں سے ایک بھی چھوٹ جائے تو نہ نیت درست ہوگی اور نہ نماز۔

(۸) **طلبِ علم کی نیّت** طالب علم اپنے دل میں یہ عزم کرے کہ اپنے اندرون میں علم کا چراغ روشن کر کے جہالت کی تاریکی اپنے قلب سے دور کرونگا۔ اور پھر اپنی جدوجہد سے پورے عالم سے جہالت کی تاریکیوں کو دور کرونگا اور یہ سب کچھ اللہ کی رضا کے لیئے کرونگا۔

(اگر نیّت کی تفصیلی بحثیں اور مکمل معلومات کا شوق ہو تو ہمارا رسالہ "حدیثِ نیّت" کا مطالعہ کیجیئے یہاں طویل بحثوں کی گنجائش نہیں۔

وَلَوْکَانَ هٰذَا مَوْضِعُ الْقَوْلِ لَاشْتَفٰی ؎ فُؤَادِیْ وَلٰکِنْ لِلْمَقَالِ مَوَاضِعُ

(۹) **وَاِنَّمَا لِامْرِئٍ مَّا نَوٰی** یہ جملہ یا تو پہلے جملہ کی تاکید ہے یا پہلے جملہ میں ایک عمل میں ایک نیّت اور اس جملہ میں ایک عمل میں متعدد نیتوں کا ذکر ہے شلاً ایک آدمی مسجد کی طرف چلتا ہے اسمیں جماعت سے نماز کی نیّت کرتا ہے، مسجد میں اعتکاف کی، وعظ سننے کی، عالم کی زیارت کی، بیمار نمازی کی عیادت کی بھی تو اسی ایک چلنے کے عمل میں تمام مذکورہ اعمال کی فضیلت اور اجر و ثواب حاصل ہو جائیگا۔ یا پہلا جملہ عبادات سے متعلق ہے دوسرا مباحات سے یا اوّل جملہ میں مطلق نیّت کیطرف اشارہ ہے، اور دوسرے جملہ میں عملِ منوی کی تعیین کا شرط ہونا بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

(۱۰) **ہجرت** اس حدیث میں ہجرت کی حقیقت پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اسلیئے کہ ہجرت کرکے مدینہ پہونچکر آپؐ کا یہ سب سے پہلا وعظ تھا یا اس خاص مہاجر ام قیس کے واقعہ کے سبب اسکو بیان فرمایا ہجرت کسی چیز کو ترک کرنے یا تعلق منقطع کرنیکا نام ہے لیکن شرعاً ہجرت اس ترکِ وطن کو کہتے ہیں جو دین کی خاطر ہو، عرفاً مطلق ترکِ وطن کو بھی ہجرت کہتے ہیں لیکن اسلامی ہجرت وہی ہے جو ایمان بچانے کیلئے ہو۔ یعنی ایمان والا ایسے ماحول کو چھوڑ دے جہاں وہ اسلامی احکام کے مطابق زندگی بسر نہ کرسکتا ہو۔ اور کفر و شرک یا بدعت کے غلبہ کیوجہ سے اقامتِ سنّت اور اسلام کی توسیع و اشاعت کا فریضہ انجام نہ دے سکتا ہو ایسی سرزمین کو رضائے حق و اقامتِ دین کی خاطر چھوڑ کر کسی مامون جگہ اقامت اختیار کرلینے کو، ہجرتِ شرعی کہتے ہیں۔

یہ ہجرت اگر واقعی مذکورہ مقصد کے ماتحت کیجائے تو سبحان اللہ اسکی مقبولیت میں کیا تردد ہے لیکن اگر صورۃً یہ سب کچھ ہو مگر نیّت میں دنیوی اغراض اور نفسانی خواہشات پنہاں ہوں تو اس ہجرت پر کوئی اجر و ثواب نہیں بلکہ مواخذہ کا اندیشہ ہے، اور ہجرت ہی کیطرح دوسرے اعمال طلبِ علم و عبادات وغیرہ بھی ہیں۔ نعوذ باللہ من شرورِ انفسنا و من سیّئاتِ اعمالنا و من فسادِ نیّاتنا۔ اس مذکورہ ہجرت کا حکم تا قیامت باقی ہے البتہ ایک مخصوص ہجرت جو مدینہ کی جانب ہوتی تھی اور تکمیلِ ایمان کے لیئے فرض تھی وہ فتح مکّہ کے بعد منسوخ ہوگئی، اسی کے متعلق حضور صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، "لَاهِجْرَةَ بَعْدَ الْفَتْحِ" (مکہ فتح ہوجانیکے بعد (یہ مخصوص) ہجرت فرض نہیں ہے)

(۱۱) سوال جن روایات میں فمن کانت ھجرتہ الی اللہ ورسولہ فھجرتہ الی اللہ ورسولہ ہے ان میں شرط وجزاء کا متحد ہونا لازم آتا ہے جو بالکل غلط ہے **جواب** اسکے معنی یہ ہیں۔ من کانت ھجرتہ لوجہ اللہ فقد وقع اجرہ علی اللہ ومن کانت ھجرتہ الی دنیا او امرأۃ فلہ حظہ فی الدنیا ان شاء ولا نصیب لہ فی الآخرۃ۔ (جسکی ہجرت رضائے حق کے لئے ہے اسکی ہجرت مقبول وباعث ثواب ہے اور جسکی دنیوی اغراض کیلئے ہو تو وہ غرض اگر اللہ چاہے گا تو دنیا میں حاصل ہو جائیگی آخرت میں اس کو کچھ نہ ملیگا) تو شرط میں اخلاص اور جزاء میں مقبولیت کیطرف اشارہ ہے۔ لہٰذا شرط وجزاء میں معنیً تغایر متحقق ہوگیا گو لفظاً اتحاد معلوم ہوتا ہے۔ اردو میں بھی اس قسم کے شرط وجزاء مستعمل ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص جس نے دعوت کی ہے وہ کہتا ہے کہ "جو مہمان ہیں وہ تو مہمان ہیں ہی لیکن جو مہمان نہیں ان حضرات کو بھی کھانے کیلئے بلا لو۔ مطلب یہ ہے کہ جو مہمان ہیں وہ تو کھانا کھائیں گے ہی۔ اسی طرح "فمن کانت ہجرتہ الخ" میں ہے کہ جسکی ہجرت اللہ اور رسول کیلئے یعنی اخلاص کیساتھ ہے اسکی ہجرت تو اللہ ورسول کیلئے ہے ہی یعنی مقبول اور باعث اجر ہے ہی۔ (۱۲) حضرات طلبہ کو خصوصاً اس بات کا اہتمام کرنا چاہیئے کہ سبق پڑھنے سے پہلے روزانہ تصحیح نیت کی مشق کریں یعنی دل میں اللہ کی خوشنودی کا دھیان جمایا کریں۔ انشاء اللہ اسکے ثمرات علم وعمل میں بہت جلد نمایاں ہوں گے اور حق تعالیٰ کی طرف سے برکات اور نوازشوں کے در یقیناً کشادہ ہونگے پھر اغراض دنیویہ کی نیت کرنا باعث محرومی تو ہے ہی۔ علاوہ ازیں دنیا مقسوم سے زیادہ ملنی ناممکن ہے اسلئے ذراسی بے توجہی سے اپنی محنت ومجاہدہ کو برباد نہ کیجیئے۔ وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ربنا ویرضاہ آمین۔

حضرت عمر بن الخطاب رض عمر اسم گرامی خطاب والد کا نام، امیر المومنین اور فاروق اعظم لقب، ابو حفص اور ابو حفصہ کنیت۔ حضور صلے اللہ علیہ وسلم پر سلسلۂ وحی کو پانچ یا چھ سال گذر گئے تھے تب آپ مشرف باسلام ہوئے، آپ چالیسویں مسلمان ہیں ایک قول کے مطابق آپ سے پہلے چالیس مرد اور گیارہ عورتیں مسلمان ہو چکی تھیں، آپ کا مسلمان ہونا ظہور اسلام کا سبب اور مسلمانوں کی زبردست تقویت کا باعث ہوا، آپ حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کے وزیر دوم اور خلیفۂ ثانی تھے، امیر المؤمنین سب سے پہلے آپ ہی کا لقب مشہور ہوا۔ حضرت صدیق اکبر رض نے اپنی وفات سے قبل ان کو خود اپنا جانشین بنایا، حضرت صدیق اکبر رض کے بعد آپ ساڑھے دس سال مسند خلافت پر جلوہ افروز رہے۔ آپ کے نگینۂ مہر پر کفی بالموت واعظاً یا عمر (نصیحت کیلئے موت ہی کافی ہے اے عمر) کندہ تھا۔ ایکدن مغیرۃ بن شعبہ کے عجمی غلام فیروز نے جسکی کنیت ابو لؤلؤ تھی آپ سے اپنے آقا کی شکایت کی کہ وہ روزانہ مجھ سے دو درہم وصول کرتے ہیں آپ نے پوچھا کہ تم کیا کام کرتے ہو اسنے کہا نجاری، نقاشی آہنگری آپ نے فرمایا کہ تمہاری صنعت کے مقابلہ میں یہ کچھ زیادہ نہیں اسپر وہ ناراض ہوگیا۔ دوسرے دن صبح کی نماز کے وقت جب آپ امامت کرنے لگے تو اچانک اسنے خنجر کے

چھ سات وار کیئے اور آپ وہیں گر گئے نماز حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔ بعد نماز گھر لیجا کر علاج معالجہ کیا گیا مگر کچھ فائدہ نہوا۔ یہ واقعہ ۲۶ ذی الحجہ کو پیش آیا تھا تین روز بعد یعنی ۲۹ ذی الحجہ ۲۳ھ کو دس برس چھ ماہ چار دن مسند عدالت وخلافت پر متمکن رہ کر ترسٹھ سال کی عمر میں اس دارِ فانی سے رحلت فرما گئے اور یکم محرم ۲۴ھ روز شنبہ کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں میں مدفون ہوئے، حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی حضرت عثمان وحضرت علی، حضرت عبدالرحمٰن ابن عوف وعبدالرحمٰن بن عمرو وحضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم نے آپکو قبر میں اتارا۔ رضی اللہ عنہ وعنا۔

مَاذَا نَرٰی وَنَسْمَع

ہم کیا دیکھیں اور سنیں؟

(آیت ۲۰، ۲۱ سورۃ الذاریات)

(۲) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی وَفِی الْاَرْضِ اٰیَاتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۙ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۙ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور زمین میں نشانیاں ہیں یقین والوں کیلئے اور خود تمہارے اندر بھی کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟

(۳) رَبَّنَا اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِیًا یُّنَادِیْ لِلْاِیْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّکُمْ فَاٰمَنَّا رَبَّنَا

اے ہمارے رب ہم نے ایمان کیلئے پکارنیوالیکو یہ پکارتے سنا کہ تم اپنے رب پر ایمان لے آؤ سو ہم ایمان لے آئے ہمارے

فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَکَفِّرْ عَنَّا سَیِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ (آیت ۱۹۳ سورۃ آل عمران)

پالنے والے ہمارے گناہ معاف کردے اور ہماری برائیاں مٹادے اور ہم کو نیکوں کیساتھ شامل فرماکر موت دے

لغات ماذا میں ما استفہامیہ اور ذا موصولہ بمعنی الذی ہے۔ نَرٰی صیغہ متکلم مع الغیر مضارع رَاٰی یَرٰی رُاْیًا، رؤیۃ (ف)، بصارت یا بصیرت سے دیکھنا۔ باب افعال سے متعدی ہوتا ہے۔ نَرٰی نَرْاٰی تھا۔ ہمزہ کی حرکت ما قبل کو دیکر اسکو الف سے بدل دیا، مضارع کا صیغہ گمان کے معنیٰ میں مجہول سنا گیا ہے، ارض زمین جمع ارضون، ارُوض، اَراض، آرَاض (ن ک) سے سرسبز وخوش منظر ہونا، (س) سے دیمک خوردہ ہونا، اَرَضۃٌ۔ دیمک، اُرَیْضَۃٌ اَرْضٌ کی تصغیر، آیات جمع آیۃ کی نشانی، علامت، موقنین صیغہ جمع مذکر اسم فاعل باب افعال سے ایقان یقین کرنا۔ یقین نظر واستدلال سے حاصل ہونیوالا علم، اعتقاد جازم جسمیں جانب مخالف کا احتمال نہ ہو، یقن ییقن یقنا ویقنا (ض)، جاننا۔ یقین کرنا، ۲ انفسکم انفس جمع نفس کی روح خون، جان (سمع)، سے بخل کرنا۔ نصر سے نظر بد لگنا۔ نیز سمع سے زچہ ہونا، بچہ جننا۔ کرم سے نفیس ومرغوب ہونا۔ ۲ افلا تبصرون باب افعال سے دیکھنا۔ کرم سے دیکھنا۔ نصر سے کاٹنا۔ بَصَر دیکھنے کی قوت، آنکھ بصیر بینا۔ بصیرۃ عقل، دانائی، منادی باب مفاعلۃ سے اسم فاعل کا صیغہ مناداۃ پکارنا۔ ایکدوسرے کو پکارنا۔ نداء پکار۔ آواز، ندوۃ مجلس، جماعت، نادی اور نادیۃ مجلس۔ نصر سے جمع کرنا۔ بلانا، ایمان امن دینا بھروسہ اور اعتماد کرنا، تابعدار اور مطیع ہونا۔ (س) سے مطمئن ومحفوظ ہونا (ک)، سے

اَمین ہونا۔ اَمانتدار و معتمد علیہ ہونا۔ ربّ۔ مالک۔ سردار، پرورش کرنیوالا، درست کرنیوالا، اللہ تعالیٰ کے اَسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ نسبت کیلئے (رَبِّی، رَبّانی، رَبُوبی) آتا ہے۔ رَبّانی عارِف باللہ عالم (ن) سے پَرورِش کرنا آہستہ آہستہ چھوٹی چیز کو بڑی کرنا، فَاغْفِرْ لَنَا امرِ حاضر غَفَرَ یَغْفِرُ غَفْرًا و غُفْرَانًا و مَغْفِرَۃً (ض) ڈھانکنا چھپانا، معاف کر دینا۔ ذُنُوبَنَا ذُنُوبٌ جمع ذَنْبٌ کی گناہ، بابِ اِفعال سے گنہگار ہونا۔ ذَنَبَ دُم (ن ض) پیچھے لگے رہنا، کَفِّرْ بابِ تفعیل سے چھپانا، کفر کی طرف نسبت کرنا یعنی کافر کہنا۔ اللہ کی جانب نسبت ہو تو گناہ معاف کرنا، مِٹانا، کَفَرَ یَکْفُرُ (ن) چھپانا، ڈھانکنا، ناشکری کرنا، انکار کرنا۔ کافر صیغہ اسمِ فاعِل اللہ کی نعمتوں کا انکار کرنیوالا، ناشکری اور انکار کرنیوالا جمع کافِرُوْن، کَفَرَۃٌ، کُفّارٌ۔ کِفَارٌ، سَیِّئَات۔ جمع سَیِّئَۃٌ کی خطا، قصور، گناہ۔ اکثر اس کا اِطلاق صغائر پر آتا ہے۔ یہاں ذُنُوب سے مراد کبائر اور سَیِّئات سے مراد صغائر ہیں۔ سَاءَ یَسُوْءُ سُوْءً سَوَاءً سُوْءً سَوَائِرَۃً مَسَاءَۃً (ن) قبیح ہونا۔ بُرا ہونا، غمگین کرنا، مکروہ سُلوک کرنا۔ وَتَوَفَّنَا بابِ تفعّل سے پورا ہونا، پورا لینا۔ وَفَى یَفِیْ وَفَاءً (ض) پورا کرنا۔ الابرار جمع بَرٌّ کی نیک (س ض) سچ بولنا، نیک ہونا، اِطاعت کرنا۔ بَرٌّ اللہ کے اَسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے دراصل بَرِرٌ بروزن حَذِرٌ تھا ادغام ہوگیا۔

ترکیب:- مَا استفہامیہ بمعنی اَیُّ شَیْءٍ مبتدا ذَا اسم موصول نَرٰی فعل با فاعِل جملہ فعلیہ معطوف علیہ واؤ حرفِ عطف نَسْمَعُ فعل با فاعِل جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوف علیہ اور معطوف ملکر صلہ۔ موصول صلہ سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ ہوا۔ قالَ اللہ فعل۔ فاعِل جملہ فعلیہ تعالیٰ فعل ضمیر ہو راجع بسوئے لفظِ اللہ فاعِل جملہ فعلیہ معترضہ، فی الارض جار مجرور مَوْجُوْدَۃٌ کے متعلق ہوکر خبر مقدم۔ اٰیاتٌ موصوف لِلْمُوْقِنِیْنَ جار مجرور کائنۃٌ کے متعلق ہوکر صفت۔ موصوف صفت سے ملکر مبتدا مؤخر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر معطوف علیہ واؤ حرفِ عطف فی انفسکم جار مجرور۔ موجودۃ کے متعلق ہوکر خبر آیات مبتدا محذوف۔ افلا تبصرون فا سے پہلے مناسب معطوف علیہ مان لو یا نہ مانو اختیار ہے۔ فعل با فاعِل جملہ فعلیہ۔ یا حرفِ ندا قائم مقام اَدْعُوْ کے محذوف رَبَّنَا مرکبِ اضافی مفعول بہ۔ ادعو فعل با فاعِل مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ندا۔ اِنَّ حرفِ مشبہ بہ فعل نَا اسم سَمِعْنَا فعل با فاعِل مُنَادِیًا موصوف یُنَادِیْ فعل ہو ضمیر راجع بسوئے منادی محذوف فاعِل لِلْاِیْمَانِ جار مجرور متعلق یُنادی کے جملہ فعلیہ۔ اَنْ مفسرہ اٰمِنُوْا فعل با فاعِل بِرَبِّکُمْ متعلق جملہ فعلیہ انشائیہ تفسیر ماقبل جملہ کی۔ دونوں ملکر صفت منادیا کی۔ منادیا اپنی صفت سے ملکر سَمِعْنَا کا مفعول بہ جملہ فعلیہ خبریہ اِنَّ کی خبر، اِنَّ اپنے اسم و خبر سے ملکر جوابِ ندا۔ فَاٰمَنَّا فعل با فاعِل جملہ فعلیہ آگے تینوں جملوں کی ترکیبیں ظاہر ہیں۔

تشریح:- اعمال کی بنیاد نیّت ہے نیّت ہی پر اعمالِ خیر کی عمارت قائم ہوتی ہے پھر جس قدر مضبوط اور درست بنیاد ہوگی تعمیر بھی اسی انداز کی ہوگی ؎

خشتِ اوّل چوں نہد معمار کج ؛؛ تا ثریا میرود دیوار کج

پھر تعمیر اور اسکی بنیاد کے لئے دولت و سرمایہ کی ضرورت ہے بغیر اسکے نہ بنیاد وجود میں آسکے گی

اور نہ عمارت۔ وہ سرمایہ ایمان ومعرفت اور تصدیقِ توحید ورسالت ہے اللہ کی معرفت ہوگی تو توحید قلب میں پیدا ہوگی۔ اور توحید والے کے قلب میں اس ذاتِ واحد کی مرضیات ونامرضیات معلوم کرنیکا جذبہ پیدا ہوگا۔ تاکہ وہ ربِ صمد کی مرضیات پر عمل پیرا ہو اور اسکی نامرضیات سے اجتناب وپرہیز کرے۔ اور یہ مطلوب اسکو نبی ورسول کے دربار میں مل سکیگا اسلئے ہر موحد کو رسالت و نبوت کا قائل ہونا پڑے گا۔

اسکے بعد یہ سمجھیئے کہ جسطرح مصنوع سے صانع کے کمالات کی معرفت ہوتی ہے اسی طرح مخلوق سے خالق کی پہچان ہوتی ہے۔ اسی لئے ماسوا اللہ کو عالم کہتے ہیں کہ وہ اپنے خالق وموجد پر علامت ہے اسکے مشاہدہ کے لیئے اس خالقِ کائنات نے آنکھیں دی ہیں۔ آنکھوں سے عالم کا مشاہدہ کیا جائے اور دل کی آنکھوں یعنی بصیرت سے اسکو سمجھا جائے جسطرح اپنی بصارت اور بصیرت سے باہر کی کائنات کا مطالعہ کریں اسی طرح اپنے اندر کی چیزوں پر غور کریں تو اس خلاقِ عالم کی معرفت کا دروازہ کھل جائیگا۔ اور اسکی توحید دل میں اتر کر اس کو بارگاہِ رسالت میں پہنچادیگی۔ وہاں پیغاماتِ الہیہ کو اللہ کے رسول یا ان کے جانشینوں سے سنکر زبان سے ایمان ویقین کا اعلان کریگا۔ اور گذشتہ زندگی پر نادم ہوکر بارگاہِ حق میں معافی کی درخواست پیش کریگا رَبَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْإِيمَانِ فَآمَنَّا رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْأَبْرَارِ۔ تقریر مذکور سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مصنف نے حدیثِ نیت کے بعد مذاکرہ وسمع کے عنوان کے تحت بالترتیب یہ دو آیتیں کیوں ذکر فرمائیں فللہ درّ المصنف وجزاہ اللہ خیر الجزاء۔

پہلی آیت میں باری تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دنیا میں اہلِ یقین کی نگاہوں کے سامنے ہماری قدرت پر عظیم دلائل اور زبردست نشانیاں موجود ہیں۔ اور اے انسانو! اگر تم اپنی ذات میں غور وفکر کرو تو بھی ہم کو پہچان لوگے کیونکہ تمہاری ذات میں ہماری قدرت وعظمت پر دلائل اور نشانات موجود ہیں

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ عَرَفَ رَبَّهُ جس نے خود کو پہچانا خدا کو پہچانا ؏

دَوَاؤُكَ فِيكَ وَمَا تُبْصِرُ ۔۔ وَدَاؤُكَ مِنْكَ وَمَا تَشْعُرُ

وَتَزْعُمُ أَنَّكَ جِرْمٌ صَغِيرٌ ۔۔ وَفِيكَ انْطَوَى الْعَالَمُ الْأَكْبَرُ

بہرحال باہر کی دنیا میں اقسام وانواع کی نباتات، بھانت بھانت کے حیوانات ٹیلے اور پہاڑ ندیاں نہریں اور سمندر، انسانوں کے مختلف رنگ وروپ اور الگ الگ زبانیں زمین سے لیکر آسمان تک ہر شئی اور انسانوں کے اندر اخلاق وعادات، حرکات وسکنات، ادراک وقویٰ جسمانی متناسب اعضاء سعادت وشقاوت غرضیکہ ہر شئی اللہ کی عظمت وقدرت اور وحدانیت پر زبردست علامت

؏ تیری دوا خود تیرے اندر ہے اور تو دیکھتا نہیں اور تیری بیماری بھی تجھی سے پیدا ہو رہی ہے اور تجھکو شعور نہیں تو خیال کرتا ہے کہ تو چھوٹا سا جسم ہے۔ حالانکہ تجھ میں بڑا عالم لپٹا ہوا ہے۔ ۱۲ ن

اور کھلا ہوا نشان ہے ؎

فَيَا عَجَبًا كَيْفَ يُعْصَى الْإِلٰـهُ ۔ أَمْ كَيْفَ يَجْحَدُهُ الْجَاحِدُ

وَفِي كُلِّ شَيْءٍ لَهُ شَاهِدٌ ۔ تَدُلُّ عَلٰى أَنَّهُ وَاحِدٌ

ہر گیاہے کہ از زمین روید ۔ وحدہٗ لاشریک لہٗ گوید

دوسری آیت میں اہلِ معرفت و موحدین کی عرض و معروض کا ذکر ہے کہ وہ جب زمین و آسمان کی تخلیق اور شب و روز کے اختلاف و آمد و رفت میں غور و فکر کر کے اسکی معرفت حاصل کر لیتے ہیں تو اسکی حمد و ثنا اور ذکر میں مشغول رہکر وہ اپنی درخواست ایسی تمہید کے ساتھ بارگاہِ ایزدی میں پیش کرتے ہیں جسمیں خود کو اس انعام و اکرام کا مستحق اور حقدار ہونا ثابت کر دیتے ہیں جس کا مطالبہ وہ کر رہے ہیں رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا الخ اے ہمارے پالنہار ہم نے آپ کے منادی کو ایمان کی آواز لگاتے ہوئے سنا تو ہم نے ایمان قبول کر لیا لہٰذا ہماری درخواست ہے کہ گذشتہ کوتاہیوں اور نافرمانیوں کو معاف فرما کر عالمِ مثال سے بھی ان برائیوں کے نشانات کو مٹا دیجئے اور جب آپ ہم کو دنیا سے بلائیں تو ہمارا شمول آپکے ان نیک بندوں میں ہو جنپر آپکی خاص نگاہِ کرم رہتی ہے

قُصْوٰى بُغْيَتِنَا

ہمارا سب سے بڑا مقصد

وَلَمَّا كَانَ قُصْوٰى بُغْيَتِنَا وَغَايَةُ مَرَامِنَا أَنْ نَتَوَفّٰى مَعَ الْأَبْرَارِ فَعَلَيْنَا

اور جبکہ ہماری انتہائی آرزو اور ہمارا آخری مقصد یہ ہے کہ ہم نیکوں میں شامل ہو کر مریں تو ہمپر نیکی

تَحْقِيقُ مَعْنَى الْبِرِّ وَالْأَبْرَارِ وَأَنَّ الرَّجُلَ كَيْفَ يَكُونُ مِنَ الْأَبْرَارِ فَهٰذِهٖ

اور نیکوں کے معنی کی تحقیق ضروری ہے اور یہ بات بھی کہ آدمی کسطرح نیکوں میں شمار ہو سکتا ہے لہٰذا

فُصُولٌ وَأَبْوَابٌ تَكْشِفُ عَنْ وُجُوهِ الْأَجْوِبَةِ الْأَسْتَارَ وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيقُ وَلَهُ الْحَمْدُ

یہ چند فصلیں اور چند باب ہیں جو جوابات کے چہروں سے پردے کھولدیں گے اور اللہ ہی سے توفیق مانگتا ہوں اور اسی کیلئے سب تعریفیں ہیں

لغات قُصْوٰى ۔ قَصَا يَقْصُو قَصَا يَقْصِي قَصًا (ن س) دور ہونا. اَقْصٰى اسمِ تفضیل زیادہ دور ج. اَقَاصٍ مؤنث قُصْوٰى. قُصْيَا. بُغْيَة مطلوب بَغَا يَبْغِي بُغَاءً بَغْيًا. بُغًى. بُغْيَةً (ض) طلب کرنا نافرمانی کرنا،

ؑ تعجب ہے کہ انسان اللہ کی نافرمانی کس طرح کرتا ہے یا منکر اسکا انکار کیسے کر دیتا ہے حالانکہ ہر چیز میں اللہ کا گواہ موجود ہے جو یہ بتلاتا ہے کہ خدا ایک ہے ۱۲ ؑ جو بھی تنکا زمین سے اگتا ہے ۔ وہ کلمۂ توحید پڑھتا ہے ۱۲

حق سے ہٹ جانا عَلَیہ۔ دراز دستی کرنا، غَایَۃ مدت، جھنڈا۔ بیج غایات وغای۔ نسبت غائی فاتیک
اَن تفعل کذا یعنی تمہاری انتہائی طاقت یہ ہے کہ تم ایسا کرو مَرَام رَام یَرُوم رَوما مَراما (ن) ارادہ کرنا
رَائِم صفت رُوَّم رُوَّام جمع۔ مَرَام صیغہ ظرف بمعنی مقصد۔ تحقیق تاکید کرنا۔ واجب کرنا، تصدیق کرنا
مسائل کو دلائل سے ثابت کرنا۔ حَقَّ یَحِقُّ حقاً حقۃً (ن ض) ثابت ہونا۔ واجب ہونا۔ فصول فصل کی جمع
فَصَلَ یَفصِلُ (ض)، جدا کرنا۔ فصل حد۔ دو چیزوں کے درمیان روک، کتاب کا ایک مستقل ٹکڑا۔ ابواب
جمع بابٌ کی باب دروازہ، کتاب کا ایک مستقل حصہ بِیبَانٌ بھی جمع آتی ہے۔ بَابَ یَبُوبُ بَوباً (ن) دربان
ہونا، بَوَّبَ الکتبَ کتاب کو بابوں پر تقسیم کرنا۔ تبوّب الرجل دربان ہوا۔

رفے کتاب ھو طائفۃ من المسائل اعتبرت مستقلۃ سواء کان تابعاً او مستبتعاً اشتملت انواعاً او لم تشتمل فان کانت تحتہ انواع فکل نوع باب من الکتاب والاشخاص المندرجۃ تحت النوع تسمی بالفصول۔ فالکتاب بمنزلۃ الجنس والباب بمنزلۃ النوع والفصل بمنزلۃ الجزئی من النوع فانھم۔

تکشیف غائبہ کا صیغہ بحث مضارع ہے (ض) کھولنا، ظاہر کرنا، زائل کرنا۔ سَمِعَ سے شکست کھانا، کھلی ہوئی پیشانی والا ہونا، وُجُوہٌ وَجہٌ کی جمع چہرہ اَوجُہٌ۔ اَجْوُہٌ بھی جمع آتی ہے۔ وَجَہَ یَوجُہُ وَجہاً (ض) منہ پر مارنا۔ وجاہت میں بڑھ جانا (ک)، وَجیہ ہونا، صاحب وجاہت ہونا وَجہٌ کے اور بہت سے معنی آتے ہیں مثلاً جانب، قصد ونیت، جس عمل کی طرف انسان متوجہ ہو، عزت ومرتبہ۔ وجہ الکلام مقصود کلام رضامندی فعل ذلک لِوجہِ اللہ اس نے اسکو اللہ کی رضامندی کے لیئے کیا۔ طریق، نوع، قسم، ماخذ، تھوڑا پانی وغیرہ وغیرہ۔ الاجوبۃ اسکا واحد جواب ہے۔ جواب کی دوسری جمع جوابات بھی آتی ہے جَابَ یَجُوبُ جَوباً (ن)، قطع کرنا، طے کرنا، کاٹنا، گریبان بنانا۔ مُفَاعَلَۃ سے گفتگو کرنا۔ جواب دینا۔ اِفعال سے سوال کا جواب دینا۔ بخوشی حاجت پوری کرنا۔ الاستار اس کا واحد سِتْرٌ ہے پردہ، خوف، حیا۔ سُتُورٌ بھی جمع آتی ہے سَتَرَ یَستُرُ (ن ض) چھپانا۔ ڈھانکنا۔ اسی سے سَتَّار مبالغہ کا صیغہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ التوفیق مصدر تفعیل موافق بنا دینا (ض وَحَسِبَ) سے موافق ہونا۔ توفیق کے شرعی اور عرفی معنی توجیہُ الاسبابِ نحوَ المطلوب الخیر۔ اور لغۃً توجیہ الاسباب نحو المطلوب خیراً کان او شراً، توفیق کے معنی میں اور بھی اقوال ہیں مثلاً (۱) طاعت پر قدرت کا پیدا کر دینا۔ (۲) طاعت ہی کا پیدا کرنا۔ (۳) خیر کا راستہ آسان کرنا اور شر کا راستہ دشوار کرنا (۴) خیر کی استعداد کا مہیا کر دینا (۵) تدبیر کو تقدیر کے موافق بنا دینا۔ لیکن مشہور اول ہی معنیٰ ہیں یعنی مطلوب خیر کے تمام اسباب کا مہیا ومتوجہ کر دینا۔

ترکیب قصوی بغیتنا مرکب اضافی مبتدا محذوف الخبر ای قصوی بغیتنا ہذہ۔ یا مبتدائے محذوف کی خبر ای ہذہ قصوی بغیتنا۔ واؤ استینافیہ کان فعل ناقص۔ قصوی بغیتنا مرکب اضافی معطوف علیہ واؤ حرف عطف۔ غایۃ مرامنا مرکب اضافی معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے ملکر اسم کان۔ اَن مصدریہ۔ نوفی فعل با فاعل مع الابرار مفعول فیہ جملہ فعلیہ ہو کر بتاویل مفرد خبر کان اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر شرط۔ فا جزائیہ علینا جار مجرور واجب کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔

تحقیق مضاف بمعنیٰ مضاف البر والابرار معطوف علیہ اور معطوف ملکر معنیٰ کا مضاف الیہ ۔ معنیٰ اپنے مضاف الیہ سے ملکر معطوف علیہ واؤ حرف عطف ان حرف مشبہ بہ فعل الرجل اسکا اسم کیف حرف استفہام یکون فعل ناقص ضمیر ہوا راجع الی الرجل محذوف اسم من الابرار جار مجرور کائنا کے متعلق ہوکر خبر یکون اسم وخبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر آن کی خبر آن اپنے اسم وخبر سے ملکر بتاویل مفرد معطوف ۔ معطوفین ملکر مضاف الیہ تحقیق کا اور وہ اپنے مضاف الیہ سے ملکر مبتدا مؤخر ۔ مبتدا مؤخر اپنی خبر مقدم سے ملکر جملہ اسمیہ خبریہ ہوکر جزا ۔ شرط اپنی جزاء سے ملکر جملہ شرطیہ جزائیہ ہوا ۔ فاء تفریعیہ ہذہ مرکب اضافی مبتدا فصول والواب معطوفین موصوف تکشف فعل ہی ضمیر مستتر فصول والواب کیطرف راجع فاعل عن جار وجوہ الاجوبۃ مرکب اضافی مجرور متعلق تکشف کے الاستار مفعول بہ فعل اپنے فاعل متعلق اور مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ باللہ جار مجرور متعلق مسئول محذوف کے ہوکر خبر مقدم التوفیق مبتدا مؤخر جملہ اسمیہ خبریہ لہ جار مجرور ثابت کے متعلق ہوکر خبر مقدم الحمد مبتدا مؤخر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا ۔

تشریح گذشتہ عنوان کی نمبر دو آیت کے آخری جملہ سے معلوم ہوا کہ نیکوں میں شمولیت کے ساتھ دنیا کو خیرباد کہنا عارف کی آخری تمنا اور انتہائی آرزو ہے ۔ ظاہر بات ہے کہ انسان جس چیز کو اپنا سب سے بڑا مقصد اور اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیتا ہے تو وہ اپنی تمام توجہات اسکی جانب مبذول کر دیتا اور اسکے حصول میں اپنی آخری کوشش بلکہ تن من دھن قربان کر دیتا ہے اور وہ چین کا سانس نہیں لیتا جبتک کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہوجائے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ کسی بھی مقصد میں کامیابی کا پہلا قدم یہ ہے کہ مقصد اور اسکے مالہٗ وما علیہ کا پورا پورا علم ہوجائے تو جب ایک موحد و عارف کا اعلیٰ مقصد نیکوں کی جماعت میں شامل ہوکر رب العلمین کی بارگاہ کا سفر کرنا ہے تاکہ ان لوگوں پر ہونیوالے خصوصی انعامات کا مستحق ہوکر الطاف وعنایات ربانی کے مزے اپنی اخروی پائیدار زندگی میں حاصل کرے تو نیکی کی حقیقت اور نیکوں کی علامات وصفات کا جاننا ضروری ہوا تاکہ نیکیوں پر عمل پیرا ہو اور نیکوں کی صفات اپنے اندر پیدا کرکے نیکوں میں شامل ہوجائے اور اس جہاں سے کامیاب و فائز المرام آخرت کی طرف کوچ کرے ۔

بس مصنفؒ یہی فرمارہے ہیں کہ جبکہ ہمارا اعلیٰ مقصد توفی مع الابرار ہے تو ہمارے سفر کا پہلا قدم نیکی اور نیکوں کی حقیقت کا علم حاصل کرنا ہوا اور اس بات کا علم کہ آدمی نیکوں میں کسطرح شامل ہوسکتا ہے لہٰذا یہ چند فصلیں اور ابواب انہیں سوالات کے جوابات پر مشتمل ہیں اس رسالہ میں اسی کو موضوع بناکر بحث کی گئی ہے ۔ توفیق اسی کی عطا ہے ۔ اور ہر حمد وثنا کا مستحق بھی وہی ہے ۔

وَلَمَّا كَانَتِ الْأَشْيَاءُ تَتَبَيَّنُ بِأَضْدَادِهَا نَذْكُرُ بَعْدَهَا الْإِثْمَ وَشُعَبَهُ

اور جبکہ چیزیں اپنی ضدوں سے واضح ہوتی ہیں تو ہم ان (فصول والواب) کے بعد گناہ اور اسکے شعبوں

وَفُرُوعَهُ وَأُصُولَهُ حَسْبَمَا بَيَّنَهَا الَّذِي أُرْسِلَ إِلَى كَافَّةِ النَّاسِ بَشِيرًا

اور اسکی شاخوں اور جڑوں کو اسکے موافق ذکر کریں گے کہ جو اس ہستی نے بیان فرمایا ہے جسکو تمام انسانوں کی طرف

وَنَذِيْرًا وَّبُعِثَ لِيَتْلُوَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اٰيَاتِ اللّٰهِ وَيُزَكِّيَهُمْ وَيُعَلِّمَهُمُ

خوشخبری سنانیوالا اور ڈرانیوالا بنا کر بھیجا گیا ہے اور انکو اسلئے بھیجا گیا کہ وہ اہل ایمان کو اللہ کی آیات پڑھکر سنائیں

الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَكَمَا اَشَارَ اِلَيْهَا الْكِتٰبُ الْمُبِيْنُ الَّذِيْ فِيْهِ تَفْصِيْلُ

اور انکو پاک کریں اور انکو کتاب اور سمجھداری سکھلائیں اور جیسا کہ اسکی طرف اس روشن کتاب نے اشارہ فرمایا

كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ نُوْرٌ وَّهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ۔

جسمیں ہر (ضروری) چیز کا بیان ہے اور وہ اہل ایمان کیلئے نور و ہدایت اور رحمت ہے۔

لغات الاشیاء شیئ کی جمع ہے۔ چیز، جس کے ساتھ علم و خبر کا تعلق ہوسکے۔ جمع اَشَاوِی واَشیاوات واَشاوات واَشایا تصغیر شُيَيْئٌ و شِيَيْئٌ۔ اَشْیَاء کلمہ غیر منصرف ہے۔ شَارَ یَشَارُ شَيْئًا (ف) چاہنا تَبْتِيْن صیغہ غائبہ از تفعل۔ واضح ہونا۔ ظاہر ہونا۔ روشن ہونا، بَانَ بَیَانًا تِبْیَانًا (ض) ظاہر ہونا واضح ہونا بَیْنًا بُیُوْنًا بَیْنُوْنَۃً جدا ہونا۔ باب افعال سے متعدی اَضْدَاد ضِدٌّ کی جمع مخالف مثل و نظیر۔ دشمن ضَدَّ یَضُدُّ (ن)، جھگڑے میں غالب آنا۔ باز رکھنا، تذکر ذکر یذکر (ن) یاد کرنا الاثم جرم گناہ۔ آثام جمع (سمع) سے گناہ کرنا (ض، ن) سے گنہگار قرار دینا۔ شُعَب جمع شُعْبَۃٌ کی فرقہ، گروہ۔ شاخ۔ ذُو دو سینگوں یا دو شاخوں کے درمیان کا فاصلہ، پانی بہنے کی جگہ، وادی کی بڑی نالی، پہاڑ کی دراڑ وغیرہ شِعَابٌ وشُعُوْبٌ بھی جمع آتی ہے۔ فتح سے مستعمل ہے جمع کرنا۔ متفرق کرنا، درست کرنا، بگاڑنا۔ پھاڑنا اضداد میں سے ہے) فروع۔ جمع فَرْعٌ کی اوپر کا حصہ، شاخ، نفع بخش مال، مسائل مستنبطہ۔ فَرْعُ المرأۃ۔ عورت کے بال فَرِعَ کثرت سے بالوں والا ہونا فَرَعَ (ف)، علی الجبل چڑھنا۔ عن الجبل اترنا۔ اصول جمع اَصْلٌ کی جڑ فرع کے مقابل والد، مصدر منبع، راجح، قاعدہ کلیہ اَصُلَ (ک)، جڑ والا ہونا۔ شریف الاصل ہونا، اَصِلَ (س) متغیر ہونا۔ اصیل عصر و مغرب کے درمیان کا وقت حَسْب کافی۔ موافق، مثل، حَسَب، شمار کیا ہوا۔ خاندانی شرافت، آباؤ اجداد کے مفاخر، حساب شمار کافی۔ بڑی جماعت یوم الحساب قیامت کا دن، مُحْتَسِب حاکم، کوتوال یا سٹی مجسٹریٹ۔ حَسَبَ حَسْبًا وحِسَابًا حِسْبَانًا وحِسْبَۃً وحِسَابَۃً (ن)، شمار کرنا، حَسِبَ یَحْسِبُ حِسْبَانًا (ض ح) گمان کرنا، حَسُبَ (ک) شریف الاصل ہونا۔ حَسْبَمَا میں ما موصولہ یا مصدریہ ہے اُرْسِلَ باب افعال سے بھیجنا، چھوڑنا، اَرْسَلَ القولَ بے دھڑک بولنا۔ عَلَيْهِ مسلط کرنا۔ اِلَيْهِ قاصد بنا کر بھیجنا۔ پیغامبر بنانا، رَسِلَ (س)، نرم چال چلنا، کافّۃ کَفَّ کَفًّا وکَفَافَۃً (ن)، بھرنا۔ جمع کرنا، لپیٹنا، روکنا، بچانا، سوال کرنے سے رکنا، باز رہنا، اندھا ہونا۔ کَفٌّ ہاتھ یا ہتھیلی مع انگلیوں کے۔ مؤنث ہے جمع اَکُفّ کُفُوْف، کَف۔ کِفَّۃ ہر گول چیز۔ گڑھا، ترازو کا پلڑا کافّۃ۔ کافّ (اسم فاعل)، کا مؤنث، جماعت۔ جاءَ الناسُ کافّۃً یعنی سب آئے۔ کافّۃ میں تین خصوصیات ہیں (۱) الف لام داخل نہیں ہوتا (۲) اضافت نہیں ہوتی (۳) ہمیشہ حالیت کی بنا پر منصوب ہوتا ہے فاحفظ تنفعک۔ بَشِيْرٌ اسم فاعل خوشخبری دینے والا ج بُشَرَاء۔ بَشَارَۃ بفتح الباء حسن و جمال بِشَارَۃ بضم الباء کھال کا تراشہ، وہ ہدیہ جو خوشخبری دینے والے کو دیا جائے۔

بِشارۃ فُعلۃٌ البار خوشخبری بشارات و بَشائِرُ جمع بشریٰ خوشخبری۔ بَشَر یَبْشُرُ (ن) چمڑہ چھیل دینا۔ کھال ظاہر کرنا (ض س) خوش ہونا۔ کشادہ روئی سے ملنا۔ اِفعال و تفعیل سے خوشخبری دینا۔ مفاعلۃ سے خود کسی کام کو کرنا، جماع کرنا۔ نَذِیرًا قاصد۔ ڈرانیوالا، بڑھاپا کیونکہ وہ موت سے ڈراتا ہے۔ ج نُذُر۔ مُنذرٌ ڈرانیوالا۔ ابو المنذر مرغ کی کنیت (س) سے جاننا۔ چوکنا ہونا۔ تیاری کرنا (ف، ض) نذر ماننا۔ جو چیز واجب نہیں اسکو اپنے ذمہ واجب کرنا۔ اَنذَرَ اِنذارا و نَذِیرا و نُذُرا و نُذُرا۔ ڈرانا۔ جتلانا۔ انجام سے ڈرانا (آخر کے چار مصدر غیر قیاسی ہیں) و بُعِثَ (ف) بھیجنا۔ ابھارنا۔ آمادہ کرنا۔ جوش دلانا۔ من نومہ بیدار کرنا۔ البَعث دوبارہ زندہ کرنا۔ یوم البعث قیامت کا دن۔ باعث۔ باعثۃ سبب ج بَواعِث۔ لِیَتلو (ن) پیچھے چلنا، پیچھے رہنا ساتھ چھوڑ دینا۔ تلاوۃ پڑھنا۔ ویزکیھم زکیٰ تزکیۃ (تفعیل) بڑھنا۔ زائد ہونا، پیاسا ہونا، پاک کرنا، صالح بنانا۔ زکوٰۃ دینا۔ زکوٰۃ لینا۔ نفسہ خودستائی کرنا (ن، س) سے بڑھنا۔ نیک ہونا۔ خوش عیش ہونا۔ ویُعلِّمھم (تفعیل) آہستہ آہستہ سکھانا۔ اعلام یکبارگی خبر دینا۔ مطلع کرنا (س) سے جاننا یقین کرنا۔ والحکمۃ انصاف۔ علم۔ بردباری۔ فلسفہ۔ حق کے موافق گفتگو۔ کام کی درستی اصابت رائے، دانائی دین کا علم، معرفت خداوندی۔ علم نافع و عمل صالح کا مجموعہ۔ حدیث پاک وغیرہ ج حِکَم (س) دانا ہونا وغیرہ (ن) سے واپس ہونا۔ گھوڑے کے منہ میں لگام لگانا۔ فیصلہ کرنا۔ منع کرنا۔ بابِ تفعیل سے حاکم بنانا مفاعلۃ سے جھگڑے کو حاکم کے سامنے لیجانا۔ اِفعال سے عقلمند بنانا مضبوطی سے کرنا۔ اَشار افعال سے اشارہ کرنا۔ حکم دینا۔ نصیحت کرنا، صحیح طریقہ بتانا۔ شہد نکالنے میں مدد دینا۔ مجرد (ن) سے جانور کو سیدھا کرنا، تجربہ کیلئے سوار ہونا۔ موٹا اور خوبصورت ہونا، شہد چھتہ میں سے نکالنا وغیرہ، نورٌ روشنی جو خود ظاہر ہو اور دوسری اشیاء کو ظاہر کرے یا وہ کیفیت جسکا اوّلاً قوت باصرہ ادراک کرے اور اسی کے واسطے سے مبصرات کا ادراک ہو ج انوارٌ و نیران۔ نورۃ داغ۔ چونہ کا پتھر۔ بالصفا پاؤڈر۔ جادوگرنی، نار ینورُ نورا و نیارا (ن) روشن ہونا، داغ لگانا۔ ہدیٰ (ض) رہنمائی کرنا۔ راستہ دکھانا مطلوب تک پہونچا دینا، بلاواسطہ حرف جر ایصال الی المطلوب کے معنیٰ ہیں اور بواسطہ حرف جر ارارۃ الطریق کے معنیٰ ہیں اسی طرح جب اسکی نسبت اللہ کی جانب ہو تو ایصال کے معنیٰ ہیں اور جب رسول یا قرآن کی جانب ہو تو ارارۃ الطریق کے معنیٰ میں مستعمل ہوتا ہے لیکن یہ قاعدہ اکثریہ ہے کلیہ نہیں مہاداۃ ایک دوسرے کو ہدیہ تحفہ دینا۔ ہدایۃ رہنمائی۔ ہُدیٰ رہنمائی بیان دلالت۔ (ن) (مذکر و مؤنث) الہَدیُ والہَدیۃ طریقہ۔ سیرۃ چال۔ قربانی کا وہ جانور جو حرم بھیجا جائے۔

ترکیب واو استنافیہ کانت فعل ناقص الاشیاء اسم تبیّن فعل ضمیر ہی راجع بسوئے الاشیاء فاعل باضدادہا متعلق جملہ فعلیہ خبریہ خبر کانت وہ اپنے اسم و خبر سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ شرطیہ نذکر فعل نا فاعل بعد ہا مرکب اضافی ظرف الاثم معطوف علیہ شعبۃ۔ فروعۃ۔ اصولہ مرکبات اضافیہ معطوفات الاثم معطوفات سے ملکر نذکر کا مفعول اوّل۔ حسب مضاف ما موصولہ بیّن فعل ما مفعول بہ الذی اسم موصول ارسل فعل مجہول ہو ضمیر راجع بسوئے الذی ذوالحال بشیرا و نذیرا ملکر حال۔ ذوالحال و حال ملکر ارسل کا نائب فاعل الی حرف جر کافۃ الناس مرکب اضافی مجرور متعلق ارسل فعل نائب فاعل و متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہ بعث فعل مجہول ضمیر ہو راجع بسوئے الذی نائب فاعل لیتلو لام حرف جر یتلو فعل ضمیر ہو فاعل علی المؤمنین متعلق آیات اللہ مرکب اضافی مفعول بہ یتلو اپنے فاعل و مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف علیہ و یزکیھم فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ - اسی طرح جملہ فعلیہ معطوف، تینوں معطوفات مل کر بتاویل مفرد مجرور لام۔ پھر يُبْعَثُ کے متعلق۔ بعث اپنے نائب فاعل و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف جملہ سابقہ اَرْسَلَ اور وہ اپنے معطوف سے مل کر صلہ۔ اَلَّذِیْ اپنے صلہ سے مل کر فاعل بَیَّنَ کا۔ بَیَّنَ فعل اپنے فاعل و مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا مَا موصولہ کا۔ وہ اپنے صلہ سے مل کر مضاف الیہ حَسَبَ کا۔ حَسَبَ اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف علیہ۔ وَاوْ حرف عطف کاف بمعنی مثل مضاف مَا اسم موصول اَشَارَ فعل اِلَیْهَا متعلق الْكِتٰبَ موصوف الْمُبِيْنَ صفت اول الَّذِیْ اسم موصول فِيْهِ جار مجرور ثَابِتٌ یا مَوْجُوْدٌ کے متعلق خبر مقدم تَفْصِيْلُ كُلِّ شَيْءٍ مرکب اضافی مبتدا مؤخر جملہ اسمیہ خبریہ معطوف علیہ۔ وَاوْ حرف عطف هو مبتدا۔ نور وهدیٰ ورحمة معطوفات خبر اول للمؤمنين کائن کے متعلق خبر ثانی۔ جملہ اسمیہ خبریہ معطوفین اَلَّذِیْ کا صلہ۔ موصول صلہ صفت ثانی الکتاب کی۔ موصوف اپنی دونوں صفتوں سے مل کر اَشَارَ کا فاعل، فعل، فاعل و متعلق سے ملکر صلہ مَا موصولہ اپنے صلہ سے مل کر مضاف الیہ نذکر محذوف کا مفعول۔ نذکر فعل با فاعل و مفعول بہ، جملہ معطوف۔ معطوفین مل کر جزا۔ شرط اپنی جزا سے مل کر جملہ شرطیہ جزائیہ۔

تشریح سوال پیدا ہوتا ہے کہ نیکوں میں شامل ہونا موقوف ہے نیک ہونے پر۔ اور نیک ہونا موقوف ہے نیکی اور نیکوں کی صفات کے علم پر۔ تو ابرار اور بر کا ذکر تو کتاب کے موضوع کے مناسب ہوا لیکن مؤلف نے اِثم کا بیان اس کتاب میں کیوں کیا۔ اس کا جواب دیا کہ در اصل شیٔ اپنی ضد سے خوب سمجھ میں آتی ہے۔ وبضدها تتبين الاشياء۔ جیسے سیاہی سفیدی دن، رات، کفر، ایمان کی حقیقت ایک دوسرے سے واضح اور روشن ہوتی ہے۔ اسی طرح نیکی کی وضاحت اس کی ضد گناہ سے خوب ہو جائے گی۔

چنانچہ مؤلف نے اس عبارت میں فرمایا ہے کہ جب چیزیں اپنی ضدوں سے واضح ہوتی ہیں تو ہم بر و ابرار کے ابواب و فصول کے بعد گناہ کی تفصیلات قرآنی آیات و نصوص حدیث کے موافق بیان کرینگے تاکہ نیکی کی حقیقت خوب واضح ہو جائے۔

(ف) لیتلو علی المؤمنین الخ میں آیت قرآنی کی جانب تلمیح ہے۔ اجمالاً سمجھ لیجیے۔ تفصیل اساتذہ کردیں گے کہ اس میں تلاوت آیات، تزکیہ، تعلیم کتاب و حکمت بالترتیب تین چیزیں بیان فرمائی گئی ہیں۔ اول میں اشارہ علمائے ظاہر کی طرف ہے۔ دوسرے جملہ میں اشارہ ہے گروہ صوفیہ کی طرف، اور تیسری بات میں اشارہ علمائے راسخین و ائمہ مجتہدین کی جانب ہے۔ چنانچہ الحمد للہ تینوں گروہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں بہ تعداد کثیر ہوتے رہے ہیں۔ دوسری بات یہ بھی معلوم ہوتی

کہ الفاظِ علم آجانے کے لئے چنداں خصوصیت کی ضرورت نہیں لیکن حقیقتِ علم و رسوخ و کمال فی العلم بغیر عمل و تزکیۂ نفس نصیب نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے تزکیہ کو تعلیم کتاب و حکمت سے مقدم فرمایا گیا۔ کیونکہ ترتیبِ طبعی یہی ہے۔ طلبہ کی اگر خواہش ہے کہ رسوخ فی العلم نصیب ہو تو تصحیح نیت و اصلاحِ عمل اور درستگیٔ قلب کی طرف زیادہ توجہ فرمائیں۔ وَفَّقَنَا اللّٰہُ وَإِيَّاكُمْ۔

وَالْمَقْصُوْدُ اَنْ يَّتَحَلَّى الشَّابُّ الصَّالِحُ بِالْفَضَائِلِ الْمَحْمُوْدَةِ وَ

اور مقصود یہ ہے کہ نیک جوان عمدہ خوبیوں کے ساتھ آراستہ ہو جائے۔ اور

يَتَخَلّٰى عَنِ الْخَصَائِلِ الْمَذْمُوْمَةِ لِيَسْتَظِلَّ بِظِلِّ عَرْشِ الرَّحْمٰنِ

بُری عادتوں سے خالی (بری) ہو جائے۔ تاکہ اُس دن آرام و عزت حاصل کرے عرشِ رحمٰن کے

يَوْمَ لَا ظِلَّ اِلَّا ظِلُّهٗ۔

سایہ میں جس دن کوئی سایہ اس کے سایہ کے سوا نہ ہوگا۔

لغات

اَنْ يَّتَحَلّٰى۔ تَحَلِّي آراستہ ہونا حَلّٰى يُحَلِّي (ض) زیور بنانا، آراستہ کرنا، سجانا حَلِيَ يَحْلٰى (س) مزین ہونا، زیور پہننا۔ اَلْحِلْيَةُ زیور حَلْيٌ حُلِيٌّ جمع خلافِ قیاس۔ اَلشَّابُّ اور الشَّبُّ جوان۔ جمع شَبَابٌ، شُبَّانٌ، شَبِيْبَةٌ۔ مؤنث شَابَّةٌ۔ شَبَّةٌ جمع شَابَّاتٌ، شَبَّاتٌ، شَوَابٌّ، شَبَائِبُ۔ شَبَّ شَبَابًا وشَبِيْبَةً (ض) جوان ہونا۔ تَشْبِيْبٌ جوانی کے کھیل کود کا ذکر کرنا، عورتوں کے حسن و جمال و اوصاف کو بیان کرنا۔ جیسے شعراء قصائد کے شروع میں کرتے تھے۔ اَلصَّالِحُ صَلَحَ يَصْلُحُ (ن س ك) درست ہونا، فساد کا زائل ہونا۔ مفاعلۃ سے موافق ہونا، صلح کرنا۔ صُلْحٌ سلامتی، درستی، صَلَاحِيَةٌ وہ حالت جس سے کوئی چیز درست ہو۔ صَالِحٌ نیک، ٹھیک، درست، حقوق و واجبات کو ادا کرنے والا۔ اِلٰی ج صَالِحُوْنَ۔ صَالِحَةٌ مؤنث۔ صَلِيْحٌ بمعنی صالح ج صُلَحَاءُ۔ بِالْفَضَائِلِ، فَضِيْلَةٌ کی جمع، خوبی، زیادتی، فضل میں بلند مرتبہ فَضَلَ يَفْضُلُ (ن س) فضلًا باقی رہنا، زائد ہونا فضل میں غالب ہونا۔ (ك) صاحبِ فضل ہونا، صاحبِ فضیلت ہونا۔ فَضْلٌ بھلائی میں زیادتی۔ فضول برائی میں زیادتی کو کہتے ہیں۔ وَيَتَخَلّٰى تنہائی میں رہنا، چھوڑنا، فارغ ہونا۔ خَلَا خَلْوَةً خُلُوًّا خَلَاءً (ن) تنہا ہونا، تنہائی میں ملنا، فارغ ہونا۔ خَلْوَةٌ تنہائی کی جگہ۔ اَلْخَلَاءُ خالی مکان، پائخانہ، سنڈاس، خَلَا يَخْلِيْ خَلْيًا (ض) کاٹنا۔ عَنِ الْخَصَائِلِ جمع خَصْلَةٌ کی عادت (اچھی ہو یا بری) غالب استعمال اچھی عادت کے لئے ہے۔ خِصَال بھی جمع آتی ہے۔ خَصَلَ خَصْلًا (ن) کاٹنا، جدا کرنا، فائق ہونا مرتبہ میں بڑھنا۔ اَلْمَذْمُوْمَةُ صیغہ اسم مفعول، مذمت کیا ہوا۔ ذَمَّ يَذُمُّ ذَمًّا (ن) برائی کرنا۔ ذَمٌّ مَذَمَّةٌ

برائی یستظل۔ استظلال سایہ پکڑنا، سایہ میں آنا۔ سمع سے ہمیشہ رہنا۔ ظل الیوم دن کا سایہ دار ہونا۔ ظلٌ سایہ۔ ظلالٌ، اظلالٌ، ظلولٌ، ظللٌ جمع، عزت، آرام، آسودگی کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ ظلیلٌ سایہ دار، دائمی سایہ والا۔ قال اللہ وندخلھم ظلاً ظلیلاً۔ عرش تخت شاہی، کسی چیز کا رکن، کسی چیز کا قوام۔ عرش البیت گھر کی چھت۔ عرش من القوم سردار، رئیس، عرشٌ وہ لکڑی جس سے کنویں کے اوپر کا حصہ بنایا جائے۔ شامیانہ، خیمہ، وہ مکان جس میں سایہ لیا جائے، محل، قدم کی پشت پر بلند حصہ کنویں کا منہ۔ عرش الطائر گھونسلا عرش الکرم انگور کی ٹٹی ج اعراشٌ، عروشٌ، عرشٌ، عراشۃٌ عریشٌ جھونپڑی، چھولداری، باڑہ عرش عرشا (س) متحیر ہونا، چھوڑ دینا۔ (ن ض) سے لکڑی کا مکان بنانا، چھت بنانا، تخت بنانا وغیرہ۔ (ض) اقامت کرنا عرش رحمٰن فلک ہشتم ہے جو ہفت افلاک کو گھیرے ہوئے ہے، اور ساتوں آسمانوں کی حیثیت اس کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک میدان میں سات حلقے پڑے ہوں۔ عرش و کرسی دو الگ الگ چیزیں ہیں یا ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ اس میں علماء کی تحقیقات مختلف ہیں جن کے بیان کی یہاں گنجائش نہیں۔

ترکیب المقصود مبتدا ان یتحلی فعل اپنے فاعل الشاب الصالح مرکب توصیفی اور بالفضائل المحمودۃ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف علیہ اور ویتخلی فعل ضمیر شاب ھو فاعل، عن الخصائل المذمومۃ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ معطوف۔ معطوفین خبر۔ لام جار یستظل فعل، ضمیر شاب ھو فاعل با جار ظل عرش الرحمٰن مرکب اضافی مجرور متعلق۔ یوم مضاف، لائے نفی جنس ظل اسم الآ حرف استثناء لغو ظلہ مرکب اضافی خبر۔ لا اپنے اسم و خبر سے مل کر مضاف الیہ یوم کا۔ مرکب اضافی ظرف۔ جملہ فعلیہ خبریہ بتاویل مفرد متعلق مبتدا المقصود کے یا متعلق محذوف سے مل کر مبتدا محذوف ذٰلک کی خبر۔ جملہ تعلیلیہ۔

تشریح نیکی اور بدی دونوں چیزوں کے بیان کرنے سے منشاء یہ ہے کہ دونوں کی حقیقت اور نفع و نقصان کے دونوں پہلو خوب روشن ہو جائیں۔ اور سعید و نیک بخت جوان (طالب علم) اچھی باتوں پر عمل کر کے نیکیوں کا عادی اور عمدہ صفات کا حامل ہو جائے۔ اور بری چیزوں سے بچکر اپنے اندر سے بری عادتوں کو نکال دے۔ اور اپنی جوانی میں جہاں وہ موحد و عارف ہے وہیں اللہ کا عبادت گذار و فرمانبردار بندہ بنے، اور نیکیوں کے ساتھ اللہ جل شانہ کے سایہ عرش میں راحت و آرام سے ہمکنار رہکر اس کے خوان کرم پر مہمان بننے کی عزت اور لذت حاصل کرے۔ جیساکہ نیک جوان کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اس پر دلیل ہے۔

جو آگے آرہا ہے۔ یہاں چند باتیں اور سمجھئے۔
(۱) عبارت بالا میں شاب صالح کو خصوصاً اس وجہ سے ذکر کیا ہے کہ طالب علمی کا عمدہ وقت جوانی ہی ہے اور عموماً اچھائی یا بُرائی کا خوگر انسان اسی عمر میں ہوجاتا ہے۔ بعد میں وہ بُری عادتیں جو پختہ ہوچکی ہیں انسان سے نکلنی دشوار ہوتی ہیں۔
(۲) پھر نیکی کے علم ہی سے آدمی متقی نہیں بن سکتا۔ بلکہ بُرائی کا علم اور اس کے نقصانات کا علم اور یقین بھی ہونا چاہیئے۔ تاکہ معاصی سے اجتناب کیا جاسکے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ۔ (اے اللہ ہم کو حق بصورت حق ہی دکھلا اور اس کی پیروی کی توفیق دے اور ہم کو باطل باطل دکھلا اور اس سے بچنا نصیب فرما) مطلب یہ ہے کہ حق و باطل کی حقیقت اور ان میں امتیاز و نفع و نقصان ہم پر عیاں فرما کر حق کو اپنانے اور باطل سے دامن بچانے کی ہمت اور توفیق بھی دے۔ معلوم ہوا کہ جس طرح بھلائی کو سمجھنے کی ضرورت ہے اسی طرح بُرائی کو سمجھنے کی بھی ضرورت ہے۔ کیونکہ اگر کوئی بُرائی کو بُرائی نہ سمجھے گا تو اس سے متنفر و مجتنب نہیں ہوگا۔
(۳) طلبہ علوم دینیہ کو بھلائیاں اختیار کرنا اور بُرائیوں سے پرہیز کرنا بہ نسبت عوام الناس کے بہت ہی اہم ہے۔ کیونکہ طلب علم کی زندگی پر مستقبل کی تعمیر ہوتی ہے۔ یہ وقت بنیاد ہے، اگر یہ بنیاد کج ہوئی تو تمام تر مستقبل کجی کا شکار ہوجائیگا۔

خشت اول چوں نہد معمار کج ٭ تا ثریا میرود دیوار کج

جیسے اللہ نے انسانوں کو شکم مادر میں بنا کر نکالا۔ اس دنیا میں اس کو ویسا ہی رہنا ہے، کوئی بھی طاقت اس کے رنگ وروپ، صورت و شکل وغیرہ کو بدل نہیں سکتی۔ اسی طرح مدرسہ میں طالبعلم بنتا ہے۔ جیسی عادات، خصائل، اعمال اور خیالات اس کے اس زمانہ میں بن جائیں گے۔ وہ مستقبل میں انہی نقوش پر اپنی زندگی گذاریگا۔ کوئی طاقت اس کو بدل نہیں سکتی۔ اور پھر تَمُوْتُوْنَ کَمَا تَحْیَوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ کَمَا تَمُوْتُوْنَ اپنی جگہ پر ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ اسلئے طالب علم کو نہایت محتاط زندگی گذارنی چاہیئے، اُستاذ کا ادب، ساتھیوں کا اکرام، کتابوں کی عظمت، مدرسہ کا احترام خصوصیت سے ملحوظ رکھنا چاہیئے، تاکہ علم نافع میسر ہو، اور آئندہ زندگی باعزت گذرے۔ اعلیٰ موت اور بلند درجات والی آخرت نصیب ہو۔ ورنہ معتبر اکابر نے لکھا ہے کہ جو طالب علم طلب علم کے دوران پرہیز گار رہتا ہے، اور آداب کی رعایت نہیں کرتا تو دنیا میں تین سزاؤں میں سے ایک ضرور ملتی ہے۔ یا تو اس کو منجانب اللہ گنواروں اور جاہلوں کے حوالہ کردیا جاتا ہے۔ یا بادشاہ کی غلامی کی سزا ملتی ہے، یا جوانی میں مرجاتا ہے۔ اور اُخروی سزائیں تو احادیث میں

بڑی بڑی سخت آئی ہیں جن کو آپ آئندہ حدیث کی کتابوں میں پڑھیں گے۔ أَعَاذَنَا اللّٰهُ مِنَ الشُّرُورِ وَالْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ۔ لہٰذا اس کتاب کو سمجھ کر پڑھیئے۔ اور علم و عمل میں مطابقت کرتے رہیئے۔ آپ کو یہ کتاب پڑھانے کا اصل منشاء یہی ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظِلِّهِ يَوْمَ لَا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سات آدمی ہیں اللہ ان کو اپنے سایہ میں جگہ دیگا جس دن اسکے
ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ، الْإِمَامُ الْعَادِلُ وَشَابٌّ نَشَأَ فِيْ عِبَادَةِ رَبِّهِ وَرَجُلٌ قَلْبُهُ
سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ (۱) انصاف کرنیوالا حاکم (۲) اور وہ جوان جسکا اٹھان اپنے رب کی عبادت میں ہوا ہو۔
مُعَلَّقٌ فِي الْمَسَاجِدِ وَرَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ
(۳) اور وہ آدمی جس کا دل مسجدوں میں لگا رہتا ہے (۴) اور وہ دو شخص جو اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھتے ہوں
وَرَجُلٌ طَلَبَتْهُ ذَاتُ مَنْصِبٍ وَّجَمَالٍ فَقَالَ إِنِّيْ أَخَافُ اللّٰهَ وَرَجُلٌ تَصَدَّقَ
اسی پر اکٹھے ہوتے ہوں اور اسی پر جدا ہوتے ہوں۔ (۵) اور ایسا مرد جسکو کسی مرتبہ اور حسن والی عورت نے بلایا تو اسنے کہدیا کہ
إِخْفَاءً حَتّٰى لَا تَعْلَمَ شِمَالُهُ مَا أَنْفَقَ يَمِيْنُهُ وَرَجُلٌ ذَكَرَ اللّٰهَ خَالِيًا
میں اللہ سے ڈرتا ہوں۔ (۶) اور وہ شخص جس نے ایسا چھپا کر صدقہ دیا کہ اس کے بائیں کو پتہ نہ چلا کر اسکے داہنے ہاتھ
فَفَاضَتْ عَيْنَاهُ۔ (بخاری ص ۱۹۱، مسلم ص ۳۳۱ باب فضل اخفاء الصدقة)
نے کیا خرچ کیا۔ (۷) اور وہ شخص جس نے اللہ کو یاد کیا تنہائی میں تو اس کی آنکھیں بہہ پڑیں۔

لغات (الامام) (مذکر و مؤنث) جس کی اقتداء کیجائے، پیشوا، معمار کی سَاہَلْ (وہ ڈوری جس سے سیدھائی دیکھتا ہے) نمونہ، واضح راستہ، آگے کا سبق، خلیفہ، امیر لشکر، مُصلح مُنتظم، قرآن، اِمامت، خِلافت، پیشوائی۔ أَمَّ يَؤُمُّ أَمًّا۔ (ن) قصد کرنا، چندیا پر مارنا، دماغ پر صدمہ پہونچانا۔ إِمَامَةً وَأَمًّا وَإِمَامًا امام بننا۔ اِئْتَمَّ اقتدا کرنا۔ الْعَادِلُ انصاف کرنیوالا، مشرک ج عَادِلُوْنَ۔ عُدُوْلٌ (ض) تیر کو سیدھا کرنا۔ برابر کرنا۔ بِرَبِّهٖ شرک کرنا۔ الطَّرِيْقَ ہٹنا۔ اِلَيْهِ رجوع کرنا وغیرہ۔ (ك) سے عادل ہونا، گواہی کے قابل ہونا۔ (س) سے ظلم کرنا۔ نشاء جوانی کو پہنچنا۔ نوسید ہونا، زندہ ہونا۔ (بابہٗ فتح) عِبَادَةً ایک جاننا، خدمت کرنا، ذلیل ہونا، پرستش کرنا، خضوع کرنا، جھکنا۔ (بابہٗ نصر) باپ دادا سے غلام رہنا۔ (بابہٗ کرم) غضبناک ہونا، ناک منہ چڑھانا۔ ملامت کرنا، انکار کرنا۔ (بابہٗ س) قَلْبُهٗ دل، عقل، گودا، قُلُوْبٌ جمع قَلْب قَلْبًا (ض) پلٹ دینا پھیرنا، لوٹا دینا۔ دل کو قلب اسوجہ سے کہتے ہیں کہ وہ الٹا لٹکا ہوا ہے، اس کا نیچے کا حصہ پتلا

اور اوپر کا موٹا ہے۔ یا اس وجہ سے کہ وہ پلٹتا رہتا ہے، کبھی بھلائی کی طرف کبھی بُرائی کی، اور خوشی اور غمی کی طرف وغیرہ۔ (ن ض) سے دل پر مارنا۔ قَلِبَ (س) الٹے ہونٹوں والا ہونا۔ مُعَلَّقٌ اسم مفعول لٹکا ہوا، عَلِقَ يَعْلَقُ عَلَقًا (ن) عَلِقَ يَعْلَقُ عُلُوقًا (س) حاملہ ہونا۔ چمٹنا، محبت کرنا وغیرہ۔ اَلْمَسَاجِدُ جمع مَسْجِد کی سجدہ گاہ، عبادتگاہ۔ مَسْجَدٌ پیشانی ج مَسَاجِد۔ سَجَدَ سُجُوْدًا (ن) عاجزی کرنا، عبادت کے لئے زمین پر پیشانی رکھنا۔ سَجِدَ سَجَدًا (س) پیر کا پھولنا۔ اَسْجَدُ زیادہ سجدہ کرنیوالا۔ پھولے ہوئے پاؤں والا، سَجَّادَة مِسْجَدَةٌ جائے نماز۔ تَحَابًّا تفاعل سے ایک دوسرے سے محبت کرنا۔ حَبَّ حُبًّا (ض) رغبت کرنا۔ (س ك) سے محبوب ہونا، مرغوب ہونا۔ حَبٌّ دانہ۔ ج حُبُوْبٌ، حُبَّانٌ ایضًا حَبَّةٌ دانہ ج حَبَّاتٌ۔ حِبٌّ دوست، عاشق، محبوب ج اَحْبَابٌ۔ حِبَّانٌ وغیرہ۔ اِجْتَمَعَا اکٹھا ہونا (ف) سے اکٹھا کرنا۔ مفاعلہ سے اتفاق کرنا، موافقت کرنا، ہمبستری کرنا۔ جَمْعٌ جماعت ج جُمُوْعٌ۔ جَمْعٌ مُمَكَّا۔ تَفَرَّقَا جدا ہونا فَرَقَ يَفْرِقُ فَرْقًا (ن ض) جدا کرنا، پھاڑنا، واضح ہونا، روشن ہونا۔ سَمِعَ سے گھبرانا، طَلَبَتْهُ۔ طَلَبَ طَلَبًا (ن) ڈھونڈھنا، راغب ہونا، مفاعلۃ سے اپنا حق مانگنا۔ طَالِب شاگرد۔ ج طَلَبَةٌ وطُلَّابٌ وطَلَبٌ وطُلَّبٌ۔ ذَات ذُو کا مونث ہے تثنیہ ذَوَاتَانِ ج ذَوَاتٌ۔ مَنْصِب اصل، مرجع حسب ونسب، علو مرتبہ و شرافت، اور اسی سے منصب بمعنیٰ عہدۂ حکومت ہے۔ نَصَبَ يَنْصِبُ نَصْبًا (ن ض) بلند کرنا، تھکانا، تکلیف دینا، کھڑا کرنا، گاڑنا۔ (س) سے تھکنا، کوشش کرنا۔ جَمَال خوبصورتی۔ (ك) سے خوبصورت ہونا، خوش خلق ہونا۔ (ن) سے جمع کرنا، پگھلانا۔ اِنِّي اَخَافُ اللهَ خَافَ يَخَافُ خَوْفًا ڈرنا، اندیشہ کرنا (باب سمع) تَصَدَّقَ صدقہ (خیرات) کرنا صَدَقَةٌ کی جمع، صَدَقَاتٌ۔ صَدَاقَةٌ سچی دوستی صَدَقَ يَصْدُقُ صِدْقًا (ن) سچ بولنا، بہادری ظاہر کرنا، صدقہ کو صدقہ اسی وجہ سے کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی سچی محبت پر دال ہے۔ جو اللہ کے لئے مال جیسی عزیز چیز قربان کرتا ہے یقیناً وہ اللہ کی محبت میں سچا ہے۔ اِخْفَاءٌ مصدر باب اِفعال چھپانا۔ خَفِيَ يَخْفَى خَفَاءً وخَفِيَةً (س) چھپنا۔ شِمَال بایاں، اثر، بدبختی، بکری کے تھن کا داغ، کھیتی کا ایک مٹھا، طَيْرٌ شِمَالٌ وہ پرندہ جس سے بدشگونی لی جائے۔ نَاقَةٌ شِمَالٌ تیز رفتار اونٹنی ج شَمَائِل سیرت، عادت، طبیعت کے معنیٰ میں بھی آتا ہے۔ حدیث میں اول معنیٰ مراد ہیں۔ شَمَلَ شُمُوْلًا (ن) بادِ شمالی چلنا، بادِ شمالی کے سامنے کرنا۔ بائیں جانب لینا۔ (س) بادِ شمالی لگنا، لپیٹنا، (ن س) عام ہونا، شامل ہونا وغیرہ۔ اَنْفَقَ خرچ کرنا۔ (س ن) ختم ہونا، کم ہونا، خرید و فروخت رائج ہونا، گرم بازاری ہونا، مرنا، روح نکلنا، چھلنا، گھسنا، نکلنا۔ نَفَقَةٌ خرچ نَفَقَاتٌ ونِفَاقٌ و اَنْفَاقٌ جمع۔ يَمِيْنُهُ داہنا ہاتھ، داہنی جانب ج اَيْمُنٌ، اَيْمَانٌ، اَيْمُنٌ، يَمِيْنٌ قسم اَيْمَانٌ جمع يَمَنَ يَيْمُنُ ويَامَنُ (ض س ك) دائیں طرف لیجانا، بابرکت ہونا۔ فَفَاضَتْ (ض) بہنا، جاری ہونا

پھسل جانا، بہت ہونا۔ اَفَاضَ اِفَاضَۃً بہانا۔

ترکیب

سَبْعَۃٌ ای سَبْعَۃُ اشخاصٍ مبتدا یُظِلُّهُمُ اللّٰہُ الخ فعل فاعل متعلق اور مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر خبر، مبتدا و خبر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اَلْاِمَامُ الْعَادِلُ موصوف صفت مبتدا محذوف اَحَدُهَا کی خبر۔ جملہ معطوف علیہ۔ نَشَأَ فِیْ عِبَادَۃِ رَبِّہٖ فعل ضمیر ھُوَ فاعل اور متعلق سے مل کر مبتدا محذوف ثَانِیْھَا کی خبر۔ جملہ اسمیہ معطوف اول۔ رَجُلٌ مبتدا اول۔ قَلْبُہٗ ثانی مبتدا مُعَلَّقٌ اپنے متعلق فِی الْمَسَاجِدِ سے مل کر خبر مبتدا ثانی کی جملہ اسمیہ خبریہ خبر مبتدا اول کی۔ جملہ اسمیہ خبریہ معطوف ثانی۔ رَجُلَانِ مبتدا تَحَابَّا فعل ھُمَا ضمیر فاعل اور فِی اللّٰہِ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر۔ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ ہو کر پھر مبتدا۔ اِجْتَمَعَا عَلَیْہِ جملہ فعلیہ معطوف علیہ تَفَرَّقَا عَلَیْہِ جملہ فعلیہ معطوف، معطوفین سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ معطوف ثالث۔ رَجُلٌ مبتدا طَلَبَتْ فعل اپنے مفعول ہٗ اور فاعل مرکب اضافی ذَاتُ مَنْصَبٍ وَّ جَمَالٍ سے ملکر جملہ فعلیہ خبر معطوف رابع۔ رَجُلٌ مبتدا تَصَدَّقَ فعل ضمیر ھو فاعل اِخْفَاءً ای صَدَقَۃً مُخْفِیَۃً مفعول مطلق حتّٰی حرف جر لَا تَعْلَمَ فعل شِمَالُہٗ مرکب اضافی فاعل مَا موصولہ اَنْفَقَ یَمِیْنُہٗ فعل فاعل جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول و صلہ مفعول بہ لَا تَعْلَمَ اپنے فاعل و مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور۔ جار مجرور متعلق تَصَدَّقَ کے تَصَدَّقَ فعل اپنے فاعل و مفعول اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر معطوف خامس۔ رَجُلٌ مبتدا ذَکَرَ فعل ضمیر ذوالحال خَالِیًا حال۔ ذوالحال و حال مل کر فاعل۔ لفظ اللّٰہ مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ فا تفریعیہ عاطفہ فَاضَتْ فعل عَیْنَاہُ مرکب اضافی فاعل جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوف علیہ اپنے معطوف سے مل کر معطوف سادس۔ معطوف علیہ اپنے چھؤں معطوفات سے مل کر جملہ معطوفہ ہوا۔

تشریح

جس طالب علم نے (یا اور کسی شخص نے) اپنی نیت درست اور معرفت و توحید حاصل کر لی۔ اور نیکی و بدی یعنی اللہ کی مرضیات و نامرضیات معلوم کر کے مرضیات پر عمل درآمد اور نامرضیات سے پرہیز کیا تو وہ شَابٌّ نَشَأَ فِیْ عِبَادَۃِ رَبِّہٖ کا مصداق ہو گیا جس کو عرش رحمن کا سایہ نصیب ہوگا۔ اسی کی دلیل کے لئے مؤلف رحمۃ اللہ نے بخاری و مسلم کی یہ حدیث ذکر فرمائی ہے۔ کہ سات قسم کے آدمیوں کو اللہ تعالیٰ اُس دن اپنے عرش کا سایہ عطاء فرمائیں گے جس دن اس کے سایہ کے علاوہ کوئی دوسرا سایہ نہ ہوگا۔

فِیْ ظِلِّہٖ میں اضافت ملک ہے۔ یعنی مضاف مملوک اور مضاف الیہ مالک ہے۔ یوں تو ہر سایہ اللہ کی ملک ہے۔ یہاں مراد خاص طور پر ظلِ عرش ہے۔ جیساکہ دوسری جگہ فِیْ ظِلِّہٖ کی بجائے

فِیْ ظِلِّ عَرْشِہٖ مروی ہے اور یَوْمَ لَاظِلَّ سے مراد یَوْمَ یَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ یعنی قیامت کا دن ہے جبکہ سورج قریب تر ہو جائیگا اور اس کی گرمی نہایت تیز ہو جائیگی۔ اور لوگوں کو اپنے اپنے اعمال کے بقدر پسینہ آئیگا۔ ٹخنوں تک، گھٹنوں تک، ناف تک، ٹھوڑی تک، حتیٰ کہ بعض اپنے پسینہ میں غرق ہوں گے۔ اسوقت کسی چیز کا سایہ سوائے سایۂ عرش کے نہو گا۔ بعض علماء نے ظلِ عرش سے مراد ظل الجنّۃ لیا ہے۔ یعنی یہ ساتوں قسم کے لوگ جنت میں داخل ہوکر اس کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے جبکہ لوگ پریشانی کے عالم میں ہوں گے۔ اور عرش کے سایہ سے اسوجہ سے تعبیر کردیا ہے کہ عرش کے نیچے جنت ہے۔ اور عرش سقفِ جنت ہے۔ ابن دینارؒ کہتے ہیں کہ ظل سے مراد ظل الشمس نہیں ہے۔ بلکہ اس سے مراد کرامت وعزت، مکارہ اور پریشانیوں سے حفاظت اور اللہ کی خاص حمایت ہے۔ یہ مطلب نہایت عمدہ ہے۔ کیونکہ سورج اور تمام عالم عرش کے نیچے اور اس کے سایہ ہی میں ہے۔ دراصل ظل کی اضافت عرش کی جانب کرنیسے تقرب وکرامت ہی مراد ہے۔ وجہ یہ ہے کہ عرش مکانِ تقرب ہے۔

(۱) ان ساتوں میں سے ایک خوش نصیب انسان امام عادل ہے۔ امام سے مراد ہر ذمہ دار شخص ہے یعنی جو بھی مسلمانوں کے امور کا ذمہ دار ہو بادشاہ ہو یا وزیر، حاکم ہو یا والی، بہرحال اگر وہ انصاف کی صفت رکھتا ہے تو اس کے لئے یہ بشارت ہے۔ سب سے پہلے امام عادل کا ذکر اسوجہ سے فرمایا ہے کہ کثرتِ مصالح اور عمومِ نفع کا تعلق حاکم ہی سے ہوتا ہے۔ اور اس کے اچھے اثرات اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِہِمْ کی روسے پورے ملک یا اس پورے علاقہ پر پڑتے ہیں جسکا وہ ذمہ دار ہے۔

(۲) دوسرا خوش بخت وہ نوجوان ہے کہ جوانی میں قدم رکھنے سے پہلے ہی وہ اطاعت شعار وعبادت گذار اور نیکیوں کا خوگر ہو چکا تھا۔ ظاہر ہے کہ ایسا شخص اپنی جوانی و پیری میں بھی عبودیت کے وظائف کا پابند ہو گا۔ کیونکہ آغازِ جوانی، لہو ولعب کا وقت اور غفلت وبے پروائی کا دور ہوتا ہے۔ جو ایسے وقت نیک ہو گا تو وہ بقیہ زندگی میں بھی نیک ہی رہیگا۔

(۳) تیسرا شخص وہ سعادت مند ہے کہ جس کا دل مسجد میں اٹکا رہتا ہے۔ کیونکہ وہ نماز کا شوقین ہے، دربارِ خداوندی سے اس کو خاص نسبت ہے۔ اور کسی کے گھر سے تعلق صاحبِ خانہ سے تعلق کی دلیل ہے تو ایسا شخص اللہ کا عاشق ہے۔ اسی وجہ سے حدیث میں ہے کہ جس کی آمد ورفت مسجد میں (نماز کیلئے) بکثرت ہو، تم اس کے مومن ہونے کی گواہی دیدو۔ قرآن میں ہے اِنَّمَا یَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰہِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ الآیۃ حدیث کے الفاظ کا یہ مطلب نہیں کہ وہ شخص مسجد ہی میں بیٹھا رہے۔ بلکہ مسجد میں بار بار آئے۔ کم از کم نماز پنجگانہ باجماعت کی محافظت کرے۔

(۴) چوتھے اللہ کی نسبت سے محبت کرنیوالے مبارک لوگ ہیں جن کی محبت میں اخلاص ہے۔

یعنی صرف اللہ کے لئے ہے، دنیوی اغراض اس میں شامل نہیں، دوسرے صدق ہے، منہ دیکھی محبت نہیں بلکہ ملتے ہیں تو محبت دل میں لیکر، نفاق سے نہیں۔ جدا ہوتے ہیں تب بھی محبت دل میں ہوتی ہے۔ یہ ہی دونوں چیزیں اللہ کو سب سے زیادہ پسند ہیں۔ اخلاص وصدق، جس بندہ میں یہ دونوں جوہر جمع ہوجائیں وہی اللہ کے نزدیک قیمتی اور قابلِ قدر ہوگا۔ احادیث میں حُبّ فی اللہ کے بہت فضائل وارد ہیں۔ بعض حدیثیں اسی کتاب میں آرہی ہیں۔ حتیٰ کہ ایک حدیث میں اس محبت کو ایمان کا موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جنت میں نہیں جاسکتے جبتک مؤمن نہ ہوجاؤ۔ اور مؤمن نہیں ہوسکتے جبتک آپس میں محبت نہ کرو۔ میں تمہیں محبت کا ایک عمل بتلاؤں تم اسے کرلوگے تو محبت حاصل ہوجائے گی۔ وہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کو سلام کیا کرو۔ افسوس ہے کہ آجکل محبتیں دنیوی اغراض کے لئے ہی زیادہ ہوتی ہیں ؎

غرض کا نام ارباب غرض نے دوستی رکھا ؎ یہ الفت درحقیقت اک بڑا سنگین دھوکہ ہے

خصوصًا نفسانی ناپاک دوستیاں ہمارے مدارسِ اسلامیہ میں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ اور ناعاقبت اندیش طلبہ ایسی دوستیوں میں پڑکر علم وعمل دونوں ہی سے محروم ہوجاتے ہیں۔ بلکہ بعض کی تو دین ودنیا دونوں قسم کی زندگیاں تلخ ہوجاتی ہیں۔ نعوذ باللہ۔ اس شیطانی فریب کو محبت سمجھنا ہی غلط ہے۔

نہ عشق است آنکہ بر مردم بود ؎ ایں فسادِ خوردنِ گندم بود

حضرت مولانا محمد یحییٰ صاحب کاندھلویؒ کا مقولہ ہے کہ جس طالب علم کو دوستی کا مرض ہوگا وہ کتنا ہی ذہین کیوں نہو اس کو علم نہ آئیگا۔ اور جس میں دوستی کا مرض نہ ہو وہ کتنا ہی غبی کیوں نہو اس کو علم کا کچھ نہ کچھ حصہ ضرور ملیگا۔

(۵) پانچواں وہ بلند حوصلہ اور بہادر انسان ہے کہ نفسانی خواہش پوری کرنے کے اسباب موجود اور ظاہری رکاوٹ کوئی موجود نہیں ہے مگر خوفِ خدا اس کی دستگیری کرتا ہے، اور وہ اسکو نافرمانی سے محفوظ رکھتا ہے۔ درحقیقت خوف وخشیتِ خداوندی بہت بڑی دولت اور دونوں جہان میں کامیابی کی ضمانت ہے جس کے قلب میں خشیت پیدا ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اس کو حکمت یعنی علم وعمل کی دولت سے سرفراز فرماتے ہیں۔ اسی وجہ سے فرمایا "رَأْسُ الْحِكْمَةِ خَشْيَةُ اللهِ" جس طرح سر کی سلامتی جاندار کی حیات وبقاء کی بنیاد ہے اسی طرح حکمت کے لئے خشیت ضروری ہے وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا۔ قرآن نے خوف وخشیت والے کو جنتی فرمایا ہے۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَاْوٰى۔ (جو اپنے رب کے آگے کھڑا ہونیسے ڈرجائے اور اسوجہ سے نفس کو خواہش سے روکدے تو جنت ہی اسکا ٹھکانہ ہے)

اِنَّمَا تُنْذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكْرَ وَخَشِيَ الرَّحْمٰنَ بِالْغَيْبِ فَبَشِّرْهُ بِمَغْفِرَةٍ وَّاَجْرٍ كَرِيْمٍ

(اے ہمارے نبی آپ اس کو ڈرا سکیں گے جو قرآن کی پیروی کریگا اور اللہ سے اس کو بن دیکھے ڈریگا۔ ایسے شخص کو (جو قرآن کی پیروی کرتا ہو اور اللہ سے ڈرتا ہو) مغفرت اور جنت کی خوشخبری دیدیں)

طلبۂ عزیز اگر علم وعمل، مغفرت وجنت آپکا مدّعا ہے، تو خوف وخشیت خداوندی مطلوب تک رسائی کے لئے آپکا رہبر کامل ہے۔ اور یہ ہیرا اللہ والوں کے در سے ملیگا اور نیک اساتذہ کی خدمت سے حاصل ہوگا ؎

تمنا علمِ دیں کی ہے تو استاذوں کی خدمت کر ٭ نہیں ملتا یہ ہیرا بادشاہوں کے خزانوں میں

نیک اور متبعِ سنت اساتذہ کے قرب وصحبت سے قلب میں خشیت کا پودا اگتا ہے، اور وہ پروان چڑھکر حکمت یعنی علم وعمل کا پھل دیتا ہے۔ یہی مطلب ہے ذیل کے اس مشہور شعر کا ؎

نہ کتابوں سے نہ وعظوں سے نہ زر سے پیدا ٭ علم ہوتا ہے بزرگوں کی نظر سے پیدا

رجل طلبتہ الخ نافرمانی کی دعوت دینے والی معمولی عورت نہیں، مرتبہ وحسب ونسب والی حسین و خوبصورت عورت ہے، دعوت کا اثر، عورت کا فتنہ، مرتبہ و وجاہت جسکی وجہ سے بظاہر اس عمل پر ضرر کا اندیشہ مرتفع اور نفع کی توقع غالب ہے۔ حسن وجمال جس کی طرف انسان کا فطرۃً میلان ہوتا ہے۔ اور جس سے مضبوط وروشن آئینۂ پرہیزگاری میں بال پڑ جاتا ہے۔ اتنی کششوں کے ہوتے ہوئے اور اتنی قیدوں میں گرفتار ہوکر کوئی ایسا بلند حوصلہ اور بہادر، عفت مآب ہی اِنّی اَخَافُ اللہَ کہہ سکتا ہے جسپر اللہ کی خاص نظرِ عنایت وحفاظت ہو، اور اسکو صدیقیت کی شان عطا ہوئی ہو ؎

بہت مشکل ہے بچنا بادۂ گلگوں سے خلوت میں ٭ بہت آساں ہے یاروں میں معاذ اللہ کہہ دینا

اور اِنّی اَخَافُ اللہَ خواہ وہ زبان سے کہے یا قلب میں یہ کیفیت پیدا ہو دونوں کو عام ہے۔ ایک بات اور سمجھیے۔ خوف وخشیت میں تھوڑا سا فرق ہے۔ خشیت وہ ڈر کہلاتا ہے جس میں محبت شامل ہو۔ اور خوف عام ہے۔ بندوں کا اللہ سے ڈرنا خشیت ہے۔ کیونکہ وہ بندوں کا محبوب ہے۔ قرآنِ پاک وحدیث شریف میں بیشتر خوف، خشیت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ خَشْيَتَكَ الَّتِيْ تَحُوْلُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ مَعَاصِيْكَ۔

(۶) رَجُلٌ تَصَدَّقَ الخ چھٹا وہ مخلص وعاشقِ حق ہے کہ جو کچھ وہ اپنے محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں پیش کرتا ہے اس کو اغیار کی نگاہوں سے چھپانے کا اتنا اہتمام کرتا ہے کہ داہنے ہاتھ سے دیتا ہے تو بائیں ہاتھ کو خبر بھی نہیں ہوتی۔ یہ ایک محاورہ ہے جو اردو میں بھی انہیں الفاظ سے مشہور ہے۔ مراد مبالغۂ اخفاء ہے۔ یا یہ کہہ لو کہ داہنے ہاتھ سے دیرہا ہے اتنا چھپا کر کہ جو اس کی بائیں جانب کھڑا ہو اس کو معلوم نہو۔

اس مسئلہ میں علماء نے کلام کیا ہے کہ صدقات میں اخفاء افضل ہے یا اظہار۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ میں اعلان واظہار (سب کے سامنے دینا افضل ہے) کہ اس میں دفع تہمت اور اقامت فرائض کی دعوت بھی ہے۔ نفلی صدقات میں علی الاطلاق اخفاء افضل ہے جس طرح نماز کے فرائض کو باجماعت علی الاعلان پڑھنا ضروری ہے۔ اور نوافل میں اخفاء افضل ہے۔ چنانچہ حدیث میں ہے اَفْضَلُ الصَّلٰوۃِ صَلٰوۃُ الْمَرْءِ فِیْ بَیْتِہٖ اِلَّا الْمَکْتُوْبَۃُ (آدمی کا گھر میں نماز پڑھنا افضل ہے فرض نماز کے علاوہ)۔

دوسرے بعض علماء کا علی الاطلاق اخفاء کے افضل ہونیکا قول ہے۔ بعض کا اس کے برعکس ہے۔ امام نوویؒ کا قول ان سب میں بہتر ہے۔ اور عمدہ بات یہ ہے کہ اگر دل میں اخلاص ورضائے الٰہی کا مکمل جذبہ ہے۔ اور جس کو دے رہا ہے اس کی اذیت وشرمندگی کا اندیشہ نہیں تو اخفاء واظہار سب برابر ہے۔ اور اگر نفس اظہار سے پھولتا ہے تو اخفاء افضل ہے۔ اسی طرح اگر زکوٰۃ ظاہر کرکے دینے میں دفع تہمت اور ترغیب مقصود ہے۔ مثلاً کوئی دیندار ہے یا عالم ومقتدا ہے اگر وہ چھپا کر دیگا تو لوگ اس کو متہم کریں گے، اور خود زکوٰۃ کا اہتمام نہ کریں گے تو اظہار کا اہتمام کرنا چاہئے۔ یعنی لوگوں کے علم میں آجائے کہ یہ صاحب زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ اسی طرح نفلی صدقات کا اظہار اگر لوگوں کی ترغیب کا باعث ہو تو اظہار افضل ہے۔ اگر مذکورہ مصالح میں سے کوئی مصلحت نہو تو پھر اخفاء ہی بہتر ہے۔ کیونکہ نفس کی شرارتوں سے زیادہ حفاظت اسی صورت میں ہے۔

(۷) وَرَجُلٌ ذَکَرَ اللّٰہَ۔ ساتواں شخص محبوب حقیقی کا وہ دیوانہ ہے کہ تنہائیوں میں محبوب کو یاد کرکر کے روتا ہے۔ رات کی تاریکیوں میں چھپ کر اس کے عشق میں یا اس کی ناراضگی کے خوف سے آنسو بہاتا ہے

ایک ٹیس جگر میں اٹھتی ہے ایک درد سا دل میں ہوتا ہے ۔ ہم رات کو رویا کرتے ہیں جب سارا عالم سوتا ہے

ہمارا کام ہے راتوں کو رونا یادِ دلبر میں ۔ ہماری نیند ہے محوِ خیالِ یار ہو جانا

ذَکَرَ اللّٰہَ خَالِیًا۔ اللہ کو یاد کرکے رونا بہرحال محمود ہے۔ البتہ جلوت میں ریاکاری اور بناوٹ کا احتمال بھی ہے۔ اور عموماً مخلصین بغیر مغلوب الحال ہوئے دوسروں کے سامنے روتے بھی نہیں ہیں۔ انکا رونا دھونا تنہائیوں میں ہی ہوتا ہے۔ تنہائی میں رونا مخلصوں کا طریقہ بھی ہے اور اخلاص کی دلیل بھی۔ اسوجہ سے خالیًا کی قید لگادی گئی۔ احتمالِ ریاء سے احتراز ہے۔ تو یہ قید احترازی ہے۔ اور طرز مخلصین کو بیان کرنا ہے۔ تو احترازی بھی ہوسکتی ہے کہ بکاءِ غیر مخلصین سے احتراز مقصود ہے۔ اور قیدِ اتفاقی دواقعی بھی ہوسکتی ہے کہ درحقیقت بیانِ واقعہ ہے۔ فَفَاضَتْ عَیْنَاہُ سے زیادہ مبالغہ اور بکاء بغیر تکلف سمجھ میں آتا ہے اس کی بہ نسبت کہ یوں کہا جاتا فَفَاضَتْ دُمُوْعُہٗ۔ کما لا یخفی۔ اور رونے کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں۔ غلبۂ شوق اور شدّتِ خوف۔ اور دونوں ہی محمود ہیں۔ ایسے رونے والوں کے لئے احادیث میں جہنم کے حرام ہونے اور جنت کے واجب ہونیکی بشارتیں

اور خوشخبریاں وارد ہوتی ہیں۔ یہ بات بھی یاد رکھیئے کہ محبت سے ذکر پیدا ہوتا ہے، اور ذکر سے محبت میں کمال اور کمال کی علامت یہ ہے کہ محبوب کے ناراض ہونے کے خوف اور اس کے وصال کے شوق میں بے ساختہ آنکھوں سے اشکوں کی بارش ہوا کرے۔ روایت بالا کے الفاظ میں رُواۃ کا جزوی اختلاف بھی ہے۔ جس کا ذکر مبتدئین کے مناسب حال نہیں۔

وَهٰذَا شُرُوْعٌ فِي الْمَرَامِ وَفَّقَنِيَ اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ لِخَيْرِ الْخِتَامِ فَاَوَّلُ مَا

اور یہ مقصد میں شروعات ہے اللہ تعالیٰ مجھ کو اور تم کو حسنِ خاتمہ عطاء فرمائے۔ پس سب سے پہلے

يَلْزَمُ عَلَيْنَا تَحْقِيْقُهٗ وَتَنْقِيْحُهٗ اَنَّ الْبِرَّ مَاهُوَ۔

جس کا بیان کرنا اور خلاصہ کرنا ہم پر ضروری ہے یہ بات ہے کہ نیکی کیا ہے۔؟

لُغات

شُرُوْعٌ ابتداء، آغاز، شَرَعَ شَرْعًا وشُرُوْعًا (ف) فِي الْمَاءِ پانی میں داخل ہونا، اوک سے پانی پینا، جانور کو پانی پر لیجانا، شروع کرنا، کام میں مشغول ہونا، راستہ ظاہر ہونا، کرنا (لازم و متعدی) شَرْعٌ وَضْعٌ اِلٰهِيٌّ لِعِبَادِهٖ اللہ کے مقرر کردہ احکام۔ خَيْرٌ بھلائی، نیکی، مال ج خُيُوْرٌ، اَخْيَارٌ، خِيَارٌ۔ خَارَ يَخِيْرُ خَيْرًا (ض) فضیلت دینا۔ انتخاب کرنا، چننا۔ خَيْرٌ اسم تفضیل کا صیغہ اَخْيَرُ کا مخفف ہے۔ اور اس کی مؤنث خَيْرَةٌ آتی ہے۔ اَلْخِتَامُ۔ خَتَمَ يَخْتِمُ خَتْمًا وخِتَامًا مہر لگانا، ختم کرنا۔ خَتْمٌ مہر، شہد۔ خِتَامٌ وہ چیز جس سے مہر لگائی جائے۔ اَوَّلُ پہلا ج اَوَائِلُ، اَوَالٍ، اَوَّلُوْنَ۔ مؤنث اُوْلٰى ج اُوَلٌ اُوْلَيَاتٌ۔ لفظِ اول جب صفت واقع ہوتا ہے تو غیر منصرف ہوتا ہے دو سببوں (وزنِ فعل و وصفیت) کی وجہ سے جیسے لَقِيْتُهٗ عَامًا اَوَّلَ اور اس کے ماسوا سب صورتوں میں منصرف ہوتا ہے۔ آلَ يَئُوْلُ اَوْلًا لوٹنا يَلْزَمُ (س) لازم ہونا۔ ضروری ہونا، چمٹنا، لِزَامٌ موت، حساب، بہت چمٹنے والا۔ فیصلہ۔ تَنْقِيْحٌ تحقیق کرنا، اختصار کرنا، صاف کرنا، اصلاح کرنا، درست کرنا۔ نَقَحَ يَنْقَحُ نَقْحًا (ف) گودا نکالنا، چھیل کر صاف کرنا، خالص کو ردی سے جدا کرنا۔

ترکیب

واؤ مستانفہ هٰذَا مبتدا شُرُوْعٌ اپنے متعلق فِي الْمَرَامِ سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔ وَفَّقَنِيَ اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ فعل۔ لفظِ اللہ فاعل، یائے متکلم معطوف علیہ اِيَّاكُمْ معطوف سے ملکر مفعول بہ لِخَيْرِ الْخِتَامِ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ معترضہ ہوا فا تعقیبیہ اَوَّلُ مضاف مَا موصول يَلْزَمُ فعل اپنے فاعل تَحْقِيْقُهٗ وَتَنْقِيْحُهٗ (معطوفین) سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر صلہ۔ موصول وصلہ مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ مل کر مبتدا اَنَّ حرفِ مشبہ بفعل الْبِرَّ اسم

مَا بمعنی اَیُّ شئی، مبتدا هُوَ خبر جملہ اسمیہ اَنّ کی خبر۔ اَنَّ مع اسم و خبر جملہ بتاویل مفرد خبر۔ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تشریح اس تمہید مفید کے بعد مؤلف اصل موضوع کا آغاز کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ یہ آغازِ مقصد ہے۔ حق جلّ شانہ، مجھ کو اور تم کو حُسنِ خاتمہ کی دولت سے سرفراز فرمائے۔ آغاز انجام کے لئے اور ابتدا اختتام کے لئے ہوتی ہے۔ انجام اچھا ہے تو آغاز بھی مبارک ہے۔ لامحالہ آغاز پر انجام کو پیشِ نظر رکھنا اور اس میں خیر پیدا ہونے کی دعاء کرنا برمحل ہے۔ خاتمہ کے اچھا ہونے کی دعاء کا منشاء بظاہر ایمان پر موت ہے۔ اگرچہ محتمل ختمِ کتاب بخیر و عافیت بھی ہے۔ مؤلف کیلئے تالیف کے اعتبار سے اور طالب کے لئے پڑھنے کے اعتبار سے مگر راجح اول ہی ہے۔ جو ہر کوشش و عملِ خیر کا منشاء ہے۔ وَالْاِعْتِبَارُ بِالْخَوَاتِیْم۔

چونکہ کتاب میں دو بحثیں ہوں گی۔ ایک بِرّ (نیکی) کی۔ دوسری اِثم (گناہ) کی۔ اسلئے فرماتے ہیں کیونکہ اصل و اہم مقصد بِرّ کا بیان ہے۔ اسلئے اول "بر" کی حقیقت کا بیان کیا جاتا ہے۔ اس سے فراغت کے بعد بحثِ اثم کا نمبر آئیگا۔ انشاء اللہ۔

اَلْبِرُّ مَا هُوَ؟

نیکی کیا ہے؟

(۵) قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ

اللہ عزّ و جلّ نے ارشاد فرمایا کہ نیکی یہی نہیں ہے کہ تم اپنا رُخ پورب یا پچھم کی سمت کرلو۔

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ

لیکن نیک (درحقیقت) وہ شخص ہے جو اللہ پر اور آخری دن پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ

ایمان رکھتا ہو اور اللہ کی محبت (کی بنا) پر مال رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں

وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ

اور (محتاج) سائلوں کو اور (قیدیوں اور غلاموں کی) گردن چھڑانے میں دیتا ہو اور نماز کی پابندی کرتا ہو اور زکوٰۃ

بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ

ادا کرتا ہو اور (نیک وہ لوگ ہیں) جو اپنا عہد پورا کرتے ہیں جب عہد کر لیتے ہیں اور وہ لوگ جو صبر کرتے ہیں تنگدستی

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝ (سورۃ البقرۃ پ۲ ع۶ آیت ۷۷)

اور بیماری میں اور جہاد کیوقت یہی لوگ (واقعۃً) سچے ہیں اور یہی لوگ (اصلی) متقی ہیں۔

لغات عَزَّ عِزًّا (ض) عزیز ہونا، قوی ہونا، ضعیف ہونا، قلیل ہونا، کمیاب ہونا، دشوار ہونا، کریم ہونا، غالب ہونا۔ باب نَصَرَ سے متعدی، قوی کرنا، عزت کی کوشش میں غالب کرانا۔
عَزَّزَ مدد کرنا، قوی کرنا، معزز بنانا، تعظیم کرنا، عِزٌّ عزت، سخت بارش، عَزِیْز، شریف، قوی، نادر، معزز، بادشاہ، ایسا بلند کہ اس کا حصول دشوار ہو اور وہ مغلوب نہ ہوسکے، اور کوئی اس کو عاجز نہ کرسکے اور اس کے مانند کوئی نہ ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ج عِزَازٌ، اَعِزَّاءُ۔ عَزِیْز وزیر مصر کا لقب بھی رہا ہے۔ جَلَّ (ن ض) مصدر جَلَاءٌ وجُلُوْلٌ، جَلَالٌ وجَلَالَۃٌ بڑے مرتبہ والا ہونا، حجم میں بڑا ہونا، اپنے وطن سے دوسرے شہر کو چلے جانا، بڑے حصہ کو لینا وغیرہ۔ جَلِیْل صفت۔ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ ج اَجِلَّاءُ واَجِلَّۃٌ وجِلَّۃٌ۔ تَوَلَّوْا باب تفعّل سے چھوڑ دینا، اعراض کرنا، پیٹھ دیکر بھاگنا دوستی کا بدل جانا، مستعد ہونا، ذمہ داری لینا۔ (ض) سے (قلیل الاستعمال ہے) والی ہونا، متصرف ہونا، محبت کرنا، مدد کرنا (س) سے قریب ہونا۔ قِبَلٌ جانب، سمت، طاقت، قدرت۔ قِبْلَۃٌ جہت جس چیز کا سامنا کیا جائے۔ قُبْلَۃٌ بوسہ، کفالت، ضمان (س) سے قبول کرنا، تصدیق کرنا۔
(ن) سے پُروا ہوا چلنا، مشغول ہونا، لازم ہونا، متوجہ ہونا۔ نیز (س) سے عورت کا دائی جنائی ہونا۔ دایہ گری کرنا۔ مَشْرِق مثلث الراء طلوع آفتاب کی جگہ یا جہت ج مَشَارِق (ن) سے کان کو لمبائی میں چیرنا۔ آفتاب طلوع ہونا (ن) سے آنکھ کا سرخ ہونا، زخم کا خون سے بھرنا وغیرہ۔ شَرَقَ آفتاب الْمَغْرِبُ پچھم، آفتاب غروب ہونے کی جگہ۔ ممالک یورپ۔ مَغْرِبَان طلوع وغروب کی جگہ۔ (ن) سے وطن سے علیحدہ ہونا، پردیسی ہونا، پوشیدہ ہونا۔ (س) سے چہرہ کا لو سے کالا ہوجانا، دور ہونا، وطن سے جدا ہونا، پچھم میں پہونچنا، جلاوطن کرنا، مسافرت پر ابھارنا، دور کرنا، جدا کرنا۔ اَغْرَبَ مغرب میں جانا، عجیب چیز لانا، فصیح ہونا۔ نوادرات بیان کرنا۔ اَلْیَوْمُ الْاٰخِر آخری دن، قیامت کا دن۔ الملٰئکۃ ج مَلَكٌ کی فرشتہ۔ یہ یا تو اَلْاَلُوْکَۃُ سے ماخوذ ہے اَلَكَ یَأْلِكُ اَلُوْکَۃً واَلُوْکًا ومَأْلَکًا واِلَاکَۃً (ض) پیغام پہونچانا اِسْتَالَكَ پیغام لیجانا۔ یا مِلْكٌ سے ماخوذ ہے مَلَكَ یَمْلِكُ مِلْکًا (ض) مالک ہونا، غالب ہونا، قابو رکھنا۔ اَمْلَكَ ومَلَّكَ مالک بنانا، بادشاہ بنانا۔ مَلِكٌ بادشاہ، صاحب قوت واقتدار۔ اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے ج مُلُوْكٌ واَمْلَاكٌ۔ مُلْكٌ بادشاہت ملکیت۔ ج مُلُوْكٌ واَمْلَاكٌ۔ مَلَكٌ، مَلَاكٌ فرشتہ۔ دراصل مَأْلَكٌ، مَأْلَاكٌ تھا یا مَلْأَكٌ اور مَلْأَكٌ تھا۔ بہر دو صورت تخفیف کی گئی ہے ج مَلَائِکَۃٌ ومَلَائِكُ۔ وَالْکِتَابُ جسمیں لکھا جائے خط، صحیفہ، فرض، حکم، اندازہ ج کُتُبٌ وکُتْبٌ۔ والکتاب علی الاطلاق ہر وہ کتاب جو منزل من اللہ ہو۔ اہل کتاب جن کے پاس آسمانی کتاب ہو۔ اُمُّ الکتاب سورۃ فاتحہ، لوح محفوظ۔ کتاب اللہ (قرآن) هو القرآن المنزّل على الرّسول (محمدٍ) عليه السّلامُ المكتوبُ في المصاحفِ المنقولُ عنهُ

نَقلاً مُتَوَاتِرًا بِلَا شُبهَةٍ ۔ کَتَبَ یَکتُبُ کَتْبًا وَکِتَابًا وَکِتَابَۃً وَکِتْبَۃً (ن) لکھنا، واجب کرنا، مفاعلہ سے خط وکتابت کرنا، مکاتب بنانا۔ مَکْتُوْبٌ خط مَکَاتِیْب جمع۔ وَالنَّبِیّیْنَ النَّبِیّ کی جمع ہے یا تو ماخوذ ہے نُبُوَّۃٌ سے جس کے معنی پیغامبری وبلندی کے ہیں۔ یا نَبَاوَۃٌ سے جس کے معنی شرافت وریاست کی طلب اور پیش قدمی کے۔ یا نَبْوٌ سے جس کے معنی ارتفاع وبلندی کے ہیں۔ یہ سب نصر سے مستعمل ہیں۔ یا نَبَاءٌ سے ماخوذ ہے۔ نَبَأَ یَنْبَأُ نُبُوْءًا (ف) دور ہونا، بلند ہونا، خبر دینا، ایک زمین سے دوسری زمین کی طرف نکلنا۔ اللہ کے الہام سے غیب کی باتیں بتانا۔ پیشین گوئی کرنا، پیغامبری کرنا۔ النَّبِیءُ النَّبِیُّ الہام سے غیب کی باتیں بتانے والا، آئندہ کی پیشگوئی کرنیوالا، خدا کی طرف سے پیغامبر۔ ج نَبِیئُوْنَ وَاَنْبِیَاءُ۔ نُبَیٌّ تصغیر نَبَوِیٌّ نسبت۔ وَآتَی اِیْتَاءً دینا، بھیجنا، بدلہ دینا۔ اَتَی یَأْتِیْ اِتْیَانًا وَاَتْیًا وَاِتْیَانَۃً (ض) آنا، حاضر ہونا، کرنا، پورا کرنا، نافذ کرنا، ہلاک کرنا۔ اَتَا یَأْتُوْا اَتْوًا (ن) پھل ظاہر ہونا، رشوت دینا، چغلخوری کرنا۔ اَلْمَالُ ج اَمْوَالٌ دولت۔ اہل بادیہ کے نزدیک اس کا اطلاق چوپاؤں پر ہوتا ہے۔ (مذکر ومؤنث ہے) جائداد اور نقد ہر قسم کو مال کہتے ہیں۔ رَجُلٌ مَالٌ بہت مالدار مرد، مؤنث مَالَۃٌ اس صورت میں مال کی جمع مَالَۃٌ ومَالُوْنَ اور مَالَۃٌ کی جمع مَالَۃٌ ومَالَاتٌ ہے۔ مَالَ یَمُوْلُ مَوْلًا (ن) مالدار ہونا اور مال دینا، مالدار بنانا۔ تَمَوُّلٌ مال جمع کرنا۔ ذَوِی جمع ذُوْ کی۔ قُرْبٰی قرابت، رشتہ داری۔ قُرْبَۃٌ قَرَابَۃٌ بھی اسی معنی میں ہیں۔ (س،ک) سے قریب ہونا۔ (س) سے کوکھ کے درد والا ہونا۔ (ن) سے تلوار کو میان میں داخل کرنا۔ وَالْیَتَامٰی جمع یَتِیْمٌ کی۔ انسانوں میں سے وہ نابالغ بچہ جس کا باپ مر گیا ہو، دیگر حیوانات میں سے وہ بچہ جسکی ماں مر گئی ہو۔ جمع اَیْتَامٌ، یَتْمَۃٌ، یَتِیْمَۃٌ، یَتَائِمُ، یَتَامٰی جمادات میں بے مثل، بے نظیر، اکیلا دُرَّۃٌ یَتِیْمَۃٌ۔ یُتْمٌ یتیمی کی حالت، یکتائی۔ یُتْمٌ غم۔ یَتَمَ یَیْتِمُ وَیَتِمَ یُتْمًا (ض ن س) یتیم ہونا، نیز (ض) سے کوتاہی کرنا، سستی کرنا، تھکنا، دیر کرنا۔ وَالْمَسَاکِیْن جمع مِسْکِیْنٌ کی وہ شخص جسکے پاس کچھ نہ ہو یا اتنا نہ ہو جو اس کے عیال کی کفایت کر سکے، مسکین، ذلیل ومغلوب ج مِسْکِیْنُوْنَ مَسَاکِیْن (ن) سے ٹھہرنا، آرام کرنا، درد کا دور ہونا، حرف کا بغیر حرکت کے ہونا، اقامت کرنا، رہنا (ن ک) سے مسکین ہونا۔ اَسْکَنَ مسکین ہونا، غریب ومسکین بنانا۔ سَکِیْنَۃٌ وقار، اطمینان، ہیبت۔ وَابْنَ السَّبِیْلِ مسافر، سبیل راستہ، واضح راستہ (مذکر ومؤنث) ج سُبُلٌ وسُبْلٌ، اَسْبُلٌ، اَسْبِلَۃٌ، سُبُوْلٌ۔ سَبِیْلُ اللہِ جہاد، طلب علم، حج، امور خیر جن کا اللہ نے حکم دیا۔ (ن) گالی دینا۔ وَالسَّائِلِیْنَ۔ سائل جمع مانگنے والا۔ سُؤَّلٌ، سُؤَّالٌ، سَأَلَۃٌ بھی جمعیں آتی ہیں۔ (ف) سے سوال کرنا، طلب کرنا، مانگنا، درخواست کرنا، اس کا تعدیہ دو مفعولوں کی طرف ہوتا ہے۔ اور جب استخبار کے معنی میں ہو تو مفعول اول کی طرف بنفسہ اور مفعول ثانی کی طرف بواسطہ عن

متعدی ہوتا ہے۔ وَفِي الرِّقَابِ رَقَبَةٌ کی جمع گردن یا پسِ گردن۔ رَقَبَاتٌ۔ رَقَبٌ۔ اَرْقُبٌ بھی جمعیں آتی ہیں۔ رَقَبَة کا اطلاق غلام و مملوک پر بھی آتا ہے۔ یہاں یہی مراد ہے رَقَبَ یَرْقُبُ رُقُوْبًا رَقَابَةً رِقْبَانًا رِقْبَةً (ن) انتظار کرنا، نگہبانی کرنا، ڈرانا۔ وَاَقَامَ باب اِفعال سے قائم کرنا، پابندی کرنا نَصَرَ سے کھڑا ہونا، ٹھہرنا۔ وَالْمُوْفُوْنَ اسم فاعل ایفاء سے پورا کرنا۔ وَفَا یَفِيْ وَفَاءً (ن) پورا کرنا، برابر ہونا بِعَهْدِهِمْ۔ عہد وفا، ضمان، امان، ذمہ، دوستی، وصیت، میثاق، قسم، شاہی فرمان ج عُهُوْدٌ عَهِدَ عَهْدًا (س) حفاظت کرنا، دیکھ بھال کرنا، پورا کرنا، ملاقات کرنا۔ عُهْدَةٌ ضمان، کفالت مَعْهُوْد معروف و مشہور۔ مُعَاهَدَة ایک دوسرے سے عہد کرنا۔ وَالصّٰبِرِيْنَ جمع صَابِر کی۔ صبر کرنیوالا (ض) سے دلیری کرنا، بہادری کرنا، رُک جانا، مجبور کرنا، لازم کر دینا، جانور کو بغیر چارہ کے باندھنا روک دینا۔ عموماً عَمَّ سے لازم آتا ہے، ضامن ہونا، ضامن دینا (بابِ نصر) صبر بہادری، مصیبت کی شکایت نہ کرنا۔ الصَّبُوْرُ بُردبار۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ ج الصُّبُرُ۔ فِي الْبَاْسَاءِ لڑائی، بھوک، شدت، محتاجی۔ الْبُؤْسُ کے بھی یہی معنی ہیں۔ بَاْسٌ بہادری، قوت، خوف، عذاب۔ بَئِسَ بُؤْسًا بِئْسًا بُؤُوْسًا (س) سخت حاجتمند ہونا۔ بَائِسٌ محتاج ج بُؤَسٌ بُؤْسٌ (ك) بَاْسًا مضبوط و بہادر ہونا وَالضَّرَّاءِ سختی، قحط، جانی و مالی نقصان۔ الضَّرَّة جانی و مالی نقصان، الضَّرَّة حاجت، تنگ حالی، تکلیف، پستان کی جڑ، پستان، تھن، مالِ کثیر، سوکن ج ضَرَائِرُ الضَّارُّ نقصان پہونچانیوالا۔ اسمائے باری میں سے ہے۔ ضَرُوْرَةٌ، ضَارُوْرَةٌ، ضَارُوْرٌ، ضَارُوْرَاءُ حاجت ضَرُوْرِيٌّ جس پر انسان مجبور ہو۔ ضَرَّ يَضُرُّ ضَرًّا (ن) نقصان پہونچانا، مجبور کرنا۔ الْمُتَّقُوْنَ جمع مُتَّقِيْ کی پرہیزگار، صاحب تقویٰ (ض) سے پرہیز کرنا، خوف کرنا، پرہیزگار ہونا، تَقْوٰی پرہیزگاری خوفِ خدا تُقَاةٌ پرہیزگاری تُقًی جمع۔ تَقِيّ کی جمع اَتْقِيَاء، تُقَوَاءُ۔

ترکیب

قَالَ اللّٰهُ فعل فاعل جملہ فعلیہ قول عَزَّ فعل ضمیر ھو فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ وَجَلَّ جملہ فعلیہ معطوف، معطوف علیہ و معطوف جملہ معطوفہ معترضہ لَيْسَ فعل ناقص، الْبِرَّ اس کی خبر مقدم اَنْ تُوَلُّوْا فعل ضمیر اَنْتُمْ فاعل وُجُوْهَكُمْ مرکب اضافی مفعول بہ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ مرکب اضافی مفعول فیہ جملہ فعلیہ لَيْسَ کا اسم لَيْسَ اپنے اسم و خبر سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ مستدرک منہ۔ واوٗ زائدہ لٰكِنَّ حرف مشبہ بہ فعل برائے استدراک الْبِرَّ اسم فاعل یا مصدر۔ اسم۔ مَنْ موصولہ اٰمَنَ فعل ضمیر ہو فاعل بَا جارہ اللّٰه معطوف علیہ اپنے تمام معطوفات (الیوم الآخر تا النبیین) سے مل کر مجرور متعلق فعل اٰمَنَ اپنے فاعل و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبریہ ہو کر صلہ موصول و صلہ مل کر خبر لٰكِنَّ اسم و خبر سے مل کر جملہ اسمیہ معطوف علیہ وَاٰتَى فعل ضمیر ھو فاعل الْمَالَ

مفعول بہ عَلٰی حُبِّہٖ متعلق ذَوِی الْقُرْبٰی اپنے اگلے چاروں معطوفات سے مل کر مفعول ثانی۔ فِی الرِّقَابِ بذریعہ عطف متعلق ثانی۔ اٰتَی اپنے فاعل دونوں مفعولوں اور دونوں متعلقوں سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف اول وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف ثانی وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ اسی طرح معطوف ثالث، الْمُوْفُوْنَ مبتدا ای الَّذِیْنَ یوفون بِعَهْدِهِمْ۔ اِذَا حرف شرط عَاهَدُوْا فعل ھم ضمیر پوشیدہ فاعل جملہ فعلیہ شرط جملہ ماقبل دال علی الجزاء۔ جملہ شرطیہ جزائیہ معطوف رابع۔ الصّٰبِرِیْنَ صیغہ اسم فاعل، الْبَاْسَآءِ معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں الضَّرَّآءِ اور حِیْنَ الْبَاْسِ مرکب اضافی سے مل کر مجرور فِی کا ہوکر متعلق۔ الصّٰبِرِیْنَ اپنے متعلق سے مل کر مفعول بہ اَمْدَحُ فعل با فاعل محذوف کے۔ جملہ فعلیہ خبریہ ہوکر معطوف خامس۔ معطوف علیہ (وَلٰکِنَّ الْبِرَّ الخ) اپنے پانچوں معطوفات سے ملکر مستدرک۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا الَّذِیْنَ اسم موصول صَدَقُوْا صلہ جملہ فعلیہ سے ملکر خبر۔ معطوف علیہ۔ اُولٰٓئِكَ مبتدا۔ هُمْ مبتدا ثانی الْمُتَّقُوْنَ خبر۔ مبتدا خبر مل کر خبر مبتدائے اول۔ وہ اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ معطوف۔ یا هُمْ کو ضمیر فصل مان لو۔

تشریح

(۱) مؤلف علیہ الرحمۃ مقصود کا آغاز کرتے ہوئے بِرّ (نیکی) کی بحث شروع کرتے ہیں چنانچہ عنوان "اَلْبِرُّ مَا هُوَ" (نیکی کیا ہے) کے تحت سورۂ بقرہ کی وہ آیت شریفہ تحریر فرمائی جس میں بہت سے اہم ابواب بِر اجمالاً مذکور ہیں۔ اور وہ یہ ہیں (۱) اللہ پر ایمان، (۲) قیامت پر ایمان (۳) فرشتوں پر ایمان (۴) اللہ کی کتابوں پر ایمان (۵) نبیوں پر ایمان (۶) اللہ کی خوشنودی کے لئے رشتہ داروں کے ساتھ احسان وسلوک (۷) یتیموں کی پرورش (۸) مسکینوں اور محتاجوں کی مدد (۹) مسافروں کا مالی تعاون (۱۰) مانگنے والے اصحاب حاجت کے ساتھ مالی ہمدردی (۱۱) غلاموں کی آزادی اور قیدیوں کی رہائی (۱۲) نماز کی پابندی (۱۳) زکوٰۃ کی ادائیگی (۱۴) عہد وپیمان کی حفاظت (۱۵) جہاد (۱۶) مرض وتنگدستی میں صبر واستقامت۔

اس آیت کو موضوع بِرّ کی بنیاد بناکر عنوانات مذکورہ مجملہ کی آئندہ بالترتیب وضاحت فرمائی ہے۔ مزید برآں احادیث سے پچاس عنوانات کے تحت دیگر ابواب بِر کو ان عنوانات کی تفصیلات کے بعد ذکر فرمایا ہے۔ اس طرح "بِر" کی حقیقت کو ۶۵ عنوانات میں واضح کیا ہے جنمیں ۳۵۱ نصوص کو جمع کیا ہے۔ اس اجمال وتفصیل کی تکریر سے تقرر فی القلب کا فائدہ نہایت عمدہ ولطیف طریقہ پر حاصل ہوا۔ فَلِلّٰہِ دَرُّہٗ۔

(۲) آیت بالا کا مطلب سمجھنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ جب مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس کے بجائے بیت اللہ کردیا گیا تو دشمنان اسلام یہود ونصاریٰ اور مشرکین نے (جو ہمہ وقت

عیب جوئی کی فکر میں رہتے تھے) بڑا شوروشغب کیا اور طرح طرح سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام پر طعن وتشنیع اور اعتراضات کا سلسلہ جاری کردیا۔ قرآن پاک میں اس آیت سے پہلی آیات میں ان کے جوابات خوب تفصیل سے آچکے ہیں۔ اس مذکورہ بالا آیت میں اس بحث کو ایک خاص انداز میں ختم کردیا گیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ تم نے سارا دین اسی بات میں منحصر سمجھ رکھا ہے کہ نماز میں انسان کا رُخ مغرب کی طرف ہو یا مشرق کی، اور مُراد اس سے مطلق سمتیں ہیں۔ گویا اے معترضین تم نے جہتوں ہی کو مقصد بناکر تمام دین اسی میں دائر ومنحصر سمجھ لیا ہے۔ گویا کہ اسکے علاوہ اور کوئی نیک کام ہے ہی نہیں۔ اور خطاب عام کے ذریعہ (جس میں یہود ونصاریٰ، مشرکین اور مسلمان سبھی شامل ہیں) ارشاد فرمایا کہ اصل بِرّ اور ثواب اللہ کی اطاعت میں ہے۔ وہ جس رُخ کا حکم دیں وہی صواب وباعث ثواب ہے۔ فی نفسہٖ کسی سمت کی کوئی اہمیت وفضیلت نہیں۔

(۳) (سوال) مشرق ومغرب سے مطلق جہات مراد ہیں تو انہی دو سمتوں کے ذکر کی کیا خصوصیت ہے؟

(جواب) کیونکہ معترضین میں پیش پیش بلکہ اصل معترض یہود ونصاریٰ ہی تھے۔ اور یہود بیت المقدس کی جانب نماز میں اپنا رُخ کرتے تھے۔ جو ان کی اصل شامی آبادیوں سے جانب مغرب واقع ہے۔ اور نصاریٰ جانب مشرق رُخ کرتے تھے۔ کیونکہ جس مقام (بیت اللحم) میں حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش ہوئی تھی۔ وہ بیت المقدس سے جانب مشرق تھا۔ اور بطن مریم میں بھی اسی وقت آئے تھے جب حضرت مریم اپنے مکان کی شرقی جانب تشریف فرما تھیں۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَھْلِھَا مَکَانًا شَرْقِیًّا۔ الحاصل مغرب ومشرق کی جہتیں یہود ونصاریٰ کے قبلے تھے۔ اُن پر تعریض اور اُن کے واہیات اقوال کی تردید کے لئے خاص طور پر ان دونوں جہتوں کو ذکر کیا گیا۔

(۴) آیت بالا دین کے اصول وفروع کی تعلیمات وہدایات اور احکام اسلامیہ کی ایک نہایت جامع آیت ہے۔ اس کے بعد سورۂ بقرہ کے ختم تک تقریباً اسی آیت شریفہ کی تشریحات وتفصیلات ہیں اس آیت عظیمہ میں مختصراً تمام احکام شرعیہ اعتقادات، عبادات، معاملات اور اخلاق کا اجمالی ذکر آگیا ہے۔ اعتقادات کا ذکر مَنْ اٰمَنَ سے وَالنَّبِیّٖنَ تک۔ عبادات کا ذکر وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ تک، معاملات کا ذکر وَالْمُوْفُوْنَ بِعَھْدِھِمْ اِذَا عَاھَدُوْا میں اخلاق کا بیان وَالصّٰبِرِیْنَ سے وَحِیْنَ الْبَاْسِ تک آخر میں ارشاد ہے کہ سچے مومن وہی لوگ ہیں جو ان احکام کے پابند ہیں۔ اور یہی لوگ واقعۃً متقی کہلائے جاسکتے ہیں۔ یا یہ کہیے کہ محض چند رسوم کی پابندی کرلینا مکمل طاعت وکمالِ بر

۵۷ آیت کا یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ نماز پڑھ لینا ہی مکمل دین نہیں ہے، بلکہ بندہ کے ذمہ اللہ کے اور بندوں کے دوسرے حقوق بھی ہیں جن کے اصول کو اس آیت میں ذکر فرمایا ہے۔ ۱۲ ان

نہیں۔ کمالِ اطاعت یہ ہے کہ انسان احکامِ الٰہیہ کے موافق اپنی قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ کی تکمیل کرے۔ قوتِ نظریہ کی تکمیل عقائد کی درستگی میں ہے۔ جس کو آیت میں وَالنَّبِیِّیْنَ تک بیان فرمایا ہے۔ اور قوتِ عملیہ کی تکمیل حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی میں ہے۔ حقوق اللہ (عبادت) کی دو قسمیں ہیں۔ مالی حقوق، فرض جس کو وَاٰتَى الزَّكٰوةَ میں بیان کیا۔ غیر فرض جس کو وَاٰتَى الْمَالَ سے وَفِي الرِّقَابِ تک ذکر کیا۔ بدنی عبادت جس میں اہم ترین اور اصل اصول نماز ہے۔ اس کو وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ میں ذکر فرمایا۔ حقوق العباد کی بھی دو قسمیں ہیں۔ باہمی معاملات جن کی طرف وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ سے اشارہ فرمایا۔ ان کے علاوہ باقی تمام حقوق کو وَالصّٰبِرِيْنَ سے حِيْنَ الْبَاْسِ تک سمو دیا گیا۔ اور دونوں قوتوں (قوتِ نظریہ و قوتِ عملیہ) کی تکمیل کو بِرّ و اطاعت، مذہبی صداقت اور معیارِ تقویٰ و طہارت قرار دیا گیا ہے۔

(۵) ان احکام کے بیان کرنے میں بہت سے بلیغ اشارات بھی ہیں۔ مثلاً مال خرچ کرنے میں عَلٰى حُبِّهٖ کی قید ہے۔ جس کی ضمیر کے مرجع میں تین احتمالات ہیں۔ (۱) اللہ کی جانب راجع ہے۔ جس کے یہ معنی ہوں گے کہ مال خرچ کرنے میں اغراضِ دنیوی، نام و نمود وغیرہ شامل نہیں۔ بلکہ اخلاص کامل ہے۔ اور اللہ کی محبت نے دل میں مال خرچ کرنے کا داعیہ پیدا کیا ہے۔ (۲) اس کا مرجع مال ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ راہِ خدا میں وہ مال خرچ کرنا موجبِ ثواب ہے جو محبوب ہو۔ دل سے اُتری ہوئی بیکار اشیاء دیکر صدقہ کا نام کرنا حقیقت میں صدقہ نہیں ہے۔ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ۔

(۳) یہ ضمیر ایتاء (مصدر) کی طرف راجع ہے جو لفظ اٰتٰی سے مفہوم ہوتا ہے۔ اور مُراد یہ ہے کہ بہ طیبِ خاطر اور برضا و رغبت خرچ کرتا ہے۔ یہ نہیں کہ بادلِ ناخواستہ دیتا ہے۔ یا دیکر دل میں تکلیف محسوس کرتا ہے۔ امام جصاصؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے تینوں ہی چیزیں مراد ہوں۔

(س) زکوٰۃ فرض ہے۔ اس کو بعد میں بیان فرمایا۔ اور زکوٰۃ کے علاوہ نفقات کو مقدم کیا گیا۔ حالانکہ وہ زکوٰۃ کی طرح فرض نہیں ہیں۔

(ج) کیونکہ عموماً ان حقوق میں غفلت برتی جاتی ہے۔ صرف زکوٰۃ کی ادائیگی کو کافی سمجھ لیا جاتا ہے۔ لہٰذا ان کو مقدم کر کے ان کے اہتمام کی جانب اشارہ فرما دیا گیا۔ جیسے میراث کی آیات میں وصیت کو دَین سے مقدم کیا گیا۔ حالانکہ دَین کی ادائیگی وصیت کے انفاذ سے مقدم ہوتی ہے۔ نیز اس سے یہ بات بھی ثابت ہو گئی کہ زکوٰۃ ہی کو فرض نہ سمجھا جائے۔ زکوٰۃ کے علاوہ اور مواقع بھی ہیں۔ جہاں خرچ کرنا فرض و واجب ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ خود مؤلفؒ وَاٰتَى الْمَالَ کے ضمن میں اسکی تفصیل بیان فرمائیں گے۔

(۶) اس آیت میں مال کے مصارف میں سے ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ، وَالسَّآئِلِيْنَ (ان پانچ مصارف) کو اٰتٰی کا مفعول بہ بلا واسطۂ حرفِ جر بنایا۔ اور چھٹے مصرف فِي الرِّقَابِ کو بواسطۂ حرفِ جر (فی)۔ اس میں اشارہ ہے کہ مملوک غلاموں کو مال کا مالک بنانا مقصود نہیں

بلکہ ان کے آزاد کرنے میں مال خرچ کیا جائے۔ اس کے بعد اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ کو اسی اسلوب سابق پر ذکر کیا۔ آگے معاملات میں بجائے صیغہ ماضی استعمال کرنے کے وَالْمُوْفُوْنَ صیغہ اسم فاعل استعمال کر کے اشارہ کر دیا کہ ایفائے عہد کی عادت دائمی ہونا چاہیئے۔ اتفاقی طور پر تو معاہدہ کو کافر و فاجر بھی پورا کر دیتا ہے۔ اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ بخلاف عبادات کے کہ ان پر دوام کو مقصود سب ہی سمجھتے ہیں۔ وہاں اس پر تنبیہ کی چنداں ضرورت نہیں تھی۔ دوسرے اس سے عبادات کے مقابلہ میں معاملات کی سخت اہمیت بھی مستفاد ہوئی۔ تیسرے معاملات میں صرف ایفائے عہد کو اس وجہ سے ذکر فرمایا کہ اگر غور کیا جائے تو خرید و فروخت، اجارہ و شرکت وغیرہ جملہ معاملات کی روح ایفائے عہد ہی ہے۔

اسی طرح اخلاقیات میں سے صرف صبر کو بیان کیا۔ کیونکہ صبر کے معنی نفس کو قابو میں رکھنے اور برائیوں سے بچانے کے ہیں۔ اگر غور کیا جائے تو تمام باطنی اعمال کی اصل روح صبر ہی ہے، اسی کیذریعہ اخلاقِ فاضلہ کا حصول ہو سکتا ہے۔ اور اسی کے ذریعہ اخلاقِ رذیلہ سے نجات حاصل ہو سکتی ہے۔ بلکہ پورے دین ہی کو صبر حاوی ہے۔ کیونکہ صبر کی تین قسمیں ہیں۔ صبر علی الطاعۃ اسمیں ہر قسم کے ظاہری و باطنی اعمال آگئے۔ جو قوتِ نظریہ اور قوتِ عملیہ کی تکمیل کے لئے ضروری ہیں۔

صبر عن المعصیۃ۔ اس میں تمام ممنوعات ومناہی واخلاقِ رذیلہ سے اجتناب آگیا۔ صبر علی البلایا۔ اس میں تمام باقی ماندہ حقوقِ حق وخلق آگئے۔ یہاں بھی بجائے صیغہ ماضی اسم فاعل کے صیغہ سے دوام کے معتبر ہونے کی طرف اشارہ ہے۔ ورنہ گاہے گاہے تو ہر کس وناکس صبر اختیار کر ہی لیتا ہے۔ جو عند اللہ معتبر نہیں۔ یہاں پر اسلوب بیان میں ایک اور تبدیلی یہ ہوئی کہ اَلْمُوْفُوْنَ مرفوع تھا اَلصّٰبِرِیْنَ کو منصوب ذکر فرمایا گیا۔ حالانکہ سابق پر عطف کا تقاضا رفع ہی کا تھا۔ مفسرینؒ نے فرمایا کہ یہ نصب علی المدح ہے۔ یعنی اَمْدَحُ الصّٰبِرِیْنَ۔ مطلب یہ ہے کہ ان سب نیکو کار لوگوں میں خصوصیت سے قابلِ مدح صابرین ہیں۔ کیونکہ صبر ہی ایک ایسا ملکہ اور قوت ہے جس سے تمام اعمالِ مذکورہ قائم و دائم ہو سکتے ہیں۔ اس طرح آیت مذکورہ میں دین کے تمام شعبوں کے اہم اصول بھی آگئے۔ اور بلیغ اشارات سے ہر ایک کی اہمیت کا درجہ بھی سمجھ میں آگیا۔ اور اسی وجہ سے حضرت مؤلفؒ نے اس عظیم الشان آیت کو اپنی کتاب کی بنیاد اور مقصود کا اصل الاصول قرار دیا ہے۔ اور اسی اہمیت سے پیشِ نظر اس کی تشریح میں قدرے طول بھی ہو گیا۔

کاش طلبۂ عزیز امورِ مذکورہ سے محظوظ ہوں، اور ان کو اپنے ذہنوں میں محفوظ کرلیں۔ ؎

امینِ علمِ ربانی نبی کے جانشیں تم ہو — نگہبانِ دولتِ خیر الوریٰ کے بالیقیں تم ہو

تمہیں زیبا ہے گر نازاں ہو اپنی اس سعادت پر — کہ میراثِ نبوت کے یقیناً وارثیں تم ہو

(غازیؔ)

هٰذِهٖ كَلِمَاتٌ نَضَدَتْ فِيْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ الْكَرِيْمَةِ تَحْوِيْ عَلٰى جَمِيْعِ اَنْوَاعِ

یہ چند کلمے اس آیت کریمہ میں ترتیب وار وارد ہوئے ہیں جو "بر" کی تمام قسموں کو مشتمل ہیں۔

الْبِرِّ وَقَدْ شَرَحَهَا وَبَيَّنَهَا الَّذِيْ بُعِثَ مُعَلِّمًا اَلَّذِيْ كَانَ خُلُقُهٗ

اور انہوں نے ان سب کو تفصیل سے بیان کیا ہے جن کو معلّم بنا کر بھیجا گیا جن کی عادت قرآن (کیموافق) تھی،

الْقُرْاٰنُ وَكَانَ نُطْقُهٗ وَحْيُ الرَّحْمٰنِ كَمَا قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَمَا يَنْطِقُ عَنِ

اور اُن کی گفتگو اللہ تعالیٰ کی وحی تھی جیسا کہ (خود) اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے

الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)

ان کی گفتگو تو صرف وہ وحی ہے جو اُن پر بھیجی جاتی ہے۔

لغات

كَلِمَاتٌ كَلِمَةٌ کی جمع بات، مفرد ہو یا مرکب۔ كَلِمٌ بھی جمع آتی ہے۔ كَلِمَةُ التَّوْحِيْدِ۔ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ كَلِمَةُ التَّقْوٰى۔ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۔ كَلِمَةُ اللّٰهِ حضرت عیسٰی علیہ السلام کا لقب۔ كَلَمَ يَكْلِمُ كَلْمًا (ن ض) زخمی کرنا، عیب لگانا۔ تَكْلِيْمٌ و كِلَامٌ زخمی کرنا، بات چیت کرنا۔ مُكَالَمَةٌ باہم بات چیت کرنا۔ مَعْدُوْدَةٌ شمار کیا ہوا، چند۔ عَدَّ يَعُدُّ عَدًّا تَعْدَادًا (ن) شمار کرنا، گمان کرنا۔ نَضَدَتْ (ض) ترتیب سے رکھنا، ترتیب وار کرنا النَّضَدُ ترتیب سے رکھا ہوا یا ڈھیر لگا یا ہوا سامانِ خانہ، تخت، تربتہ بادل ج اَنْضَادٌ۔ تَحْوِيْ (ض) جمع کرنا، قبضہ کرنا (س) سبزی مائل یا سُرخی مائل سیاہ ہونا۔ جَمِيْعٌ لوگوں کی جماعت، جمع شدہ، سب، تاکید کے موقع پر استعمال ہوتا ہے۔ (ف) اکٹھا کرنا۔ اَنْوَاعٌ جمع نَوْعٌ کی قسم۔ یہ جنس سے خاص ہے (ن) ٹہنی کا جھکنا، راجح ہونا پیاسا ہونا، بھوکا ہونا۔ تَنْوِيْعٌ قسمیں کرنا۔ شَرَحَهَا (ف) مسئلہ کی باریکی کو کھول دینا، بیان کرنا سمجھانا، کھولنا، کشادہ کرنا، حفاظت کرنا وغیرہ۔ شَارِحٌ بیان کرنیوالا، کھیت کی پرندوں سے حفاظت کرنے والا۔ مَشْرَحٌ اندامِ نہانی، فرج۔ خُلُقٌ طبعی خصلت، طبیعت، مُرُوَّت، عادت ج اَخْلَاقٌ خِلْقَت فطرت، ہیئت ج خِلَقٌ (ن) پیدا کرنا، عدم سے وجود میں لانا، ہموار کرنا، چکنا کرنا۔ (س) چکنا اور نرم ہونا۔ (ن س ك) بوسیدہ ہونا، پرانا ہونا، لائق ہونا، اچھے اخلاق والا ہونا۔ خَلِيْقٌ لائق، مناسب اَلْقُرْاٰنُ کلام اللہ۔ قَرَأَ يَقْرَأُ قَرْأً وَقِرَاءَةً وَقُرْاٰنًا (ف ن) پڑھنا، جمع کرنا۔ اَلْقَارِئُ پڑھنے والا عبادت گذار ج قُرَّاءٌ وَقَارِئُوْنَ وَقَرَأَةٌ۔ اَقْرَأُ عمدہ طریقہ سے پڑھنے والا۔ اس صورت میں قرآن میں الف نون زائدتان ہوں گے، اور اگر قَرَنَ (ن س) ملانا، ملنا سے ماخوذ ہو تو الف و نون زائدتان نہوں گے۔ نُطْقٌ خارجی گفتگو، باطنی فہم وادراک (ض) وَاضح بیان کرنا، بولنا، نَاطِقٌ بولنے والا، عاقل، مُدْرِک۔ كِتَابٌ نَاطِقٌ واضح کتاب۔ مَنْطِقٌ گفتگو عِلْمٌ يَعْصِمُ الذِّهْنَ عَنِ

الخطاءِ فی الفکر۔ منطوقٌ مفہوم۔ وَحیٌ لکھا ہوا، پیغام، ہر وہ چیز جو دوسرے کو معلوم ہونے کیلئے پیش کیجائے۔ پھر اکثر انبیاء علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو القاء ہوا اُس پر استعمال ہونے لگا (ض) اشارہ کرنا، پیغام بھیجنا۔ اِلَیہ چپکے سے گفتگو کرنا، دل میں ڈالنا، جلدی سے ذبح کرنا۔ اِفعال سے متعدی۔ اِشارہ کرنا وغیرہ۔

ترکیب هٰذِهٖ مبتدا کَلِمَاتٌ موصوف تَصَدَّتْ فِیْ هٰذِهِ الْاٰيَةِ الْكَرِیْمَةِ جملہ فعلیہ صفت اول تَحْوِیْ الخ جملہ فعلیہ صفت ثانی۔ کَلِمَات اپنی دونوں صفتوں سے مل کر خبر جملہ اسمیہ خبریہ۔ اَلَّذِیْ اسم موصول بُعِثَ فعل مجہول ھو ضمیر ذو الحال مُعَلِّمًا اسم فاعل کا صیغہ موصوف اَلَّذِیْ اسم موصول کَانَ فعل خُلُقُہٗ اسم اَلْقُرْاٰنَ خبر یا اس کے برعکس۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ وہکذا۔ وَکَانَ نُطْقُہٗ وَحْیُ الرَّحْمٰنِ معطوف۔ معطوفین صلہ۔ اسم موصول وصلہ صفت۔ مُعَلِّمًا اپنی صفت سے مل کر حال۔ ذوالحال وحال مل کر نائب فاعل بُعِثَ اپنے نائب فاعل سے مل کر جملہ فعلیہ صلہ۔ اسم موصول وصلہ فاعل شَرَحَ کا یا بَیَّنَ کا کہ اِن دونوں میں تنازع ہے۔ اگر ثانی کو عمل دو جیسا کہ بصریوں کا مسلک ہے۔ تو اول میں ضمیر مان لو۔ یہ اضمار قبل الذکر عمدہ فی الکلام میں ہے۔ اور عدم جواز سے مستثنیٰ ہے۔ اور اگر اول کو عمل دو تو ثانی میں ضمیر مان لو کما قَالَ الْكُوفِيُّوْنَ۔ مَا موصولہ قَالَ اللہُ جملہ فعلیہ قول۔ تَعَالیٰ فعل فاعل جملہ فعلیہ معترضہ۔ مَا یَنْطِقُ ضمیر ھو فاعل عَنِ الْھَوٰی متعلق جملہ فعلیہ مُبَیِّنْ۔ اِنْ نافیہ ھو مبتدا۔ وَحْیٌ مبتدا یُّوْحٰی خبر۔ مبتدا خبر مل کر جملہ اسمیہ خبر۔ مبتدا اول اپنی خبر سے مل کر جملہ اسمیہ بیان مقولہ قول ومقولہ صلہ۔ موصول صلہ سے مل کر مجرور کاف جار اپنے مجرور سے مل کر کائِنٌ کے متعلق خبر۔ مبتدا محذوف مِثَالُہٗ یا شَاھِدُہٗ وغیرہ کی جملہ اسمیہ۔

تشریح آیت مذکورہ چند ایسے جامع اور مرتب کلمات پر مشتمل ہے کہ وہ کلمات تقریباً سب اقسام وانواعِ بر کو مشتمل اور جامع ہیں۔ کیونکہ بِر کے جملہ اصول کا اس آیتِ پاک میں ذکر ہے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ارشادات سے اُن کی تفصیلات اور ان اصول کی فروعات واضح طور پر بیان فرمادی ہیں۔ اور یہ شروحات وفروعات آپ نے خود اپنی خواہش اور مرضی سے نہیں بلکہ الہامِ ربانی سے بیان فرمائی ہیں۔ کیونکہ حسب ارشادِ باری وَمَا یَنْطِقُ الخ آپ دین کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرماتے ہیں وہ عموماً منجانب اللہ ہوتا ہے ؎

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود ٭ گرچہ از حلقومِ عبداللہ بود

دین کی تخصیص اس لئے کی گئی کہ امورِ دنیا میں یہ ضروری نہیں کہ بذریعہ وحی ہی ارشاد فرمائیں۔ جیسے کہ

مدینہ تشریف لاکر آپ نے اُن کو تابیر نخل سے منع فرمادیا تھا۔ جب اہلِ مدینہ نے یہ عمل کیا تو کھجوروں پر پھل کم آیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا گیا تو آپ نے ارشاد فرمایا "اَنۡتُمۡ اَعۡلَمُ بِاُمُوۡرِ دُنۡیَاکُمۡ" کہ اپنے کاروبار کے طریقہ کو تم خود ہی زیادہ بہتر جانتے ہو۔ گویا آپ نے اجازت دیدی۔ اگر آپ یہ بات بذریعہ وحی ارشاد فرماتے تو اہلِ مدینہ کو یہ کمی اور پھر اس کی یہ شکایت پیش کرنے کی نوبت نہ آتی۔ اور آپ انتم اعلم کے الفاظ سے اجازت نہ دیتے۔ بلکہ دیگر محرمات سود، چوری، رشوت وغیرہ کی طرح بہرحال ممانعت اٹل رہتی۔ اسی طرح عموماً کا لفظ اسلئے ذکر کیا کہ دین کے بارے میں اجتہادی ارشادات سے احتراز ہو جائے۔ جیسے غزوہ بدر کے قیدیوں کے بارے میں فدیہ کا حکم اجتہادی تھا جس کا ذکر سورۂ انفال کے رکوع ۹ میں آیت "مَا کَانَ لِنَبِیٍّ اَنۡ یَّکُوۡنَ لَہٗۤ اَسۡرٰی" سے ختم رکوع تک ہے۔ اسی طرح سورۂ عبس کا قصہ شانِ نزول وغیرہ وغیرہ، ہاں نبی کے اجتہاد کی یہ امتیازی شان ہے کہ نبی کو خطاءِ اجتہادی پر بذریعۂ وحی مطلع کر دیا جاتا ہے اور اس پر باقی نہیں رکھا جاتا۔ بعض مفسرین نے "وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡھَوٰی" کا مصداق قرآنِ مقدس کو قرار دیا ہے۔ اس صورت میں مذکورہ تفصیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔ کیونکہ پھر مطلب یہ ہوگا کہ آپ اپنی جانب سے کوئی بات کہہ کر یہ نہیں فرماتے کہ یہ قرآن کی آیات یا وحی مُنزّل مِنَ اللہ ہے۔ بلکہ جو آیات منجانب اللہ نازل ہوتی ہیں انہی کو آپ اللہ کی طرف منسوب فرماتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَهَا بَيْنَ يَدَيْكَ هٰذِهِ الشُّرُوحُ الَّتِيْ هِيَ سُنَنُ الْهُدٰى وَسُبُلُ

اور دیکھو تمہارے سامنے یہ تفصیلات ہیں جو ہدایت والے طریقے اور سلامتی کی راہیں ہیں۔

السَّلَامِ وَلَمَّا كَانَ اَوَّلُ كَلِمَةٍ مِّنْ هٰذِهِ الْكَلِمَاتِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ

اور جبکہ ان کلموں میں سے سب سے پہلا کلمہ مَنْ آمَنَ بِاللہِ ہے تو ہم تمہارے

نَتْلُوْ عَلَيْكَ الْاَحَادِيْثَ وَالْاَخْبَارَ الَّتِيْ وَرَدَتْ فِيْ شَرْحِ الْاِيْمَانِ

سامنے ان حدیثوں اور خبروں کو بیان کرتے ہیں جو ایمان کی وضاحت میں وارد ہوئی ہیں۔

وَبِاللّٰهِ التَّوْفِيْقُ وَعَلَيْهِ التُّكْلَانُ۔

اور اللہ ہی سے توفیق کا سوال ہے اور اسی پر بھروسہ ہے۔

ـه اہلِ مدینہ مادہ کھجوروں پر نر کھجوروں کے پھول ڈالتے تھے اسی کو تابیر نخل کہتے تھے۔ اس ترکیب سے پھل خوب آتا تھا۔ آپ نے اس کو اپنی رائے سے منع فرمادیا تھا۔ ۱۲ ان

لغات هَا اس کی تین صورتیں ہیں۔(۱) اسم فعل بمعنی خُذْ۔ هَا الْكِتٰبَ اى خُذِ الْكِتَابَ۔ اسکے الف کو ممدودہ پڑھنا بھی جائز ہے۔ پھر ممدودہ و مقصور بکافِ خطاب وبغیر خطاب دونوں طرح مستعمل ہیں۔ اور ممدودہ ہونے کی صورت میں کاف کو حذف کرکے ہمزہ کی گردان کاف کی طرح کرسکتے ہیں۔ اس طرح کہ هَاءَ مذکر کے لئے هَاءِ مؤنث کے لئے هَاؤُمْ جمع مذکر کے لئے۔ هَاؤُنَّ جمع مؤنث کے لئے هَاؤُمَا تثنیہ مذکر و مؤنث کے لئے (۲) مؤنث کی ضمیرِ منصوب و مجرور کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے ضَرَبَهَا، مَرَرْتُ بِهَا اِن میں ہ ضمیر ہے اور الف علامت تانیث۔(۳) تنبیہ کے لئے مستعمل ہے۔ اور اس کی چار شکلیں ہیں۔(الف) اشارہ سے پہلے جیسے هٰذَا وهٰذَا العرب ضمیر مرفوع سے قبل جیسے هَا اَنْتُمْ هٰؤُلَاءِ (ج) اَیّ کی صفت ندا کی صورت میں جیسے يَا اَيُّهَا الرَّجُلُ۔ (د) قسم کی صورت میں حرفِ قسم حذف کرکے لفظ اللہ سے پہلے جیسے هَا اللہ۔ یہاں پر هَا تنبیہ کی شکلِ اول ہے۔ اور اسم فعل بمعنی خُذْ بھی ممکن ہے۔

يَدَيْكَ يَدَیْ دراصل يَدَيْنِ يَدٌ کا تثنیہ مجرور باضافت تھا۔ نون کاف کی طرف اِضافت کے سبب گر گیا۔ يَدٌ کی جمع اَيْدِی اور جمع الجمع اَيَادِیْ آتی ہے۔ سُنَنٌ جمع سُنَّةٌ کی خصلت، طریقہ، عادت، طبیعت، چہرہ، شریعت۔ (ن) تیز کرنا، جاری کرنا، ظاہر کرنا، آسان کرنا، طریقہ اختیار کرنا وغیرہ۔ سُنَنَ الْهُدٰی کی اِضافت، اِضافۃ الموصوف اِلَی الصفۃ کے قبیل سے ہے۔ جیسے مَسْجِدُ الْجَامِع۔ الاخبار جمع خَبَرٌ کی (ن) آزمانا، تجربہ سے جاننا۔ الارض کھیتی کے لئے جوتنا۔ الطعام مرغن کرنا۔ (ك ف) حقیقتِ حال سے واقف ہونا۔ تفعیل سے آگاہ و خبردار کرنا۔ مفاعلۃ سے بٹائی پر کھیت جوتنا۔ پروا کرنا۔ خُبْرٌ علم، تجربہ، آزمائش، تجربہ کار۔ اخباری مؤرخ، خبیرٌ آگاہ، واقف، اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ وَرَدَتْ (ض) وارد ہونا، پانی پر آنا، متوجہ ہونا، قریب آنا، پہونچنا، اُترنا۔ (ك) زردی مائل سُرخ ہونا۔ اِفعال سے مُتعدی۔ مَوْرِدٌ گھاٹ۔ مَوَارِدُ جمع۔ تکلان بھروسہ، سپردگی۔ (ض) کسی پر بھروسہ کرکے کام چھوڑ دینا۔ سونپ دینا۔ وَكِيْلٌ وہ شخص جس پر بھروسہ کیا جائے۔ وُكَلَاءُ جمع۔ اسمائے حسنیٰ میں سے بھی ہے۔ اسوقت اسکے معنی روزی دینے والا، کفایت کرنے والا ہوں گے۔

ترکیب هَا برائے تنبیہ بَيْنَ يَدَيْكَ مرکب اضافی خبر مقدم هٰذِهِ الشُّرُوْحُ اسم اشارہ و مشار الیہ موصوف اَلَّتِیْ اسم موصول هِیَ مبتدا سُنَنُ الْهُدٰی وَسُبُلُ السَّلَامِ دونوں مرکباتِ اضافیہ معطوفین خبر هِیَ کی جملہ اسمیہ صِلہ اَلَّتِیْ کا۔ وہ اپنے صلہ سے مل کر صفت۔ موصوف صفت مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔

واو مستانفہ لَمَّا حرفِ شرط کَانَ فعل ناقص اوّل مضاف الکلمۃِ مضاف الیہ اور مِنْ ھٰذِہِ الکلماتِ متعلق سے مل کر اسم۔ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰہِ خبر یا اس کے برعکس جملہ فعلیہ شرط۔ نتلو فعل با فاعل علیکَ جار مجرور متعلق الاحادیث معطوف علیہ الاخبار موصوف الّتی اسمِ موصول وردت فی شرحِ الایمانِ جملہ فعلیہ صلہ سے مل کر صفت الاخبار کی۔ موصوف صفت معطوف۔ معطوف علیہ معطوف مفعول بہ نتلو کا۔ جملہ فعلیہ جزاء۔ باللّٰہِ جار مجرور متعلق محذوف حسب سابق خبر مقدم التوفیق بتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ۔ وہٰکذا وعلیہ التکلان۔

تشریح پچھلی عبارت میں حضرت مؤلفؒ نے بتلایا تھا کہ یہ آیت کریمہ چونکہ "بر" کے تمام انواع واقسام کے اصول کو جامع و مشتمل ہے، اسوجہ سے اس کو بنیاد بنا کر احادیث شریفہ سے اسی آیت کی شرح وتفصیل بیان کریں گے۔ تو اس عبارت میں متعلم کو خبردار کر کے کہتے ہیں کہ اِس آیت کی تفصیلات اور شروحات جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات گرامی ہیں۔ جو درحقیقت وحی ربانی وفرمودات الہامی ہیں یہی ہدایت وسلامتی کے راستے اور قابل عمل طریقے ہیں گویا میرا مقصود یہی ہے کہ اے طالبعلم اِن ارشادات کو اپنا وظیفۂ ذیشان اور تعویذ جان بنالے، اور اس کی عظمت کے پیش نظر اس کی جانب اپنی توجہ تام کو مبذول اور سعیِ بلیغ کو اِس کی تحصیل میں صرف کردے۔ تاکہ ان کی برکت سے تجھ پر ابواب بر کے در کشادہ ہوجائیں۔

دوسری بات۔ شرحِ ایمان کی وجہ تقدیم بیان فرماتے ہیں۔ کیونکہ آیت میں سب سے پہلے ایمان ہی کو بیان فرمایا گیا ہے۔ (چونکہ ایمان ہی اصل الاصول ہے) اسی وجہ سے ترتیب آیت کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم نے بھی شرح الایمان کو سب سے پہلا درجہ دیا ہے۔ بلکہ دوسرے ابواب بر کو بھی آیت والی ترتیب سے بیان کیا ہے۔

بَسْطُ الْبَنَانِ لِبَیَانِ مَاھِیَّۃِ الْاِیْمَانِ

(حقیقتِ ایمان)

شریعت میں ایمان صفت انقیاد واطاعت کی اُس آخری منزل کا نام ہے، جہاں پہونچکر اوامر الٰہیہ ومنہیات شرعیہ کے قبول کرنے سے قلب میں ادنیٰ انحراف وتردد اور ذرہ برابر پس وپیش باقی نہ رہے۔ مخبرِ صادق پر ایسا اعتمادِ کلی حاصل ہوجائے کہ دِل کی ہر مسرت اور روح کا سرور واطمینان صرف اس کی تصدیق میں نظر آنے لگے۔ اور جذبۂ وفاداری وجاں نثاری دلائل اور چون وچرا کی

فضاؤں سے گذر کر کمال کی اُن بلندیوں پر پہونچ جائے کہ راہِ حق میں ہر نئی قربانی ایک نئی لذت ثابت ہو اور ایک ادنیٰ نافرمانی ایسا تلخ گھونٹ ہو جائے جو حلق سے اُتارے نہ اُترے۔

هُدًى لِلْمُتَّقِينَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ۔ (بقرہ)۔ (یہ کتاب) راہ نما ہے (اللہ) سے ڈرنے والوں کیلئے جو بے دیکھی چیزوں کا یقین رکھتے ہیں) اِس آیت میں اُن ہی جاں نثاروں کی سرمستی کا ذکر ہے جو محض جذبۂ انقیاد و کمالِ اعتماد میں دیکھی اور اَن دیکھی باتوں کی یکساں تصدیق کرتے ہیں۔ آنکھ سے دیکھ کر تصدیق کرنا یا کان سے سُنکر مان لینا انسان کی طبیعت کا تقاضا ہے ہی۔ لیکن بن دیکھے اور اپنے کانوں سے بن سُنے صرف اُن آنکھوں اور کانوں جن کی صداقت پر سارا جہان قربان، مکمل اعتماد کرلینا یقیناً ایثار و انقیاد اور جذبۂ وفاداری کی آخری منزل ہے۔ اور یہی وثوق و اعتماد ایمان کی روح ہے۔ یہ حقیقتِ ایمان کا اجمالی خاکہ ہے۔ اس کی بقدرِ ضرورت تفصیل و وضاحت سے پہلے ایک تمہیدی مقدمہ کا سمجھ لینا ضروری ہے۔

تمہید

موجوداتِ عالم کے وجود کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔ (۱) لفظی (۲) ذہنی (۳) عینی۔ (۱) ان اقسامِ وجود میں لفظی وجود سب سے ضعیف اور کمزور وجود ہے۔ وجودِ شئی کے اغراض و مقاصد اور آثار میں سے کوئی ایک بھی اِس وجود پر مرتب نہیں ہوتا۔ اسلئے یہ وجود تقریباً عدم کے برابر ہے۔ مثلاً پانی کا لفظی وجود کسی تشنہ لب کی پیاس کو نہیں بجھا سکتا۔ اور روٹی کا زبانی تذکرہ بھوکے کا پیٹ نہیں بھر سکتا۔

(۲) وجودِ ذہنی گو صنفِ اول سے قوی تر ہے۔ مگر شئی کے تمام احکام و آثار مرتب ہونے کے لئے یہ بھی ناکافی ہے۔ (۳) وجودِ عینی (یا وجودِ خارجی) جو کسی کے اعتبار کئے بغیر خود موجود ہوتا ہے۔ اسی وجود کو درحقیقت وجود کہا جا سکتا ہے۔ بقیہ اصناف اس کے توابع اور فروع ہیں۔ یہی مبدأ آثار و منشأ احکام ہے۔ آنکھوں کی تروتازگی، قلب و جگر کی سیرابی، اشجار و ثمار کی سرسبزی و شادابی یہ سب پانی کے وجودِ عینی ہی کی کرشمہ سازیاں ہیں، اِسی لئے جب کوئی پانی مانگتا ہے تو اُس کا مقصد پانی کا یہی وجودِ عینی سمجھا جاتا ہے۔ اور اس کا وجودِ لفظی یا وجودِ ذہنی کسی کے خواب و خیال میں بھی نہیں آتا۔ بالکل اسی طرح ایمان کے وجود کی بھی تین ہی صورتیں ہیں۔

(۱) وجودِ لفظی۔ یعنی زبان سے اظہارِ ایمان جس کو اقرار باللسان کہتے ہیں۔ (۲) وجودِ ذہنی۔ یعنی تصدیقِ قلبی۔ دل میں سچائی کا یقین کرلینا یا یہ کہیئے کہ جان لینا۔ (۳) التزامِ طاعت و عہدِ وفاداری۔ اُردو میں اس کا ترجمہ ہے مان لینا۔

(۱) اقرار باللسان۔ تمہیدِ سابق کی بنا پر ایمان کا لفظی وجود بیکار محض ہونا چاہیئے۔ جس طرح پانی کا لفظی وجود کسی تشنہ لب کے لئے کارآمد نہیں۔ اسی طرح انبیاء علیہم السّلام کی دعوت کے

جواب میں ایمان کا صرف لفظی وجود (زبان کا بول) غیر مفید ہونا قرینِ قیاس ہے۔ مگر بشریت کی سراسر محتاجی اس کی اجازت نہیں دیتی کہ وہ اپنے مافی الضمیر کو الفاظ کا جامہ پہنائے بغیر ادا کرسکے۔ اس کی قلبی ترجمانی کا یہی ایک ناتمام آلہ ہے۔ اگر وہ بھی ناقابلِ اعتبار ٹھہرے تو عالمِ انسانی کا تمام کاروبار معطل ہوجائے۔ اسلئے شریعت میں ایمان کا لفظی وجود بھی ایک حد تک قابلِ اعتبار سمجھا گیا۔

اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ میں اس بات پر مامور ہوں کہ جبتک کفار لا الٰہ الا اللہ نہ کہیں ان سے جنگ جاری رکھوں۔

اس کو ایمان کی رفعت و بلندی کہیئے یا اسلام کی فیاضی کہ صرف زبانی کلمہ توحید پر جان بخشی کا اعلان کردیا ہے۔ اس سے یہ دھوکہ نہ ہو کہ اسلام میں تصدیقِ قلبی کے بغیر زبانی اقرار کرلینا بھی کوئی وزن رکھتا ہے۔ کیونکہ تصدیقِ قلبی ایمان کا ایسا اہم رکن ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی قطع نظر کے قابل نہیں۔ حتیٰ کہ بحالتِ اکراہ جب جان پر بن رہی ہو تو کلمہ کفر کہنے کی صرف اس شرط پر اجازت دیگئی ہے کہ قلب کی گہرائیاں تصدیق و یقین سے لبریز و معمور ہوں۔ اِلَّا مَنْ اُکْرِہَ وَقَلْبُہٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ (مگر اس کو کلمہ کفر زبان سے کہنے کی اجازت ہے جو مجبور کردیا گیا بشرطیکہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو)۔

حدیثِ بالا کا مطلب یہ ہے کہ اگر قلبی انحراف پر کوئی دلیل موجود نہیں تو ہم ان کے اقرار ہی کو تصدیق کی دلیل سمجھنے پر مامور ہیں۔ اسلام جو اخلاقِ عالیہ کا واحد معلم ہے کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ ابنائے جنس کو بلا وجہ جھوٹا قرار دے۔ ایک بڑے سے بڑا بلند اخلاق انسان بحالتِ جنگ اپنے حریف کی بات پر اعتماد نہیں کرسکتا۔ یہ اسلام کی خصوصیت ہے، وہ دعوت دیتا ہے کہ تم ایسے سخت وقت میں بھی خدا کے بھروسہ پر اپنے حریفوں کی زبان پر بلا تردّد اعتماد کرلو۔ ممکن ہے کہ ان میں سے کوئی سعادت مند اپنے صدق نما کذب پر نادم ہوکر صدق دل سے کلمۂ اسلام پڑھنے پر مجبور ہوجائے۔

کتبِ حدیث میں بہت سے واقعات ایسے موجود ہیں جہاں ایمان کے لفظی وجود یعنی اقرار باللسان کو دنیوی احکام کے لئے کافی سمجھا گیا۔ ان کی اس مختصر مضمون میں گنجائش نہیں۔ منافقین کے ساتھ برتاؤ اس بیان پر شاہدِ عدل اور اس بیان کی کافی دلیل ہے۔

اقرار باللسان کی حیثیت

اقرار باللسان کی حیثیت میں علماء کا اختلاف ہے۔ ایک جماعت کہتی ہے جس میں شیخ ابو منصور ماتریدیؒ، شیخ ابو الحسن اشعریؒ امام ابو حنیفہؒ اور امام نسفی رحمہم اللہ بھی ہیں، کہ ثبوتِ اسلام سے پہلے احکامِ اسلام کا نفاذ نہیں ہوسکتا۔ اور زبانی اقرار کے علاوہ ہمارے پاس ثبوتِ اسلام پر اور کوئی دلیل ہی نہیں۔ اسلئے ناچار اجرائے احکامِ اسلامیہ کے لئے اقرار باللسان شرط ہے۔ نہ کہ صحتِ ایمان کے لئے۔

علامہ تفتازانیؒ کہتے ہیں کہ اقرار کا یہ مقصد ہے تو تنہائی کا اقرار کافی نہ ہونا چاہیئے۔ بلکہ مسلمانوں

کے امیر کے سامنے ہونا چاہیئے تاکہ اجرائے احکام کا مقصد حاصل ہوسکے۔
دوسری جماعت کہتی ہے کہ اقرار بھی ایک قسم کی تصدیق ہی کا نام ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ایک تصدیق قلب سے ہوتی ہے۔ اور اقرار زبان کی تصدیق ہے۔ اسلئے کوئی وجہ نہیں کہ تصدیق کی ایک نوع رکن اور دوسری شرط قرار دیجائے۔ ہاں دونوں میں اتنا فرق ہے کہ تصدیق قلبی رکنِ اصلی ہے یعنی اکراہ و غیرِ اکراہ وغیرہ کسی حالت میں یہاں تساہل برداشت نہیں کیا جاسکتا۔ اور اقرار رکنِ زائد ہے۔ یعنی بعض حالات (مثلاً اکراہ) میں اس سے چشم پوشی کرلینا بھی ممکن ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ اول مذہب متکلمین کا ہے اور دوسرا فقہاء کا، بہرحال اقرار شرط ہو یا رکنِ زائد، فریقین اس بات پر متفق ہیں کہ مطالبہ کے وقت اِقرار باللسان رکن اور (عند عدم المطالبہ) اجرائے احکام کیلئے شرط ہے اسی طرح اکراہ اور اِقرار سے عجز کے سبب اقرار ساقط ہوجاتا ہے۔ نیز جو شخص تصدیق بالقلب کے بعد اچانک اور فوراً مرگیا، اور اس کو اظہار و اقرار کا موقع نہ مل سکا وہ بھی بالاتفاق مومن ہے۔
ان سب اتفاقات سے معلوم ہوتا ہے کہ فریقین کا اختلاف حقیقی اختلاف نہیں بلکہ لفظی اور ظاہری اختلاف ہے۔ فریقین کی مُراد متحد اور تعبیر مختلف ہے۔ دراصل اقرار حقیقت ایمان کا جزء ہے ہی نہیں۔ حضراتِ فقہاء نے اس قید کا اضافہ ایمان کی تعریف میں کیا۔ اور اس کو رکنِ زائد قرار دیا۔ تاکہ کفرِ عناد سے احتراز ہوجائے۔ کفرِ عناد کا مطلب یہ ہے کہ قلب تو دلائلِ قاہرہ کی وجہ سے یقین و تصدیق پر مجبور ہے، مگر زبان حسد و عناد، کبر و ضد اور ہٹ دھرمی کے باعث اِنکار سے باز نہیں آتی۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرعون اور فرعونیوں کے بارے میں فرمایا ہے۔
وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا۔ (نمل) اور وہ لوگ ظلم و تکبر کی وجہ سے ان معجزات کے منکر ہوگئے۔ حالانکہ ان کے دل ان معجزات کا یقین کرچکے تھے۔
تو ہمارے فقہاء نے ایمان کی تعریف میں اسی لئے اِقرار کا اِضافہ کردیا ہے کہ جو تصدیق قلبی زبانی اِنکار کے ساتھ ہو وہ اِیمان کی تعریف سے خارج ہوجائے۔ کیونکہ جب زبان کے لئے اِقرار لازم ہوجائیگا تو اِنکار کی گنجائش نہ رہے گی۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے اس کو یوں ادا کیا ہے کہ اقرار کے سوا ہمارے پاس حقیقت تصدیق کا اور کوئی ثبوت ہی نہیں۔ اسلئے اگر مطالبہ پر بھی اقرار نہیں کرتا تو ہم اس کو عدمِ تصدیقِ قلبی پر محمول کریں گے۔ اسلئے نہایت ضروری ہے کہ اقرار باللسان کو ایمان کا جزء قرار دیا جائے۔ اس عبارت سے فقہاء کے قیدِ اقرار کے اِضافہ کا منشأ واضح ہوکر یہ بات بالکل صاف ہوجاتی ہے کہ فریقین کا اختلاف حقیقی اِختلاف نہیں۔ بلکہ فریقین اِقرار باللسان کے ضروری ہونے پر متفق ہیں۔ فقہاء نے اس کی اہمیت کو زیادہ محسوس کرکے رکنیت کا لفظ کہدیا۔ اور اس کے ساتھ زائد کا لفظ بڑھاکر اس کو رکنیتِ اصلیہ کے مقام سے نیچے اتار دیا اور اسکے

وزن کو گھٹا دیا ہے۔ دوسری جماعت نے بھی اس کی اہمیت کو بیشک تسلیم کیا ہے مگر اس کو رکنیت کا لقب نہیں دیا۔ الحاصل اِقرار باللسان فریقین میں سے کسی کے نزدیک بھی حقیقتِ ایمان کا رکنِ اصلی اور جزءِ حقیقی نہیں ہے۔
ایک تیسری جماعت ہے جس میں محدثینؒ، ائمۂ ثلاثہؒ، امام اوزاعیؒ نیز معتزلہ و خوارج بھی ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ایمان اِقرار باللسان، تصدیق بالجنان اور عمل بالارکان تینوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ گویا ان حضرات کے نزدیک ایمان اجزائے ثلاثہ سے مرکب ہے۔ لیکن یہ بھی نزاعِ لفظی ہے کیونکہ تمام اہلِ سنت اس بات پر متفق ہیں کہ اَوامر کا اِمتثال اور منہیات سے اِجتناب کمالِ ایمان سے ہے۔ نیز تارکِ اعمال و مرتکبِ منہیات فاسق ہے، ایمان سے خارج یا کافر نہیں۔ اِن دونوں مسئلوں پر اہلِ حق کا اتفاق (جن میں مذکورہ سب حضرات بھی شامل ہیں) اِس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ لفظی نزاع ہے حقیقی اختلاف نہیں۔ اور منشاءِ اختلاف یہ ہے کہ جن حضرات نے اپنے ماحول کے اعتبار سے اقرار و اعمال کی شدید اہمیت محسوس کی۔ کہ اہلِ باطل ان چیزوں کو غیر اہم سمجھ رہے تھے تو اہلِ باطل کی تردید کے لئے وہ انکی جزئیت کے قائل ہوئے۔ اور جن کے دور میں ایسا نہیں تھا انھوں نے ان کو جزءِ ایمان قرار نہیں دیا۔ یہ بات بھی یاد رکھئے کہ اہلِ باطل میں سے فرقۂ معتزلہ مرتکبِ کبیرہ کو بین الایمان والکفر یعنی فاسق مخلد فی النار مانتے ہیں۔ اور خوارج اسپر کفر کا فتویٰ جڑتے ہیں۔ یعنی اس کو کافر مخلد فی النار کہتے ہیں۔ فرقۂ مرجئہ کا خیال ہے کہ ایمان کے لئے صرف زبانی اقرار کافی ہے۔ عمل کی کوئی ضرورت نہیں۔ گویا ان کے نزدیک اقرار ہی ایمان ہے اور بس۔ فرقۂ جہمیہ جس کا بانی جہم بن صفوان ہے ان سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھا۔ اور یہ کہدیا کہ اقرار کی بھی ضرورت نہیں صرف قلبی معرفت کافی ہے۔ ان کے نزدیک معرفتِ قلبیہ ہوتے ہوئے اِنکار بھی ایمان کے لئے مضر نہیں۔ اِن فرقِ باطلہ کے مقابلہ میں محدثین کو ضرورت محسوس ہوئی کہ کوئی ایسا عنوان اختیار کیا جائے کہ وہ عنوان ہی خود ان کی تردید کا اعلان ہو جائے۔ اسلئے انہوں نے اقرار و عمل دونوں کو تعریفِ ایمان میں شامل کر دیا۔

تصدیقِ قلبی ایمان کے وجودِ ذہنی کا نام تصدیقِ قلبی ہے۔ جس کا حصول مختلف طریقوں سے ہو سکتا ہے۔ (۱) کبھی دلائل و براہین کا قاہرانہ تسلط قلب کو یقین کے لئے مجبور کر دیتا ہے۔ (۲) کبھی انسان خود دلائل میں غور و فکر کر کے منزلِ علم الیقین تک پہونچ جاتا ہے (۳) کبھی بلا وسائل و اسباب بداہۃً یقین میسر آجاتا ہے۔ (۴) کبھی صرف تقلیداً اِذعان پیدا

حاشیہ ۷۴ عہ اعلم ان الانکار یکون باللسان والقلب والجحود باللسان دون القلب۔ فاحفظہ۔ ۱۲ ن

عہ امام شافعیؒ و امام مالکؒ و امام احمدؒ ۱۲ ن

ہو جاتا ہے۔ (۵) کبھی تلوار کی جھنکار حجاب غفلت اٹھا دیتی ہے۔ اور قلب پر صداقت اسلام کا عکس پڑجاتا ہے۔ (۶) کبھی جان و مال اور آبرو کی حفاظت کی طمع ایمان کی طرف بڑھا کر تصدیق تک پہنچا دیتی ہے۔ ان سب صورتوں سے اختیاری یا اضطراری طور پر ایمان کے وجودِ ذہنی اور تصدیق قلبی کا حصول تو ہو سکتا ہے مگر ایمانِ حقیقی اور حقیقتِ ایمانی کی منزل ابھی اور آگے ہے۔ اور وہ ہے انقیادِ قلبی و عہد وفاداری یا التزامِ اطاعت جو قلب کا فعلِ اختیاری ہے۔ اور یہی تصدیق شرعی اور ایمان کا رکنِ اصلی ہے۔ انسانِ ناتواں کی جسارت دیکھیئے کہ بسا اوقات اس کو تصدیق حاصل ہوتی ہے مگر پھر اقرار و عہد وفا نہیں کرتا یعنی جانتا ہے مانتا نہیں۔ اور کبھی اس سے بڑھ کر یہ ظلم ڈھاتا ہے کہ دِل سے تصدیق اور زبان سے اقرار کے باوجود اس کو اپنا عقیدہ بنانے کے لئے تیار نہیں ہوتا یعنی جانتا ہے اور اپنے علم کا اظہار بھی کرتا ہے مگر مانتا نہیں۔ مثلاً اہلِ کتاب جانتے تھے مانتے نہ تھے۔ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ (اہلِ کتاب رسول کو اس طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو (بلا تردد) پہچانتے ہیں)

ابو طالب بے مثال جاں نثاری اور اقرار کے باوجود اِسلام پر عقیدہ کرنے سے انکار کر گئے۔ اسی طرح ابو جہل وغیرہ نے جانا اور اعتراف کیا لیکن اعتقاد سے انکار کر دیا۔ ان امور سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ جب تک تصدیق کے ساتھ التزامِ طاعت اور انقیادِ قلبی نہ ہو ایمان حاصل نہیں ہوتا۔ انقیادِ باطن، التزامِ طاعت، عہدِ وفاداری۔ یہ ایسے اوصاف ہیں کہ جن کے بغیر تصدیق صرف علم (جاننے) کے مرتبہ میں رہتی ہے۔ ایمان کے وجودِ ذہنی کے لئے ضروری ہے کہ یہ علم ایسا صفت نفس بنجائے کہ پھر قلب اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینے پر مجبور ہو جائے، اسی کا نام عملِ قلب رکھا گیا ہے۔ اور یہ انسان کا فعلِ اختیاری ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ انقیادِ قلبی و التزامِ طاعت ایمان کا جزوِ اہم اور منزلِ مقصود ہے۔ خالی تصدیق ایمان نہیں ہے۔ ایمان صرف اس صورت کا نام ہے کہ قلب و زبان اقرار و تصدیق سے مزین ہوں، اور شریعت پر عمل پیرا ہونیکا عزم مصمم بھی ہو۔ اسی کا نام تصدیقِ شرعی ہے۔ اور یہی ایمان کا وجودِ ذہنی ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جہاں بھی ایمان کا لفظ وارد ہوا ہے وہاں یہی تصدیقِ شرعی مراد ہے نہ کہ تصدیقِ لغوی یعنی صرف جاننا۔ اس کو خوب ذہن نشین کر لیجئے کہ فرق جاننے اور ماننے کا ہے۔ صرف جاننا ایمان نہیں، بلکہ جان کر مان لینا تصدیقِ شرعی اور ایمان ہے۔

ایمان اور ضروریاتِ دین

یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ تصدیق و انقیاد کا دائرہ ذات و صفات کے مسائل یا رسالت کی حد تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ رسول کے ہر ہر حکم اور ایک ایک اشارہ کو مشتمل ہے۔ ارشادِ باری ہے يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا

فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً (بقرۃ) (اے مومنو! اسلام میں پورے پورے داخل ہوجاؤ) حضرت مجاہدؒ و حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت مسلمانوں کو شریعت کے ہر ہر جزء پر التزام طاعت کی دعوت دیتی ہے۔ وہ فرائض ہوں یا مستحبات، واجب علی الکفایہ ہوں یا علی الاعیان۔ اگر اسلام کے فرائض علی الاعیان ہیں تو اعتقاد فرضیت کے ساتھ ان کا ادا کرنا بھی ہر شخص پر فرض ہوگا۔ اور اگر فرض علی الکفایہ، یا واجب علی الکفایہ ہوں تو ان کی فرضیت و وجوب کا اعتقاد ضروری ہوگا۔ اور اگر مستحبات ہیں تو ان کے استحباب کا اعتقاد لازم ہوگا۔ غرضیکہ جس چیز کا دینِ محمدی میں داخل ہونا صراحۃً اور بداہۃً معلوم ہے وہ سب ایمانیات میں داخل ہیں۔ کیونکہ رسولِ خدا پر ایمان اور التزام طاعت مطلقاً ہے۔ اسلئے انقیاد و التزام طاعت کا دائرہ آپ کے جملہ اوامر و نواہی کو محیط ہے۔ اور ان کو بے چون و چرا تسلیم کرلینا ایمان کا لازمی نتیجہ ہے۔ اسلئے علمائے حق کا فیصلہ ہے کہ جن چیزوں کا دینِ محمدی میں ہونا اتنا روشن ہوجائے کہ احتیاج دلیل نہ رہے۔ ان سب کا ماننا صحت ایمان کیلئے ضروری ہے۔ اور یہی امور ضروریاتِ دین کہلاتے ہیں۔ مثلاً اسلام کے ارکانِ اربعہ، ختم نبوت، قرآنِ پاک، عذابِ قبر، حشر و نشر، دوزخ و جنت، حساب و کتاب، عذاب و ثواب وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب امور ایسے ہیں جن کے ثبوت میں دلائل کی حاجت نہیں۔ ان کا دین ہونا اتنا ظاہر ہے کہ کفار بھی ان کا دین ہونا جانتے ہیں۔ اسلئے ان میں سے کسی چیز کا انکار یا ان میں شبہ توحید و رسالت کے انکار یا ان میں شبہ کی طرح کفر ہوگا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں جس نے ارکانِ دین توحید و نبوت اور نماز کی فرضیت وغیرہ کا اعتقاد کرلیا اگر اس اعتقاد میں ادنیٰ شبہ بھی پیدا ہوجائیگا تو اعتقاد فاسد اور ایسا شخص کافر ہوگا۔ لیکن اعتقاد پختہ ہونے کے باوجود اگر اہتمام ترک کیا تو فاسق کہلائیگا۔ یہی ائمہ اربعہؒ اور اکثر علمائے امت کا مذہب ہے۔ (مرقاۃ ج۱ ص۱۳)

ایمان و تصدیق کا فرق

علماء نے ایمان کی تعریف میں اکثر تصدیق کا ہی لفظ استعمال کیا ہے۔ مثلاً ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

اِخْتَلَفَ الْعُلَمَاءُ فِیْهِ عَلٰی اَقْوَالٍ اَوَّلُهَا عَلَیْهِ الْاَکْثَرُوْنَ وَالْاَشْعَرِیُّ وَالْمُحَقِّقُوْنَ اَنَّهٗ مُجَرَّدُ تَصْدِیْقِ النَّبِیِّ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ فِیْمَا عُلِمَ مَجِیْئُهٗ بِهٖ بِالضَّرُوْرَةِ تَفْصِیْلًا فِی الْاُمُوْرِ التَّفْصِیْلِیَّةِ وَاِجْمَالًا فِی الْاُمُوْرِ الْاِجْمَالِیَّةِ وَلَوْ بِغَیْرِ دَلِیْلٍ۔ (حوالہ بالا)

ایمان کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ اول قول جس پر اکثر علماء اشعری اور محققین ہیں یہ ہے کہ ایمان کی حقیقت محض تصدیق کردینا ہے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ان امور میں جن امور کا شریعت ہونا بداہۃً معلوم ہے امور تفصیلیہ میں بالتفصیل اور امور اجمالیہ میں بالاجمال۔ گو یہ تصدیق بلا دلیل ہی کیوں نہو۔

تعریف ایمان میں لفظ تصدیق کے استعمال کے سبب سے عموماً ایک غلط فہمی پیدا ہوگئی ہے کہ ایمان و تصدیق ایک دوسرے کے مرادف ہیں۔ اسلئے قرآن و سنت میں جہاں جہاں یہ لفظ مستعمل ہوا اسکی تشریح کے لئے لفظِ تصدیق کو کافی سمجھ لیا گیا۔ حالانکہ دونوں لفظوں میں بڑا فرق ہے۔
ایمان کا لفظ اَمْن سے مشتق ہے۔ اسلئے اس میں امانت و اعتماد کے معنیٰ ہمیشہ ملحوظ رہتے ہیں۔ لفظ تصدیق کے مادہ میں چونکہ یہ خصوصیت نہیں اسلئے مخبر کی امانت داری کی ضرورت ہو کہ نہو ہر طرح لفظِ تصدیق مستعمل ہوگا۔ ایمان کے معنیٰ بھی گو تصدیق کے ہیں مگر ایمان کا استعمال انہیں خبروں تک محدود ہوتا ہے جو مخبر لہ کی چشم دید نہ ہوں۔ یہاں اگر مخبر کی تصدیق کی جائیگی تو صرف مخبر کی امانت و دیانت اور اسکے اعتماد و وثوق کی بنا پر کی جائیگی۔ اسی لئے کوئی شخص اگر طلوعِ آفتاب یا فوقیت آسمان کی خبر دیتا ہے تو اس کے جواب میں آمَنْتُ نہ کہا جائیگا۔ یا دو شخص ایک چیز کا مشاہدہ کرتے ہیں تو لغۃً ایک دوسرے کی تصدیق کے ہے۔ صَدَّقَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهٗ، کہا جاتا ہے۔ نہ آمَنَ لَهٗ۔ کیونکہ یہاں تصدیق کے لئے اعتماد و وثوق کی ضرورت نہیں۔ اسی لئے حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے مصر سے واپسی پر اپنے ابا جان سے " وَمَآ اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا کہا اور " وَمَآ اَنْتَ بِمُصَدِّقٍ لَّنَا " نہیں کہا۔ کیونکہ واقعۂ مصر حضرت یعقوب علیہ السلام کا مشاہد نہ تھا۔ تصدیق کرتے تو صرف اعتماد و وثوق کی بنیاد پر ہی کرتے۔ اسی طرح حضرت لوطؑ کی تصدیق کو لفظ ایمان سے تعبیر کیا گیا۔ " فَاٰمَنَ لَهٗ لُوْطٌ " کہا نہ کہ فَصَدَّقَ لَهٗ لُوْطٌ " کیونکہ لوط علیہ السلام کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ایمان کی تصدیق صرف ان کے اعتماد پر ہی تھی۔ غائبات اور ایمان کے اِس خصوصی تعلق کو سورۂ بقرہ میں " یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ " کے لفظ سے ادا فرمایا گیا ہے۔ یہاں لفظِ غیب صرف بیانِ واقع کے لئے نہیں بلکہ اس حقیقت کو واضح کرنے کے لئے ہے کہ ایمان کا تعلق صرف غائبات سے ہے، مشاہدات سے ایمان کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس اجمالی بیان سے اگر ایمان کی حقیقت پورے طور پر سمجھ میں آگئی تو یہ بات بالکل عیاں ہوگئی کہ اخبارِ غائبہ کو بحث و تمحیص اور دلائل سے معقول بنا کر تصدیق کرنا سخت غلطی اور واسطۂ رسول درمیان سے ہٹا دینے کی ایک شیطانی سازش ہے۔ جب اللہ کے رسول کو رسول مان لیا تو ایمان کا تقاضا تسلیم و رضا ہے دلائل کی لن ترانیوں کو انقیادِ باطن کا یہ نازک مقام برداشت نہیں کر سکتا۔ ؎

کسی کو دیکے دِل کوئی نوا سنجِ فغاں کیوں ہو = نہ ہو جب دل ہی پہلو میں تو پھر منہ میں زباں کیوں ہو

رسول کی تصدیق کا دعویٰ پھر بات بات پر شبہات اور حجت بازی دو متضاد باتیں ہیں۔ یاد رکھو کامل وثوق و اعتماد اور سرِ تسلیم خم کر دینے کا نام ہی تصدیقِ شرعی اور ایمان ہے۔
اَشاعرہ اور ابو منصور ماتریدیؒ تصریح فرماتے ہیں کہ ایمان اسی بے دلیل انقیاد و طاعت کا نام ہے۔ (اتحاف صفحہ ۲۴۰/۲۷)

اب آپ بخوبی سمجھ گئے ہونگے کہ ایمان کا وجودِ ذہنی یا شرعی تصدیق کوئی خواب و خیال سا معمولی تصور نہیں بلکہ قلبِ انسانی پر وہ زبردست نقش ہے جو انسانی زندگی میں ایک عظیم انقلاب بپا کر دیتا ہے۔ یہ کفر و اسلام کی تبدیلی دنیا و آخرت کی تبدیلی بنجاتی ہے۔ اگر کسی کو تمنا ہے کہ وہ عالمِ نقمت کو عالمِ نعمت سے اور عالمِ عذاب کو عالمِ ثواب سے بدل دے تو اس کو چاہیئے کہ وہ عالمِ کفر کو عالمِ اسلام سے بدل لے۔ عالمِ فانی کی اس تبدیلی پر خالقِ دوجہاں نے عالمِ جاودانی میں تبدیلی کا وعدہ فرمالیا ہے۔

ایمان کا وجودِ عینی

ایمان کا وجودِ ذہنی جب رسوخ و پختگی حاصل کرلیتا ہے تو یہ ایک معنوی چیز رفتہ رفتہ شکل و صورت اختیار کرنے لگتی ہے۔ اربابِ حقیقت کے نزدیک معانی کا تجسّد ایک حقیقت ثابتہ ہے۔ اور موجودہ تحقیقات و ایجادات نے حرارت و برودت، ہوا وغیرہ کے ناپ تول کے پیمانے دنیا کے سامنے پیش کر کے اس کو ہر خاص و عام کے لئے ایک ناقابلِ انکار حقیقت بنا دیا ہے۔ شیخ محی الدین بن عربیؒ اپنے چشم دید مشاہدہ کی بنا پر اصوات کے وجود کے ساتھ ساتھ ان کی صورتوں کے بھی قائل ہیں۔ ایمان (تصدیقِ قلبی) اعمالِ صالحہ کی آبیاری سے نشو و نما پاکر ایک نور کی سی شکل اختیار کرلیتا ہے۔ اور یہی نورِ ایمان کا وجودِ عینی کہلاتا ہے۔ حکیم لقمان نے اپنے بیٹے سے کہا تھا کہ جس طرح کھیتی بلا آبیاری سرسبز نہیں ہوسکتی، اسی طرح ایمان بلا علم و عمل پختہ نہیں ہوسکتا۔ مختلف محدثینؒ نے حضرتِ علیؓ سے روایت کیا ہے کہ پہلے ایمان ایک سفید نقطے کی شکل پر قلب میں نمودار ہوتا ہے۔ اور جس قدر ایمان بڑھتا جاتا ہے یہ نقطہ پھیلتا جاتا ہے، ایمان مکمل ہوجاتا ہے تو سارا قلب سفید ہوجاتا ہے۔ یہی حال نفاق کا ہے، ابتداءً سیاہ نقطے کی شکل پر ہوتا ہے پھر پورے قلب کو اپنی سیاہی سے گھیر لیتا ہے۔ خدا کی قسم اگر تم مومن کے قلب کو نکال کر دیکھو تو وہ بالکل سفید اور منافق کا بالکل سیاہ دیکھوگے۔

صحیح روایات سے ثابت ہے کہ آپ کا شقِ صدر ہوا تو سنہری طشت ایمان و حکمت سے لبریز لایا گیا۔ اور آپ کے سینہ میں لوٹ دیا گیا۔

اس نور سے امتثال کا کمال پیدا ہوتا ہے اور رذائل زائل ہوتے اور اخلاقِ فاضلہ انکی جگہ لے لیتے ہیں پھر اس نور کے پہلو میں سارا عالم ایک نقطہ نظر آنے لگتا ہے۔ اور یہ قلب تجلی گاہِ ربانی بنجاتا ہے اور اس نور کے وسعت پذیر ہونے کی تین علامتیں حدیث میں آئی ہیں۔

(۱) آخرت کی رغبت (۲) دنیا سے نفرت (۳) موت کی تیاری کی مصروفیت۔ یہ ایمان کا وجودِ عینی ہے۔ جو ذہنی اور عقلی ہی نہیں رہتا۔ بلکہ محسوسات کے مانند ہوجاتا ہے۔ یہ ہی ایمان کا وجودِ عینی انبیاء علیہم السّلام کی دعوت کا اعلیٰ ترین مقصد ہے۔ یہی ایمانِ کامل ہے۔ اسی کو معرفت کہا جاتا ہے۔ اور ایمان کے کمال کے بقدر اعمال میں کمال آتا ہے۔ اور بقدرِ ایمان ہی

اعمال وزنی ہوتے ہیں۔

اعتذار اس مختصر میں گنجائش نہ ہونے کے باوجود ہم نے ایمان کے متعلق ترجمان السنۃ ومرقاۃ وغیرہ کتب معتبرہ سے ملخص کرکے اجمالی مضمون اس وجہ سے تحریر کردیا ہے کہ ہمارے مدارس کے نصاب تعلیم میں ایمان وعقائد سے واقفیت کا نمبر بہت دور پہونچکر آتا ہے، مبتدی ومتوسط طلبہ ان ضروری اور بنیادی مباحث سے عموماً بے بہرہ ہی رہتے ہیں۔ پھر اس جگہ پر حقیقت ایمان سے متعلق بقدر کفایت مضمون ہی پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ ایمان کے مرکب وبسیط ہونے، زیادۃ ونقصان قبول کرنے، مشیت سے مقترن ہونے نہ ہونے، مخلوق وغیر مخلوق ہونے نہ ہونے وغیرہ کے مباحث کی تفصیلات کو اس مختصر اور مبتدیین کے نامناسب حال ہونے کے سبب قصداً ترک کردیا گیا ہے۔ یہ مباحث کتب علم کلام میں ان شاء اللہ بتفصیل آہی جائیں گے۔ پھر ان اختلافی مباحث میں سے اکثر نزاع لفظی ہی ہیں۔ حقیقت پر تقریباً جملہ اہل حق متفق ہیں۔ چنانچہ حافظ ابن تیمیہؒ نے اپنی کتاب الایمان میں فرمایا ہے کہ اس مسئلہ میں اہل السنۃ والجماعت کے جتنے بھی اختلافات نظر آتے ہیں درحقیقت وہ صرف نزاع لفظی ہیں۔

کاش اس مسئلہ کی اہمیت کو محسوس فرماتے ہوئے اساتذۂ کرام طلبہ کے مناسب حال اسکی ضروری تفصیلات سے ان کو محظوظ فرمائیں۔ اور سعادت مند طلبہ اپنے قلب ودماغ میں ان کو محفوظ کرلیں۔

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغُ۔ فقط نسیم احمد غازی مظاہری

شَرْحُ الْاِيْمَانِ

(۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ يَقُوْلُ بَيْنَمَا نَحْنُ جُلُوْسٌ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ
انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ایک بار ہم نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ دَخَلَ رَجُلٌ عَلٰى جَمَلٍ فَاَنَاخَهٗ ثُمَّ عَقَلَهٗ ثُمَّ
تھے۔ کہ ایک شخص اونٹ پر آیا پھر اس اونٹ کو بٹھلاکر باندھ دیا۔ پھر اس نے صحابہؓ

قَالَ لَهُمْ اَيُّكُمْ مُحَمَّدٌ، وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئٌ بَيْنَ
سے پوچھا تم میں محمد کون ہیں؟ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے ہوئے ان کے

ظَهْرَانَيْهِمْ فَقُلْنَا هٰذَا الرَّجُلُ الْاَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ فَقَالَ الرَّجُلُ
درمیان تشریف فرما تھے۔ تو ہم نے کہا کہ یہ سفید رنگ تکیہ لگانے والے صاحب ہیں تب اس آدمی نے کہا۔

يَا ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَجَبْتُكَ
اے عبد المطلب کے بیٹے تو اس سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے تم کو جواب دیدیا

فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ إِنِّي سَائِلُكَ فَمُشَدِّدٌ عَلَيْكَ فِي الْمَسْئَلَةِ فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ
(ہاں کہدیا) پھر آپ سے اس شخص نے کہا کہ میں آپ سے (کچھ) سوال کرونگا اور سوال کرنے میں آپ پر سختی برتونگا آپ مجھ
فِي نَفْسِكَ فَقَالَ سَلْ عَمَّا بَدَا لَكَ فَقَالَ أَسْئَلُكَ بِرَبِّكَ وَرَبِّ مَنْ
پر اپنے دل میں ناراض نہوں آپنے فرمایا پوچھ لو جو تمہارے دل میں ہو پس اس نے کہا میں آپسے پوچھتا ہوں آپکے پروردگار
قَبْلَكَ. اللهُ أَرْسَلَكَ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ فَقَالَ. اللَّهُمَّ نَعَمْ فَقَالَ أَنْشُدُكَ
اور آپسے پہلوں کے پروردگار کی قسم دیکر کہ کیا اللہ نے آپ کو تمام انسانوں کی جانب رسول بناکر بھیجا ہے آپنے فرمایا، بخدا ہاں
بِاللهِ اللهُ أَمَرَكَ أَنْ تُصَلِّيَ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ فَقَالَ
پھر اسنے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو شب روز میں پنجگانہ نمازیں پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ آپنے ارشاد فرمایا
اَللَّهُمَّ نَعَمْ" قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللهِ اللهُ أَمَرَكَ أَنْ تَصُومَ هٰذَا الشَّهْرَ
"بخدا ہاں" اس نے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو سال بھر میں اس ماہ (رمضان) کے
مِنَ السَّنَةِ قَالَ اَللَّهُمَّ نَعَمْ، قَالَ أَنْشُدُكَ بِاللهِ اللهُ أَمَرَكَ أَنْ
روزے رکھنے کا حکم دیا ہے؟ آپنے فرمایا "بخدا ہاں" اسنے کہا میں آپ کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا اللہ نے آپ کو
تَأْخُذَ هٰذِهِ الصَّدَقَةَ مِنْ أَغْنِيَائِنَا فَتَقْسِمَهَا عَلَى فُقَرَائِنَا فَقَالَ
حکم دیا ہے کہ آپ یہ صدقہ ہمارے مالداروں سے لیکر ہمارے غریبوں پر تقسیم فرمائیں؟ تو حضور صلی اللہ
النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ" اَللَّهُمَّ نَعَمْ، فَقَالَ الرَّجُلُ. آمَنْتُ بِمَا
علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "بخدا ہاں، تب اس شخص نے کہا کہ میں اس دین پر ایمان
جِئْتَ بِهِ وَأَنَا رَسُولُ مَنْ وَّرَائِي مِنْ قَوْمِي وَأَنَا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَةَ أَخُو
لاچکا ہوں جو آپ لائے ہیں اور میں اپنی اس قوم کا قاصد ہوں جو میرے پیچھے ہے اور میں ضمام بن ثعلبہ
بَنِي سَعْدِ بْنِ بَكْرٍ۔ (بخاری کتاب العلم ص ۱۵ ج ۱)
بنو سعد بن بکر کا بھائی ہوں۔

لغات بَيْنَ ظرفِ زمان ہے۔ ہمیشہ مضاف ہوتا ہے، اور اس کے مضاف الیہ میں تعدد ضروری ہے خواہ لفظاً ہو یا معنیً جیسے "جلستُ بَيْنَ القومِ" اور "جِئْتُ بَيْنَ العِشائَيْن"، اگر اس کا مضاف الیہ لفظاً یا معنیً متعدد نہو تو بین کو مکرر لانا چاہیئے جیسے "هٰذَا فِرَاقُ بَيْنِي وَبَيْنِكَ"، اور جب بین کی اضافت جملہ اسمیہ یا فعلیہ کی جانب کرنی ہوتی ہے تو اس کے اخیر میں الف یا ما زیادہ کر کے بَيْنَا اور بَيْنَمَا کہتے ہیں۔ تو یہ ظرفِ زمان بمعنی مفاجاۃ ہوتا ہے۔ اور یہ الف یا ما ان اوقات کے عوض میں ہوتے ہیں جن کو لفظ بین چاہتا ہے۔ نیز اس کے جواب میں اِذْ کو لانا

اور بہ لانا دونوں جائز ہیں۔ جیسا کہ بخاری کی اس روایت میں بعض میں اِذْ دَخَلَ ہے، اور بعض میں دَخَلَ ہے۔
اور معنی یہ ہوں گے بَیْنَ اَوْقَاتِ جُلُوْسِنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاجَاءَ وَقْتُ دُخُوْلِ الرَّجُلِ۔
بَیْنَ کو فَاجَأَ کا ظرف مانا جائیگا۔

جُلُوْسٌ جمع جَالِسٌ کی جُلَّاسٌ بھی جمع آتی ہے۔ جَلِیْسٌ جِلْسٌ جِلِّیْسٌ ہمنشیں۔ جَلَسَ یَجْلِسُ جُلُوْسًا مَجْلِسًا (ض) بیٹھنا۔ قُعُوْدٌ بھی اسی کا مرادِف ہے۔ بعضوں نے فرق بیان کیا ہے کہ کھڑے سے بیٹھنا قعود اور لیٹنے سے بیٹھنا جلوس ہے۔ لیکن ایک دوسرے کی جگہ بکثرت مستعمل ہیں۔ دَخَلَ (ن) داخل ہونا بِہٖ اندر لانا، داخل کرنا۔ عَلَیْہِ زیارت کرنا۔ ملاقات کرنا۔ سمع سے جسم یا عقل میں خرابی لاحق ہونا۔
رَجُلٌ مرد۔ پیدل چلنے والا ج رِجَالٌ، رَجَلَۃٌ، رَجْلَۃٌ، اَرَاجِلُ، رِجَالَاتٌ۔ الرَّجُلَۃُ عورت۔ رَجِلَ رَجَلًا (س) پیدل چلنا، بیمار ٹانگ والا ہونا۔ جَمَلٌ اونٹ ج جِمَالٌ، اَجْمَالٌ، جُمْلٌ، جِمَالَۃٌ، بتثلیث الجیم۔ ج جِمَالَاتٌ بتثلیث الجیم۔ جَمَائِلُ۔ جَمَّالٌ ساربان یا اونٹوں کا مالک ج جَمَّالَۃٌ۔ جَمِیْلٌ خوبصورت۔ جُمَّالٌ خوبصورت یا زیادہ خوبصورت (ك) خوبصورت ہونا ــ خوب سیرت ہونا۔ فَاَنَاخَہٗ اونٹ کو بٹھانا، مقیم ہونا، نازل ہونا۔ مُنَاخٌ اونٹ بٹھلانے کی جگہ۔ یہ مجرد میں مستعمل نہیں۔ عَقَلَہٗ (ض) باندھنا، روکنا، اونٹ کا پیر موڑ کر پنڈلی سے ملا کر باندھنا، عِقَالٌ رسّی یا تسمہ (س) ٹیڑھی ٹانگوں والا ہونا۔ تفعّل وتفعیل سے عقلمند ہونا۔ عقل ایک روحانی نور ہے جس سے غیر محسوس چیزوں کا ادراک ہوتا ہے۔ عقل کو عقل اس وجہ سے کہتے ہیں کہ وہ اپنے صاحب کو بُرے اور لایعنی کاموں سے روکتی اور باندھتی ہے۔ ج عُقُوْلٌ ہے۔ عَقُوْلٌ صیغہ مبالغہ ہے۔ بہت سمجھنے والا۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ دعا فرمایا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ قَلْبًا عَقُوْلًا وَّ لِسَانًا سَئُوْلًا (اے اللہ میں تجھ سے بہت سمجھنے والا دل اور علمی معلومات کرنیوالی زبان مانگتا ہوں)
مُتَّکِئٌ۔ اِتِّکَاءٌ سہارا لیکر بیٹھنا۔ تُکَاءَۃٌ ٹیک لگانے کی چیز۔ وکذلك مُتَّکَاءٌ تَکِئَ یَتْکَأُ تَکَأً (س) تکیہ لگانا (و۔ ك۔ ء نیز ت۔ ك۔ ء مادّہ ہے۔) ظَھْرَانَیْھِمْ دراصل ظَھْرٌ تھا بمعنی پشت، پیٹھ، الف نون تاکید کے لئے بڑھا دیتے ہیں۔ پھر اس کی تثنیہ ظَھْرَانَانِ ہوئی۔ پھر ضمیر جمع ھُمْ کی طرف اضافت ہوئی تو تثنیہ کا نون گر گیا۔ اور بَیْنَ کا مضاف الیہ ہونے کے سبب ظَھْرَانَیْھِمْ ہو گیا۔
یُقَالُ ھُوَ نَازِلٌ بَیْنَ ظَھْرَیْھِمْ وَظَھْرَانَیْھِمْ وَاَظْھُرِھِمْ اَیْ فِیْ وَسْطِھِمْ۔ ظَھْرٌ پیٹھ۔ پشت، کمر ج اَظْھُرٌ۔ ظُھُوْرٌ ظَھَرَ اَنٌّ (ف) ظاہر ہونا۔ غالب ہونا، پیٹھ پر مارنا، چڑھنا، مدد کرنا، مطلع ہونا (ن) مضبوط پیٹھ والا ہونا (س) پیٹھ میں تکلیف یا کوئی شکایت ہونا۔ اَلْاَبْیَضُ سفید، تلوار۔ ج بِیْضٌ مؤنث بَیْضَاءُ۔ اَلْخَیْطُ الْاَبْیَضُ صبح صادق کی روشنی (ض) انڈے دینا۔ سفید ہونا۔ بَیَاضٌ سفیدی۔ دودھ، روشنی۔ اَجَبْتُكَ اِجَابَۃً جواب دینا اَجَابَہٗ اِلٰی حَاجَتِہٖ حاجت

پوری کرنے کے لئے خوشی سے آگے بڑھنا۔ جابَ تجویبًا (ن) طے کرنا۔ تماشا تماشا۔ شدید التعلیمات
اسم فاعل۔ سختی کرنا، قوی کرنا۔ شَدَّ شَدًّا (ن) دوڑنا، بلند ہونا، قوی ہونا، مضبوط باندھنا (ض) حملہ
کرنا، قوی ہونا۔ شِدَّۃٌ وشُدّٰی سختی۔ مَسْئَلَۃٌ حاجت، مطلب ج مَسَائِل (ف) سوال کرنا۔ غضِبَ
(ض) علیہ غضبناک ہونا، ناراض ہونا، غمگین ہونا۔ بغَلاء بہت محبت کرنا۔ (س) بہت محبت کرنا۔
وَاجِدٌ مالدار، محب۔ مَاجِدٌ یہ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ سَلْ صیغہ امر دراصل اِسْئَلْ تھا۔ ہمزہ کی
حرکت سین کو دیکر ہمزہ کو اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کیا گیا۔ شروع سے عدم ضرورت کے
سبب ہمزۂ وصلی کو بھی حذف کر دیا گیا۔ بَدَا (ن) ظاہر ہونا، خیال سوجھنا بَدَاءَۃً۔ بادیۃ (جنگل) میں
مقیم ہونا۔ آللّٰہُ اس میں ایک ہمزہ استفہامیہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ دراصل یَا اَللّٰہُ تھا حرف ندا حذف
کرکے عوض میں میم مشدّد آخیر میں لے آئے۔ یہ سیبویہ اور خلیل کا قول ہے۔ فراء کہتے ہیں کہ اس کی اصل
یَا اَللّٰہُ اُمَّنَا بِخَیْرٍ تھی۔ شروع سے حرف ندا اور اُمَّنَا کی ضمیر متکلم اور درمیانی اُمَّ کے ہمزہ کو
حذف کر دیا اَللّٰهُمَّ ہو گیا۔ یہاں برکت اور تاکید ایجاب کے لئے ہے۔ اَنْشُدُكَ (ن) قسم دینا۔
گمشدہ کو تلاش کرنا، گمشدہ کی تشہیر کرنا، پہچاننا۔ باب مفاعلۃ سے قسم دینا، متوجہ کرنا۔ اِفعال سے
گمشدہ کے متعلق پوچھ تاچھ کرنا، گمشدہ کی تشہیر کرنا، ہجو کرنا۔ اَمَرَكَ (ن) حکم دینا (س ك) امیر و حاکم
اور والی ہونا۔ اَمَّرَہٗ حاکم بنانا۔ اَمْرٌ حکم، کام، فرمان، واقعہ ج اَوَامِرُ۔ اُمُوْرٌ۔ تَصُوْمُ صَوْمًا
صِیَامًا (ن) روزہ رکھنا، کھانے، پینے، بولنے چلنے پھرنے سے رکنا۔ صَائِمٌ روزہ دار ج صَائِمُوْنَ،
صُوَّامٌ، صُیَّامٌ، صُوَّمٌ، صُیَّمٌ۔ صَوْمٌ مذکر مؤنث واحد جمع سب پر بولا جاتا ہے۔ صَوْمَانُ
روزہ دار ج صَیَامیٰ۔ صَوَّمٌ مبالغہ۔ الشَّهر دانا، چاند، نیا چاند، مہینہ ج اَشْهُرٌ شُهُوْرٌ (ف) مشہور کرنا۔
تلوار سونتنا۔ السَّنَۃ سال ج سَنَوَات اور سِنُوْنَ۔ تَاخُذُ (ن) لینا، پکڑنا، سزا دینا، مؤاخذہ کرنا۔
چھانٹنا، نقل کرنا، سیکھنا۔ مفاعلۃ سے ملامت کرنا، مؤاخذہ کرنا، سزا دینا۔ اَغْنِیَاءُ غَنِیٌّ کی جمع
مالدار (س) مالدار ہونا، بے نیاز ہونا، نکاح کرنا، اقامت کرنا۔ مصدر غِنًی، غِنَاءٌ غُنْیَانًا
اِفعال سے متعدی۔ فَتَقْسِمُهَا (ض) بانٹنا، تجزیہ کرنا، متفرق کرنا، اندازہ کرنا (ك) خوبصورت ہونا
قَسِیْمٌ خوبصورت قِسْمٌ تقسیم شدہ، شیٔ کا ایک حصہ ج اَقْسَامٌ جج اَقَاسِیْمُ۔ فُقَرَاءُ جمع فَقِیْرٌ کی مفلس
محتاج۔ مؤنث فَقِیْرَۃٌ ج فَقِیْرَاتٌ، فَقَائِرُ (ك) محتاج ہونا، مفلس ہونا اِفْتَقَرَ ایضًا فَقْرٌ مفلسی، غم،
ج فُقُوْرٌ، مَفَاقِیْرُ۔ فَقَارَۃٌ ریڑھ کی ہڈی فَقَارٌ جمع جِئْتَ (ض) آنا (ن) ایضًا وَاِنْ قَلَّ
وَرَائِیْ۔ وَرَاءٌ آگے، پیچھے، پوتا (مذکر و مؤنث) وَرَأَ يَرَاءُ يَوْرَاُ وَرْاً (ف) دفع کرنا، سیر ہونا
ہموار ہونا۔ قَوْمٌ لوگوں کی جماعت۔ قَوْمُ الرَّجُلِ قریبی رشتہ دار جو ایک دادا میں شریک ہوں۔
ج اَقْوَامٌ، اَقَاوِمُ، اَقَائِمُ، اَقَاوِیْمُ۔ قَامَ قَوْمًا قِیَامًا قَوْمَۃً قَامَۃً (ن) کھڑا ہونا، ٹھہرنا،

معتدل ہونا، برابر ہونا، درد مند ہونا، مداومت کرنا وغیرہ۔

ترکیب

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ محذوف کے متعلق ہو کر هٰذَا الْحَدِيثُ مبتدا محذوف کی خبر یا يُحَدِّثُ کے متعلق ہو کر جملہ فعلیہ، ضمیر فاعل تلمیذ انس کی طرف راجع ہوگی۔ نَحْنُ مبتدا جُلُوسٌ صیغہ صفت اپنے ظرف مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور متعلق فِي الْمَسْجِدِ سے مل کر خبر جملہ بَيْنَمَا کا مضاف لَمَّا جَاءَ فعل محذوف کا ظرف، جملہ فعلیہ۔ دَخَلَ فعل رَجُلٌ فاعل عَلٰى جَمَلٍ متعلق جملہ فعلیہ۔ فَأَنَاخَهٗ جملہ فعلیہ معطوف ثُمَّ عَقَلَهٗ جملہ فعلیہ معطوف ثُمَّ قَالَ لَهُمْ جملہ فعلیہ قول أَيُّكُمْ مبتدا مُحَمَّدٌ خبر یا برعکس جملہ اسمیہ مقولہ۔ وَالنَّبِيُّ مبتدا مُتَّكِئٌ اپنے ظرف بَيْنَ ظَهْرَانَيْهِمْ مرکب اضافی سے مل کر خبر جملہ اسمیہ قَالَ کی ضمیر سے حال فَقُلْنَا فعل با فاعل جملہ قول هٰذَا مبتدا الرَّجُلُ موصوف اپنی دونوں صفتوں الْأَبْيَضُ الْمُتَّكِئُ سے مل کر خبر جملہ اسمیہ مقولہ فَقَالَ الرَّجُلُ جملہ فعلیہ قول یا قائم مقام أَدْعُوْ فعل با فاعل ابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ مرکب اضافی منادیٰ مفعول بہ۔ فعل با فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ ندائیہ مقولہ فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ فعل فاعل متعلق جملہ قول أَجَبْتُكَ فعل با فاعل مفعول جملہ فعلیہ مقولہ فَقَالَ لَهُ الرَّجُلُ جملہ فعلیہ قول إِنِّيْ حرف مشبہ بفعل ی اسم سَائِلُكَ مرکب اضافی خبر جملہ اسمیہ معطوف علیہ مُشَدِّدٌ اپنے دونوں متعلقوں عَلَيْكَ اور فِي الْمَسْأَلَةِ سے مل کر خبر مبتدا محذوف، أَنَا کی جملہ اسمیہ فَلَا تَجِدْ عَلَيَّ فِيْ نَفْسِكَ فعل با فاعل بہ ہر دو متعلق جملہ فعلیہ انشائیہ فَقَالَ جملہ فعلیہ قول سَلْ فعل با فاعل بَدَا فعل هُوَ راجع بسوئے مَا فاعل لَكَ متعلق جملہ فعلیہ صلہ، موصول وصلہ مجرور متعلق سَلْ جملہ فعلیہ انشائیہ مقولہ فَقَالَ جملہ قول أَسْأَلُكَ أَسْأَلُ فعل أَنَا ضمیر ذوالحال كَ مفعول بِ جار رَبِّكَ مرکب اضافی معطوف علیہ۔ رَبِّ مضاف مَنْ موصولہ قَبْلَكَ مرکب اضافی مفعول فیہ کسی فعل محذوف کا مثلاً وَقَعَ کا ضمیر راجع بسوئے فاعل جملہ فعلیہ صلہ مَنْ اپنے صلہ سے مل کر مضاف الیہ رَبِّ کا وہ اپنے مضاف الیہ سے مل کر معطوف، معطوفین ملکر متعلق نَاشِدًا کے نَاشِدًا بمتعلق خود حال۔ ذوالحال وحال فاعل جملہ فعلیہ آللّٰهُ ہمزہ استفہام لفظ اللّٰہ مبتدا أَرْسَلَ فعل ضمیر هو فاعل كَ مفعول بہ إِلٰى جار النَّاسِ اپنی تاکید كُلِّهِمْ سے مل کر مجرور متعلق فعل، فعل وفاعل، مفعول بہ اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ خبر۔ جملہ اسمیہ فَقَالَ اللّٰهُمَّ بمعنی یا اللّٰہ جملہ ندائیہ بمعنی قسم نَعَمْ قائم مقام جملہ أَرْسَلَنِي اللّٰهُ إِلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ۔ أَنْشُدُكَ فعل فاعل مفعول بہ اور بِاللّٰهِ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ أَنْ تُصَلِّيَ فعل فاعل الصَّلَوَاتِ الْخَمْسَ موصوف صفت مفعول بہ فِي الْيَوْمِ وَاللَّيْلَةِ متعلق جملہ فعلیہ بتاویل مفرد آمَرَ کا مفعول ثانی آمَرَكَ فعل فاعل ہر دو مفعول بہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر۔ جملہ اسمیہ۔ آگے ترکیب ظاہر ہے۔

وَرَاءِ مضاف مضاف الیہ ظرف فعل محذوف وَقَعَ مِنْ قَوْمِیْ اس کے متعلق جملہ فعلیہ صلہ مَنْ اسم موصول معہ صلہ رَسُوْلُ کا مضاف الیہ مرکب اضافی خبر آنَا کی جملہ اسمیہ آنَا مبتدا ضِمَامُ بْنُ ثَعْلَبَۃَ موصوف سَعْدٌ موصوف اپنی صفت ابن بکر مرکب اضافی سے ملکر بَنِیْ کا مضاف الیہ۔ یہ مرکب اضافی اَخُوْ کا مضاف الیہ اَخُوْ اپنے مضاف الیہ سے مل کر صفت۔ موصوف صفت خبر جملہ اسمیہ

تشریح حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم مسجد میں بیٹھے تھے کہ ایک شخص آیا۔ اور اس نے اپنا اونٹ مسجد سے باہر باندھ دیا۔ اس روایت میں فی المسجد توسعاً فرمادیا گیا۔ جیساکہ ہمارے علاقہ میں کہتے ہیں کہ میں مسجد میں استنجاء پاک کرنے یا وضو یا غسل کرنے جارہا ہوں اور مراد مسجد کے ملحقات ہوتے ہیں۔ اور اس کو سب ہی سمجھتے ہیں۔ کہ داخل مسجد ان کاموں میں سے کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ اسی طرح فی المسجد کا مطلب فی موضع قریب المسجد ہے چنانچہ مسند احمد میں حضرت ابن عباسؓ سے اسی روایت میں " فَاَنَاخَ بَعِیْرَہٗ عَلٰی بَابِ الْمَسْجِدِ الفاظ منقول ہیں۔ آنے کے بعد اس نے پوچھا، محمد کون ہیں، صحابہؓ نے بتلایا، ھٰذَا الرَّجُلُ الْاَبْیَضُ الْمُتَّکِئُ، دوسری روایت میں ابیض کی بجائے امغر ہے۔ جس کے معنی سرخ وسفید کے ہیں۔ لہٰذا ابیض کی مراد بھی خوب ظاہر ہوگئی۔ کہ سفید چونہ جیسا رنگ مراد نہیں کہ یہ رنگ اچھا نہیں، اور بیماری کی علامت بھی ہے۔ اس نے آپ کو پکارا یَاابْنَ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ! آپ نے فرمایا اَجَبْتُكَ۔ اس کا یہ ترجمہ کہ میں تجھ کو جواب دے چکا۔ آپ کے اخلاق عالیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ اس ترجمہ سے غصہ و نفرت ٹپکتی ہے۔ بلکہ اس کے معنی یہی ہیں کہ میں تمہاری بات کا جواب دے رہا ہوں۔ کہو کیا کہتے ہو۔ اس میں شفقت ورحمت کی جھلک ہے۔ گفت گو سے پہلے اس نے تمہیداً چند الفاظ کہے۔ میں آپ سے کچھ سوالات کرنا چاہتا ہوں (میں کیونکہ بدوی ہوں اسلئے) لہجہ بھی کرخت اور بات بھی سخت ہوگی۔ آپ میری بے تکلفی و ترک آداب پر خفا نہوں، اس تمہید کی یہ وجہ ہوسکتی ہے کہ وہ شخص خود کو اس خیال سے چھپانا چاہتا ہو کہ اگر پورے آداب کے ساتھ اس طرح گفت گو کی جس طرح حضرات صحابہ کرتے ہیں تو آداب مجلس کی پابندی لازم ہوگی اور بے تکلف نہ پوچھ سکونگا۔ یا یہ سوچا ہو کہ یہ بات قوم کے لئے اطمینان و دلچسپی کا باعث ہوگی جب میں جاکر کہونگا کہ میں نے سوالات میں گو ایسا بدویانہ اور گنوارپنے کا طرز اختیار کیا مگر آپؐ نے نہایت خوش اخلاقی و خندہ پیشانی سے جوابات دیئے۔ اور ممکن ہے کہ اخلاق و تحمل کا امتحان کرنے کے لئے قوم ہی نے اس طور وطریقہ کی ہدایت کردی ہو۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ بارگاہ رسالت کی عظمت اور خود اپنی ناواقفیت واجنبیت نے ان کو اولاً معذرت پیش کرنے پر مجبور کیا۔ واللہ اعلم

بہر حال انہوں نے پے بہ پے چار سوالات نہایت بے تکلفی کے ساتھ کیے۔ اور ہر سوال میں قسم بھی دی۔ آپنے بھی نہایت خندہ پیشانی سے اَللّٰھُمَّ نَعَمْ جیسے تاکیدی الفاظ کے ساتھ سوالات کے جوابات دیئے۔ جب سوالات وجوابات ختم ہوگئے تو نو وارد شخص نے اٰمَنْتُ بِمَا جِئْتَ بِہٖ سے اپنے ایمان کا اعلان کیا اور اپنا تعارف کرایا کہ میں اپنی قوم کا قاصد ضمام بن ثعلبہ قبیلہ بنی سعد بن بکر کا ایک فرد ہوں۔

" فوائد "

(ف ا) مؤرخین کو ضمام بن ثعلبہ کے سالِ آمد میں اختلاف ہے۔ واقدی وابن حبیب کی رائے ہے کہ ۵ سنہ ھ میں آئے۔ محمد بن اسحاق وابو عبیدہ کی تحقیق ۹ سنہ ھ کی ہے۔ محققین نے بھی اسی کی تصویب کی ہے۔ اور اول الذکر قول کو غلط بتلایا ہے۔ کیونکہ (۱) مسلم شریف کی روایت میں تصریح ہے کہ ضمام کی آمد سورۂ مائدہ کی آیت لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْیَاءَ اِنْ تُبْدَ لَکُمْ تَسُؤْکُمْ (ایسی چیزوں کے بارے میں نہ پوچھو، اگر ان کا اظہار کر دیا جائے تو تم کو برا معلوم ہو) کے بعد ہوئی ہے۔ کیونکہ ۹ سنہ میں جب حج کی فرضیت کی آیات نازل ہوئیں تو اقرع بن حابسؓ نے سوال کیا تھا کہ کیا ہمارے ذمہ ہر سال حج فرض ہے؟ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ان کے سوال کا جواب نہ دیا تو انہوں نے مکرر سوال کیا۔ آپنے پھر سکوت فرمایا۔ انہوں نے پھر بھی سوال کیا تو ارشاد فرمایا اگر میں جواب میں ہاں کہدیتا تو ہر سال حج کرنا فرض ہوجاتا۔ اور پھر تم اس حکم پر عمل نہ کرسکتے۔ پھر فرمایا کہ جن چیزوں کے بارے میں میں حکم نہ دوں ان کو یوں ہی رہنے دو، اور کھود کرید نہ کرو۔ تم سے پہلی امتیں کثرتِ سوال کیوجہ سے ہلاک ہوچکی ہیں الخ۔ اس پر مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی چنانچہ حضرتِ ضمام ہی کے قصہ میں بخاری شریف کی اس روایت کے شروع میں جو مشکوٰۃ الآثار میں اس سے آگے (۷) پر مذکور ہے یہ الفاظ مذکور ہیں نُهِيْنَا فِي الْقُرْاٰنِ اَنْ نَسْأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ يُعْجِبُنَا اَنْ يَجِيْءَ الرَّجُلُ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ الْعَاقِلُ فَيَسْأَلَهُ وَنَحْنُ نَسْمَعُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ الخ (ہم کو قرآن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے منع فرمادیا گیا تھا۔ اور ہمیں یہ بات پسند تھی کہ کوئی گاؤں کا ہوشیار آدمی آکر آپ سے سوالات کرے اور ہم سنیں چنانچہ ایک شخص گاؤں والوں میں سے آیا۔ یہ شخص یہی ضمام بن ثعلبہ ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان کی آمد ۹ سنہ ھ میں ہوئی تھی۔ جیسا کہ محمد بن اسحاق وابو عبیدہ اور محققین کا قول ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ہے کہ ضمام کی اس حدیث میں مذکور ہے کہ یہ قوم کے بھیجے ہوئے قاصد تھے۔ اور مؤرخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قاصدوں اور دعوت ناموں کا یہ سلسلہ صلح حدیبیہ ۶ سنہ ھ کے بعد شروع ہوا۔ اسوجہ سے بھی حضرت ضمام کی آمد ۵ سنہ ھ میں قرین قیاس نہیں۔ لہٰذا واقدی وغیرہ

کا ۵ھ والا قول صحیح نہیں۔

(۳) تیسری بات یہ ہے کہ ضمام بحیثیت وفد آئے تھے۔ چنانچہ بعض روایات میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں اِنَّ قَوْمَہٗ اَوْفَدُوْہُ (ان کی قوم نے ان کو وفد بنا کر بھیجا تھا) اور وفود کی بیشتر آمد ۹ھ میں ہوئی۔ اسی وجہ سے ۹ھ کو عام الوفود کہتے ہیں۔ اس سے عقل میں یہی بات آتی ہے کہ ان کی آمد ۹ھ ہی میں ہوئی ہوگی۔

(۴) روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں "انا ضمام بن ثعلبۃ اخو بنی سعد بن بکر" یعنی یہ بنی سعد بن بکر، خاندان کے ایک فرد تھے۔ اور بنو سعد قبیلۂ ہوازن کا ایک بطن ہے۔ اور یہ لوگ فتح مکہ (رمضان ۸ھ) تک مسلمان نہ ہوئے تھے۔ شوال ۸ھ میں غزوۂ حنین، غزوۂ اوطاس و غزوۂ طائف ہوئے۔ یہ غزوات بنی ثقیف و ہوازن کے قبیلوں کے ساتھ ہوئے۔ غزوۂ اوطاس کے ہزاروں قیدیوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن شیما بھی تھیں۔ جن کو پہچان کر حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم آنکھوں میں آنسو بھر لائے، اور ان کے بیٹھنے کے لئے اپنی چادر مبارک بچھا دی، پھر اونٹ بکریوں کے انعام اور عزت و احترام کے ساتھ ان کو ان کے گھر پہونچوا دیا۔ طبرانی میں ابن عباسؓ کی اسی واقعہ والی روایت میں ہے "جَاءَ رَجُلٌ مِّنْ بَنِیْ سَعْدِ بْنِ بَکْرٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَکَانَ مُسْتَرْضِعًا فِیْھِمْ"۔ اس مختصر سے بیان سے چند معلومات ہوئیں۔ (۱) ضمام قبیلۂ ہوازن کی شاخ بنو سعد کے ایک فرد تھے۔ (۲) اس خاندان بنو سعد ہی کی آپ کی رضاعی ماں حلیمہ تھیں، آپ نے اس خاندان میں دودھ پیا تھا۔ (۳) آپ کی رضاعی بہن شیما، قبیلہ بنو سعد و ہوازن کے قیدیوں میں تھیں جن کو آپ نے اکرام کے ساتھ واپس کیا۔ (۴) غزوۂ اوطاس جس میں یہ لوگ گرفتار ہوئے شوال ۸ھ میں ہوا۔ ان تمام باتوں سے یہ سمجھ میں آیا کہ شوال ۸ھ تک ضمام کا خاندان مسلمان نہیں ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہوئے۔ اور بطور وفد حضرت ضمام بن ثعلبہ کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا۔ یہ تاریخی حقائق اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ ۵ھ میں آمد کے قائلین کا قول قطعاً غلط اور ۹ھ کے قائلین کا قول بالکل حق ہے۔

(۵) مسند احمدؒ اور حاکمؒ کے نزدیک ابن عباسؓ کی اس روایت میں فَقَدِمَ عَلَیْنَا کے الفاظ بھی ہیں۔ جن کا ظاہر اور متبادر الی الذہن مفہوم یہ ہے کہ ابن عباسؓ بھی وہاں موجود تھے۔ اور ابن عباسؓ مدینہ منورہ فتح مکہ کے بعد پہونچے ہیں۔ اس سے بھی مذکورہ حقیقت (آمد ۹ھ) عیاں تر ہوتی ہے۔

واللہ اعلم

(ف ۲) دوسری بحث یہ ہے کہ ضمام بن ثعلبہ ایمان کب لائے؟ امام بخاریؒ و امام اوزاعیؒ وغیرہ کا میلان خاطر اس طرف ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد پہونچنے پر حاضر خدمت ہونے سے

قبل ہی ضمام ایمان لا چکے تھے۔ اوراب اسلامی تعلیمات حاصل کرنے کے لئے قوم کے بھیجے ہوئے آئے تھے۔ قسمیں دینے کا منشا ریہ ہے کہ اہلِ عرب قسموں سے مکمل اعتماد کرلیتے تھے۔ ان کو اگرچہ مؤمن ہونے کے سبب اعتمادِ کلی تھا۔ مگرانہوں نے قوم کے اطمینان و اعتماد کی خاطر یہ انداز اختیار کیا تھا۔ عرب کی اسی عادت کے سبب قرآنِ پاک میں جا بجا قسم کے ساتھ بہت سے مضامین بیان کیے گئے ہیں۔

امامِ قرطبیؒ کا رجحان اس طرف ہے کہ وہ یہاں پہونچکر مسلمان ہوئے تھے۔ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ انکی روایت (۸) میں زَعَمَ رَسُوْلُکَ کا لفظ ہے۔ اورزعم قولِ باطل کے لئے مستعمل ہوتا ہے۔ اگروہ اس وقت مؤمن ہوتے تو یہ لفظ نہ کہتے۔ لیکن یہ استدلال کمزور ہے۔ کیونکہ یہ قولِ حق کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے۔ جیساکہ کتابِ سیبویہ میں جا بجا موجود ہے۔

قرطبیؒ کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ ان کی یہ روایت ابوداؤد شریف میں "باب المشرك يدخل المسجد" میں ذکر کی گئی ہے۔ لیکن یہ استدلال بھی ضعیف ہے۔ ممکن ہے کہ امامِ ابوداؤد کا خیال بھی امام قرطبیؒ کے مثل ہو۔ اور ممکن ہے کہ نہو۔ اور اس باب میں اسوجہ سے لائے کہ صحابہؓ کو اُن کا مؤمن ہونا معلوم نہ تھا۔ اگر مشرک کا دخول مسجد میں ممنوع ہوتا تو صحابہؓ اول تحقیق کرتے پھر انکو داخل ہونے کی اجازت دیتے مگر ایسا نہیں ہوا تو یہ جوازِ دخولِ مشرک فی المسجد کی دلیل ہے۔ اور یہی امامِ ابوداؤد کا مقصد ہے۔ بلکہ اسی حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حاضر ہونے سے پہلے ہی مؤمن تھے۔ کیونکہ انہوں نے توحید کے دلائل اور معجزات طلب نہیں کیے۔ مولانا بدرِ عالمؒ ترجمان السنہ ص۱۴۵ ج۱ میں فرماتے ہیں کہ ہماری ناقص رائے میں ان کے دل میں صداقتِ اسلام کا سکہ تو پہلے ہی قائم ہوچکا تھا لیکن باضابطہ مسلمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوکر ہی ہوئے ہیں۔

یہ رائے متوسط ہے اور خَیْرُ الْاُمُوْرِ اَوْسَاطُھَا۔

سوال:- اسلام کے چار رکن ہیں لیکن اس حدیث میں تین ارکان کا ذکر تو ہے حج کا ذکر نہیں جبکہ مذکورہ بالا بیان ف۱ میں معلوم ہوچکا ہے کہ فرضیتِ حج کے بعد ان کی آمد ہوئی تھی۔ جواب۔ اس روایت میں راوی نے اختصار سے کام لیا ہے۔ اس سے اگلی روایت بھی اسی واقعہ کے متعلق ہے، اس میں حج کا ذکر موجود ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ

نام انس بن مالک بن نضر (رضی اللہ عنہ) کنیت ابوحمزہ۔ قبیلۂ بنی خزرج میں سے تھے۔ ان کی والدۂ محترمہ حضرت ام سلیم بنت ملحان رضی اللہ عنہا نے ان کو نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیلئے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مدینۂ منورہ تشریف لاتے ہی وقف کردیا تھا۔ اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ

کی عمر صرف دس برس تھی۔ بخاری شریف میں خود حضرت انسؓ ہی سے منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ جب تشریف لائے تو میری عمر دس سال تھی۔ میری والدہ مجھے روزانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجتی تھیں۔ چنانچہ میں نے پورے دس سال نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی۔ اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو میری عمر بیس سال کی تھی (الاصابہ) صدیق اکبرؓ کے دور خلافت میں مدینہ منورہ ہی میں مقیم رہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ خلافت میں بصرہ تشریف لے گئے۔ تاکہ لوگوں کو علم دین سکھائیں۔ اور بصرہ میں تمام بصری صحابہؓ کے بعد سنہ ۹۱ھ میں بصرہ ہی میں وفات پائی۔ ان کی کل عمر ایک سو تین سال ہوئی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ننانوے ۹۹ سال کی عمر ہوئی چنانچہ حافظ ابن عبد البر بھی اسی قول کو اصح قرار دیتے ہیں۔

ایک مرتبہ حضرت ام سلیم کی درخواست پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے برکت کی دعا فرمائی تھی۔ جس کا اثر دنیا میں یہ ظاہر ہوا کہ اوروں کے باغات میں سال میں ایک بار پھل آتے اور انکے باغ میں سال میں دو بار۔ اور ان کی اولاد کی تعداد تقریباً سو تک پہونچی۔ بعضوں نے کل تعداد اسّی لکھی ہے۔ جن میں اٹھتر لڑکے اور تین لڑکیاں تھیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اسّی کی وفات حضرت انسؓ کے سامنے ہی ہو گئی تھی۔ واللہ اعلم۔

ان سے ایک خلق کثیر نے احادیث روایت کی ہیں۔ ان کی مرویات کی تعداد ایک ہزار دو سو چھیاسی ۱۲۸۶ ہے۔ جن میں سے ایک سو اڑسٹھ حدیثوں کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔ ان کے علاوہ صرف بخاری نے تراسی کو اور صرف مسلم نے اکہتر کو روایت کیا ہے۔ اس طرح ان کی حدیثیں بخاری و مسلم (حدیث کی ان دونوں ہی کتابوں) میں تین سو بائیس ۳۲۲ کل ہیں ؎

کل احادیث انس راکن شمار = دو صد و ہشتاد و شش بر یکہزار

نسیم احمد غازی مظاہری

---

(۷) وَعَنْهُ اَنَّهٗ جَآءَ رَجُلٌ مِّنْ اَهْلِ الْبَادِيَةِ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

اور حضرت انسؓ ہی سے روایت ہے کہ گاؤں والوں میں سے ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس

فَقَالَ، اَتَانَا رَسُوْلُكَ فَاَخْبَرَنَا اَنَّكَ تَزْعُمُ اَنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ اَرْسَلَكَ

آکر کہا کہ ہمارے پاس آپکا قاصد پہنچا اور اس نے ہم کو یہ خبر دی کہ، آپ کہتے ہیں کہ اللہ عزوجل نے آپ کو رسول بنا کر

قَالَ صَدَقَ، فَقَالَ، فَمَنْ خَلَقَ السَّمَآءَ قَالَ، اَللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ، قَالَ فَمَنْ

بھیجا ہے آپنے فرمایا اس نے سچ کہا، پھر اس نے سوال کیا کہ آسمان کس نے پیدا کیا، آپنے فرمایا: اللہ عزوجل نے، اسنے کہا

خَلَقَ الْاَرْضَ وَالْجِبَالَ. قَالَ: اَللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ. قَالَ: فَمَنْ جَعَلَ فِيْهَا الْمَنَافِعَ

زمین اور پہاڑ کس نے پیدا کئے؟ آپ نے ارشاد فرمایا! اللہ عزوجل نے۔ اس نے کہا کہ ان چیزوں میں منافع کس نے پیدا کئے؟

قَالَ: اَللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ. قَالَ: فَبِالَّذِيْ خَلَقَ السَّمَآءَ وَخَلَقَ الْاَرْضَ وَنَصَبَ

آپ نے فرمایا! اللہ عزوجل نے۔ اس نے کہا کہ اس ذات کی قسم جس نے آسمان کو پیدا کیا اور زمین کو پیدا کیا اور پہاڑوں کو قائم

الْجِبَالَ وَجَعَلَ فِيْهَا الْمَنَافِعَ آللّٰهُ اَرْسَلَكَ. قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ

کیا اور جس نے ان میں فائدے رکھے، کیا آپ کو اللہ نے رسول بنا کر بھیجا ہے؟ آپ نے فرمایا! ہاں۔ اسنے کہا کہ آپکے ایلچی

اَنَّ عَلَيْنَا خَمْسَ صَلَوَاتٍ وَزَكٰوةً فِيْ اَمْوَالِنَا. قَالَ: صَدَقَ. قَالَ: فَبِالَّذِيْ

نے یہ بتلایا ہے کہ ہمپر پانچ نمازیں اور ہمارے مالوں میں زکوٰۃ فرض ہے۔ آپ نے فرمایا! اسنے سچ کہا۔ اسنے کہا قسم ہے

اَرْسَلَكَ آللّٰهُ اَمَرَكَ بِهٰذَا. قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا

اس ذات کی جس نے آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ آپ نے فرمایا! ہاں، اسنے کہا اور آپکے

صَوْمَ شَهْرٍ فِيْ سَنَتِنَا. قَالَ: صَدَقَ. قَالَ: فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ آللّٰهُ اَمَرَكَ

فرستادہ نے بتلایا کہ ہمپر سال بھر میں ایک ماہ کے روزے فرض ہیں، فرمایا! اسنے سچ کہا۔ اسنے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے

بِهٰذَا. قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: وَزَعَمَ رَسُوْلُكَ اَنَّ عَلَيْنَا حَجَّ الْبَيْتِ مَنِ

آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں، اسنے کہا اور آپکے قاصد نے یہ بتلایا ہے کہ ہم (میں سے جو اس)

اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا. قَالَ: صَدَقَ. قَالَ: فَبِالَّذِيْ اَرْسَلَكَ آللّٰهُ اَمَرَكَ

پر بیت اللہ کا حج بھی فرض ہے جو زادراہ کی استطاعت رکھتا ہو، فرمایا! اسنے سچ کہا۔ اسنے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے

بِهٰذَا. قَالَ: نَعَمْ. قَالَ: فَوَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيْدُ عَلَيْهِنَّ شَيْئًا

آپ کو رسول بنا کر بھیجا کیا اللہ نے آپ کو اس کا حکم دیا ہے؟ فرمایا ہاں، اس شخص نے کہا پھر تو قسم ہے اس ذات کی جس نے آپکو

وَلَا اَنْقُصُ. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِنْ صَدَقَ لَيَدْخُلَنَّ

حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے نہ میں ان چیزوں پر زیادتی کرونگا اور نہ کمی کرونگا۔ تب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

الْجَنَّةَ. (حوالۂ بالا)

کہ، اگر اس نے (اپنا دعویٰ) سچ کر دکھایا تو وہ یقیناً جنت میں جائیگا۔

لغات

تَزْعُمُ زَعْمًا مَزْعَمًا (ف ن) سچ یا جھوٹ کہنا۔ اکثر مشکوک یا جھوٹی چیزوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نیز بمعنی کفیل ہونا، ضامن ہونا۔ زَعِمَ زَعَمًا (س) لالچ کرنا۔ زَعَامَةٌ شرف سرداری، ہتھیار، زرہ، عمدہ مال، اکثر مال، گائے۔ زَعِيْمٌ کفیل، ضامن، سردار، رئیس ج زُعَمَاءُ

اَلسَّمَآءُ آسمان، فضاء واسع جو زمین کو محیط ہے، ہر وہ چیز جو تم سے اوپر ہو، چھت، گھوڑے کی پیٹھ،

بارش، بادل، گھاس، نیکوں کی روحوں کے رہنے کی جگہ۔ ج سَمَاوَاتٌ وسَمٰوٰتٌ (بحذف الالف فی الکتابۃ فقط) سَمَا یَسْمُوْ (ن) بلند ہونا۔ الجبالُ جَبَلٌ کی جمع پہاڑ اَجْبَالٌ اَجْبُلٌ بھی جمع آتی ہے جَبَلَ جَبْلًا (ن ض) پیدا کرنا۔ جَعَلَ (ف) بنانا، پیدا کرنا بمعنی خلق متعدی بیک مفعول ہوتا ہے۔ بمعنی صَیَّرَ متعدی بدو مفعول ہوتا ہے۔ جَعِلَ (س) جھگڑالو ہونا، موٹا پست قد ہونا۔ المَنَافِعُ مَنْفَعَةٌ کی جمع فائدہ مَنَافِعُ الدَّار گھر میں آرام کی چیزیں جیسے کنواں، غسل خانہ وغیرہ۔ (ف) نفع دینا۔ سَنَتِنَا سَنَۃٌ دراصل سَنْهَةٌ بروزن جَبْهَةٌ تھا تخفیف کرلی گئی۔ سَنِهَ یَسْنَهُ سَنَهًا (س) بہت برسوں والا ہونا سَنِهَ الطَّعَامُ بگڑ جانا متغیر ہونا۔ نیز بغیر ہاء آتا ہے سَنَا یَسْنُوْ سَنْوًا سَنَاوَةً سُنُوًّا وسِنَايَةً (ن) سیراب کرنا۔ چمکنا، بلند ہونا وغیرہ۔ اس صورت میں سَنَۃٌ اپنی اصل پر ہے۔ ج سِنُوْنَ سَنَوَاتٌ، سَنَهَاتٌ نسبت سَنَوِيٌّ سَنَهِيٌّ۔ حَجَّ (ن) دلیل میں غالب ہونا، قصد کرنا، کسی کے پاس بار بار جانا۔ شرعًا اماکنِ مقدسہ کی زیارت کا قصد کرنا۔ اسم فاعل حَاجٌّ۔ ج حُجَّاجٌ، حَجِيْجٌ، حُجٌّ مؤنث حَاجَّةٌ ج حَوَاجُّ۔ حَاجٌّ اسم جمع بمعنی حُجَّاجٌ بھی آتا ہے۔ حِجَّةٌ حج کا اسم۔ سال۔ ذوالحجۃ قمری سال کا بارہواں مہینہ۔ ج ذوات الحجۃ۔ مَحَجَّةٌ ومَحْجُوْجٌ حج کرنے کی جگہ، بیت اللہ۔ اَلْبَیْتُ اس سے مراد بیت اللہ (خانہ کعبہ) ہے بَیْتٌ گھر، رات گذارنے کی جگہ ج بُیُوْتٌ، اَبْیَاتٌ ج بُیُوْتَاتٌ، اَبَاتِیْتُ۔ نیز بیت وہ کلامِ منظوم جو دو مصرعوں کو شامل ہو۔ بَاتَ بَیْتًا وبَیَاتًا وبَیْتُوْتَةً ومَبِیْتًا ومَبَاتًا (ض س) شب باشی کرنا، رات گذارنا رات کو کسی کے پاس جانا۔ بَاتَ الرَّجُلُ (ض) نکاح کرنا، نکاح کرانا۔ اِسْتَطَاعَ طاقت رکھنا، بحذف تاء بھی مستعمل ہے۔ کَقَوْلِہٖ تَعَالٰی مَالَمْ تَسْطِعْ عَّلَیْہِ صَبْرًا۔ طَاعَ طَوْعًا (ن) فرمانبردار ہونا، اطاعت کرنا۔ باب افعال سے بھی یہی معنیٰ ہیں۔ طاعت بطیب خاطر کسی کا حکم مان لینا۔ اَزِیْدُ (ض) زیادہ کرنا، زیادہ ہونا انقص (ن) کم ہونا، گھٹنا، کم کرنا، گھٹانا۔ نَقُصَ المَاءُ (ك) خوشگوار ہونا۔ نَقِیْصٌ خوشگوار میٹھا پانی نَقْصٌ ونُقْصَانٌ کمی۔ نَقِیْصَةٌ بری خصلت، عیب گیری ج نَقَائِصُ۔ الجَنَّۃُ باغ، بہشت ج جِنَانٌ وجَنَّاتٌ وجَنَّتٌ۔ جَنَّ جَنًّا وجُنُوْنًا (ن) چھپنا، پاگل ہونا، گھنا ہونا۔ جَنَانٌ دل۔ تاریکی، ہر چیز کا جوف ج اَجْنَانٌ۔

ترکیب عَنْہُ جار مجرور رُوِیَ فعل مجہول کے متعلق ضمیر ھو نائب فاعل اَنَّہٗ حرف مشبہ بہ فعل، ہٗ اسم جَآءَ فعل رجل فاعل من اَھلِ البَادِیَۃِ اور اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ ہر دو متعلق، جملہ فعلیہ معطوف علیہ فَقَالَ جملہ فعلیہ قول اَتَا فعل نَا مفعول بہ رَسُوْلُکَ فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ فَاَخْبَرَ فعل ضمیر ھو فاعل نَا پہلا مفعول اَنَّ حرف مشبہ بہ فعل کَ اسم تَزْعُمُ فعل با فاعل اَنَّ حرف مشبہ بہ فعل اللہ اسم اَرْسَلَکَ جملہ فعلیہ خبر اَنَّ اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ بتاویل مفرد مفعول تَزْعُمُ جملہ فعلیہ خبر۔ اَنَّ اسم وخبر سے مل کر بتاویل مفرد مفعول ثانی بمنزلہ

دو مفعول اَخْبَرَ فعل فاعل اور مفعولوں سے مل کر جملہ فعلیہ معطوف بمعطوفین مقولہ بقول وقول ومقولہ معطوف، قَالَ. صَدَقَ جملہ فعلیہ مقولہ لِقَالَ قول مَنْ استفہامیہ مبتدا خَلَقَ السَّمَاءَ جملہ فعلیہ خبر جملہ مقولہ قَالَ قول اللّٰہُ فاعل فعل محذوف خَلَقَ کا۔ جملہ فعلیہ مقولہ وھکذا مَنْ خَلَقَ الْاَرْضَ وَالْجِبَالَ معطوف علیہ و معطوف خَلَقَ کا مفعول بہ جملہ فعلیہ مَنْ مبتدا کی خبر جملہ اسمیہ انشائیہ۔ قَالَ اللّٰہُ ای قال خَلَقَ اللّٰہُ فَبِالَّذِیْ ای اَنْشُدُکَ۔ بِالَّذِیْ اس سے آگے اَلْمَنَافِعَ تک چاروں جملے صلہ۔ اَلَّذِیْ اپنے صلہ سے مل کر مجرور۔ پھر فعل محذوف انشد کے متعلق فعل با فاعل مفعول (کَ) ومتعلق سے مل کر جملہ فعلیہ قسم اللّٰہ مبتدا اَرْسَلَکَ جملہ فعلیہ خبر جملہ اسمیہ، جواب قسم۔ قَالَ نَعَمْ. نَعَمْ جملہ اَرْسَلَنِیَ اللّٰہُ کے قائم مقام ہے۔

قَالَ زَعَمَ الخ کی ترکیب حسب ماسبق ہے۔ اور آگے کے جملوں کی ترکیب بھی بالکل ظاہر ہے۔

فَوَالَّذِیْ ای اُقْسِمُ. بِالَّذِیْ بَعَثَکَ بِالْحَقِّ جملہ فعلیہ صلہ موصول وصلہ متعلق اُقْسِمُ کے اُقْسِمُ فعل با فاعل متعلق سے مل کر قسم لَا اَزِیْدُ عَلَیْہِنَّ شَیْئًا فعل با فاعل ومتعلق ومفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَلَا اَنْقُصُ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوف علیہ ومعطوف جواب قسم۔ اِنْ صَدَقَ جملہ فعلیہ شرط لَیَدْخُلَنَّ الْجَنَّۃَ فعل فاعل (ھو راجع بسوئے رَجُل) ومفعول فیہ الجنۃ سے مل کر جملہ فعلیہ ہو کر جزا۔ فَا تمام جملوں میں تعقیبیہ برائے عطف بھی مان سکتے ہیں، اور بعض مواقع پر تفریعیہ اور بعض جگہ جزائیہ بھی مان سکتے ہیں۔ مثلا فَوَالَّذِیْ الخ ای ان کان الامر کما قلت فوالذی الخ

تشریح (١) مؤلفؒ نے روایت کے اُن ابتدائی جملوں کو یہاں ترک کر دیا ہے جو بخاری شریف میں موجود ہیں جن کو ہم پہلی روایت کی تشریح کرتے ہوئے فٹ میں لکھ چکے ہیں۔

(قال نُھینا الی ونحن نسمع) اس حدیث میں وہی حضرت ضِمام بن ثعلبہؓ کا واقعہ منقول ہے۔ اس روایت میں رسالت کے مضمون کے ساتھ توحید کا بھی بیان ہے۔ اور نماز، روزہ، زکوٰۃ کے ساتھ حج کا بھی ذکر ہے۔ جس کا حوالہ ہم روایتِ سابقہ کی تشریح میں دے چکے ہیں۔

(٢) چونکہ حضراتِ صحابہؓ کو بیکار سُوالات سے قرآنِ پاک کی آیت لَا تَسْئَلُوْا الآیۃ سے روکدیا گیا تھا تو صحابہؓ نے احتیاطًا سوالات ہی ترک کر دیئے تھے۔ اسلئے صحابہؓ اس کے مشتاق رہتے کہ باہر سے کوئی سمجھدار آدمی آکر سُوالات کرے تو ہمکو نفع اور معلومات میں اضافہ ہو۔ کیونکہ نووارد آدمی آداب سے ناواقف ہوگا اسلئے اس کو آدابِ مجلس کی پابندی بھی نہوگی۔ ان کی خواہش کے مطابق ضمام اپنی قوم کے بھیجے ہوئے آئے۔ اور بادیہ نشین (دیہاتی) کا جہاں تک خیال پہنچ سکتا ہے وہاں تک قسمیں دے دیکر سُوالات کیئے، اور ہر ہر چیز کو الگ الگ معلوم کرلیا۔ جب اطمینان ہوگیا تو اپنے ایمان کا اظہار اور تعلیماتِ نبوی کی پابندی کا عہد کر کے چلے گئے۔ اس کے

مباحث ماسبق میں گذر چکے ہیں۔ البتہ چند باتیں یہاں ذکر کرنیکی باقی ہیں۔
(الف) ضمام کے سوال اور آپ کے ارشادات سے زمین و آسمان اور جبال نیز ان چیزوں کے منافع کا مخلوق ہونا ثابت ہوگیا۔ یعنی پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حدوثِ عالم کا عقیدہ مرحمت فرمایا۔ اسی لئے فقہاء کرامؒ نے اس شخص کے کفر کا فتویٰ دیا ہے جو عالم کے قدیم ہونے کا عقیدہ رکھے۔ کیونکہ حدوثِ عالم بتواتر نصوصِ حدیثیہ و قطعی الدلالۃ آیاتِ قرآنیہ سے ثابت ہے۔ جس کا منکر بلاشک کافر ہے۔
(ب) سوال:۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مذکورہ بالا امور پر عمل کے وعدہ پر ان کو جنت کی بشارت دیدی، حالانکہ اسلامی احکام و تعلیمات مذکورہ بالا امور میں منحصر نہیں ہیں۔ اور انہوں نے ان کے علاوہ اور احکام پر عمل نہ کرنے کا اظہارِ قصد بھی کیا تھا۔ شراحِ حدیث نے اس شبہ کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔
(۱) حافظ ابن رجب حنبلیؒ نے روایتِ مذکورہ میں " وشرائع الاسلام کلھا " کے الفاظ بھی ذکر کیے ہیں جن کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ امور (فرائضِ اسلام) کے علاوہ اسلام کے اور تمام احکام بھی بیان کردیئے تھے۔ اس پر جو ضمام نے جواب دیا تھا اس کو امام احمدؒ نے اس طرح نقل کیا ہے وَسَأُؤَدِّی هٰذِهِ الْفَرَائِضَ وَاَجْتَنِبُ مَا نَهَيْتَنِیْ عَنْهُ لَا اَزِيْدُ وَلَا اَنْقُصُ۔ (میں ان تمام فرائض کو ضرور ادا کرتا رہونگا اور جن جن باتوں سے آپنے منع فرمایا ہے ان سے پرہیز رکھونگا۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابوہریرہؓ کی روایت میں اتنی بات اور بھی نقل کی ہے فَاَمَّا هٰذِهِ الْهَنَاةُ فَوَاللّٰهِ اِنْ كُنَّا لَنَتَنَزَّهُ عَنْهَا فِی الْجَاهِلِيَّةِ يَعْنِی الْفَوَاحِشَ (یعنی بے حیائی کی حرکتوں سے تو ہم زمانۂ کفر میں بھی بچا کرتے تھے) اِن روایات کی رو سے شبہ یکسر رفع ہوجاتا ہے۔ اب یہ بات تعجب خیز ہوگی کہ ضمامؓ کی اس سلامتِ فطرت اور تفصیلی جواب کے بعد بھی صرف لا ازید (میں اور اعمال نہ کرونگا) کے ایک لفظ سے دل میں یہ شبہ قائم رکھا جائے کہ انہوں نے ان چند مذکورہ احکام کے سوا بقیہ تمام احکام پر عمل نہ کرنے کا قصد کرلیا تھا۔
(۲) وہ ایک نو مسلم شخص تھے، ان کے نزدیک کل دینی کائنات وہی تھی جس کا ان کو علم ہوگیا تھا باقی احکام کا ان کو علم ہی نہ تھا۔ ان غیر معلوم احکام کے متعلق کرنے یا نہ کرنے کا قصد وہ کس طرح کرسکتے تھے۔ بلکہ انہوں نے یہاں وہ الفاظ استعمال کیئے جو فرمانبرداری کے اظہار کے لئے زیادہ سے زیادہ تاکیدی ہوسکتے تھے۔ جن کا مقصد اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ میں آپکی پوری پوری اطاعت کرونگا۔ "بے کم و کاست پورا کرنا" اُردو میں بھی ایک عام محاورہ ہے جو کسی کام کو پورے طور پر انجام دینے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

(۳) بالفرض اگر وہی مقصد تھا جس کا اظہار سوال میں ہوا تو بھی دخولِ جنت کی بشارت برمحل ہے کیونکہ اگر کوئی شخص صرف ایمان رکھتا ہو تو دخولِ جنت اس کے لئے بھی طے شدہ ہے۔ خواہ دخولِ اولی ہو یا سزا کے بعد، اور بشارت کے الفاظ مطلق دخول کے ہیں۔ ملا علی قاریؒ "مرقاۃ المفاتیح" میں لکھتے ہیں کہ جنت میں داخل ہونا ایمان پر موقوف ہے۔ اور اعمال پر جنت کے درجات ملتے ہیں۔ اور نیتِ مداومت علی الایمان کیوجہ سے خلود فی الجنۃ ہوگا۔ اور جس کی مداومت علی الایمان کی نیت نہ ہو وہ فی الحال کافر ہوگا۔

(۴) اس جملہ میں، "لَا اَزِیْدُ عَلَیْهِنَّ وَلَا اَنْقُصُ" یعنی ان احکام میں کمی کروں گا نہ زیادتی) بحث صرف انہی مذکورہ احکام کی ہے، ان کے ماسوا احکام کی نفی مقصود نہیں۔ اور یہاں کی سلامتِ فطرۃ بھی ہے جس کو پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر کیمیا اثر سے جلا مل چکا تھا۔ کہ انہوں نے جس طرح کفر و شرک سے توبہ کرکے ایمان قبول کیا اسی طرح لَا اَزِیْدُ عَلَیْهِنَّ کے الفاظ کہہ کر بدعت سے نفرت و بیزاری کا اعلان کیا۔ اور "وَلَا اَنْقُصُ" سے فسق سے مجتنب رہنے کے عزم کا اظہار کیا۔ کیونکہ دین میں زیادتی بدعت و گمراہی ہے۔ اور اعمالِ ضروریہ میں کوتاہی اور لاپروائی کا نتیجہ فسق ہے سبحان اللہ یہ پیغمبر کی قوتِ افادہ کا ادنیٰ کرشمہ ہے۔

(ج) اِنْ صَدَقَ لَیَدْخُلَنَّ الْجَنَّۃَ میں اِنْ بکسر الہمزہ ہے۔ اور یہی روایۃً اور درایۃً صحیح ہے بعض نے اس میں بفتح الہمزہ کا احتمال بھی لکھا ہے۔ اس صورت میں اَنْ سے پہلے لام تعلیلیہ محذوف ہوگا۔ اور یہ لَیَدْخُلَنَّ کی علت اور اس کے متعلق ہوگا۔ معنی یہ ہوں گے کہ وہ رجل جنت میں ضرور جائیگا، کیونکہ اس نے سچ کہا ہے۔ اگر ایسا ہے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ ان کا صدق و ثبات معلوم ہوگیا ہوگا۔ واللہ اعلم۔ نسیم احمد غازی مظاہری

اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ

اسلام کا کونسا عمل بہتر ہے؟

(۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ "اَیُّ الْاِسْلَامِ

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اسلام میں

خَیْرٌ" قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَءُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ۔

سب سے بہتر عمل کیا ہے؟ فرمایا کھانا کھلانا اور سلام کرنا (ہر) اس شخص کو جس کو تم پہچانتے ہو اور جسکو نہیں پہچانتے۔

(بخاری ص۶ مشکوٰۃ ص۳۹)

لغات
اَیٌّ اس کے استعمال کے مختلف مواقع ہیں۔ (۱) شرط کے لئے۔ اس صورت میں یہ دو فعلوں کو مجزوم کرتا ہے۔ جیسے اَیًّا تَضْرِبْ اَضْرِبْ، (۲) استفہام کے لئے۔ جیسے اَیُّکُمْ اَتٰی (۳) اسم موصول۔ جیسے سَلِّمْ عَلٰی اَیِّہِمْ اَفْضَلُ (۴) بمعنی کمال۔ اس صورت میں نکرہ کی صفت ہوتا ہے۔ جیسے زَیْدٌ رَجُلٌ اَیُّ رَجُلٍ، ای کَامِلٌ فِی الرُّجُوْلِیَّۃِ۔ (۵) یا حرف ندا کے بعد منادی معرف باللام کا موصوف واقع ہوتا ہے۔ اور اس سے تنبیہ مخاطب مقصود ہوتی ہے۔ جیسے یَا اَیُّہَا الرَّجُلُ۔ یہاں استفہام کے لئے ہے۔ اَلْاِسْلَامُ بغیر کسی پس وپیش کے امر ونہی کی فرمانبرداری کرنا۔ گردن رکھ دینا، سر جھکا دینا، مُسْلِمٌ دین اسلام کا ماننے والا ج مُسْلِمُوْنَ مؤنث مُسْلِمَۃٌ ج مُسْلِمَاتٌ۔ سَلِمَ سَلَامًا وَ سَلَامَۃً (س) نجات پانا، بری ہونا، محفوظ ہونا۔ سَلَمَ سَلْمًا (ن) سانپ کا ڈسنا (ض) کھال کو سَلَم کے پتوں سے دباغت دینا۔ سَلَّمَ تَسْلِیْمًا سلام کرنا۔ خَیْرٌ اسم تفضیل کے صیغہ اَخْیَرُ کا مخفف ہے۔ اس کی مؤنث خَیْرَۃٌ آتی ہے۔ یا خَیِّرٌ کا مخفف ہے، بھلائی، نیکی، کسی چیز کا اپنے کمال کو پہونچنا۔ مال۔ ج خُیُوْرٌ اَخْیَارٌ خِیَارٌ۔ خَارَ خِیَرَۃً خَیْرًا (ض) فضیلت دینا، انتخاب کرنا خَیْرِیَّۃٌ عمدگی، فضل۔ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ۔ ای اَیُّ عَمَلِ الْاِسْلَامِ اَوْ اَیُّ خَصْلَۃِ الْاِسْلَامِ اَوْ اَیُّ اَھْلِ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ۔ تُطْعِمُ الطَّعَامَ۔ طَعِمَ طُعْمًا وطَعَامًا (س) چکھنا، کھانا، ایک درخت کی ٹہنی دوسرے کی ٹہنی میں گھس جانا۔ (ف) آسودہ ہونا۔ طَعْمٌ مزہ ج طُعُوْمٌ کھانے کی خواہش، طُعْمٌ کھانا، قدرت طُعْمَۃٌ خوراک، کھانے کی دعوت، رزق، کسب کا ذریعہ۔ طَعَامٌ خوراک، ج اَطْعِمَۃٌ جج اَطْعِمَاتٌ۔ طَعَامِیٌّ کھانا بیچنے والا مِطْعَامٌ مہمان نواز۔ عَرَفْتَ (ض) پہچاننا، اقرار کرنا، بدلہ دینا، صبر کرنا (ن) عَلَی الْقَوْمِ چودھری ہونا، قوم کے معاملات کا انتظام کرنا (ک) چودھری ہونا، بہت خوشبو لگانا۔ (س) خوشبو ترک کرنا۔ تَعْرِیْف واقف کرا دینا۔ عَرَفَات مکہ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ایک پہاڑی جو نویں ذوالحجہ کو حاجیوں کی جائے وقوف ہوتی ہے۔ نسبت عَرَفِیٌّ۔

ترکیب
اَیُّ الْاِسْلَامِ مرکب اضافی مبتدا خَیْرٌ خبر جملہ۔ تُطْعِمُ الطَّعَامَ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ تَقْرَءُ فعل با فاعل اَلسَّلَامَ مفعول بہ مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ دونوں اسم موصول اور صلے معطوف علیہ معطوف۔ مجرور عَلٰی جار اپنے مجرور کے ساتھ تَقْرَءُ کے متعلق جملہ فعلیہ معطوف معطوفین بتاویل مفرد (کیونکہ تُطْعِمُ اور تَقْرَءُ۔ تسمع بالمعیدی کے قبیل سے ہیں) مبتدا محذوف خیر الاسلام کی خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔

؎ ایک قسم کا خاردار درخت ہوتا ہے ببول کی طرح ۱۲ ان

تشریح اِس حدیث میں اِسلام کے دو وسیع گوشے بتلائے گئے ہیں۔ کھانا کھلانا، باہم سلام کو رواج دینا۔ اِطعامِ طعام میں اِتنی وسعت ہے کہ اِس میں وقت مسلمان و کافر اور اپنے، بیگانے کی کوئی قید نہیں۔ سلام میں بھی تعارف وعدمِ تعارف کا لحاظ نہیں۔ اِسلام کے اہم شعبے دوسرے بھی ہیں۔ لیکن عرب کے ماحول میں اِن دو چیزوں کی اہمیت زیادہ محسوس کی گئی۔ کیونکہ ان کی شب وروز کی قتل وغارت گری نے انسانوں کو ایک دوسرے سے غیر مطمئن اور خوفزدہ بنا رکھا تھا۔ کوئی اجنبی ہوتا تو موت کا فرشتہ نظر آتا تھا جبتک پورا اطمینان نہ ہوجاتا ملاقاتی خوفزدہ ہی رہتا۔ اِسلام نے آکر یہ تعلیم دی کہ خوف وہراس کا دور ختم ہوا، اب امن وسلامتی کا زمانہ آگیا، اور اس کے اِعلان کے لئے اس نے لفظِ سلام مقرر کیا۔ تاکہ ملاقات ہوتے ہی یہ بات صاف ہوجائے کہ میں ملنے والے کے لئے صدائے موت نہیں بلکہ پیغامِ سلامتی ہوں۔ اور اس کو رواج دینے کا حکم دیا، تاکہ خوف کی گھٹائیں چھٹ کر ہر سُو سلامتی کی برکات موسلا دھار بارش کی طرح اللہ کی زمین پر برسنے لگیں۔ ہر قوم کا کوئی نہ کوئی شعار ہوتا ہے، اسلام نے اپنا شعار سلامتی کو مقرر کیا۔ اس حدیث کے راوی ابن عمرؓ تو گلی کوچوں اور بازاروں میں سلام کو رواج دیتے پھرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ تم جنت میں ہرگز نہ جاؤ گے جب تک مومن نہ ہو جاؤ، اور مومن نہیں ہو سکتے جبتک آپس میں محبت نہ کرو۔ اور آپس میں محبت پیدا ہونے کا عمل بتا دوں؟ وہ یہی ہے کہ سلام کو رواج دو۔

(سلام کے تفصیلی احکام کے لئے دوسری کتابیں مثلاً آدابُ السّلام وغیرہ دیکھیے)

رہی اِطعام الطعام کے ارشاد کی تعمیل تو صحابہؓ نے خود بھوکے رہکر اوروں کو سیر کیا ہے۔ وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ میں اسی ایثار پیشہ جماعتِ صحابہؓ کا ذکر ہے۔ یاد رکھیے کہ مخلوق کی ہمدردی کا جذبہ زبردستی پیدا نہیں کیا جاتا اس میں دماغی تربیت اور عملی مشق درکار ہے۔ اسلام نے گاڑھے پسینہ کا کمایا ہوا مال جبرًا دوسروں کے حوالہ نہیں کیا۔ بلکہ حقوق کی ادائیگی کے طور پر اور ترغیبات کے ذریعہ اہلِ مال کی خوشی سے خود ان کے ہاتھوں دلوایا ہے۔ اِسلام کے یہ دو مختصر سے شعبے ہیں، جو اجتماعی حیات کے دو اہم رکن ہیں، اگر تنہا خوری اور ترکِ سلام کی مغرورانہ عادتیں آج بھی چھوڑ دی جائیں تو ہماری اجتماعی حیات کے چمن میں نفاق وشقاق کے کانٹوں کے بجائے انس ومحبت کے پھول کِھل جائیں۔

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما

یہ عبداللہ بن عمر بن الخطابؓ القرشی العدوی ہیں۔ اپنے والدِ محترم حضرتِ عمرؓ کے ساتھ کم سنی ہی میں مکہ معظمہ میں مشرف باسلام ہوئے۔ غزوۂ بدر میں صغیر السِّن ہونے کی وجہ سے شریک نہ ہو سکے۔ غزوۂ اُحد کی شرکت میں اختلاف ہے۔ اور

روایات بھی مختلف ہیں۔ بعض میں یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو بدر میں شرکت جہاد کی اجازت نہ دی تھی۔ اُحد میں دیدی تھی۔ اور بعض روایات میں ہے کہ اُحد میں اجازت مل گئی تھی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ ان کی اولین شرکت غزوۂ خندق میں ہوسکی تھی۔ غزوۂ اُحد میں ان کی عمر کل چودہ سال کی تھی۔ اور غزوۂ خندق کے بعد تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے۔ علم، زہد، تقویٰ اور پرہیزگاری میں ممتاز مقام رکھتے تھے۔ میمون بن مہرانؒ کہتے ہیں کہ عبداللہ بن عمرؓ سے بڑا پرہیزگار اور عبداللہ بن عباسؓ سے اونچا عالم میں نے نہیں دیکھا۔ اُن کے شاگرد نافعؒ کہتے ہیں کہ اپنی حیات میں انہوں نے ایکہزار سے زیادہ غلام آزاد کیے۔ نزولِ وحی سے ایک سال قبل پیدا ہوئے۔ اور حضرت عبداللہ بن الزبیرؓ کی شہادت کے تین یا چھ ماہ بعد ۷۳ھ میں شہید ہوکر دنیا سے رخصت ہوئے۔ حِل میں دفن کی وصیت کی۔ مگر حجاج کے تسلط کی وجہ سے وصیت پوری نہ ہوسکی۔ اور مقام ذِی طویٰ میں مہاجرین کے مقبرہ میں مدفون ہوئے۔ موت کا سبب یہ ہوا کہ حجاج کے حکم سے نیزہ کی اَنی کو زہر میں بجھایا گیا۔ اور ایک بہانے سے آپ کے پیر پر اس کو ڈالا گیا۔ اور اس کی وجہ یہ ہوئی کہ حجاج نے ایک دن خطبہ طویل کیا اور نماز جمعہ میں تاخیر کی۔ حضرتؓ نے نکیر فرمائی۔ فرمایا کہ سورج تیرا انتظار نہ کریگا۔ حجاج نے کہا کہ میں تجھے قتل کردونگا۔ انہوں نے آہستہ یا زور سے فرمایا کہ اگر تو ایسا کریگا تو تو احمق حاکم ہے۔ دراصل حجاج کو آپ کی عزت ومرتبہ پر حسد تھا، اُن کی عمر چوراسی یا چھیاسی سال ہوئی۔ اُن سے ایک ہزار چھ سو تیس حدیثیں منقول ہیں۔ جن میں سے (۱۷۰) بخاری ومسلم دونوں نے لی ہیں۔ ان کے علاوہ (۸۱) میں امام بخاری اور (۳۱) میں امام مسلم منفرد ہیں۔ اس طرح صرف صحیحین میں ان کی (۲۸۲) احادیث ہیں۔

اُن سے اُنکے صاحبزادوں سالمؒ، حمزہؒ وعبیداللہؒ اور افضل التابعین حضرت سعید بن المسیبؒ اور اُن کے آزاد شدہ غلام حضرت نافعؒ اور خلقِ کثیر نے روایت کی ہے۔

رضی اللہ عنہم وعنا اجمعین۔

تنبیہ (۸) والی روایت عبداللہ بن عمرو (بن العاص) کی ہے۔ جیساکہ بخاری شریف ج۱ ص۶ و ص۹ پر ہے۔ لیکن چونکہ مشکوٰۃ الآثار کے نسخوں میں غلطی سے عن عبد اللہ عمرؓ (بن الخطاب) موجود ہے۔ اسلئے مرآۃ میں بھی اس جگہ عبداللہ بن عمرؓ اور اس حدیث کے ذیل میں ان کا ترجمہ آگیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کا ترجمہ اسی جلد میں ص۱۱۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔ فقط

نسیم احمد غازی مظاہری

اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ؟

کونسا مسلمان کامل ہے؟

(۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ

حضرت ابو موسٰی اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم،

قَالَ، مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِہٖ وَیَدِہٖ (بخاری شریف ص۶ ج۱ مشکوٰۃ ص۱۲)

کون مسلمان سب سے اچھا ہے فرمایا وہ کہ جس کی زبان اور جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔

لغات: لِسَانِہٖ لِسَان زبان (مذکر و مؤنث) مگر اکثر مذکر استعمال ہوتا ہے ج اَلْسِنَۃٌ وَاَلْسُنٌ و لُسُنٌ ولِسَانَاتٌ تیزہ۔ لغت۔ پیغام لِسَانُ الْعَرَب عرب کی زبان لِسَانُ الْقَوْمِ قوم کا ترجمان لِسَانُ الصِّدْق اچھی شہرت۔ لَسِنَ لَسَنًا (س ن) فصیح و بلیغ ہونا۔ بہتر بیان والا ہونا۔ گفتگو میں غالب آنا۔ برائی سے یاد کرنا۔ ڈسنا۔ تیز کرنا۔

ترکیب: یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ای ندعو رسول اللہ ندا۔ اَیُّ الْاِسْلَامِ ای اَیُّ ذَوِی الْاِسْلَامِ اَفْضَل مبتدا و خبر جملہ اسمیہ جواب ندا۔ مَنْ موصولہ سَلِمَ فعل المُسْلِمُوْنَ فاعل مِنْ لِسَانِہٖ وَیَدِہٖ متعلق، جملہ فعلیہ صلہ۔ مبتدا محذوف۔ افضل اھل الاسلام کی خبر۔ یہاں بھی جانب مبتدا میں مضاف نکالیں ای اھل الاسلام۔ عمل الاسلام۔ خصلۃ الاسلام وغیرہ۔ یا لفظ الاسلام بمعنی صفت یا مَنْ کا مضاف "اسلام" محذوف تاکہ ذات کا حمل مصدر پر لازم نہ آئے اور معنی بھی درست ہوں۔ اگر عمل یا خصلۃ الاسلام کو مضاف مانیں تو خبر میں بھی مضاف مقدر ماننا پڑیگا۔ ای عملِ او خصلۃِ مَنْ سَلِمَ۔ الخ

تشریح: حدیث بالا میں المسلمون کا لفظ ہے۔ مسلمات جس طرح دیگر احکام میں مردوں کے تابع ہیں اسی طرح یہ صیغہ مذکر اناث کو بھی تغلیباً مشتمل ہے۔ اور ابن حبانؒ کی روایت میں بجائے مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ کے مَنْ سَلِمَ النَّاسُ ہے۔ زبان سے محفوظ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ گالی، لعن، طعن، غیبت، بہتان، چغلی، ہجو وغیرہ جو باتیں بھی اذیت کی ہوں سب کو چھوڑ دے۔ وَیَدِہٖ اور ہاتھ سے جو تکلیفیں پہونچ سکتی ہوں ان سے لوگ مامون رہیں۔ مثلاً مارنا، قتل کرنا، اشارہ کرنا۔ ایذا کی بات لکھنا وغیرہ۔

سوال:۔ زبان اور ہاتھ ہی کو خاصکر کیوں بیان فرمایا۔ جواب: مطلب یہ ہے کہ جس کے قول و فعل

سے کسی کو تکلیف نہ پہونچے۔ یہ مسلمان کے افضل اور بزرگ ہونیکی علامت ہے۔ لیکن چونکہ زبان اور ہاتھ ہی سے اقوال اور بیشتر افعال صادر ہوتے ہیں۔ اسلئے خاصکران دونوں کو بیان کیا۔ اگر سر سے یا لات مار کر یا آنکھ کے اشارہ سے کسی کو تکلیف دی تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔
سوال: لسان کو ید سے کیوں مقدم کیا؟ جواب: زبان سے بلا مشقت و بکثرت ایذا رسانی ہوتی ہے۔ بلکہ زبان کی تکلیف زیادہ محسوس اور پائیدار ہوتی ہے۔ چنانچہ کسی نے کہا ہے ؎

جَرَاحَاتُ السِّنَانِ لَهَا الْتِيَامٌ ٭ وَلَا يَلْتَامُ مَا جَرَحَ اللِّسَانُ

؎ چھری کا تیر کا تلوار کا تو گھاؤ بھرا ـ لگا جو زخم زبان کا رہا ہمیشہ ہرا

دوسری بات یہ ہے کہ ہاتھ سے تو زندہ ہی کو اذیت دیجا سکتی ہے۔ اور شرفاء اس سے عموماً پرہیز کرتے ہیں مگر زبان نہ زندوں کو چھوڑتی ہے نہ مردوں کو۔ اور خاص و عام سب ہی خاصکر اس زمانہ میں ایذائے لسانی میں مبتلا ہیں۔ اسی طرح زبان کی تکلیف حاضر و غائب سب کو عام ہے۔ بخلاف ہاتھ کے کہ اس سے حاضر ہی کو تکلیف دیجا سکتی ہے۔ اس حدیث کا ایک تو مطلب یہی ہوا کہ مسلمان حقیقی وہ ہے کہ جسکی زبان اور ہاتھ سے دوسروں کو اذیت نہ پہونچے۔ یہ تو ظاہر ہے۔ بعض نے مِنْ لِسَانِهٖ الخ میں مِنْ اجلیہ مانا ہے۔ یعنی اس کی زبان اور طاقت کی وجہ سے لوگ اذیتوں سے محفوظ رہیں۔ یعنی جس کی زبان اور قوت بازو مسلمانوں کی جان و مال و آبرو کی محافظ ہو۔ بہترین مسلمان وہی ہے۔ بعض اہل اللہ کہتے ہیں کہ گناہ بس یہی ہے کہ کسی کو تکلیف نہ پہونچائی جائے۔ اس کے علاوہ اور کوئی گناہ ہے ہی نہیں۔ کیونکہ لفظ "کسی کو" عام ہے۔ اگر وہ خود ترکِ اوامر یا ارتکابِ نواہی کرتا ہے تو خود اپنے آپ کو ایذا دیتا ہے۔ کیونکہ اس کا نتیجہ سزا ہے۔ یہی مطلب ہے اس شعر فارسی کا ؎

مباش در پئے آزار و ہرچہ خواہی کن ٭ کہ در شریعتِ ما ہیچ ازیں گناہے نیست

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص چند مخصوص عقائد و اعمال ہی کی بنیاد پر مؤمن و مسلم کے لقب کا مستحق نہیں ہے جبتک کہ اس کی زندگی اپنے ابنائے جنس کے لئے سراسر امن و سلامتی نہ بنجائے۔ اور خلق خدا کو اپنے جان و مال اور آبرو کے بارے میں اسپر مکمل اعتماد نہ ہوجائے۔ جس طرح ملکہ شعرگوئی کے بغیر کوئی شاعر، اور خرید و فروخت کو اپنا مقصدِ زندگی بنائے بغیر کوئی تاجر، اور علم کو اپنا نصب العین بنائے بغیر کوئی طالب علم، اور کاشتکاری کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنائے بغیر کوئی کاشتکار کہلانیکا مستحق نہیں اسی طرح سر تا پا امن و سلامتی کا پیغام بنے بغیر کوئی شخص بارگاہِ رسالت سے حقیقی مؤمن و مسلم کا خطاب پانیکا مستحق نہیں۔ ایک حدیث میں ہے وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا۔ تو تمام انسانوں کے لئے (خواہ وہ اپنے ہوں یا پرائے مسلمان ہوں یا کافر) وہ پسند کر جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے تو تو مسلمان ہوجائیگا۔ یعنی ظاہری اعتبار سے ہی سلامتی مسلم کا کام نہیں

اپنے ظاہر و باطن کو جب تک سلامتی کے رنگ میں نہ رنگ لے گا مسلم کے خطاب کا اہل نہیں ہوگا۔ ہم طلبۂ وعلماء کو اسپر خاص دھیان دینا چاہیئے۔ اور اس آئینہ میں اپنے رُخ پر گہری نظر کرنی چاہیئے۔

ع

دل لگی ہنسی نہیں اے دوست ٭ عمر بھر کا سوال ہوتا ہے

وفقنا اللہ وایاکم لما یحب ویرضاہ۔

ضروری تنبیہ جن احادیث میں احبّ، افضل یا خیر کا لفظ آتا ہے وہاں قلب میں ایک شبہ پیدا ہوا کرتا ہے وہ یہ کہ کسی نے پوچھا کہ اعمال میں افضل یا احب کیا ہے؟ تو آپنے اس کے جواب میں کوئی عمل ارشاد فرمایا۔ اور کبھی بغیر ہی سوال کے کوئی ایسا عمل ارشاد فرمایا پھر اور کسی کے سوال کے جواب میں یا بغیر سوال کے کوئی دوسرا عمل ارشاد فرمایا۔ مختلف سوالات کے جوابات مختلف ہیں۔ ایسے ہی مختلف موقعوں پر اختلاف ہے۔ اگر کوئی ایک ہی عمل افضل ہوتا تو ہر جگہ اور ہر سوال کے جواب میں وہی ارشاد ہوتا۔ مگر ایسا کیوں نہیں۔ آخر ان احادیث میں تطبیق کیسے ہو؟ اور کیسے معلوم ہو کہ کونسا عمل افضل ہے؟ اس اشکال کے شراحِ حدیث نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

(۱) جوابات کا اختلاف سائلین کے حالات کے اختلاف پر مبنی ہے۔ مثلاً سائل نماز میں کوتاہی کرتا ہے تو اسکے لئے افضل الاعمال نماز کا عمل ہوا۔ بخیل ہے تو انفاق ہوا۔ اور جہاد سے جان چراتا ہے تو جہاد افضل ہے۔ حقوق العباد میں کوتاہ ہے تو اس کے لئے اس کو افضل و اہم قرار دیا گیا۔ گویا روحانی معالج نے ہر اک کی بیماری کے اعتبار سے جُدا جُدا نسخہ تجویز کیا ہے۔

(۲) جوابات کا اختلاف زمانہ کے اعتبار سے ہے۔ مثلاً ہجرت کے موقع پر ہجرت یا مہاجرین کی خدمت افضل الاعمال فرمائی گئی۔ جہاد کے موقع پر جہاد۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اسوقت سب سے بہتر عمل فلاں ہے۔ گویا بعض اعمال کو وقت کے اعتبار سے دوسرے بعض اہم اعمال پر بھی اہمیت و فضیلت ہو سکتی ہے۔

(۳) امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ افضل کو کلی طور پر افضل اور مفضول کو کلی طور پر مفضول قرار نہ دیا جائے بلکہ تمام روایات پر نظر کر کے ہر افضل عمل کو ایک فہرست میں شمار کر کے ان کو ایک نوع قرار دیا جائے مطلب یہ ہوگا کہ فلاں عمل بھی افضل ہے اور فلاں بھی۔ ایسی جگہ تقدیر یوں ہوگی۔ مِن افضلِ الاعمال۔ ہاں ان میں آپس میں مراتب ہوں گے۔

(۴) مشقت کے اعتبار سے بعض اعمال دوسرے پر افضل ہو سکتے ہیں۔ ارشاد ہے أجرُكُم عَلٰى قَدرِ نَصَبِكُم (تم کو اجر بقدر مشقت ملیگا) مثلاً اپنا دین چھوڑ کر ایمان لے آنا سب سے بھاری کام ہے۔ تو یہ سب سے افضل ہوگا۔ نماز میں ظاہر و باطن کو مقید کرنا پڑتا ہے۔ بلکہ اس میں اپنا سب ہی کچھ قربان کرنا ہوتا ہے تو وہ باقی جملہ اعمال سے افضل و احب ہوگی۔ ارشاد ہے

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ (نماز بہت بھاری ہے) اسی طرح جہاد وغیرہ۔
لیکن سہل تر یہی جواب ہے کہ افضل واحب اور خیر کی ایک کلی کی حیثیت ہے جس کے تحت بہت سے افراد ہیں قرائن خارجیہ سے ان میں مراتب کی تعیین کی جاسکتی ہے۔ اس سے زیادہ موشگافیاں اس مختصر تحریر اور مبتدین کے لائق نہیں۔ واللہ اعلم

حضرت ابوموسیٰ اشعری رض ان کا اسم گرامی عبداللہ بن قیس اشعری ہے۔ ابوموسیٰ کنیت ہے۔ یہ ابتدائی دور میں مکہ معظمہ میں آکر مسلمان ہوئے۔ انہوں نے اولاً حبشہ کی ہجرت کی۔ وہاں سے اہل سفینہ کے ساتھ مدینہ منورہ اس وقت تشریف لائے جبکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ خیبر سے فارغ ہورہے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو اپنی خلافت کے زمانہ ۲۰ھ میں بصرہ کا والی مقرر کیا۔ حضرت ابوموسیٰ نے اہواز کو فتح کیا۔ حضرت موصوف دور فاروقی سے لیکر ابتدائے خلافت حضرت عثمانؓ تک والی بصرہ رہے۔ پھر معزول ہوکر کوفہ منتقل ہوگئے۔ اور وہیں مقیم رہے۔ حضرت عثمانؓ کی شہادت تک کوفہ کے والی رہے۔ حضرت علی و حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درمیان مسئلہ تحکیم میں حَکَم مقرر ہوئے۔ مگر ان کی جو بات دوسرے حکم سے طے ہوئی تھی اس طے شدہ کے خلاف ہوا تو منقبض ہوکر خاموشی سے مکہ معظمہ تشریف لے آئے اور وہیں ۵۲ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ

---

(۱۰) عَنْ اَبِيْ شُرَيْحٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ
حضرت ابو شریحؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خدا کی قسم مومن نہیں،
وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ قِيْلَ وَمَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الَّذِيْ
خدا کی قسم مومن نہیں، خدا کی قسم مومن نہیں۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول کون؟ فرمایا وہ شخص
لَا يَأْمَنُ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ (بخاری شریف ص ۸۸۹ ج ۲)
جس کا پڑوسی اس کی شرارتوں سے مامون نہو۔

لغات: جار پڑوسی، پناہ دینے والا، پناہ لینے والا۔ ج جِیْرَانٌ وَجِیْرَةٌ وَجِوَارٌ وَاَجْوَارٌ۔ جَارَةٌ پڑوسن، بیوی، سوکن۔ ج جارات۔ جِوَارٌ پڑوس۔ (ن) ظلم کرنا، ہٹ جانا۔ مفاعلۃ سے پڑوس میں رہنا، اعتکاف کرنا۔ بَوَائِقُ بَائِقَةٌ کی جمع ہے۔ مصیبت، شر و فساد، شرارت، بَاقَ بَوْقًا بُؤُوْقًا (ن) لڑائی جھگڑا برپا کرنا۔ بیوفائی کرنا، چوری کرنا، مصیبت پہونچنا، خراب ہونا۔

ترکیب: واللہ جار مجرور متعلق اُقسِمُ جملہ فعلیہ قسم۔ لَا يُؤْمِنُ جملہ فعلیہ جواب قسم ہکذا۔ الثانی والثالث قیل جملہ فعلیہ قول۔ مَنْ مبتدا ہُوَ محذوف خبر۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ندا و منادی۔ قَالَ لَا يَأْمَنُ اپنے فاعل جَارُهٗ اور اپنے مفعول بَوَائِقَهٗ سمیت جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول صلہ مقولہ الخ

تشریح: اس حدیث میں پڑوسی کے حقوق پر زبردست تاکید کیساتھ متوجہ کیا گیا ہے جبکہ

مؤمن امن وسلامتی کا علمبردار ہے تو اس کو ہمہ وقت اپنی اس ممتاز حیثیت اور مقصد [illegible] ات پر مضبوطی سے ثابت قدم وکمربستہ رہنا چاہیئے۔ تھوڑی دیر کی صحبت وملاقات میں سلامتی وسلامت روی کا اظہار تو ہرکس وناکس بہ تکلف بھی کرسکتا ہے۔ لیکن جن لوگوں سے طویل صحبت اور زندگی کے مختلف مسائل سے دوچار ہونیکا مسلسل سابقہ پڑتا ہے ان کے ساتھ راہِ امن وسلامتی پر گامزن رہنا اس کی دلیل ہے کہ امن وسلامتی کے الفاظ کی حقیقت اس کی زندگی میں یقیناً موجود ہے۔ اسی وجہ سے معیارِ ایمان یہ قرار دیا گیا ہے کہ مؤمن وہی ہے جس کا پڑوسی اس کے مؤمن ہونے کی شہادت دے۔ اور فرمایا کہ بندہ بِلا قلب وزبان کی سلامتی کے مسلم نہیں ہوسکتا۔ اور جبتک اس کا ہمسایہ اس کی شرارتوں سے مامون نہو جائے تو وہ مؤمن نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ ارشاد ہے کہ وہ شخص مؤمن ہی نہیں جو خود سیر ہوجائے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔ بہتری کا معیار ہی یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ پڑوسی کے ساتھ بہتر سلوک کرے وہ اور لوگوں سے اتنا ہی بہتر ہے۔ اس کے برخلاف جسکی شرارتوں سے پڑوسی مامون نہو اس کے متعلق اِرشاد ہے کہ وہ جنت میں داخل نہو گا۔

اس پر سب کا اتفاق ہے کہ پڑوسی خواہ قریب ہو یا بعید، یگانہ ہو یا بیگانہ، حتیٰ کہ مسلم ہو یا غیر مسلم، بہرحال اس کی خبر گیری وخیر خواہی اور مالی امداد واعانت بقدرِ استطاعت لازم ہے۔ اخلاقی برتاؤ تو بہرحال سبکے ساتھ خصوصًا پڑوسی کے ساتھ اور اخص الخصوص اپنے گھر والوں کے ساتھ واجب ہے۔ البتہ جن کا حق پڑوس کے علاوہ دوسرا بھی ہے وہ اور پڑوسیوں سے مقدم اور احسان وسلوک کے زیادہ حقدار ہوں گے۔ ایک حدیث میں خود رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اس کو واضح فرمایا ہے کہ بعض پڑوسی وہ ہیں جن کا صرف ایک حق ہے۔ بعض وہ ہیں جن کے دو حق ہیں۔ اور بعض وہ ہیں جن کے تین حق ہیں۔ ایک حق والا پڑوسی وہ غیر مسلم ہے جس سے انسانی ناطہ کے علاوہ کوئی رشتہ داری نہیں دو حق والا پڑوسی مسلمان پڑوسی ہے اس کا ایک انسانی اور دوسرا اسلامی حق ہے۔ تین حق والا پڑوسی وہ ہے جو مسلمان ہونے کے علاوہ رشتہ دار بھی ہے۔ اس کا ایک انسانی حق ہے دوسرا اسلامی اور تیسرا رشتہ داری کا۔ (ابن کثیر)

ایمان اور اسلام میں فرق

لغت میں اسلام کے معنیٰ اپنے نفس کو کسی کے سامنے جھکا دینا اور ذلیل بنا دینا ہیں۔ اس لحاظ سے اسلام یہ ہے کہ بندہ اپنے ربکے سامنے اس طرح جھک جائے کہ اسکے سوا کسی اور کی عبادت کا رُخ نہ کرسکے۔ یہ جھکنا اور ذلیل ہونا (انقیاد) ایک عمل ہے۔ اسلئے اسلام درحقیقت ایک عمل ہی کا نام ہے۔ اور ایمان تصدیق قلبی کو کہتے ہیں۔ یہ تصدیق، قلب کا اسی طرح ایک کلام ہے جیساکہ اِقرار، زبان کا۔ یہ ضرور ہے کہ جب دل اپنی گہرائیوں سے کسی کے لئے بول اٹھے گا تو اس کے سامنے جھکنا اور ذلیل ہونا بھی اس کا طبعی تقاضا ہوگا۔

مگر فرق یہ ہے کہ اسلام عمل کا نام ہے۔ اور ایمان ایک علم ہے۔ اور عمل تابع ہے علم کے۔ احادیث میں بھی اس فرق کی رعایت ملتی ہے۔ لیکن اسکے باوجود کہ ایمان کا اصل تعلق قلب سے ہے جسکے ثمرات طاعات کی شکل میں قالب پر نمایاں ہوتے ہیں۔ اور اسلام کا تعلق عمل سے ہے۔ جو تصدیق سے پیدا ہوتا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ایک کا دوسرے پر بکثرت اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لئے بعض نے تو مؤمن کو عام اور مسلم کو خاص سمجھ کر ان میں عموم خصوص بیان کر دیا ہے۔ اور بعض نے ترادف ثابت کیا ہے۔ لانّ انقیاد الظاھرِ لا ینفع بدونِ انقیادِ الباطنِ وکذا العکسُ والحقّ انّ الخلافَ لفظیٌّ لانّ مبنیَ الاوّلِ علی الحُکمِ الدُّنیویّ ومبنیَ الثانی علی الامرِ الاُخرویّ اَوِ الاوّلُ بناءُہٗ علی اللُّغۃِ والثانی مدارُہٗ علی الشریعۃ۔ فافھم۔

ایمان واسلام کے متلازم یا مترادف ہونے کی وجہ سے مؤلفؒ نے ایُّ الاسلامِ افضلُ کے تحت ایسی روایات جمع فرمائی ہیں جن میں سے بعض میں اسلام کا لفظ ہے اور اکثر میں ایمان کا۔ جب یہ معلوم ہوگیا کہ ایمان واسلام کا مصداق تقریبًا ایک ہی ہے۔ گو ایک کا تعلق ظاہر سے زیادہ ہے دوسرے کا باطن سے۔ تو عنوان اور معنون کا ربط بخوبی سمجھ میں آجائیگا۔

ایمان وعمل

یہ ایک دلچسپ بحث ہے کہ عمل کی ایمان میں کیا حیثیت ہے۔ محدثین اعمال کو جزوِ ایمان کہتے ہیں۔ اور فقہاء خارجِ ایمان۔ تفصیلات ودلائل کا یہ محل نہیں اس اختلاف پر اشارہ کے بعد آپ کو یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ یہ سب اختلافات حقیقی نہیں لفظی ہیں یہاں اصل بات یہ ہے کہ باطن وظاہر بالکل دو جُداگانہ عالَم نہیں ہیں۔ بلکہ دونوں کا باہمی گہرا تعلق ہے۔ ایک کا دوسرے پر اثر پڑتا ہے۔ اعتقادِ باطن، اعمالِ ظاہرہ کا مقتضی ہے۔ تو اعمالِ ظاہرہ اعتقادِ باطن کے ممد ومعاون ہیں۔ مثلاً دل نے یتیم پر رحم کھایا تو اعضاء اس کی ہمدردی کے لئے متحرک ہوگئے۔ اور اس حرکت نے اس قلبی جوشِ شفقت ورحمت میں اور برکت پیدا کردی۔ غرض صفاتِ قلبیہ کا تمامہا یہی حال ہے۔ کہ پہلے وہ انسانی اعضاء کو جنبشِ عمل کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ اور جب جوارح مصروفِ عمل ہوجاتے ہیں تو ان کے آثار لوٹ کر پھر ان صفات میں اور جلاء پیدا کر دیتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ اعمالِ انسان کی کیفیاتِ قلبیہ کا آئینہ بلکہ شاہد ودلیل ہیں۔ اِن خیرًا فخیرٌ وان شرًّا فشرٌّ۔

حضرت ابو شریحؓ

اسم گرامی خویلد بن عمرو الکعبی العدوی الخزاعی ہے۔ کنیت ابو شریح۔ فتح مکہ سے قبل ہی مشرف باسلام ہوئے۔ اور ۶۸ھ میں مدینہ منورہ میں وفات پائی۔ بہت سے لوگوں نے ان سے احادیث روایت کیں۔ موصوف اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہوئے۔ محدثین نے حجازیین میں ان کا شمار کیا ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

(۱۱) عَنْ اَنَسٍؓ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ
حضرت انس رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے کوئی شخص اسوقت

اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ (بخاری شریف)
تک مؤمن نہیں ہو سکتا جبتک کہ میں اسکے نزدیک اسکے ماں باپ اور اسکی اولاد اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔

لغات وَالِدٌ باپ ج وَالِدُوْنَ۔ اَلْوَالِدَانِ ماں باپ وَالِدَۃٌ ماں ج وَالِدَاتٌ۔ وَلِیْدٌ بچہ وَلَدٌ وُلْدٌ بچہ۔ اس کا مذکر مؤنث تثنیہ جمع سب پر اطلاق ہو سکتا ہے۔ (ض) جننا۔ وَلَدَ متعدی۔ اَحَبَّ اسم تفضیل بمعنی اسم مفعول ہے۔

ترکیب لَا یُؤْمِنُ فعل اَحَدُکُمْ فاعل حَتّٰی حرف جار اَکُوْنَ ضمیر اَنَا اسم اَحَبَّ اپنے دونوں متعلقوں سے ملکر خبر جملہ بتاویل مفرد مجرور متعلق فعل۔ لَا یُؤْمِنُ نحوہ اپنے فاعل و متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ مقولہ۔

تشریح (۱) مؤلف نے اس عنوان (اَیُّ الْاِسْلَامِ اَفْضَلُ) میں پہلی حدیث سے بالعموم تمام مسلمانوں کے ساتھ ہمدردی کا برتاؤ کرنے کو ثابت کیا۔ دوسری میں ان کے ساتھ احسان و سلوک کے برتاؤ کی طرف متوجہ کیا جو اپنے قریب یا گردوپیش ہیں۔ اس تیسری حدیث سے اس ذات کی محبت کا بیان فرمایا ہے جس پر تمام محبتیں، تعلقات اور نزدیکیاں قربان۔
(۲) امام بخاریؒ نے اس حدیث کو باب حُبُّ الرَّسُوْلِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْاِیْمَانِ میں نمبر دو پر بیان کیا ہے۔ اس سے پہلے ابوہریرہؓ کی روایت کو بیان فرمایا ہے جس میں یہ الفاظ ہیں۔
وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ۔ (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم میں کوئی اسوقت تک مؤمن نہیں ہو سکتا جبتک الخ) ان دونوں حدیثوں میں والد کو ولد پر مقدم ذکر کیا گیا۔ اور مسلم شریف "بابُ وجوبِ محبّۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ" میں ولد کو والد پر مقدم کیا گیا ہے۔ دونوں کے لئے معقول وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ والد کو ولد پر بتقاضائے تعظیم و اصلیت مقدم کیا ہے۔ اور ولد کی تقدیم بوجہ زیادتیِ محبت و شفقت ہے۔ کیونکہ والد کو جس قدر محبت ولد سے ہوتی ہے، ولد کو والد سے نہیں ہوتی۔ اور یہاں مقصد بھی یہی ہے کہ پیغمبر اسلام علیہ السلام سے محبت تمام محبوب چیزوں سے زائد ہونی چاہیئے۔ جو ولد کی تقدیم سے سمجھا جاتا ہے۔ والد کی تقدیم کی ایک نہایت اہم وجہ یہ ہے کہ ہم سے پیغمبر علیہ السلام

کی نسبت والد ہی کی طرح ہے۔ ترمذی کی روایت ہے اِنَّمَا اَنَا لَكُمْ بِمَنْزِلَةِ الْوَالِدِ (میں تمہارے لئے باپ کے مرتبہ میں ہوں)۔

(۳) وَلَد کا لفظ مذکر و مؤنث دونوں کو شامل ہے۔ کسی کو مذکر اولاد سے زیادہ محبت ہوتی ہے تو کسی کو مؤنث اولاد پر زیادہ شفقت ہوتی ہے۔ مگر عموماً مذکر پر وَلَد کو زیادہ بولتے ہیں۔ اور عموماً اولادِ نرینہ ہی طبعًا زیادہ محبوب ہوتی ہے۔ اِسی طرح وَالِد کا لفظ بھی بطورِ فاعلِ ذِی کذا باپ اور ماں دونوں کو شامل ہے۔ کیونکہ اسوقت اس کے معنی ذُو وَلَد کے ہوں گے۔ حاصل یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ان اعزہ سے بھی زیادہ ہونی ضروری ہے جن کی محبت آدمی کو ساری مخلوق سے زیادہ ہوتی ہے۔

(۴) یہ بھی یاد رکھیے کہ روایات میں وَالد و وَلَد کی محبت کا ذکر آیا ہے۔ خود اپنی ذات کی محبت کا ذکر نہیں آیا۔ حالانکہ انسان کو اپنے نفس سے زیادہ تعلق ہوتا ہے۔ لیکن وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کے جملہ میں انسان کی اپنی ذات بھی شامل ہے۔ بعض مرتبہ کسی اجنبی سے عشق ایسا ہوجاتا ہے کہ ہر ماسوا کی محبت اس کے عشق و محبت میں فنا ہوجاتی ہے۔ اسلئے بھی وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ کا جملہ نہایت ضروری اور معنیٰ خیز ہے۔

(۵) حدیث میں وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ نے اس حقیقت میں ایک زبردست اہمیت و تاکید پیدا کردی ہے۔ پھر قسم بھی اپنی اس ذات کی جو تمام اُن اوصافِ جمیلہ و خصائلِ حمیدہ کو جامع ہے جو مخلوق کے لئے ممکن ہوسکتے ہوں۔ یہ تاکید قابلِ فکر اور معنیٰ خیز تاکید ہے تفصیل کی گنجائش نہیں۔ مختصراً اس کو ذہن نشین کرلیجیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء اِس تاکید و قسم سے یہ ہے کہ تمہارا ایمان میری ایسی گہری محبت پر موقوف ہے جس پر تمام محبتیں قربان اور فنا ہوجائیں۔ اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنَا حُبَّكَ وَحُبَّ رَسُوْلِكَ وَحُبَّ مَنْ يَنْفَعُنَا حُبُّهٗ عِنْدَكَ۔

محبت سے کونسی محبت مراد ہے؟ محبت کی تین قسمیں ہیں حُبِّ طبعی، حُبِّ عقلی، حُبِّ ایمانی۔

حُبِّ طبعی تبقاضائے طبیعت میلانِ قلب کو حُبِّ طبعی کہتے ہیں۔ یہ قسم غیر اختیاری اور عموماً والد و ولد، اہل و عیال و اہلِ قرابت سے ہوتی ہے۔

حُبِّ عقلی اس میں منافع و فوائد وغیرہ کے پیش نظر اختیاری طور پر تبقاضائے عقل کسی کی جانب دِل کا میلان ہوتا ہے۔

حُبِّ ایمانی اس کا نام حبِّ شرعی بھی ہے۔ اس میں ایمانی جذبہ اور شرعی حکم بندۂ مومن کو اسکے ہادی کی تعظیم و تکریم اور اتباع و پیروی پر مجبور کرتے ہیں۔ اس میں نہ نفع کی تمنا ہوتی ہے نہ نقصان کی پرواہ۔ اس کے بعد یہ سمجھیے کہ اس جگہ ان تینوں قسموں میں سے کونسی محبت مراد ہے۔

(۱) بعض بزرگوں کی تحقیق یہ ہے کہ اس سے مراد محبتِ طبعی ہے۔ کیونکہ وَالد و وَلَد کی محبت سے مقابلہ ہے۔ اور ظاہر ہے کہ وَالد و وَلَد سے محبت طبعی ہوتی ہے۔ لہٰذا حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت طبعی

ہونی چاہیے۔ قرآن پاک میں بھی آپکی محبت سے اُنہیں چیزوں کی محبت کا مقابلہ ڈالا ہے۔ جن کی طرف انسان کا میلان طبعی ہوتا ہے۔ ارشاد ہے کہ:

قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ وَاَمْوَالُ ۨاقْتَرَفْتُمُوْهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ (پ۱۰ ع۹)

آپ کہدیجئے کہ اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور تمہارے وہ مال جو تمنے کمائے ہیں اور وہ تجارت جس میں نکاسی نہونیکا تمکو اندیشہ ہے اور وہ گھر جنکو تم پسند کرتے ہو (یہ سب) تمکو اللہ اور اس کے رسول سے اور راہ خدا میں جہاد کرنے سے زیادہ پیارے ہیں تو تم انتظار کرو یہانتک کہ اللہ تعالیٰ اپنا حکم (عذاب) بھیجدیں۔ اور اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو منزل مقصود تک نہیں پہونچاتے ــــــــ

اس آیت کریمہ میں متعلقین، مال ومتاع اور گھر بار کی محبت اور اللہ اور اس کے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا مقابلہ اور اللہ ورسولؐ کی محبت پر اوروں کی محبت کو ترجیح دینے پر سخت ترین وعید ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ آیت میں جن چیزوں کا ذکر ہے ہر انسان کو اُن سے طبعی تعلق ہوتا ہے۔ اس لئے متبادر اِلی الذہن یہی ہے کہ جن آیات وروایات میں حبُّ اللہ اور حبُّ الرّسول کا ذکر ہے وہاں حُبّ طبعی ہی مراد ہے۔ اور حضرات صحابہؓ کی زندگی کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ اُن کو آپکے ساتھ طبعی محبت تھی۔ مثلاً غزوۂ خیبر سے واپسی پر جب آپ کی اونٹنی پھسلی اور آپ گرے تو حضرت ابو طلحہؓ بھی اپنی اونٹنی سے فوراً بے ساختہ گر پڑے۔ حضرت جابرؓ کے والد فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زید بن عبد ربہٖ کھیت کو پانی دے رہے تھے، بیٹے نے پیغمبر علیہ السّلام کے وصال کی خبر دی، فوراً آنکھیں بند فرما کر دعا کی اے خدا میں نے جن آنکھوں سے پیغمبر علیہ السّلام کا جمال دیکھا ہے۔ اب اُن کے بعد ان آنکھوں کو کسی دوسری چیز کے لئے استعمال کرنا نہیں چاہتا ہوں، مجھ سے میری بصارت لے لے۔ چنانچہ ان کی بینائی جاتی رہی۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے حضور صلے اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کے نزدیک اپنی جانوں اپنے مالوں اپنی اولادوں اور اپنی ماؤں سے نیز سخت پیاس کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب تھے۔ حاصل یہ ہے کہ حضرات صحابہؓ کی پوری زندگی اِس حقیقت کی آئینہ دار ہے۔ (اختصاراً چند واقعات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔ محبت اور محبتِ صحابہؓ کی تفصیل ہمارے رسالہ ''رسول اللہ کی محبت'' میں دیکھئے)۔

(۲) بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ حُبّ طبعی قطعاً غیر اختیاری چیز ہے۔ اور کسی کو غیر اختیاری شیٔ کا مکلف نہیں بنایا جا سکتا۔ تکلیف ہمیشہ اختیاری اُمور سے وابستہ ہوتی ہے۔ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ

نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا۔ لہٰذا آیات واحادیث میں حبِ عقلی مراد ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ خواہ طبعی طور پر ناگوار وگراں گذرے مگر بتقاضائے عقل منافع کی خاطر محبوب اور اس کی مرضیات کو تمام چیزوں پر اسی طرح ترجیح دیجاتی ہے جیسے مریض دوا کو باوجود ناگواری طبع کے اس عمدہ حلوے پر ترجیح دیتا ہے جس سے اس کو طبعًا رغبت ہے۔ عقلی محبت کے طبعی محبت پر غلبہ کا معیار یہ ہے کہ باپ بیٹے یا نفس کا تقاضا شرعی احکام سے ٹکراتا ہے تو اگر شریعت کی عظمت پر مقابل کے تقاضوں کو قربان کردیا تو حبِ عقلی غالب ہے۔ ورنہ اوروں کی محبت جو حبِ طبعی ہے غالب رہی۔ اور یہ شخص کمالِ ایمان سے محروم رہا۔ لیکن یہ حقیقت مشاہد ہے کہ محبتِ عقلی محبتِ طبعی پر اکثر غالب آتی ہے۔ گو اصلی محبت محبتِ طبعی ہے۔ جب یہ غالب آجاتی ہے تو عقل وخرد اس کے سامنے ہتھیار ڈالدیتے ہیں۔ مگر ایسا عشق کی برکت سے ہوتا ہے۔ حضرتِ عمرؓ نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھے اپنی جان کے سوا آپ سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہیں۔ ارشاد فرمایا کوئی شخص اسوقت تک مؤمن نہیں ہوسکتا جبتک اس کو میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ نہو۔ حضرتِ عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ اب آپ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ اَلْآنَ یَا عُمَرُ اِیْمَانُکَ، (اسوقت اے عمر تمہارا ایمان کامل ہوا) علماء نے اس ارشاد کے دو مطلب بتائے ہیں۔ ایک یہ کہ اسوقت تمہارا ایمان کامل ہوا ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ اسپر تنبیہ فرمائی کہ اسوقت یہ بات پیدا ہوئی کہ میں تمہیں اپنے نفس سے بھی زیادہ محبوب ہوں۔ حالانکہ یہ بات اوّل ہی سے ہونا چاہیئے تھی۔ مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حضرتِ عمرؓ کے قول، فَاَنْتَ الْآنَ وَاللہِ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْ نَفْسِیْ، (خدا کی قسم اب آپ مجھ کو میری جان سے بھی زیادہ محبوب ہیں) میں بھی دو احتمال ہیں۔

(۱) حضرتِ عمرؓ نے اوّلاً سمجھا ہو کہ اس محبت سے مراد حُبِ طبعی ہے۔ پھر معلوم ہوا کہ حُبِ ایمانی یا حبِ عقلی مراد ہے۔ تو انہوں نے دِل کی یہ بات ظاہر کردی۔

(۲) حضرتِ عمرؓ کی صداقت پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی توجہ کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے حضرتِ عمرؓ کو حُبِ طبعی کا اعلیٰ مقام نصیب فرمادیا۔

(۳) محبت کی تیسری قسم حبِ ایمانی ہے۔ پہلے معلوم ہوچکا ہے کہ یہ پہلی دو قسموں سے بھی بالاتر ہے۔ کیونکہ ایمان کا تقاضا ہی یہ ہے کہ نفع ونقصان سے بے پرواہ ہوکر مرضیاتِ محبوب پر قربان ہوجائے تو جس قدر اعمال میں ترقی ہوتی رہیگی اتنی ہی ایمان میں بھی ترقی ہوتی رہیگی حتیٰ کہ حبِ ایمانی کا وہ اعلیٰ مقام نصیب ہوجائیگا جس کو حُبِ عشقی کہتے ہیں۔ عاشق کی نگاہ میں جس طرح محبوب کے سوا کچھ نہیں ہوتا اسی طرح اس مقام پر آکر مؤمن کی نظر میں اللہ اور رسول کے سوا کچھ نہیں رہتا۔ وہ اپنی ہر ایک مرضی کو رضائے محبوب میں فنا کردیتا ہے۔ اور اس کا یہ حال ہوتا ہے ؎

اُرِیْدُ وِصَالَہٗ وَیُرِیْدُ ھَجْرِیْ ✧ فَاَتْرُکُ مَا اُرِیْدُ لِمَا یُرِیْدُ

(میں وصال چاہتا ہوں اور محبوب فراق ۞ تو میں اپنے ارادہ کو اسکے ارادہ پر قربان کردیتا ہوں)

صاف بات حضراتِ علمائے کرام کے تمام پاکیزہ خیالات قابلِ قدر ہونے کے باوجود دل کو چپکنے والی معقول بات یہی ہے کہ جس محبت کا حکم آیاتِ قرآنیہ ونصوصِ حدیثیہ میں دیا جارہا ہے اس سے مراد محبتِ طبعی ہرگز نہیں۔ کیونکہ وہ ایک غیر اختیاری چیز ہے۔ جس کا مکلف کوئی نہیں ہوسکتا۔ آیتِ صریحہ "لَا یُکَلِّفُ اللّٰہُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَھَا" اسپر دلیل کافی ہے۔ اس سے آگے کی دونوں قسمیں مراد ہوسکتی ہیں۔ ایمان کا کم سے کم درجہ محبتِ عقلی ہے۔ اور عام مؤمنین کو بھی بقولِ علامہ قرطبیؒ محبت کا یہ مقام حاصل ہوتا ہے۔ اس کا تقاضا ہے کہ پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت میں نفع اور نافرمانی میں نقصان وضرر کا یقین ہو۔ گویا یہ آغازِ محبت ہے۔ جو ترقی کرتے کرتے حبِ ایمانی بن جاتی ہے۔ اس مقام پر پہنچکر نفع ونقصان کا پردہ چاک ہوجاتا ہے۔ اور مؤمن ان دونوں چیزوں سے بالاتر وبے نیاز ہوکر مرضیاتِ محبوب کو پیشِ نظر رکھ کر ہر قدم اٹھاتا ہے۔ اور اس کا ہر قدم ترقی کی جانب بڑھتا ہے۔ حتیٰ کہ حبِ ایمانی میں کمال حاصل ہوجاتا ہے۔ اور وہ حبِ عشقی کے مقام پر پہونچ جاتا ہے۔ یہاں محبوب کے علاوہ ہر چیز ہیچ در ہیچ اور فنا ہوجاتی ہے۔ پھر حبِ عشقی میں بے انتہا مقامات ودرجات ہیں۔ جن میں مقامِ صدیقیت سب سے بلند ترین مقام ہے۔ اسکے بعد شہداء کا پھر صالحین کا۔ اور یہی لوگ وہ منعم علیہم ہیں جن کے آگے حضراتِ انبیاء علیہم السّلام کی صف ہے۔ اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اھْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْھِمْ۔

یہ بھی ذہن نشین کر لیجیے کہ حضراتِ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم وعنا بوسیلتہم کی پوری جماعتِ مطہرہ کو بلا استثناء مقامِ حبِ عشقی حاصل تھا۔ اور یہ محبوب رب العٰلمین کی قوتِ افادہ وتاثیرِ صحبت کا کرشمہ اور تاجدارِ نبوت ورسالت کا کھلا ہوا معجزہ تھا۔ اس کے بعد آپ ان حضرات کی زندگی کے ایک ایک قدم کو دیکھیے کوئی بھی حبِ عشقی کے میدان سے باہر نہ دکھائی دیگا۔ صرف حبِ طبعی یا محض حبِ عقلی سے حضراتِ صحابہؓ ان بلندیوں پر نہ پہونچ سکتے تھے جن پر بڑے سے بڑے قطبِ عالم کی نگاہِ وہم کی بھی رسائی ناممکن ہے۔ اب مذکورہ آیت "قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ الخ اور احادیث لَا یُؤْمِنُ الخ وغیرہ پر نظر ڈالیے تو آپ دیکھیں گے کہ ان میں مطالبہ حبِ طبعی سے بڑھکر اور کسی بلند مقامِ محبت کا ہے۔ ماں باپ، اولاد، متعلقین، مال ودولت، گھربار سے تو طبعی محبت ہوتی ہی ہے۔ اگر یہی مطلوب تھی اور اسی کا حکم تھا تو ان اشیاء کے مثل محبت کا حکم ہوتا۔ نہیں نہیں ان کی محبت سے بڑھ کر کوئی اور ایسی محبت مطلوب ہے کہ یہ تمام محبتیں اس کے سامنے پست اور ہیچ در ہیچ ہوں۔ اس محبت کا آغاز حبِ عقلی سے ہوتا ہے۔ اور حبِ عشقی اس محبت کا منتہا ہے۔ میدانِ عشق بہت وسیع ہے۔ اور اس میں دوڑنے والوں میں

درجات کا بے انتہا تفاوت ہے۔

اسبابِ محبت

اختصار کے باوجود بات بڑھ رہی ہے۔ مگر بنیادی چیز ہے۔ اسلئے بقدرِ ضرورت وکفایت وضاحت نہ کرنا بھی مقصدِ تحریر کے خلاف ہوگا۔ لہٰذا قلب میں ابھرنے والے اس سوال کے جواب پر بھی نظر ڈالتے چلئے کہ پیغمبرِ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت مخلوق میں سب سے زیادہ کیوں ہونی چاہیئے؟ درحقیقت محبت کے معنی میلانِ نفس کے ہیں۔ اور میلان ہمیشہ مرغوب وپسندیدہ چیز کی جانب ہوتا ہے۔ اولاً ان اسبابِ میلان کو دیکھیئے پھر یہ سوچیئے کہ وہ مکمل طور پر ذاتِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں۔ یا کامل طریقہ پر کسی اور میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اگر صرف آپ کی ذاتِ اقدس میں ہی وہ اسبابِ محبت بدرجۂ اتم پائے جاتے ہیں۔ تو یقیناً آپ کی محبت بھی بدرجۂ اتم ہونی چاہیئے۔ اسبابِ محبت چار ہوتے ہیں۔

جمال۔ کمال۔ قرابت۔ احسان۔

جمال یعنی خوبصورتی۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ جمالِ ظاہری۔ اس کو حسن وتناسبِ اعضاء سے تعبیر کرتے ہیں۔ جمالِ باطنی (خوب سیرتی اور اعلیٰ اخلاق و بلند کردار) اس کو کمال سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ چونکہ آپ کو اللہ تعالےٰ نے جو خالقِ کمال ومحبِ جمال بھی ہے، اپنی محبوبیت کے لئے منتخب فرمایا ہے اسلئے دونوں چیزیں آپ کو اعلیٰ وبے مثل عطاء فرمائی ہیں۔ جمالِ ظاہری کے بارے میں حضرت عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ اندھیری رات میں اگر سوئی میں ڈورا ڈالنے کی ضرورت ہوتی تو سوئی کو آپکے جسمِ اطہر کے قریب کیا اور ڈورا ڈال لیا۔ اسی طرح کوئی چیز گم ہوجاتی اور اندھیرے میں ہاتھ نہ آتی تو آپ کے دستِ مبارک کی روشنی میں اس کو ڈھونڈ لیتے تھے۔

حضرتِ براءؓ فرماتے ہیں کبھی میں چودھویں رات کے چاند کو دیکھتا اور کبھی چہرۂ انور کو۔ خدا کی قسم چاند کا نور چہرۂ اقدس کے جمال کے سامنے ہیچ در ہیچ اور ماند تھا۔

آپ کا ارشاد ہے" اخی یوسف اصبح وانا املح "، یوسف علیہ السلام کو حسنِ صباحت اور آپ کو حسنِ ملاحت دیا گیا ہے۔ حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حسن پیدا کیا تو یوسف علیہ السلام کو اس میں سے آدھا عطاء فرمایا اور آدھا پورے عالم کو۔ حدیثِ معراج میں ہے فاذا ھو اوتی شطر الحسن۔ علماء نے لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے الگ ایک حسن کو پیدا کیا گیا جو آپ کے سوا کسی کو نہیں دیا گیا۔ تو آپ اپنے حسن وجمال میں وحدہٗ لاشریک لہٗ ہیں۔ حضرتِ عائشہؓ کا ارشاد ہے کہ مصر کی عورتوں نے یوسف علیہ السلام کو دیکھ کر اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ لیکن اگر میرے یوسف (حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کو وہ دیکھ لیتیں تو اپنے دلوں کو چیر لیتیں۔

بہر حال حسن وجمال کی کشش ایک مسلّم حقیقت ہے جو انسانوں کو بلکہ حیوانات کو بھی اپنی جانب

کھینچتی ہے۔ اور اس دور کی تحقیق تو یہ ہے کہ نباتات بھی ایک دوسرے سے محبت کرتی ہیں۔ دیکھیے چکور چاند پر عاشق ہے تو بلبل پھول پر۔ چھوئی موئی کی انسان سے نفرت مشہور ہے۔ اور بعض نباتات کا جھک جھک کر ایک دوسرے سے گلے ملنا مشاہد ہے۔ ایک کھجور دوسری کی طرف جھکی ہوتی ہے اگر اس دوسری کھجور کو کاٹ دیا جائے تو جھکنے والی (عاشق) خود بخود خشک ہوجاتی ہے۔ یہ عشق نہیں تو کیا ہے؟ قرآن پاک کی آیت "وَلَوْ اَعْجَبَكَ حُسْنُهُنَّ" سے اس بات کی طرف صاف اشارہ ملتا ہے کہ حسن اپنے اندر زبردست کشش رکھتا ہے۔ اور اس کا لازمی تقاضا میلانِ قلب اور محبت ہے۔ اور حسن و جمال کے سلسلہ کی ہر چیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس میں بدرجۂ اتم موجود ہے۔ نتیجہ ظاہر ہے کہ حسن و جمال سے جو محبت پیدا ہوتی ہے وہ بھی آپ سے بدرجۂ اتم ہونی چاہیے۔ اور جس طرح آپ کا حسن و جمال بے مثال ہے اسی طرح آپ سے محبت بھی بے مثال ہونی چاہیے۔ جیسا کہ حدیث مذکور میں بھی اس کا مطالبہ ہے۔

کمال :- اجمالاً یہ سمجھیے کہ تمام کائنات و مخلوقات کے کمالات کا اگر آپ کے کمالات سے مقابلہ کیا جائے تو آپ کے کمالات اتھاہ سمندر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور تمام مخلوقات کے کمالات اس کے سامنے ایک قطرہ کی۔ یا دونوں میں آفتاب عالمتاب اور ذرۂ بے مقدار کی نسبت ہے۔ اصل کمال، علمی کمال ہوتا ہے اور اس کا ثمرہ کمال عملی۔ تو آپ کو کائنات میں سب سے زیادہ علم عطا ہوا ہے۔ ارشاد ہے، "اُوْتِيْتُ عِلْمَ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ" مجھکو اولین و آخرین کے علوم عطا کیے گئے۔ آپ کے علم و عمل اور کائنات کے علم و عمل میں بھی وہی مذکورہ نسبت ہے۔

کمالِ علمی کے آغاز پر حضرت آدم علیہ السلام کو خلعتِ خلافتِ خداوندی عطا ہوئی۔ اور اسی کمالِ علمی کے منتہا پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ختمِ نبوت کا ممتاز شرف حاصل ہوا۔ اور آپ کو سیادت و سرداری کے طغرائے امتیاز سے نوازا گیا۔ اَنَا سَيِّدُ وُلْدِ اٰدَمَ وَلَا فَخْرَ (میں تمام انسانوں کا سردار ہوں اور یہ بات گھمنڈ کے طور پر نہیں کہہ رہا ہوں) پھر اگر کمال میں قوتِ تسخیر ہے۔ اور با کمال انسان کے لئے دنیا کے قلوب محبت سے جھک جاتے ہیں۔ تو پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے کمالات جملہ کائنات کے کمالات سے وزنی اور بے مثال ہیں۔ تو آپ کی محبت کے لئے اگر بنی آدم کے دل محبت سے جھک جائیں اور تمام اہلِ کمال کی محبتوں سے زیادہ آپ کی بے مثال محبت ان کے قلوب میں جلوہ گر و موجزن ہوجائے۔ (جس کی طرف آیات و احادیث میں ہدایت ہے) تو یقیناً بجا اور بالکل برمحل ہے۔

(۳) محبت کا تیسرا سبب **قرابت** ہے۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قرابت دار سے قریب ترین ارشادِ باری ہے۔

اَلنَّبِيُّ اَوْلٰى بِالْمُؤْمِنِيْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ — نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مومنوں کیساتھ خود انکی ذات سے بھی

وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (پ۲۱ ع ۱۷) زیادہ قریب ہیں۔ اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔
ہماری جانوں کا ہمارے ساتھ وہ تعلق نہیں ہے جو ہمارے ساتھ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے اسی طرح آپ کی بیویاں جب ہماری مائیں ہیں تو آپ ہمارے باپ (اور ایسے باپ کہ ہمارے ماں باپ اپ پر ہزار بار قربان) چنانچہ ایک قرارتِ شاذہ میں وَهُوَ اَبُوْهُمْ بھی موجود ہے۔ جسمانی باپ تخلیق کا واسطہ ہوتا ہے آپ ایسے باپ ہیں کہ آپ جملہ کمالات اور خوبیوں کے پیدا ہونیکا واسطہ ہیں۔ بلکہ جس قدر نسبتیں ممکن ہیں۔ سب آپ میں موجود ہیں۔ وجہِ تخلیق آپ ہیں۔ علم کے اصل استاذ ومنشاء ومنبع آپ ہیں۔ تربیت وسلوک وتحصیلِ اخلاق کے سرچشمہ آپ ہیں۔ لہٰذا جس قدر حقوق والد واستاذ وشیخ یا کسی بھی تعلق والے کے الگ الگ ہوسکتے ہیں وہ سب حقوق ملکر آپ کے بیک وقت ہوں گے۔ بلکہ آپکے حقوق مجموعۂ حقوق سے زیادہ ہوں گے۔ کیونکہ آپ کا تعلق ہر اعتبار سے اکمل واتم ہے۔ لہٰذا ان مذکورہ تعلقات کے سبب اگر محبت پیدا ہوسکتی ہے تو آپ کی ذاتِ عالی کی۔ اس اعتبار سے بھی ایسی جامع واکمل اور بے مثل محبت ہونی چاہیئے جیساکہ آپ کی ذاتِ گرامی ان اوصاف میں اکمل وجامع اور بے نظیر ہے۔

(۴) محبت کا چوتھا سبب **اِحْسَان** ہے اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ (انسان بندۂ احسان ہوتا ہے) یہ مقولہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے۔ تو دیکھیے حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کا اولین عظیم احسان تمام کائنات پر یہ ہے کہ وہ آپ کے وجودِ باجود کا فیض ہے ع محمد نہ ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔
وجود کے علاوہ باقی تمام انعامات بھی آپ ہی کی وساطت سے ملے ہیں۔ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ (میں تقسیم کرتا ہوں اور خدا دیتا ہے) ہر عطاء کی تقسیم آپ کی وساطت سے ہوئی حتیٰ کہ نبوت ورسالت کی تقسیم کا بھی یہی حال ہے۔ آپ کے نور کو پیدا فرماکر رسالت ونبوت کیساتھ ساتھ ختمِ نبوت کی دولت بھی آپ کو دی گئی۔ اور آپ کی ذاتِ عالی کو مرکزِ نبوت ورسالت بناکر وہاں سے اس دولت کو تقسیم فرمایا گیا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے شاہِ فارس (رستم) اور اس کے پچاس ہزار درباریوں کے سامنے فرمایا تھا کہ ہم سب سے زیادہ ذلیل تھے۔ ہم مُردار کھاتے تھے۔ تنگدستی سے مجبور ہوکر مُردہ جانور اور درختوں کی چھالیں کھاجاتے تھے۔ ہم نے پتھروں کو اپنا معبود بنا رکھا تھا لیکن اللہ نے ہمارے اندر ایسا پیغمبر بھیجا جس کے حسب ونسب، اخلاق وکردار سے ہم پورے طور پر باخبر تھے، ہم نے اُن کو خوب پرکھا۔ اور اُن پر ایمان لے آئے۔ انہوں نے ایمان پر دنیا وآخرت کی کامرانی وسرداری وعزت کا وعدہ کیا۔ اور ہوا بھی ایسا ہی کہ دنیا میں تو خدا نے وہ عزت اور غلبہ دیا کہ بڑی بڑی سلطنتیں ہماری باجگذار ہیں۔ ہم نے دنیا کی کامیابی تو اپنی نگاہوں سے دیکھ لی، انشاء اللہ ہم آخرت میں بھی یقیناً کامیاب ہوں گے۔

یہ مذکورہ خصوصیات ایسی ہیں جن میں اُمت کا کوئی شریک نہیں۔ تو اگر یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ

محسن محبوب ہوتا ہے۔ تو اللہ کے بعد ہمارا سب سے بڑا محسن اگر کوئی ہو سکتا ہے تو وہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی ہے۔ اسلئے اس اعتبار سے بھی آپ اس کے حقدار ہیں کہ آپ مخلوق میں ہمارے سب سے بڑے محبوب ہوں۔ بہرحال محبت کے لئے جس قدر بھی اسباب اس عالم میں ممکن ہیں وہ سب آپ کی ذات اقدس میں بدرجہ اتم موجود و مجتمع ہیں۔ اسوجہ سے ایسی محبت جو اس عالم میں ممکن ہے آپ کا حق ہے۔ اور یہی ایمان واسلام کی حقیقی روح ہے۔ (از ایضاح ومرقات وترجمان السنۃ وغیرہ)

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَحَبِیْبِنَا مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَتْبَاعِہٖ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضَاہُ عَدَدَ مَا تُحِبُّ وَتَرْضَاہُ۔

نسیم احمد غازی مظاہری۔

(۱۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عبد اللہ بن عمرو سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ ھَوَاہُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِہٖ (مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص۳۰)

تم میں کوئی مؤمن نہیں تاوقتیکہ اسکی خواہش اس دین کے تابع نہ ہوجائے کہ جو میں لایا ہوں۔

لغات

ھَوَاہُ خواہش نفسانی ھَوٰی یَھْوِیْ ھُوِیًّا ھَوَیَانًا (ض) اوپر سے نیچے گرنا، بلند ہونا، چڑھنا وقیل بفتح الہاء الارتفاع وبضمّہا الانحدار۔ ھَوِیَ یَھْوٰی (س) محبت کرنا خواہش کرنا ھَاوِیَۃ دوزخ۔ ھَوَاء فضائے آسمانی والمصدر بمعنی میل النفس وشرعًا میل النفس الی خلاف ما یقتضیہ الشرع واما اذا وافق الھوی فھو الھدیٰ سمی بہ لانہ یھوی صاحبہ فی الدنیا الی الداھیۃ وفی الآخرۃ الی الھاویۃ۔ تَبِعًا تَبَاعًا وتَبَاعَۃً (س) پیچھے چلنا، فرمانبرداری کرنا۔ تبع صفت کا بھی صیغہ ہو سکتا ہے۔ مگر اس میں واحد وجمع یکساں ہیں۔ ج اَتْبَاع۔ تَابِعِی وہ شخص جس نے بحالت ایمان صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کی زیارت کی ہو۔ اور ایمان ہی پر انتقال کیا ہو۔

ترکیب

یَکُوْنُ فعل ناقص۔ ھَوَاہُ مرکب اضافی اسم۔ تَبَعًا صیغہ صفت۔ لام جار۔ مَا موصولہ۔ جِئْتُ فعل بافاعل متعلق بہٖ۔ سے ملکر جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول وصلہ مجرور متعلق تَبَعًا خبر۔ یَکُوْنُ اسم وخبر سے ملکر جملہ فعلیہ بتأویلِ مفرد مجرور حَتّٰی متعلق لَا یُؤْمِنُ کے۔ وہ اپنے فاعل اَحَدُکُمْ اور متعلق سے ملکر جملہ فعلیہ مقولہ۔

تشریح

حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اعتقادِ قلبی کے ساتھ تابعِ شریعت نہو (خواہ عدمِ اعتقاد کے ساتھ اتباعِ شریعت ہو کہ نہ ہو) وہ قطعًا مومن نہیں ہے۔ اس معنی کے اعتبار سے حدیث میں اصلِ ایمان کی نفی ہوگی۔ اور اگر اعتقاد تو ہے لیکن ظاہری اتباع میں کوتاہ ہے تو مومنِ کامل نہیں۔ اس صورت میں نفیِ کمال مراد ہوگی۔ اِتّباع کی کل تین صورتیں ہوتی ہیں۔

(۱) ظاہرًا و باطنًا یعنی اعتقادًا و عملاً اتباعِ شریعت ہے تو وہ مومنِ کامل ہے۔

(۲) اتباع ظاہری ہے۔ قلبًا اعتقاد نہیں تو وہ منافق ہے۔

(۳) صورتِ ثانی کے برعکس ہے تو فاسق ہے۔

بہرحال کمالِ ایمان یہی ہے کہ نفسانی خواہشات احکامِ شرعیہ کے تابع ہوجائیں۔ پھر اگر امورِ شرعیہ نفس کی خواہش کے موافق ہوں تو ان میں اتباعِ شریعت کی نیت سے مشغول ہو، نہ کہ خواہشِ نفس کی وجہ سے کافطار الصّوم والاشتغال بالنکاح وغیرھما۔ اور اگر احکامِ شرعیہ خواہشِ نفس کے خلاف ہوں تو اتباعِ شرع میں نفس کے خلاف کرے۔ کَأَداءِ ارکانِ الاسلام والجھادِ فی سبیل اللہ وغیرِ ذٰلک۔ حضرات صوفیہ فرماتے ہیں کہ ایمان کا کمال یہ ہے کہ اتباعِ شریعت میں نفس کو لطف و لذّت محسوس ہونے لگے۔ اور احکامِ شرعیہ پر عمل، طبعی مرغوبات کے مثل لذیذ ہوجائے۔ اور شریعتِ مطہرہ، طبیعتِ ثانیہ بنجائے۔ اس مقام پر نفس کو نفسِ مطمئنہ کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ نفس میں جب یہ ذوق پیدا ہوجائیگا تو شریعت پر بے تکلف دائمی عمل میسّر ہوگا۔ اور اسوقت وہ کمالِ ایمان حاصل ہوگا جو بڑی حد تک زوال کے خطرہ سے محفوظ و مامون رہیگا۔ اصطلاحِ صوفیہ میں اسی کو ولایتِ کبریٰ اور شریعت میں اس کو ایمانِ کامل کہتے ہیں۔

سوال:۔ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی شریعتِ غرا، تو سراپا نور و ضیاء ہے۔ اور ہوا (خواہشِ نفسانی) سراسر ظلمت اور ترابی کثیف طبیعت سے پیدا شدہ ہے۔ دونوں میں زمین و آسمان کا فرق ہے اور ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ اور جب دونوں میں ربط و مناسبت نہیں تو یہ بات خلافِ عقل ہے کہ ہوائے ظلمانی دینِ نورانی کا اتباع کرے۔ گویا حدیثِ بالا میں تکلیف مالا یطاق ہے۔

جواب:۔ نفس جسم کے اندر ایک ایسا لطیفہ ہے جو روح و بدن کے تعلق و اتصال سے وجود میں آیا ہے۔ اسلئے اس کا تعلق جسمِ کثیف ظلمانی سے بھی ہے اور روحِ لطیف نورانی سے بھی۔ اور جب دونوں سے تعلق ہوا تو وہ روح کے تعلق کی وجہ سے لطافتِ روحانی بھی حاصل کرسکتا ہے۔ اور جسمِ کثیف کے تعلق سے کثافتِ جسمانی بھی۔ اگر وہ لطافت حاصل کرلیتا ہے تو اسی کو تسویہ کہتے ہیں وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰھَا فَاَلْھَمَھَا فُجُوْرَھَا وَتَقْوٰھَا۔ یہ نفس، کثافت و لطافت اور مادیت و روحانیت دونوں کے درمیان کی شئ ہے۔ جس میں شر اور خیر، فجور اور تقویٰ دونوں کی صلاحیت

موجود ہے۔ اگر جہت تقویٰ اس پر غالب آتی ہے تو کدورتوں سے پاک ہوکر دین و شریعت کی طرف متوجہ ہوجاتا ہے۔ اور اگر فجور کی جہت غالب ہوتی ہے تو ظلمت وضلالت میں غرق ہوجاتا ہے ؎

نُونُ الْهَوَانِ مِنَ الْهَوٰى مَسْرُوْقَۃٌ ۔ فَصَرِيْعُ كُلِّ هَوًى صَرِيْعُ هَوَانٍ

معلوم ہوا کہ ہویٰ (خواہش نفسانی) اور شریعت نورانی آپس میں ضدین نہیں ہیں۔ دونوں میں مناسبت ہے۔ اور خواہش نفس کا تابع شریعت ہوجانا دشوار نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ یہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص سہمی قرشی ہیں۔ اپنے والد سے قبل حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ اور ان کے والد حضرت عمرو بن العاص ان سے صرف تیرہ ۱۳ سال بڑے تھے۔ ایک قول بارہ ۱۲ کا بھی ہے۔ زبردست عالم، عابد اور حافظ قرآن تھے۔ پڑھنا لکھنا خوب جانتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حدیث لکھنے کی اجازت چاہی آپنے اجازت مرحمت فرمائی تو انہوں نے احادیث لکھنے کا سلسلہ شروع کیا، اور ایک ضخیم کتاب تیار کردی جس کا نام انہوں نے صادقہ رکھا تھا۔ یہ کتاب ان کو اس قدر عزیز تھی کہ وہ خود فرمایا کرتے تھے ـــــ

"ما یرغبنی فی الحیٰوۃ الا الصادقۃ والوھط" (مجھے زندگی کی رغبت یہ دو چیزیں دلاتی ہیں، ایک صادقہ دوسرے وہط) صادقہ وہ صحیفہ جس میں انہوں نے احادیث نبوی جمع فرمائی تھیں، اور وہط وہ زمین تھی جس کو انہوں نے راہ خدا میں وقف کردیا تھا، اور اس کا انتظام اور دیکھ بھال خود ہی کرتے تھے) یہ صحیفہ ان کی وفات کے بعد ان کے پوتے شعیب بن محمد بن عبد اللہ کو ملا تھا۔ عمرو بن شعیب اس نسخہ کو اپنے والد شعیب سے روایت کرتے تھے۔ ان کی وفات میں مختلف اقوال ہیں ایک قول یہ ہے کہ واقعہ حرہ (ذی الحجہ ۶۳ھ) میں وفات پائی۔ دوسرا قول ۷۳ھ کا ہے۔ تیسرا قول یہ ہے ۶۷ھ میں مکہ معظمہ میں رحلت فرمائی۔ چوتھا قول یہ ہے کہ طائف میں ۵۵ھ میں انتقال ہوا۔ پانچواں قول مصر میں ۶۵ھ وفات ہوئی۔ واللہ اعلم۔

یعلی ابن عطاء اپنی والدہ سے نقل کرتے ہیں کہ وہ عبد اللہ بن عمرو کے لئے سُرمہ تیار کیا کرتی تھیں۔ کیونکہ روتے روتے اُن کی آنکھیں خراب ہوگئی تھیں۔ عادت مبارکہ تھی کہ شب بیداری کرتے اور چراغ بجھا کر راتوں عبادت میں مصروف رہتے اور خوب روتے تھے۔ رضی اللہ عنہ

---

(۱۳) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ

حضرت انسؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپنے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اسوقت

حَتّٰى يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ۔ (بخاری شریف ص۶ج۱)

تک مومن نہ ہوگا جبتک کہ وہ اپنے بھائی کے لئے وہ چیز پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

لغات لِاَخِیْهِ اَخٌ اَخُوٌ ساتھی، بھائی، دوست۔ تثنیہ اَخَوَانِ ج اِخْوَۃٌ، اِخْوَانٌ، اَخُوْنٌ وآخَاءٌ۔ بعض کہتے ہیں کہ اِخْوَانٌ اس اَخ کی جمع ہے جو دوستی کے لحاظ سے بھائی کے معنی میں ہے۔ اور اَلْاِخْوَۃُ اس اَخ کی جمع ہے جو نسبی بھائی کے معنی میں ہو۔ اُخْتٌ بہن ج اَخَوَاتٌ، اَخَا یَاخُوْ اُخُوَّۃً (ن) بھائی یا دوست بننا۔ تَاَخّیٰ بھائی بنانا، بھائی کہہ کر پکارنا۔

ترکیب لَایُؤْمِنُ فعل اَحَدُکُمْ فاعل یُحِبَّ لِاَخِیْهِ یُحِبُّ فعل، ضمیر غائب راجع بسوئے اَحَد فاعل لِاَخِیْهِ متعلق مَا موصولہ یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ جملہ فعلیہ صلہ مفعول بہ، یُحِبُّ اپنے فاعل و متعلق و مفعول بہ سے ملکر بتاویل مفرد مجرور حَتّیٰ پھر متعلق لَایُؤْمِنُ کے جملہ فعلیہ مقولہ۔

تشریح ارشاد ہے کہ مسلمان جبتک اپنے بھائیوں کے لئے ان چیزوں کا خواہشمند نہو جو وہ اپنے لئے پسند کرتا ہے، اسوقت تک اس کو کمال ایمان نصیب نہو گا۔ وہ چیز خواہ دنیا سے متعلق ہو یا آخرت سے۔ مثلاً رزقِ حلال کی آپ کو تلاش ہے یا آپ کو رزقِ حلال حاصل ہے تو اوروں کے لئے بھی اس کی تمنا اور کوشش کریں کہ ان کو بھی رزقِ حلال حاصل ہو۔ آپ کو اقتدار حاصل ہے تو دوسروں کے لئے بھی ان کے حسب حال اس کی جدوجہد کریں۔ آپ کو خدا نے علمی لیاقت یا عملی توفیق عطاء فرمائی ہے، یا اور کسی قسم کی قابلیت یا دین و دنیا کی دولت دی ہے تو آپ دوسروں کے لئے بھی اس کی تمنا اور سعی کریں۔ کہ دوسرے آپ کے ابنائے جنس بھی ان انعاماتِ خداوندی سے مستفیض ہوں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح خیر اور بھلائی کی تمنا اپنے لئے کیجائے اسی طرح دوسروں کے لئے بھی ہونی چاہئے۔ ایمان کا تقاضا یہی ہے۔ بعض شراح حدیث فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ترکِ حسد کی تاکید ہے۔ عموماً امورِ خیر میں لوگ حسد کیا کرتے ہیں حاسد کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ محسود علیہ سے یہ چیز چھن جائے۔ کیونکہ انسان یہ دیکھنا پسند نہیں کرتا کہ اس کے ابنائے جنس میں سے کوئی اس سے بڑا ہو۔ چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا کہ مؤمن کا کام حسد نہیں ہے، یہ تو شیطانی کام ہے کہ اس نے حضرتِ آدمؑ پر حسد کیا تو اللہ نے ہمیشہ کے لئے اس کو ملعون و راندۂ درگاہ کر دیا۔ حاسد در اصل تقسیم خداوندی پر راضی نہیں۔ اور اللہ سے بدگمان بھی ہے۔ کہ اس کے خزانوں کو محدود سمجھتا ہے۔ کیونکہ یہ بارگاہِ اُلوہیت میں سخت گستاخی کرتا ہے۔

ے حسد تمنائے زوالِ نعمتِ غیر کا نام ہے۔ اور غبطہ (رشک) تمنائے حصول مثلِ نعمت غیر کو کہتے ہیں۔ حسد ناجائز اور شیطانی کام ہے۔ اور غبطہ جائز ہے۔ ۱۲ ن

اسلئے بسا اوقات ایمان سے محروم کردیا جاتا ہے۔ تو لَا یُؤْمِنُ کے معنی مؤمن نہ رہیگا ہوں گے۔ اور اس صورت میں نفی اصلِ ایمان کی ہوگی۔ اور پہلی صورت میں نفی کمالِ ایمان کی ہوگی۔

یاد رکھیئے کہ اَخ سے متبادر الی الذہن اَخِ مسلم ہے۔ مگر یہاں مسلم و ذمی بلکہ تمام انسان مُراد ہیں کیونکہ ذمیوں کا حکم دارالاسلام میں مسلمانوں کا سا ہوتا ہے۔ اور دوسرے انسانوں کے لئے اس جذبہ کا حکم ولزوم دوسری حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد ہے وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا۔ (مشکوٰۃ کتاب الرقاق)

یہ بھی یاد رکھیئے کہ ایمان کیلئے صرف اسی وصفِ خاص کا پیدا ہوجانا کافی نہیں۔ بلکہ اور تمام شرائطِ ایمان کے ساتھ یہ وصف وجہِ فضیلت وکمال شمار ہوگا۔

سُوَال :۔ حدیث سے معلوم ہوا کہ مؤمن جو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ اس کو دوسروں کیلئے بھی پسند کرنا چاہیئے۔ مثلاً مرغ کھاتا ہے تو دل میں کم از کم یہ خواہش رکھے کہ یہ غذا اوروں کو بھی ملے۔ لیکن اگر اس کے پاس ایک ایسی حسین وخوبصورت بیوی ہے جس پر وہ دل وجان سے عاشق ہے۔ اور شب وروز اس سے لطف اندوز ہوتا ہے تو کیا وہ اس بات کی بھی خواہش کرے کہ اس سے دوسرے لوگ بھی لطف اندوز ہوں؟ حالانکہ یہ بہت بڑا جرم ہے۔

جَوَاب :۔ یہ سوال بعض بیوقوف طلبہ کا ہے۔ یہ سمجھیئے کہ اس نعمت وعطاء میں شرکت مُراد نہیں بلکہ یہ آرزو ہونی چاہیئے کہ جیسی عمدہ غذا اور پسندیدہ بیوی مجھ کو ملی ہے۔ ایسی ہی عمدہ غذا اور پسندیدہ بیوی اوروں کو بھی نصیب ہو۔

سُوَال :۔ قرآن پاک نے نیک لوگوں کی دعاء نقل کی ہے " وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا " (اور ہم کو پرہیزگاروں کا امام بنادے) امامت ایک خاص چیز ہے۔ اگر اس میں عمومیت ہو یعنی سب امام بنیں تو پھر مقتدی کون رہیگا۔ یہ خصوصیت ہی ختم ہوجائے گی تو اس کے مثل کی تمنّا کیسے ہوگی؟ اسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے لئے مقامِ محمود ووسیلہ کی دعاء کیا کرو۔ مجھے امید ہے کہ اس کا مستحق صرف میں ہوں گا۔ یعنی آپ نے دوسروں کی شرکت کو اس میں پسند نہیں کیا۔ بلکہ بعض پیغمبروں نے تو شرکت کا صراحۃً انکار کردیا۔ مثلاً حضرت سلیمان علیہ السّلام کی دعاء ہے۔ " رَبِّ هَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْ بَعْدِيْ۔ (اے اللہ مجھے ایسی سلطنت عطاء فرمادیجئے جو میرے سوا کسی کے لئے مناسب نہو) اس میں صراحت ہے کہ ایسی امتیازی شان وشوکت والی حکومت مجھے ملے اور کسی کو نہ ملے۔ اس دعاء کے احترام ہی میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جن کو پکڑ کر چھوڑ دیا تھا جس نے آپ کی نماز میں خلل اندازی کرنی چاہی تھی۔

جَوَاب :۔ یہ آپ کو معلوم ہوچکا ہے کہ اس حدیث کا منشاء یہ نہیں کہ ہر چیز میں شریک رکھنے

کی تمنا کی جائے خواہ وہ خصوصیات ہی کیوں نہوں۔ ماقبل کے بیان میں غور کرنیسے آپ یہ بات بخوبی سمجھ جائیں گے۔ مثلاً مقام محمود صرف ایک خاص مقام ہے جو اللہ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرمادیا ہے۔ اور امت کو دعا کرنیکا حکم صرف ثواب اور شفاعت کے استحقاق میں داخل ہونے اور حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا اقرار و اعتراف کرنے کے لئے ہے خصوصیات عقلاً اور نقلاً قضیۂ حدیث سے خارج ہیں۔ نیز بعض چیزوں میں شرکت کی گنجائش ہی نہیں ہوتی۔ جیسے امام بننا، حاکم بننا وغیرہ کہ ان میں تعدد و شرکت کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اور یہ منجانب اللہ خصوصیات ہیں۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں میں (معاذ اللہ) کرسی اور اقتدار کی طلب نہیں ہوتی۔ بلکہ اس میں بھی دوسروں کے لئے خیر و ہدایت اور بھلائی پوشیدہ ہوتی ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت جو حیوانات اور جنات پر بھی تھی، یہ اُن کا ایک معجزہ تھا۔ اور وہ اہل دنیا کی ہدایت کے لئے ان کے سامنے اس کو پیش کرنا چاہتے تھے۔ اسی طرح مقام محمود کا اصل مقصد اولین و آخرین کی اس مشکل کو حل کرنا ہے جس سے تمام انبیاء و مرسلین صاف جواب دیدیں گے۔ یہ منصب حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے حق تعالیٰ نے پہلے ہی سے طے فرماکر آپ کی خصوصیات میں داخل کردیا ہے غرض حدیث کا منشاء یہ نہیں ہے کہ خصوصیات کا بھی خیال نہ کیا جائے۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ جس طرح اپنی ذات کے لئے دُنیوی و اُخروی امور خیر کی تمنا اور خواہش ہر شخص کرتا ہے اسی طرح اگر کوئی مُسلمان تمام ابنائے جنس کے لئے اپنے اندرون میں یہ جذبہ پیدا کرلے تو وہ مؤمن کامل ہوگا۔ ورنہ کمال ایمان حاصل نہ ہوسکیگا۔ اور یہ صفت اسی وقت پیدا ہوسکتی ہے جبکہ سینہ حسد، بغض، کینہ اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک و صاف ہوجائے۔ گویا اس ایک ہی صفت کا ظہور بہت سے کمالات کے ثبوت اور بہت سے عیوب کے ازالہ کا محتاج ہے۔ اسی لئے اس صفت کو حقیقت ایمان اور حصول جنت کا موقوف علیہ قرار دیکر کمال ایمانی کا معیار اس کو مقرر فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ کمال محبت یہ ہے کہ محبوب کے متعلقین بھی محبوب ہوجائیں۔ اور سب اللہ کے بندے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمتی ہیں۔ اور اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے اصل محبوب ہیں۔ اور محبوب کی خیر خواہی محبت کا تقاضا ہے۔ (فافهم)

(۱۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان کی ستر سے کچھ

وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَدْنَاهُ اِمَاطَةُ الْاَذٰى

زیادہ شاخیں ہیں ان میں سب سے افضل لا الٰہ الّا اللہ کہنا ہے اور سب سے معمولی کسی تکلیف دینے والی چیز

عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ۔ (مسلم شریف ص۴۷ ج۱)
کا راستہ سے ہٹا دینا ہے اور حیا ایمان کی ایک بڑی شاخ ہے۔

لغات

بِضْعٌ۔ اس کا اطلاق تین سے نو تک کی تعداد پر آتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ایک سے نو تک، بعض کا قول ہے چار سے نو تک۔ اور بھی اقوال ہیں۔ مثلاً (۱) تین سے دس تک۔ (۲) پانچ تک (۳) ایک سے چار تک (۴) چار سے نو تک وغیرہ وغیرہ۔ بَضَعَ بَضْعًا (ف) کاٹنا، چیرنا، نشتر لگانا۔ بُضُوْعًا سمجھنا، واضح ہونا، اکتا جانا، تنگدل ہونا۔ اِفعال سے واضح طور سے بیان کرنا۔ سرمایہ بنانا۔ اَدْنٰی قریب تر، کمتر۔ مِنَ الدُّنُوِّ والدَّنَاءَۃ مَرَّ تحقیقہٗ فی حدیث النیۃ۔ اِمَاطَۃٌ جدا کرنا۔ دور کرنا، لیجانا، ظلم کرنا۔ ای الازالۃ مَاطَ يَمِيْطُ مَيْطًا مَيَطَانًا (ض) دور ہونا۔ جدا ہونا۔ والإمَاطَۃُ مصدر بمعنی المؤذی او مبالغۃ او اسمٌ لِمَا یؤذی کشوکۃ او حجرٍ او قذرٍ۔ الأَذٰی تکلیف۔ رنجش، تکلیف دہ چیز۔ اَذِیَ اَذًی (س) تکلیف پانا۔ افعال سے متعدی والحیاءُ شرم وھو نوعانِ نفسانی وایمانی فالنفسانی الّذی خلقہ اللہ فی النفوس ھو تغیّرٌ وانکسارٌ یعتری المرءَ من خوفِ مَا یُلَامُ ویعابُ علیہ۔ والحیاءُ الایمانی خلق یمنع الشخصَ من الفعلِ القبیحِ بسبب الایمانِ کالحیاءِ من کشفِ العورۃِ والجماع بین الناسِ۔ حَيِيَ يَحْيٰى حَيَاۃً (س) زندہ رہنا وحَيَاءً منقبض ہونا۔ اس میں ایک لغت اِدغام سے بھی ہے حَيَّ يَحَيُّ حَيَاءً (س) شرم کرنا۔

ترکیب

اَلْاِيْمَان مبتدا بِضْعٌ معطوف علیہ وَسَبْعُوْنَ معطوف دونوں ملکر ممیز۔ شُعْبَۃً تمیز۔ ممیز تمیز خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔ افضلُھَا مرکب اضافی مبتدا۔ قَوْلُ مضاف۔ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مضاف الیہ خبر۔ جملہ اسمیہ۔ اَدْنَاھَا مبتدا۔ اِمَاطَۃ مصدر مضاف الاذٰی مضاف الیہ مفعول۔ عن الطریق۔ متعلق اماطۃ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔ الحیاءُ مبتدا شعبۃ اپنے متعلق مِنَ الایمان سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔

تشریح

بخاری شریف کتابُ الایمان میں بضع وسبعون کے بجائے بضع وستون کا لفظ ہے۔ اور بعض روایات میں اربع وستون کا لفظ ہے۔ اور بھی مختلف الفاظ ہیں۔ ملّا علی قاریؒ اور علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ تحدید مقصود نہیں۔ بلکہ ان مختلف الفاظ سے تکثیر مراد ہے۔ یعنی ایمان کی بہت سی شاخیں ہیں۔ بعض حضرات نے اس کو تحدید پر حمل کیا ہے یعنی معین عدد مُراد ہے۔ ان کو کئی دشواریاں لاحق ہوئیں۔ (۱) ستون اور سبعون کا تعارض۔ اس بارے میں انہوں نے کہا

کہ ہوسکتا ہے جب پہلی بار فرمایا تو ستون فرمایا۔ بعد میں کچھ شعبوں کا اضافہ ہوگیا تو آپنے سبعون ارشاد فرمایا۔ یا جب دو عدد ہیں تو زائد کو لیا جائیگا۔ کیونکہ زائد میں ناقص بھی موجود ہے۔ اور اقل میں اکثر کی نفی نہیں ہوتی۔ یہ روایت صحیح ابن عوانہ میں شک کیساتھ آئی ہے۔ (بضع وستون او سبعون شعبۃ) اور مسلم میں اسی طرح شک کیساتھ اور بلا شک بھی وارد ہوئی ہے۔ البتہ سُنن میں یہ روایت سبعون بلا شک وارد ہوئی ہے۔ اسی بنا پر سبعون والی روایت کو ترجیح دیتے ہیں۔ علامہ نوویؒ نے اسی کو پسند کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ ثقات کی زیادتی ہے۔ جس کو قبول کیا جائیگا۔ بعض دوسرے حضرات ستون والی روایت کو اس لئے ترجیح دیتے ہیں کہ وہ اقل اور متیقن ہے۔ اسی کو قاضی عیاضؒ نے پسند کیا ہے۔ علامہ عینیؒ نے اس موقع پر ستون اور سبعون میں ایک نکتہ بیان کیا ہے کہ عدد کی تین قسمیں ہیں۔ زائد۔ ناقص۔ تام۔ عدد زائد وہ ہے کہ جس کے اجزاء کا مجموعہ اسپر زائد ہو۔ مثلاً ۱۲ کہ اس کا نصف (۶) ثلث (۴) ربع (۳) سدس (۲) نصف سدس (۱) کا مجموعہ ۱۲ سے زائد (۱۶) ہے۔
عدد ناقص جس کے اجزاء اس کے کل سے کم ہوں۔ جیسے چارؔ اس کے اجزاء دو ہیں۔ نصف (۲) ربع (۱)۔ مجموعہ (۳) ہوتا ہے۔ جو چار سے کم ہے۔
عدد تام۔ جس کے اجزاء کا مجموعہ کل کے برابر ہو۔ جیسے چھؔ کہ اس کے تین جزء ہیں۔ نصف (۳) ثلث (۲) سدس (۱)۔ کل مجموعہ چھ ہوا۔ تو چھ کا عدد تام ہوا۔ اور جب اس میں مبالغہ کیا تو آحاد کو عشرات بنادیا یعنی چھ کے ساٹھ ہوگئے۔ اور پھر تکثیر وابہام کے لئے بضع کا مزید اضافہ کردیا۔
اور سبعون میں یہ نکتہ ہے کہ عدد سبع ایسا عدد ہے جس میں فرد۔ فرد اول۔ فرد مرکب۔ زوج۔ زوج اول زوج مرکب۔ عدد منطق۔ عدد اصم سب ہی طرح کی تقسیمات جاری ہوسکتی ہیں۔ اسلئے سات کے عدد کو اختیار کرکے مبالغہ کے لئے آحاد کو عشرات کیا گیا۔ تو عدد سبعون ہوگیا۔ لہٰذا ستون کی صورت میں بضع کا مفہوم ستؔ ہوگا۔ اور سبعون کی صورت میں سبعؔ۔ کیونکہ اوّل میں ستؔ کو اصل مانا گیا اور ثانی میں سبعؔ کو۔ فافہم فانہا لطیفۃ ولیس بشئ۔

ایمان کے شعبے

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے اِن شاخوں کی تفصیل بیان کرنیکا اہتمام اجتہاداً کیا ہے۔ حالانکہ اس مقدار کی خصوصی تفصیل معلوم نہونے سے ایمان میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ جبکہ ایمان کے سب اصول وفروع معلوم ہیں۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ اس تعداد کی تفصیل اللہ اور اس کے رسول کے علم میں ہے اور شریعت کے علم میں بھی موجود ہے۔ لیکن متعین طور پر اس کا معلوم نہونا مضر نہیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ ایمان کی شاخوں میں سب سے اعلیٰ توحید کو قرار دیا گیا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ

سب سے بلند اسی کا درجہ ہے۔ اور سب سے نیچے تکلیف دہ چیز کا راہ سے ہٹا دینا ہے۔ باقی تمام شاخیں ان دونوں کے درمیان ہیں جن کی تفصیل معلوم ہونا ضروری نہیں۔ ان پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے۔ جیساکہ فرشتوں، رسولوں وغیرہ پر اجمالی ایمان کافی ہوتا ہے۔ اس بارے میں روایات میں بہت اختلاف ہے، اور متعدد روایات میں سَتتّر کا عدد آیا ہے۔ نیز محدثین کی ایک جماعت نے شعب ایمان کی تفصیلات میں مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔

چنانچہ عبداللہ حلیمیؒ نے "فوائد المنہاج"، امام بیہقیؒ نے "شعب الایمان"، شیخ عبدالجلیلؒ نے "شعب الایمان"، اسحاق بن قرطبیؒ نے "کتاب النصائح" اور امام ابوحاتم بن حبان بستیؒ نے "موصف الایمان وشعبہ" اسی مضمون میں تصنیف فرمائی ہیں۔ امام ابوحفص عمر القزوینیؒ نے امام بیہقی کی تصنیف "شعب الایمان" کی تلخیص بھی کی ہے۔ اور اس کا نام "مختصر شعب الایمان" رکھا ہے۔ شراح بخاری نے انہیں مختلف تصانیف سے تلخیص کرتے ہوئے ان شاخوں کو مختصر طور پر جمع فرمایا ہے۔ جن کا حاصل یہ ہے کہ دراصل ایمان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ اقرارٌ باللسان۔ تصدیقٌ بالجنان۔ عملٌ بالارکان۔ ایمان کی سب شاخیں ان ہی تین قسموں میں داخل ہیں۔

پہلی قسم (جن کا تعلق زبان سے ہے) اس کے سات شعبے ہیں (۱) کلمہ طیبہ کا پڑھنا (۲) تلاوت کلام اللہ (۳) علم سیکھنا (۴) دوسروں کو علم سکھانا (۵) دعا کرنا (۶) اللہ کا ذکر جس میں استغفار بھی داخل ہے۔ (۷) لغو باتوں سے بچنا۔

دوسری قسم (جن کا تعلق نیت واعتقاد اور عملِ قلبی سے ہے) اس کا خلاصہ تیس چیزیں ہیں۔ (۱) اللہ پر ایمان لانا جس میں اس کی ذات وصفات، وحدانیت ولاشریک لہٗ، اور بے عیب ہونے کا یقین کرنا بھی داخل ہے۔ (۲) اس کا یقین کہ اللہ کی ذات قدیم اور ساری مخلوق حادث ہے۔ (۳) فرشتوں پر ایمان لانا (۴) اللہ کی نازل کی ہوئی کتابوں پر ایمان لانا (۵) اللہ کے رسولوں پر ایمان لانا۔ (۶) تقدیر پر ایمان لانا۔ (۷) قیامت کے حق ہونے پر ایمان لانا جس میں قبر کے سوال وجواب، قبر کا عذاب، مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا، حساب، وزنِ اعمال، پل صراط پر گذرنا۔ یہ جملہ امور داخل ہیں (۸) جنت کا یقین کرنا اور یہ کہ اہلِ ایمان اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ (۹) جہنم اور اس کے سخت عذابوں کا یقین کرنا (۱۰) اللہ سے محبت رکھنا (۱۱) اللہ کے واسطے نیکوں سے محبت اور نافرمانوں سے بغض رکھنا (۱۲) رسولِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنا۔ آپ کی تعظیم واتباع کرنا، اور آپ پر دُرود بھیجنا بھی اسی میں داخل ہے۔ (۱۳) اخلاص اختیار کرنا۔ ریا ونفاق سے پرہیز بھی اسی میں آگیا۔ (۱۴) سچی توبہ کرنا (۱۵) اللہ کا خوف کرنا (۱۶) اللہ کی رحمت کا امیدوار رہنا۔ (۱۷) اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا (۱۸) شکرگذاری (۱۹) وفاء (۲۰) صبر (۲۱) تواضع جس میں بڑوں کی تعظیم بھی داخل ہے۔

(۲۲) شفقت ورحمت جس میں بچوں پر مہربانی کرنا بھی ہے۔ (۲۳) مقدر پہ راضی رہنا (۲۴) توکل (۲۵) خود بینی وخود ستائی ترک کرنا۔ اس میں اصلاحِ نفس بھی داخل ہے۔ (۲۶) کینہ ،غلش اور حسد نہ رکھنا۔ (۲۷) حیا (۲۸) اپنے نفس کے لئے غصہ نہ کرنا (۲۹) مکروفریب نہ کرنا۔ اسمیں بدگمانی نہ کرنا بھی داخل ہے۔ (۳۰) دنیا کی ناجائز محبت دل سے نکال دینا جس میں مال وجاہ کی محبت بھی ہے۔

تیسری قسم (وہ امور جن کا تعلق باقی حصۂ بدن سے ہے) یہ کل چالیس ہیں۔ جو تین حصوں پر منقسم ہیں۔

پہلا حصہ۔ جن امور کا خود اپنی ذات سے تعلق ہے۔ وہ کل سولہ شاخیں ہیں۔ (۱) پاکی حاصل کرنا۔ جس میں بدن کی پاکی، کپڑے کی پاکی، جگہ کی پاکی اور وضو اور حیض ونفاس وجنابت کا غسل بھی داخل ہے۔ (۲) نماز کا قائم کرنا (اقامتِ صلوٰۃ کا مفہوم یہ ہے کہ صحیح طور پہ صحیح اوقات میں پوری زندگی نماز کی پابندی کرنا۔ اور نصوص میں اسی کا مطالبہ ہے۔ (۳) صدقہ جس میں زکوٰۃ، صدقہ فطر، نفقاتِ واجبہ، مہمان نوازی، اطعامِ طعام، تحریرِ رقبہ اور داد ودہش سب ہی آگئے۔ (۴) روزہ رکھنا فرض ہو یا نفل (۵) حج کرنا فرض ہو یا نفل، عمرہ وطواف بھی اسی میں ہے (۶) اعتکاف کرنا، لیلۃ القدر کا تلاش کرنا بھی اسی میں ہے۔ (۷) دین کی حفاظت کے لئے گھر چھوڑنا، ہجرت بھی اس میں داخل ہے۔ (۸) نذر کا پورا کرنا (۹) قسموں کی نگہداشت رکھنا۔ (۱۰) کفاروں کا ادا کرنا۔ (۱۱) نماز میں اور نماز کے علاوہ ستر کو چھپانا۔ (۱۲) قربانی کرنا اور قربانی کے جانوروں کی خبرگیری واہتمام کرنا۔ (۱۳) جنازہ کا اہتمام اور اس کے جملہ امور کا انتظام کرنا۔ (۱۴) قرض ادا کرنا (۱۵) سود سے بچتے ہوئے معاملات درست رکھنا (۱۶) سچی بات کی گواہی دینا، حق کو نہ چھپانا۔

دوسرا حصہ۔ وہ چیزیں جن کا تعلق دوسروں کے ساتھ برتاؤ سے ہے۔ اسکی چھ شاخیں ہیں۔ (۱) نکاح کرکے حرام کاری سے بچنا۔ (۲) اہل وعیال، خادموں اور نوکروں کے حقوق ادا کرنا۔ (۳) والدین کے ساتھ اچھا سلوک کرنا، نرمی برتنا، فرمانبرداری کرنا۔ (۴) اولاد کی اچھی تربیت کرنا۔ (۵) صلہ رحمی کرنا۔ (۶) بڑوں کی اطاعت کرنا۔

تیسرا حصہ۔ وہ عام حقوق ہیں جن کی اٹھارہ شاخیں ہیں۔ (۱) عدل کے ساتھ حکومت کرنا (۲) حقانی جماعت کا ساتھ دینا۔ (۳) حکام کی اطاعت کرنا (بشرطیکہ خلاف شرع حکم نہو) (۴) آپسی معاملات کی اصلاح کرنا۔ جس میں مفسدوں کو سزا دینا اور باغیوں سے جہاد کرنا بھی داخل ہے۔ (۵) نیک کاموں میں دوسروں کی مدد کرنا (۶) نیک کاموں کا حکم کرنا اور بری باتوں سے روکنا۔ وعظ وتبلیغ بھی اس میں داخل ہیں۔ (۷) حدود کا قائم کرنا۔ (۸) جہاد کرنا جس میں مورچوں کی حفاظت بھی داخل ہے۔ (۹) امانت کا ادا کرنا جس میں مالِ غنیمت کا خمس بھی داخل ہے۔ (۱۰) قرض دینا اور قرض ادا کرنا (۱۱) پڑوسیوں کا حق ادا کرنا اور ان کا اکرام کرنا۔ (۱۲) معاملہ

اچھا کرنا۔ جائز طریقہ سے مال جمع کرنا۔ (۱۳) اسراف وبخل سے بچتے ہوئے مال کو جائز مصرف میں خرچ کرنا۔ (۱۴) سلام کرنا۔ سلام کا جواب دینا۔ (۱۵) چھینکنے والے کو یَرْحَمُکَ اللہ کہنا۔ (۱۶) اوروں کو اپنے نقصان اور ایذا سے محفوظ رکھنا۔ (۱۷) لہو ولعب سے بچنا۔ (۱۸) راستہ سے تکلیف دہ چیز کا دور کرنا۔ یہ کل ستتر شاخیں ہوئیں۔ ان میں سے بعض شاخوں کو دوسری شاخوں میں داخل کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً اچھا معاملہ (۱۲) میں مال کا جمع کرنا اور خرچ کرنا دونوں داخل ہو سکتے ہیں۔ غور کرکے اور اعداد کو بھی کم کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ستتر والی روایت یا ستر سٹھ والی روایت کے تحت بھی یہ پوری تفصیل آسکتی ہے۔

فائدۃ قولُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ ای ھٰذا الذکر فوضعَ موضعہٗ ویؤیدہٗ ما وردَ افضلُ الذکرِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ لا موضع الشھادۃ لانہا من اصلہٖ لا من شعبہٖ۔ ف التصدیق القلبی خارجٌ عنہا بالاجماع اذا جُعل الاقرار شطر الایمان واما اذا جعل شرطہٗ فلا مانع من ان یکون المُراد بالقول الشھادۃ ویجوز ان یکون المُراد من حیث عصمۃِ الدِّمَاءِ والاَمْوَالِ فقط لان القول بہا لایکون افضل من الصَّومِ والصَّلٰوۃِ۔ وَ اَدْنَاھَا ای اقربہا منزلۃً واَدْوَنہا مقداراً اومرتبۃً واَسْھلہا تواصلاً اِمَاطَۃُ الْاَذٰی قال الحسنؒ فی تفسیر الابرار ھم الذین لایؤذون الذّرّ ولایرضون الضرَّ عَنِ الطَّرِیْقِ قال اھل الطریق ارید بالاذی النفس التی ھی منبع الاذی لصاحبہا۔ فالشعبۃ الاولی مِنَ العبادات القولیۃ والثانیۃ من الطاعات الفعلیۃ او الاولی فعلیۃ والثانیۃ ترکیۃ او الاولی من التعظیم لامر اللہ والثانیۃ من الشفقۃ علٰی خلق اللہ فمن قام بہما صدقًا کان من الصٰلحین حقًا وھٰذا الحدیث الجلیل مجمل حدیث جبرئیل فافضلھا مشیرٌ الی الایمانِ وادناھا مشیرٌ الی الاِسلامِ والحیاءُ مؤمٍ الی الاحسان۔ فافہم ولاتکن من الغافلین۔

حدیث کا مطلب امام ابو حاتمؒ فرماتے ہیں کہ میں اس حدیث کا مطلب مدت تک سوچتا رہا عبادتوں کو شمار کرتا تو ۷۷ سے بہت زیادہ ہو جاتیں۔ احادیث کو تلاش کرکے ان حدیثوں کو دیکھا جن میں ایمان کی شاخوں کا ذکر ہے تو ۷۷ کی تعداد پوری نہ ہوتی۔ قرآن مقدس میں ان چیزوں کو شمار کیا جو ایمان کی شاخیں ہو سکتی ہیں تب بھی شمار ۷۷ تک نہ پہونچی۔ پھر میں نے قرآن اور حدیث دونوں کی مذکورہ ایمانی شاخوں کو شمار کیا اور مکررات کو حذف کرکے دیکھا تو میزان پوری ۷۷ آئی۔ تو میں سمجھا کہ حدیث کا مفہوم یہی ہے۔

اس حدیث پاک میں انسان کے ایمان کی موت وحیات کے معیار کو بیان کیا گیا کہ ایمان صرف

ایک ایسی خشک تصدیق کا نام نہیں ہے جس میں عملِ صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے۔ بلکہ وہ اس تروتازہ یقین کا نام ہے جس میں اعمالِ صالحہ کی بے شمار شاداب شاخیں سدا پھوٹتی رہتی ہیں۔ اس پر عبادات کے رنگ برنگ پھول کھلتے ہیں۔ اور ایسے ایسے نفع بخش اعمال کی بہاریں مسکراتی ہیں کہ کسی رہگذر سے کانٹا ہٹا دینا بھی ایک ادنیٰ ترین عمل شمار ہوتا ہے۔ گویا انسان ہمدردی و غمخواری کا ایسا ایک پیکر بنجاتا ہے کہ اگر کسی کے پیر میں کانٹا بھی چُبھے تو اس کی چبھن یہ اپنے قلب میں محسوس کرتا ہے۔ ایسا ایمان زندہ ایمان ہے۔ لیکن جس ایمان میں عملِ صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے۔ خدا کی مخلوق کے درد کا اس میں کوئی احساس نہو۔ اور باہم انس و محبت کی اس میں کوئی لہر نہ دوڑے، وہ زندہ ایمان نہیں مُردہ ہے۔ قلبی تصدیق اور زبانی اقرار بلاشبہ ایمان کے بڑے رکن ہیں لیکن یہ اسی وقت حقیقت سے لبریز سمجھے جائیں گے جبکہ اعضاء و جوارح نیکی کے لئے مضطرب ہوں۔ اور اعمال کی سبز شاخیں زندگی کی فضاء میں جھومتی نظر آئیں۔ اگر ایسا نہیں تو وہ تصدیق قلبی ایک درخت خشک ہے۔ اور ایک بے جان حقیقت ہے۔ الغرض یہ ایمان کے شعبے اس بات کی دلیل ہیں کہ مؤمن کا ایمان زندہ ہے یا اس کی روح نکل چکی ہے۔ اور اسی حقیقت پر اشارہ کرنے کے لئے حدیثِ بالا میں شعبہ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ جس کے معنی درخت کی ٹہنی اور شاخ کے ہوتے ہیں۔

اسی مضمون کو قرآن پاک نے ایک اور بلیغ انداز میں ادا کیا ہے۔ اَلَمْ تَرَ كَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً كَشَجَرَةٍ طَيِّبَةٍ اَصْلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرْعُهَا فِي السَّمَآءِ ۝ تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا ه آیتِ مذکورہ میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ مگر اس درخت سے نہیں جس پر پھول پھل کی کوئی رونق نہو۔ یا اس پر بہار آئے تو سال میں صرف ایک ہی بار آئے بلکہ اس درخت سے جو سدا بہار اور ناآشنائے خزاں ہو۔ قیدِ موسم سے آزاد ہو کر ہمیشہ پھولوں، پھلوں سے لدا رہے۔ اب آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ مذکورہ بالا ایمان کے شعبے اصل ایمان (تصدیق کے ثمرات و برکات اور اس کے زندہ ہونے کی علامات ہیں۔

ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس حدیث کی روشنی میں اپنے شب و روز کا جائزہ لیا کرے۔ اور اس کا اندازہ کیا کرے کہ اس کا ایمان اعمالِ صالحہ کا کتنا تقاضا کر رہا ہے۔ اس میں نیکی کی کتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں۔ اور کونسی ایسی شاخ ہے جس کا پھوٹنا ابھی باقی ہے۔

ه ترجمہ:۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کی کیسی مثال بیان فرمائی ہے۔ وہ مشابہ ہے ایک پاکیزہ درخت کے جسکی جڑیں خوب جمی ہوں اور شاخیں بلندی میں جارہی ہوں (اور وہ درخت سدا بہار) ہر موسم میں اپنے رب کے حکم سے پھل دیتا ہو۔ ۱۲ ن

الحیاءُ شعبةٌ من الایمان

حیار کی دو قسمیں ہیں۔ ایک خلقی۔ دوسری کسبی۔

(۱) حیاءِ خلقی پیدائشی اخلاق میں شمار ہے۔ اس میں انسان کے کسب کو کچھ دخل نہیں لیکن حیاء وشرم چونکہ ایسی صفت ہے جو اچھے اخلاق پر اُبھارتی اور بُرے اخلاق سے روکتی ہے اسلئے یہ فطری صفت بھی ایمانیات میں اہم چیز شمار کی گئی ہے۔ حدیث میں ہے الحیاء لایاتی الا بخیر وفی روایة الحیاءُ خیرٌ کلّہ (شرم کا نتیجہ بہتر ہی بہتر ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ شرم وحیاء تو سب ہی بہتر ہوتی ہے) اس میں فطری حیاء ہی کا ذکر ہے۔

(۲) حیائے کسبی۔ بڑے مجاہدوں کے بعد پیدا ہوتی ہے۔ جو اللہ کی معرفت اور اس کے جلال وعظمت اور تصورِ قرب سے پیدا ہوتی ہے۔ یہ ایمان کا عظیم شعبہ بلکہ احسان کا اعلیٰ درجہ ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حیاء کی دو قسمیں ہیں۔ حیائے نفسانی اور حیائے ایمانی۔ ملامت وعیب کے اندیشہ سے جو ایک انفعال وتغیر لاحق ہوتا ہے اس کو حیائے نفسانی کہتے ہیں۔ اور حیائے ایمانی ایسی صفت ہے جو بندہ کو فعلِ قبیح کے ارتکاب سے بتقاضائے ایمان روکتی ہے۔ اور اس حدیث میں بھی حیائے ایمانی مراد ہے۔ اور ایمان کی تمام شاخوں کے بعد اس کو خاص اہتمام کے ساتھ اس وجہ سے بیان کیا ہے کہ حیاء ہی سے ایمان کے تمام شعبے زندہ ہوتے ہیں۔ اسی کے سبب آدمی فضیحتِ دنیا اور رسوائی عقبیٰ کے خوف سے مناہی وممنوعات کو ترک کر دیتا ہے۔ ولذا قیل حقیقة الحیاء ان مولاک لایراک حیث نہاک وهذا مقام الاحسان المسمّٰی بالمشاهدة الناشی عن حال المحاسبة والمراقبة۔

حاصل یہ ہے کہ حیاء تمام ہی احکامِ اسلام بجالانے کا سبب اور جملہ نیک کاموں کا باعث ہوتی ہے اگر حیاء ہے تو آدمی کو یہ فکر ہوگی کہ نماز نہ پڑھونگا یا فلاں حکم نہ بجالاؤنگا تو اللہ کو کیا منہ دکھاؤنگا اور جب حیاء وشرم ہی نہ رہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ کوئی کہہ کر ہی کیا کریگا۔ مثل مشہور ہے "بے حیاء باش وہرچہ خواہی کن" اس مضمون کی حدیث صحیح بھی وارد ہوئی ہے "اذا لم تستحی فاصنع ما شئت" (جب تو بے شرم ہوجائے تو جو چاہے کرتا پھر) خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کا معیار اور اس کی حقیقت بتلائی ہے۔ ارشاد فرمایا کہ:

اِستحیوا من اللهِ حقّ الحیاءِ قالوا اِنّا نستحیی من اللهِ یا نبیّ اللهِ والحمدُ للهِ قال لیس ذلک ولکن من استحیی من اللهِ حقّ الحیاءِ فلیحفظِ الرّاس وما حوی

اللہ سے ایسا شرماؤ جیسا کہ اس سے شرمانا چاہئے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی اللہ کا شکر ہے کہ ہم اللہ سے شرماتے ہیں۔ فرمایا، مُراد یہ شرمانا نہیں لیکن جو شخص اللہ سے ایسا شرماتا ہے جیسا شرمانا چاہئے اسکو چاہئے کہ اپنے

وَلْیَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا وَعٰی وَلْیَذْکُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰی وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَۃَ تَرَکَ زِیْنَۃَ الدُّنْیَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ فَقَدِ اسْتَحْیٰی مِنَ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْحَیَاءِ۔

(مشکوٰۃ ص۱۴۱)

دماغ، آنکھ، ناک، کان، زبان، دہن اور شکم و فرج کو تمام ناجائز باتوں سے بچائے رکھے، موت اور موت کے بعد گلنے سڑنے کو پیش نظر رکھے، اور جو آخرت کو چاہتا ہے وہ دنیا کی زیب و زینت کو ترک کر دیتا ہے۔ جس نے یہ سب کام کرلیے تو واقعی اس نے اللہ سے شرمانے کا حق ادا کر دیا۔

اسی صفت راسخہ کو حدیث بالا میں خاص طور پر "الحیاء شعبۃ من الایمان" سے بیان فرمایا ہے۔ کہ حیاء ایمان کا بہت ہی عظیم اور اہم شعبہ ہے۔ جس سے ایمان کے تمام شعبوں کو وجود اور زندگی ملتی ہے۔ بلکہ حیاء کی بدولت احسان کا اعلیٰ مرتبہ نصیب ہوتا ہے۔ اور ایسا صاحب حیاء انسان، دنیا کا مایۂ ناز انسان اور امت محمدیہ کا عظیم الشان فرد ہوتا ہے۔ اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْئَلُکَ اَنْ نَسْتَحْیِیَ مِنْکَ حَقَّ الْحَیَاءِ بِحَقِّ الْمُصْطَفٰی وَاٰلِہِ الْمُجْتَبٰی۔

شرع میں شرم نہیں کا مطلب بعض لوگ شرعی امور میں شرم سے کام لیتے ہیں۔ اور اس کا نام حیاء رکھتے ہیں۔ یہ غلط ہے یہ حیاء نہیں، بلکہ بزدلی اور طبیعت کی کمزوری ہے۔ مثلاً کوئی طالب علم استاذ سے پوچھتے ہوئے ڈرتا ہے، یا غسل کی ضرورت ہے تو بڑوں کے کے سامنے فراغت سے کتراتا اور عار محسوس کرتا ہے تو یہ اس کی بزدلی ہے۔ اگر حیاء ہوتی تو وہ اللہ سے حیاء کرتا۔ اور اس کے حکم کو بجالاتا۔ اس عبارت میں غور کرکے بزدلی اور حیاء میں فرق سمجھ لیجئے۔ یہی مطلب ہے شرع میں شرم نہ ہونے کا۔ کہ احکام شرع میں جو شرم حائل ہو وہ شرم نہیں ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے نام و نسب میں بہت اختلاف ہے۔ مشہور یہ ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں ان کا نام عبد شمس یا عبد عمرو تھا۔ اور مسلمان ہونے کے بعد ان کا نام عبد اللہ یا عبد الرحمن ہوا۔ؑ امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے نزدیک سب سے زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ ان کا نام عبد الرحمن بن صخر تھا۔ لیکن کنیت کا ایسا غلبہ ہوا کہ ان کا نام نسیاً منسیاً ہوگیا۔ قبیلۂ دوس کی طرف منسوب ہوتے ہیں۔ غزوۂ خیبر کے سال ۷ھ میں مسلمان ہوئے۔ اور غزوۂ خیبر میں بھی شریک ہوئے۔ پھر تو یہ سفر و حضر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ساتھ رہے۔ بارگاہِ رسولؐ سے جو کچھ کھانے پینے کو ملجاتا اسی پر قناعت کرتے، نہ ملتا تو بھوکے رہتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کو حفظ کرنے اور آپؐ سے علم حاصل

ؑ امام نووی شارح مسلم فرماتے ہیں کہ ان کے نام میں تیس۳۰ قول ہیں۔ سب سے زیادہ صحیح عبد الرحمن بن صخر ہے۔ ۱۲

نسیم احمد غازی مظاہری

کرنے میں دل وجان سے کوشاں رہتے۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اُن سے روایت کرنیوالوں کی تعداد آٹھ سو سے زائد ہے۔ جن میں ایک بڑی تعداد حضرات صحابہؓ کی بھی ہے۔ مثلاً عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہم۔

ان کی ابوہریرہ (بلوٹنے کے ابّا) کنیت کی وجہ کیا ہے؟ حافظ ابن عبدالبرؒ نے خود حضرت ابوہریرہؓ ہی کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ میں ایکدن اپنی آستین میں بلی چھپائے ہوئے بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں پہونچ گیا۔ آپنے دیکھکر پوچھا۔ یہ کیا ہے؟ میں نے عرض کیا حضور یہ بلی ہے۔ ارشاد فرمایا یَا اَبَا هُرَیْرَةَ (اے بلی کے ابّا) ابن اسحاق کی روایت میں یہ الفاظ ہیں "انت ابو هریرة" (تو ابوہریرہ ہے) ایک قول یہ بھی ہے کہ بچپن میں بلی سے پیار کرتے اور اس سے کھیلتے تھے۔ اسوجہ سے ابوہریرہ کنیت ہوئی۔ بعض نے کہا کہ بلی کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے تھے۔ یہ بھی بیان کیاگیا ہے کہ یہ کنیت ان کے والد نے ہی رکھی تھی۔ بہرحال وہ اسی کنیت سے مشہور ہوئے۔ ۵۹ھ میں بعمر اٹھتّر سال مدینۂ منورہ میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول کہ ان کی قبر "عسفان" کے قریب ہے بے اصل ہے۔ حضرت عائشہؓ کی وفات ان سے کچھ پہلے ہوئی۔ اور انہوں نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ایک قول یہ ہے کہ ان کی وفات ۵۷ھ میں ہوئی۔ اور ایک قول ۵۸ھ کا ہے۔ لیکن صحیح ۵۹ھ ہی کا قول ہے۔ مقام ذوالحلیفہ میں ان کا مکان تھا۔ وہیں رہتے تھے۔ وفات مدینہ میں ہوئی۔ یہ اصحاب صفہؓ میں سے تھے۔ بلکہ اصحاب صفہ کے مانیٹر تھے۔ ان کی دیکھ بھال رکھتے تھے۔ اور ان میں سب سے زیادہ مشہور بھی یہی تھے۔ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اپنے زمانہ میں حدیث کے سبسے بڑے حافظ یہی تھے۔ انہوں نے ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ مجھے بھول ہوجاتی ہے۔ آپنے ان کی چادر لیکر بہت دیر تک پڑھ کر اسپر پھونکا اور ان کے سینہ سے لگادی۔ فرماتے ہیں کہ اسکے بعد مجھ کو بھول نہیں ہوئی۔ ملا علی قاریؒ نے مرقات میں لکھا ہے کہ ان کی کل مرویات پانچہزار تین سو چونسٹھ (۵۳۶۴) ہیں۔ لیکن ان سے یہ سہو ہوا ہے یا کاتب کی غلطی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ ان کی حدیثوں کی کل تعداد پانچہزار تین سو چوہتر (۵۳۷۴) ہے۔ ہمارے استاذ محترم حضرت اقدس مولانا امیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مشکوۃ کے سال اسپر تنبیہ فرمائی تھی۔ نیز حضرت اقدس استاذنا ومولانا الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب مدظلہٗ ناظم اعلیٰ جامعہ مظاہر علوم سہارنپور نے بھی طحاوی شریف کے سبق میں اس سہو کا تذکرہ فرمایا تھا نیز سہولت حفظ کے لئے مندرجہ ذیل شعر بھی ہم کو یاد کرایا تھا فجزاہما اللہ عنا بما ہو اہلہٗ ۔

کُن حدیث بوہریرہؓ راشمار ۔ پنج الف وسہ صد و ہفتاد و چہار (۵۳۷۴)

علامہ نوویؒ نے اپنی شرح مسلم ص۳ج۱ میں لکھا ہے وذکر الامام الحافظ بقی بن مخلد الاندلسی

فِي مُسْنَدِهِ لِأَبِي هُرَيْرَةَ خَمْسَةُ آلَافِ حَدِيثٍ وَثَلَاثُمِائَةٍ وَأَرْبَعَةٌ وَسَبْعِينَ حَدِيثًا وَلَيْسَ لِأَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ هٰذَا الْقَدْرُ وَلَا مَا يُقَارِبُهُ الخ

تنبیہ قاعدہ کے مطابق لفظ ابوہریرۃ کی تا کو مجرور پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ دو سبب نہ ہونیکی وجہ سے اصولاً منصرف ہے۔ اور ہریرہ علم نہیں جزوِ علم ہے۔ چنانچہ ایک جماعت نے اس کو منصرف و مجرور ہی پڑھا ہے۔ اور اکثر لوگوں نے اس کو قاعدہ کے خلاف غیر منصرف پڑھا ہے چنانچہ علماء و محدثین کی زبانوں پر بفتح التاء (غیر المنصرف) ہی جاری اور مشہور ہے۔ گویا کہ ان کے نزدیک مضاف و مضاف الیہ ایک ہی کلمہ ہوگیا۔ اور اضافت کا اعتبار ہی کثرتِ استعمال کے سبب تخفیفاً ختم کردیا گیا۔ لیکن اسپر اعتراض یہ ہے کہ اگر اس کو کلمۂ واحدہ مان لیا گیا ہے تو حالتِ رفعی میں ۃ پر رفع پڑھنا چاہیئے۔ حالانکہ اس کا رفع کوئی نہیں پڑھتا۔ اس طرح لفظ واحد میں رعایتِ حال و اصل کا اجتماع ہوجاتا ہے جو غلط اور عدیم النظیر ہے۔ جواب یہ ہوسکتا ہے کہ کثرتِ استعمال خِفت کا مقتضی ہے۔ اور اس کی صرف حالتِ جری میں ضرورت پیش آئی۔ باقی دونوں حالتوں کو ان کے حال پر رکھا گیا۔ لہٰذا دو متضاد چیزوں کا اجتماع اگرچہ فی لفظۃ واحدۃ ہے مگر بجہۃ واحدۃ نہیں ہے۔ فافہم

نسیم احمد غازی مظاہری

---

(۱۵) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ أَنَّهُ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی صلے اللہ علیہ وسلم سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو

أَفْضَلِ الْإِيمَانِ قَالَ أَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِي

بہتر سے بہتر ہو آپنے ارشاد فرمایا افضل ایمان یہ ہے کہ اللہ کے لئے محبت کرو اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھو اور اپنی زبان کو

ذِكْرِ اللهِ قُلْنَا وَمَاذَا يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ وَأَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ

(ہمہ وقت) اللہ کی یاد میں لگائے رکھو ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ اور کیا عمل بہتر ہے۔ فرمایا اور یہ ہے کہ تم لوگوں کے لئے وہ

لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔ (مشکوٰۃ شریف ص۱۶)

پسند کرو جو خود اپنے لئے پسند کرتے ہو اور ان کے لئے وہ ناپسند کرو جو خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہو۔

لغات وتبغض بَغِضَ بُغْضًا وبَغَاضَةً (س ن ك) دشمنی کرنا، نفرت کرنا۔ بُغْضٌ نفرت، دشمنی بَغِيضٌ سخت دشمنی رکھنے والا۔ وَمَاذَا ای ماذا اصنع بعد ذلك۔ تَكْرَهَ كَرِهَ كُرْهًا وكَرَاهَةً (س) ناپسند کرنا۔ نفرت کرنا۔ (ک) قبیح ہونا۔

ترکیب سَأَلَ فعل ضمیر هُوَ فاعل النَّبِيَّ مفعول بہ عَنْ أَفْضَلِ الْإِيمَانِ متعلق جملہ فعلیہ

خبرانَّ کی۔ اَنَّ باسم (ہٗ) وخبر جملہ اسمیہ بتاویل مفرد مبتدا مؤخر۔ معاذ محذوف اپنے متعلق عن معاذ ابن جبل سے ملکر خبر مقدم۔ جملہ اسمیہ۔ تحبّ فعل با فاعل ومتعلق للہ سے ملکر بتاویل مفرد معطوف علیہ اپنے اگلے دونوں ایسے ہی (بتاویل مفرد) معطوفوں سے ملکر خبر مبتدا افضل الایمان محذوف خبر جملہ اسمیہ خبریہ مقولہ۔ قلنا جملہ فعلیہ قول ماذا برائے استفہام بمعنی ای شیء مبتدا اصنع فعل با فاعل جملہ فعلیہ دال علی جواب النداء یا جواب نداء مقدم یا رسول اللہ جملہ ندائیہ۔ تحبّ فعل با فاعل۔ للناس متعلق ما موصولہ تحبُّ لِنَفسِكَ جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول صلہ مفعول بہ جملہ فعلیہ بتاویل مفرد معطوف وتکرہ الخ ہٰکذا معطوف۔ معطوف علیہ معطوف مفعول بہ فعل محذوف اصنع یا تصنع کا۔ جملہ فعلیہ۔

تشریح حدیث کا مطلب ظاہر ہے کہ حضرت معاذؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمانی اعمال وخصال میں سے بنیادی اور عمدہ ترین خصلت اور صفت کا سوال کیا۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تیری محبت اور عداوت اللہ کے لئے ہوجاتے۔ اور تیری زبان اللہ کے ذکر میں مصروف رہے۔ یہ پہلے معلوم ہوچکا کہ ایمان محبت ہی کا نام ہے جب دل کا واسطہ اور تعلق صرف اللہ سے ہوا تو سب تعلقات فنا ہوگئے۔ اور اس سے محبت ہوئی تو تمام محبتیں اس کی محبت پر قربان ہوگئیں۔ پھر تو اس عاشقِ حق کی مرضیات بھی اپنی نہ رہیں، بلکہ اللہ کی جو مرضی وہی اسکی مرضی، جو اس کو ناپسند وہ اس کو ناپسند۔ اب تو حال یہ ہے کہ دیکھنا، سننا، چلنا، پھرنا، سوچنا محبت ونفرت سب کچھ اسی کے لئے ہوگیا۔ اور اس مقام کا کمالِ ایمان ہونا اور افضلِ شعبِ ایمان ہونا بالکل ظاہر ہے۔ حظوظِ نفسانیہ میں سب سے بڑی چیزیں محبت اور بغض ہی ہیں۔ یہ دونوں جب محبوبِ حقیقی کی مرضی کے تابع ہوں گی کہ جس سے محبوب محبت کرے اسی سے یہ عاشق بھی محبت کرے، اور جس سے وہ نفرت کرے اسی سے یہ بھی نفرت کرے۔ تو اس کے بعد جس قدر ان کے نیچے حظوظِ نفسانیہ ہیں ان کا فنا ہوجانا ظاہر ہے نیز اسکو مزید کمال پر پہونچانیوالی چیز ذکر اللہ ہے۔ اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ذکر قلب وزبان دونوں سے ہو۔ دوسرا صرف قلب سے۔ تیسرا درجہ صرف زبان سے ہو۔ یہ بھی بڑی نعمت ہے۔ اسی سے سب مقامات حاصل ہوجاتے ہیں۔ اور زبانی ذکر محبت کی دلیل شمار ہوتی ہے۔ مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا اَكْثَرَ ذِكْرَهٗ۔ اس لئے حب وبغض کے بعد ذکر کا ذکر فرمایا گیا۔ اولین حق چونکہ عظمت ومحبتِ حق ہے، اس کے واسطے سے پیدا ہونیوالی چیز شفقت علی الخلق ہے۔ چنانچہ دوسرے سوال کے بعد دوسرے نمبر کی چیز کو بیان فرمایا۔ جو درحقیقت پہلے نمبر کا ثمرہ ونتیجہ ہے۔ یعنی خلق اللہ کے ساتھ اچھا معاملہ اور مکمل ہمدردی وخیرخواہی کا برتاؤ اس طرح پر کہ ان کے لئے وہ پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اور جو اپنی ذات کے لئے ناپسند کرتے ہو

وہ ان کے لئے بھی ناپسند کرو۔ (مرّ تفصیلہ)

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبداللہ ہے۔ بعض نے کہا ابو عبدالرحمٰن ہے۔ آپ انصاری خزرجی ہیں۔ اور ان سنتر انصاری صحابہؓ میں سے ایک اہم شخصیت ہیں۔ جو بیعتِ عقبۂ ثانیہ میں شریک ہوتے تھے۔ آپنے بدر میں اور اس کے بعد تمام ہی غزوات میں شرکت کی۔ ان کو حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قاضی اور معلم بنا کر یمن بھیجا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کو دُور تک رخصت کرنے کے لئے تشریف لے گئے۔ اور اہم ہدایات فرمائیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر یمن ہی تھے۔ آپنے رخصت کرتے وقت ارشاد فرمایا تھا۔ اے معاذ! شاید اب تم ہم کو نہ پاؤ گے۔ آہ عاشق صحابیؓ اپنے محبوب کے یہ کلمات سُنکر کس قدر متاثر ہوئے ہونگے۔ یہ انہیں کا قلب جانتا ہے۔ لیکن حکم کا ماننا صحابہؓ کی زندگی کا طغرائے امتیاز ہے۔ آنسو بہاتے ہوتے رخصت ہو گئے۔ دورِ فاروقی تک یمن کے حاکم رہے۔ امین الامّت حضرت ابو عبیدہؓ کی رحلت کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کو ملکِ شام کا حاکم مقرر فرمایا۔ اسی سال طاعونِ عمواس میں بعمر ۳۸ سال ۱۸ھ میں شہید ہوئے۔ جب اسلام لائے تھے اسوقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی۔ آپکا اکابر فقہائے صحابہؓ میں شمار ہے۔ نیز آپ کثیر الروایت صحابی ہیں۔ حضرات صحابہؓ میں سے حضرت عمرؓ و حضرت عبداللہ بن عباس و حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم نے ان سے احادیث روایت کی ہیں۔ رضی اللہ عنہم وعنا اجمعین۔

---

(۱۶) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ

مَا الْاِیْمَانُ قَالَ اِذَا سَرَّتْکَ حَسَنَتُکَ وَسَاءَتْکَ سَیِّئَتُکَ فَاَنْتَ

ایمان (کی علامت) کیا ہے ارشاد فرمایا کہ تجھ کو تیری نیکی خوش کردے اور تجھ کو تیرا گناہ رنجیدہ کردے تو تو مؤمن

مُؤْمِنٌ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ مَا الْاِثْمُ قَالَ اِذَا حَاکَ فِیْ نَفْسِکَ شَیْءٌ فَدَعْہُ۔

ہے۔ عرض کیا: اے رسولِ خدا گناہ (کی علامت) کیا ہے۔ فرمایا جب تیرے دل میں کوئی چیز تردد پیدا کردے تو تو اسکو چھوڑ دے

(مشکوٰۃ شریف ص۱۶)

لغات سَرَّتْکَ سَرَّ سُرُوْرًا وَمَسَرَّۃً وَسُرًّا وَسُرًّی (ن) خوش کرنا۔ سَرًّا ناف میں نیزہ مارنا۔ اور سمع سے ناف میں درد ہونا۔ اِفعال و تفعیل سے خوش کرنا، نیز بھید چھپانا۔ ظاہر کرنا، سرگوشی کرنا۔ حَسَنَۃٌ نیکی حَسَنَاتٌ جمع (ک) خوبصورت ہونا۔ اِحْسَانًا نیکی کرنا۔ اچھی طرح کرنا حُسْنٰی اچھا کام، اچھا انجام وغیرہ، سَاءَتْکَ سَاءَ یَسُوْءُ سُوْءًا (ن) غمگین کرنا۔

رنجیدہ کرنا۔ سَیِّئَۃٌ گناہ ج سَیِّئَات۔ اَلْاِثْمُ گناہ ج اٰثَامٌ مَاْثَمَۃٌ۔ مَاْثَمٌ گناہ ج مَاْثَمَاتٌ ومَاٰثِمُ۔ اَثِیْمٌ گنہگار ج اُثَمَاء۔ اٰثِمٌ گنہگار ج اَثَمَۃٌ۔ اَثِمَ اِثْمًا مَاْثَمًا (س) گناہ کرنا (ن ض) گنہگار قرار دینا۔ سزا دینا۔ اَثَّمَ گناہ کی طرف نسبت کرنا۔ حَاكَ (ن) دل میں جم جانا مراد ہے تردد پیدا کرنا۔ کھٹکنا۔ اصل معنی بُننا۔ حَائِكٌ جولاہہ ج حَاكَۃٌ وحَوَكَۃٌ مؤنث حَائِكَۃٌ وحَائِكٌ ج حَائِكَاتٌ وحَوَائِكُ۔ مِحَاكَۃٌ کارگہ۔ کھڈی۔ فَدَعْہُ۔ وَدَعَ یَدَعُ وَدْعًا (ف) چھوڑنا۔ امانت رکھنا۔ رخصت کرنا۔ اِیْدَاع کسی کے پاس امانت رکھنا۔ وَدَاعٌ رخصت۔ وَدِیْعَۃٌ امانت۔

ترکیب | اَنَّ حرف مشبہ بفعل رَجُلًا اسم سَاَلَ ضمیر ھُوَ فاعل رَسُوْلَ اللہِ مفعول اول۔ مَا الْاِیْمَان ای شیء علامۃ الایمان مبتدا خبر مفعول ثانی۔ سَاَلَ فاعل اور دونوں مفعولوں سے مل کر خبر اَنَّ کی۔ جملہ اسمیہ بتاویل مفرد مبتدا مؤخر مروی عن ابی امامۃ خبر مقدم جملہ اسمیہ۔ قَالَ جملہ قول۔ اِذَا حرف شرط۔ سَرَّتْ فعل لَكَ مفعول بہ۔ حَسَنَتُكَ فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ سَاءَتْكَ سَیِّئَتُكَ اسی طرح معطوف۔ معطوف علیہ معطوف شرط۔ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ مبتدا خبر جملہ جزا قال یا رَسُوْلَ اللہِ مر۔ مَا الْاِثْمُ مثل مَا الْاِیْمَان۔ اِذَا حَاكَ الخ شرط و جزا۔

تشریح | ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی علامت اور پہچان دریافت کی۔ آپ نے فرمایا کہ جب تم کو نیکی کرنے کے بعد توفیقِ طاعت پر فرحت و مسرت حاصل ہو اور گناہ کے بعد عقوبت و سزا کے خوف سے دل میں حزن و ملال واقع ہو تو سمجھ لو کہ تمہارے دل میں حقیقت ایمان موجود ہے۔ کیونکہ جس کو ایمان کا کمال حاصل ہوتا ہے وہ طاعت و معصیت میں تمیز کرتا اور جزاء و سزا کا یقین رکھتا ہے۔ کافر کے برخلاف کہ وہ نہ دونوں میں فرق کرتا ہے۔ اور نہ اچھائی اور برائی کی پرواہ کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح صحتِ بدن اور درستی مزاج کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ زبان کا ذائقہ درست ہوتا ہے کہ وہ کھٹی میٹھی اور کڑوی چیزوں میں فرق و امتیاز کرتی اور ہر ایک کا ذائقہ الگ الگ پہچان لیتی ہے۔ اسی طرح جب کسی انسان کو فطرت کی صحت و سلامتی نصیب ہوتی ہے۔ تو اس کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ اس کے قلب کا ذائقہ درست ہوتا ہے۔ اور وہ برائی اور بھلائی کا امتیاز کرتا ہے۔ اگر حسنہ و سیئہ کا امتیاز باقی نہ رہے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اس کے قلب کو کسی مرض نے گھیر لیا ہے۔ "اَفَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا" کیا وہ شخص جس کے بُرے عمل اس کی نگاہ میں خوبصورت بنا دیئے گئے ہوں۔ (اس کی برابر ہو سکتا ہے جس کا حاسۂ فطرت درست ہو اور وہ بھلائی اور بُرائی کا صحیح صحیح

ادراک کرتا ہو) اس آیت سے سمجھ میں آتا ہے کہ جس کی فطرت مریض ہو جاتی ہے اس کو خود اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا۔ وہ غلبۂ مرض کے سبب یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے وہی امر واقعہ ہے۔ حالانکہ وہ تزیین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ شریعت کے فیصلوں کو اولاً معلوم کرے اور پھر اپنے ذوقِ قلبی کو دیکھے وہ شریعت کی موافقت کرتا ہے یا مخالفت۔ اول صحت فطرت یعنی ایمان کی علامت ہے اور ثانی کیفیتِ مرض۔ اور ایمان کی جانب مخالفت کی علامت ہے۔ نعوذ باللہ منہ۔ یہ مطلب نہیں کہ شریعت سے قطع نظر کر کے صرف قلبی فیصلہ معتبر ہو جائیگا۔ ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔ اور فسق و نافرمانی کی لائنوں میں کامیابی پر وہ خوش ہی ہوتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھیئے کہ حدیث میں صرف تمثیل مقصود نہیں بلکہ واقعہ یہ ہے کہ عوام الناس کے قلوب جس طرح محبت و عداوت اور فرحت و غم کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتے ہیں اسی طرح ایک مؤمن کا قلب نیکی سے مسرّت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ۔ کیونکہ مادیت کا احساس تو بواسطہ روحانیت ہوتا ہے۔ اور روحانی احساس بلا کسی واسطہ کے براہِ راست ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو احساس بلا واسطہ ہو رہا ہے وہ زیادہ قوی ہوگا۔

اور اس میں ایک راز یہ ہے کہ اللہ نے تمام انسانوں کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا ہے۔ ان میں حق و ناحق کا احساس اسی طرح ودیعت رکھا ہے جیسے حواسِ خمسہ میں ظاہری چیزوں کا احساس۔ جبتک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کے فطری حواس ظاہری حواس کی طرح ٹھیک ٹھیک کام کرتے ہیں جیسے کان اچھے نغمے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں۔ اور بُرے نغمے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح فطرتِ سلیمہ بھی اوامرِ الٰہیہ سے طبعًا مانوس اور منہیاتِ شرعیہ سے فطرتًا متنفر ہوتی ہے۔ اسی لئے اوامرِ شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جب خارجی اسباب سے فطرتِ انسانی مریض ہو جاتی ہے تو احساس میں خلل واقع ہو جاتا ہے۔ بشدہ وہ ایسے اسٹیج پر پہونچ جاتی ہے جہاں اس کو حق و ناحق کا امتیاز ہی ختم ہو جاتا ہے۔ یہ شخص اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سُرخ و سفید کا نام تو سنتا ہے مگر ادراک نہیں کر سکتا۔ کیونکہ امتیاز کے حاسہ (بصر) سے وہ محروم ہو چکا ہے۔

وَاِذَا حَاكَ الخ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ ان حضرات کے لئے ہے جن کے قلوب پاکیزہ و منور اور جن کا باطن صاف اور روشن ہے (بشرطیکہ جس مسئلہ میں تردد ہے صریح حکم شرع اسکے بارے میں موجود نہو۔ لیکن اگر شرعی حکم صاف موجود ہے تو اس کا اتباع ضروری ہے۔ شرعی صراحت کے بعد انشراح و عدمِ انشراح کا کوئی اعتبار نہیں) یا اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ جس پر دل مطمئن نہیں ہے تو اس میں احتیاط کرنی چاہیئے تاکہ گناہ کا ارتکاب نہو جائے۔ اگر اس کے ترک میں احتیاط ہے تو

تو ترک کر دے اور کرنے میں احتیاط ہے تو کرے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ یہ حضرت ابوامامہ صُدَیؓ بن عجلان الباہلی ہیں۔ مصر میں رہے۔ پھر حمص کی جانب منتقل ہوئے۔ حدیث کی کتابوں میں ان کی روایات بہت ہیں، کثیر الروایت صحابی ہیں۔ حمص ہی میں اکیانوے ۹۱ سال کی عمر میں ۸۶ھ میں وفات پائی۔ شامی صحابہؓ میں سب سے آخر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ شام میں وفات پانیوالے آخری صحابی عبداللہ بن بسرؓ ہیں۔ واللہ اعلم۔

(۱۷) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْبَجَلِيِّ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى إِقَامِ الصَّلٰوةِ وَإِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ۔

حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ سے نقل ہے وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے دست مبارک پر نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ دینے اور ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنے پر بیعت کی۔ (بخاری شریف ص۱۳، مشکوٰۃ شریف ص۴۲۳)

(۱۸) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ الدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ثَلَاثَ مِرَارٍ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا "دین خیر خواہی کرنا ہے" صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول کس کی؟ فرمایا اللہ کی اور اس کی کتاب کی اور اسکے رسول کی اور مسلمانوں کے پیشواؤں کی (خصوصاً) اور سب مسلمانوں کی (عموماً)۔ (ترمذی شریف ابواب البر ج۲ ص۱۴، مشکوٰۃ شریف ص۴۲۳ عن تمیم الداری)

لغات بَايَعْتُ باب مفاعلت سے۔ باہم عہد و پیمان کرنا۔ آپس میں عقد بیع کرنا۔ اِفعال سے بکوانا۔ بیچنے کے لئے پیش کرنا۔ بَاعَ يَبِيْعُ بَيْعًا وَمَبِيْعًا (ض) بیچنا، خریدنا۔ بَيْعَةٌ عہد و پیمان۔ بِيْعَةٌ کلیسا، گرجا۔ یہودیوں کا عبادت خانہ۔ اِقَام باب افعال کا مصدر۔ دراصل اِقَامَةٌ تھا۔ تا کو تخفیفاً حذف کر دیتے ہیں بمعنی کھڑا کرنا۔ سیدھا کرنا۔ اقامت کرنا۔ اقام الصلوٰۃ نماز کو کامل طریقہ سے ادا کرنا۔ یعنی صحیح طریقہ سے صحیح وقت پر تا زندگی پابندی کرنا۔ قَامَ يَقُوْمُ قَوْمًا وَقِيَامًا وَقَوْمَةً وَقَامَةً (ن) ٹھہرنا۔ کھڑا ہونا۔ معتدل ہونا۔ يَوْمُ الْقِيٰمَةِ قبروں سے اٹھنے کا دن۔ قِيْمَةٌ قام کا اسم نوع ہے۔ قیمت۔ قدر۔ بازاری بھاؤ ج قِيَمٌ۔ وَالنُّصْح نَصَحَ نُصْحًا

---

۵۵ صُدَيٌّ بضم الصاد وفتح الدال المهملة وتشديد الياء۔ ۱۲ ن

ونصوحًا ونصاحۃً (ف) نصیحت کرنا، مخلص ہونا۔ خالص ہونا۔ صاف ہونا۔ پختہ توبہ کرنا۔ العملَ خالص طریقہ سے کرنا۔ الثوبَ کپڑا سینا وغیرہ۔ نِصَاح دھاگہ، سِلک۔ ج نُصُحٌ۔ نِصَاحَۃٌ نَصُوحٌ نَصِیحٌ نصیحت کرنیوالا۔ خیرخواہ۔ توبۃٌ نصوحٌ خالص توبہ۔ النَّصِیحَۃ اسم مصدر۔ اخلاص خیروصلاح کی طرف بلانا۔ شروفساد سے روکنا ج نصائح۔ الدِّینُ ملت، طریقۂ حیات، عادت، سیرت، ملکیت۔ قدرت، حکم، مذہب، پرہیزگاری، نافرمانی، گناہ، مجبوری، فرمانبرداری، بدلہ وقہروغلبہ، ذلت، حالت، تدبیر، حساب، جزا۔ اسی وجہ سے یوم الدِّین ہے۔ ج اَدْیَان۔ دِیَانَۃٌ دینداری، وہ چیزیں جو اللہ کی فرمانبرداری کے تحت میں آئیں۔ ملت ومذہب۔ ج دِیَانَاتٌ۔ دَیِّنٌ دیندار، دین کو مضبوطی سے پکڑنے والا۔ والدِّینُ ھو وَضعٌ الٰھیٌ سَائقٌ لِذوِی العقول باختیارھم المحمودَ اِلی الخیرِ بالذاتِ واعلم انّ الدِّین یضاف الی اللہ تعالیٰ لصدورہٖ عنہ والی النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم لظھورہٖ منہ والی الائمّۃِ لتدیّنھم وانقیادِھم لہٗ و اجتھادِھم فیہ۔ فاحفظہ ایّھا الطّالب۔ فقط۔ دَانَ دِیْنًا (ض) مالک ہونا، غلام بنانا، حکم دینا۔ ذلیل کرنا۔ دین اختیار کرنا۔ اطاعت کرنا وغیرہ دَیَّانٌ قاضی، غلبہ والا، حاکم، حساب لینے والا بدلہ دینے والا۔ عَامَّۃ مؤنث عَامٌّ کی۔ عَامَّۃُ النَّاسِ عام لوگ، سب لوگ ج عَوَامّ۔ عَمَّ یَعُمُّ عَمًّا وعُمُومًا (ن) عام ہونا، شامل ہونا۔ کرنا۔ چچا ہونا۔ لپیٹنا۔ عِمَامَۃ پگڑی لانھا تعمّ علی الرأس

ترکیب بَایَعْتُ فعل با فاعل رَسُوْلَ اللہِ مفعول بہ عَلیٰ جار۔ اقام الصَّلوٰۃ معطوف علیہ اپنے دونوں معطوفوں سے ملکر مجرور متعلق جملہ فعلیہ مقولہ الدِّین النَّصِیحَۃُ مبتدا خبر۔ جملہ قائمقام مفعول بہ ثلاثَ مِرَارٍ مرکب اضافی ظرف۔ قَالَ اپنے فاعل ومفعول بہ وظرف سے ملکر جملہ۔ یَارَسُوْلَ اللہ جملہ ندائیہ لِمَنْ ای تقول ھٰذا لمن جملہ فعلیہ جواب ندا قال الخ ای الدِّین النصیحۃ للہ الخ چاروں معطوفات متعلق النصیحۃ کے۔ پھر وہ خبر الدِّین کی۔ پھر مقولہ قال کا۔

تشریح [۱۷] حضرتِ جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے تین چیزوں پر بیعت کی، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے اور ہر مسلمان کی خیرخواہی کرنے پر۔
بیعت کے یہ مختصر سے الفاظ غور کیجئے کہ کس قدر جامعیت کے حامل ہیں۔
اقامت صلوٰۃ وایتاءِ زکوٰۃ میں تو بدنی ومالی دونوں قسم کی عبادات حقوق اللہ میں سے آگئیں۔
اور النصح لکلّ مسلمٍ میں حقوق العباد آگئے۔ اور دین اسلام میں دو ہی چیزیں ہیں التعظیم لامرِ اللہ والشفقۃ علی خلق اللہ۔ یہ حدیث دونوں ہی کو جامع ہے۔ النصح کی تشریح آگے دیکھئے۔

ملا علی قاریؒ لکھتے ہیں کہ حضرت جریرؓ کے لئے ایک گھوڑا تین سو درہم میں خریدا گیا تو حضرت جریرؓ نے گھوڑے والے سے کہا کہ آپ کا گھوڑا تین سو سے زائد کا ہے چار سو میں دو۔ اس نے کہا آپ کو اختیار ہے۔ پھر کہا کہ نہیں آپ کا گھوڑا پانچسو کا معلوم ہوتا ہے۔ غرض یہ کہ سو سو بڑھاتے رہے۔ آٹھ سو درہم دیکر اس کو خریدا۔ ان سے کسی نے کہا کہ ایسا کیوں کیا فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس پر بیعت کی تھی کہ ہر مسلمان کی خیر خواہی کرونگا۔

ان لم تکونوا منہم فتشبّھوا ٭ انّ التشبّہ بالکرام فلاح

(اگر تم ایسے نہ ہو سکو تو ان حضرات کی کچھ مشابہت ہی اختیار کر لو ٭ کیونکہ نیکوں کی مشابہت اختیار کرنے میں بھی کامیابی ہے۔)

تشریح (۱۸) یہ حدیث مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرّحمۃ علی الخلق میں اس طرح ہے عن تمیم الدّاری انّ النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم قال الدّین النّصیحۃ ثلثا قلنا الخ اور ترمذی شریف جلد۲ میں عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الدّین النصیحۃ ثلاث مرار الخ اصل نسخہ مطبوعہ اعلیٰ پریس دہلی اور نسخہ مطبوعہ حیدرآباد دونوں میں خط کشیدہ عبارت نہیں ہے۔ اعلیٰ پریس کے مطبوعہ نسخہ میں اور بھی بہت سے اغلاط ہیں۔ مثلاً اسی روایت میں قالوا یا رسول اللہ کے بجائے صرف قالوا یا رسول ہے لفظ اللہ نہیں۔

دراصل نصیحت کے معنی خلوص (خالص ہونے) کے ہیں۔ ناصح شہد خالص کو اور ہر خالص چیز کو کہتے ہیں۔ نصحت العسل اسوقت کہا جاتا ہے جب شہد کو صاف کر کے موم سے نکالا جاتا ہے ابن طریفؒ لکھتے ہیں کہ۔ نصح قلب الانسان، اسوقت بولتے ہیں جب دل میں کھوٹ باقی نہ رہے۔ اس لفظ سے مراد ہے منصوح لہٗ کے لئے خیر و خلوص کا ارادہ کرنا۔ علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ نصیحت ایک ایسا جامع کلمہ ہے جس کو ارادۂ خیر (خیر خواہی) سے تعبیر کر دیتے ہیں۔ مگر اس کے وسیع معنی کو کسی مختصر سی عبارت میں بیان نہیں کیا جا سکتا۔ بہرحال یہ ایک بنیادی اور اہم ترین چیز ہے۔ اسی وجہ سے فرمایا کہ الدّین النصیحۃ یعنی دین میں افضل اعمال اور اہم ترین چیز خیر خواہی و خلوص ہے۔

للہ اللہ کے لئے نصیحت یہ ہے کہ بندہ اپنے اور اپنے خدا کے درمیان کھوٹ کا معاملہ نہ رکھے یعنی اس کے وجود وحدانیت و صفاتِ کمالیہ سے متصف ہونے اور صفاتِ نقص سے مُبرّا اور پاک ہونیکا پختہ اعتقاد رکھے۔ اور اخلاصِ نیت کے ساتھ اس کی عبادت کرے۔ اس کے اوامر کے امتثال اور نواہی سے اجتناب میں اپنی طاقت خرچ کر دے۔ اس کے انعامات کا اعتراف و شکر ادا کرے۔ اس کے فرمانبرداروں سے محبت اور نافرمانوں سے نفرت رکھے۔ علماء نے لکھا ہے کہ اللہ کی نصیحت کا حاصل بالفاظِ دیگر خود اپنی ہی خیر خواہی ہے۔ کیونکہ اللہ ہر ایک کی خیر خواہی سے

بے نیاز ہے۔ اور اسکی خیرخواہی کی برکات و ثمرات اسی مخلص بندہ کی جانب دنیا و آخرت میں لوٹتے ہیں۔
وَلِكِتَابِهٖ کتاب اللہ کی نصیحت کے یہ معنیٰ ہیں کہ پورے آداب کیساتھ اس کی تلاوت کیجائے۔ بدل و جان اس کے معانی کی تصدیق کیجائے۔ اس کے علوم کی نشر و اشاعت کیجائے۔ اس کی پیروی کرنیکی سب کو دعوت دیجائے۔ اور اس کے احکام و اوامر و نواہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا جائے۔ اور کتاب اللہ سے مراد قرآنِ مقدس ہے۔ جو تمام سابقہ کتابوں کی تصدیق و توثیق کرتا ہے۔
وَلِرَسُوْلِهٖ رسول کی نصیحت یہ ہے کہ اس کی رسالت کی تصدیق کیجائے۔ اسکے لائے ہوئے پورے دین کو حرف بہ حرف مانا جائے۔ ہر موقع پہ اس کی اور اسکے دین کی نصرت کے لئے سر بکف حاضر رہے۔ اس کا ادب، اس کے اصحاب و اہلِ بیت کی محبت ہمیشہ ملحوظ رکھے۔ رسول سے مراد خصوصًا سیّدنا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ یا جملہ انبیاء و رسل۔ بعض نے تعمیم میں ایک قدم بڑھکر ملائکہ کو بھی اس میں داخل کیا ہے۔ اور آیت اَللّٰهُ يَصْطَفِيْ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ کو اپنے قول کی بنیاد و دلیل بنایا ہے۔
وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ ائمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ ہر حق معاملہ میں ان کی اطاعت و اعانت کیجائے۔ ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کیجائے، ان کے پیچھے نمازیں ادا کیجائیں۔ جو صدقات بیت المال کا حق ہے وہ ان کو ایمانداری کے ساتھ بآسانی و بحفاظت پہونچا دیئے جائیں۔ اور ان کے ساتھ غداری نہ کیجائے۔ لوگوں کو ان کی اطاعت پر اُبھارا جائے۔ اور ان کو لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کی نرمی و آداب سے ترغیب دیجائے۔ ان کی بیجا تعریف نہ کیجائے۔ ملّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ائمۂ مسلمین میں علمائے دین بھی داخل ہیں۔ اور ان کی خیرخواہی میں یہ بھی ہے کہ ان کی اطاعت کیجائے۔ ان پر دین کے بارے میں اعتماد کیا جائے۔ ان کے قول کو عمل کے لئے حجت بنایا جائے۔ ان کے افعال سے صرفِ نظر کرتے ہوئے ان کے ساتھ حسنِ ظن قائم رکھا جائے۔ ان کو نائبِ رسول اعتقاد کر کے ان کی ہر قسم کی اعانت و خدمت کیجائے۔ ان سے قلبی محبت رکھی جائے۔ تاکہ ان کی محبت کی برکت سے نسلوں میں علم و عمل آئے۔
طلبۂ علومِ دینیہ کو اپنے اساتذہ کے ساتھ ان آداب کا خاص طور پہ دھیان رکھنا چاہیئے تاکہ علم و عمل کے حظِ وافر سے بہرہ ور ہوں۔ یاد رکھیئے کہ علم کی منزلِ مقصود کی راہیں آداب ہی ہیں۔ اور عشق و محبتِ ایمانی اصل منزلِ مقصود ہے ؎

طرقُ العِشقِ کُلُّھا آداب ❊ اَدِّبُوا النفسَ ایُّھا الاصحاب

(عشق کی راہیں سب آداب ہیں ۔ خود کو با ادب بنا ؤ دوستو!)

وَلِعَامَّتِهِمْ۔ عام مسلمانوں کی نصیحت یہ ہے کہ دُنیاوی و اُخروی سب مصلحتیں انکو بتا دیجائیں

ان کو ایذاء نہ دیجائے۔ ان کے عیوب کو چھپایا جائے۔ ان کی تعلیم و تربیت میں پوری پوری جدوجہد کوشش کیجائے اکرام کے ساتھ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور قولی، فعلی، مالی ہمدردی کیجائے۔ غرضیکہ ان کو خیر خواہی میں اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔ ان تحب للناس ما تحب لنفسك وتكره لهم ما تكره لنفسك۔

قرآن کریم میں نصح و خیر خواہی کو دعوت و تبلیغ کا جزو اہم قرار دیا گیا ہے۔ انبیاء علیہم السلام زبانی بھی اپنی قوموں کو خیر خواہی کا یقین دلاتے رہے۔ مثلاً

حضرت نوحؑ فرماتے ہیں۔ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنْصَحُ لَكُمْ۔

حضرت ہودؑ فرماتے ہیں۔ أُبَلِّغُكُمْ رِسَالَاتِ رَبِّي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ۔

حضرت صالحؑ فرماتے ہیں۔ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَٰكِنْ لَا تُحِبُّونَ النَّاصِحِينَ۔

(سورۂ اعراف)

آیات کا حاصل یہ ہے کہ تبلیغ رسالت و دعوت سے ہمارا منشار تمہاری خیر خواہی ہے اور بس۔

حضرت جریر بن عبداللہ البجلی رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ابو عمر ہے۔ بجلی بجیلہ بنت سعد کی طرف نسبت ہے ان کے قبیلہ کی نسبت بجیلہ کی طرف ہوتی تھی۔ موصوف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چھ ماہ قبل مسلمان ہوئے۔ شیخ ولی الدین اکمال میں لکھتے ہیں قال جریر اسلمتُ قبل موتِ النبی صلی اللہ علیہ وسلم باربعین یوماً۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ صرف چالیس دن قبل از وفات نبی صلی اللہ علیہ وسلم مشرف باسلام ہوئے تھے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بہت خوبصورت تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی جانب دیکھتے تو تبسم فرماتے تھے۔ ان کا لقب یوسف ھٰذہ الامۃ ہے۔ اسلام سے پہلے عمدہ لباس زیب تن فرماتے تھے۔ لیکن اسلام لانے کے بعد ان کے جسم پر موٹا کمبل اور بٹن کے بجائے کانٹے لگے ہوئے دیکھے گئے۔ ایک زمانہ تک کوفہ میں قیام فرمایا۔ حضرت امیر معاویہؓ کی جانب سے کوفہ کے گورنر حضرت مغیرہ بن شعبہؓ تھے۔ جب حضرت مغیرہؓ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرت جریرؓ کو بلا کر نصیحت فرمائی۔ بعض کہتے ہیں کہ ان کو اپنا نائب بنایا۔ چنانچہ یہ حضرت مغیرہؓ کی وفات کے بعد منبر پر چڑھے۔ اور لوگوں کو نصیحت فرمائی کہ دیکھو مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے اسلئے اس پر صبر کرنا چاہیئے۔ اور دوسرے حاکم کے آنے تک کوئی خلفشار نہ کرنا چاہیئے۔ اس کے بعد حضرت مغیرہؓ کے لئے دعائے مغفرت کرائی اور فرمایا کہ وہ بہت عفو و درگذر کرتے تھے۔ پھر فرمایا کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی تو آپ نے مجھ سے ہر مسلمان کی خیر خواہی کا عہد لیا تھا۔ (لہٰذا کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ میں اپنے لئے راہ ہموار کر رہا ہوں) اسلئے میں نے بطور خیر خواہی یہ باتیں کہی ہیں۔ اور اس مصیبت کے وقت خیر خواہی کی ضرورت زیادہ ہے۔ یعنی میرا مقصد صرف تعمیلِ ارشادِ نبوی ہے۔ اور

مسلمانوں کی خیر خواہی۔ (بخاری شریف)
اس کے بعد انہوں نے کوفہ کو خیرباد کہدیا۔ اور قرقسیا میں جاکر رہنے لگے۔ وہیں پر ۵۱ھ میں وفات پائی آپ سے خلقِ کثیر نے روایت کی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

أُولٰئِكَ أَصْحٰبُ الرَّسُوْلِ فَخُذْ بِهِمْ ❊ هُدَى رَسُوْلِ اللهِ إِنْ كُنْتَ مُسْلِمًا

(یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ ہیں۔ ان سے رسول اللہ کی سیرت حاصل کرلے اگر تو مسلمان ہے۔)

---

(۱۹) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے
مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ۔ (ترمذی شریف ابواب الزہد ص۵۵ ج۲)
کہ انسان کے اسلام کی ایک خوبی اس کا بے فائدہ باتوں اور کاموں کو چھوڑ دینا ہے۔

لغات

تَرَكَ (ن) چھوڑنا۔ تِرْكَةٌ۔ تَرِكَةٌ چھوڑی ہوئی چیز۔ میت کا چھوڑا ہوا مال لَا يَعْنِيْهِ عَنٰى يَعْنِيْ عَنْيًا (ض) واقع ہونا۔ نازل ہونا۔ مفید ہونا۔ مراد لینا۔ عِنَايَةٌ عُنْيًا حفاظت کرنا، مشغول ہونا۔ مشغول کرنا، فکرمند ہونا۔ فکرمند کرنا۔ (س) تھکنا، مفید ہونا۔ مفاعلت مشقت برداشت کرنا۔ اِعْتِنَاء اہتمام کرنا۔ پرواہ کرنا۔

ترکیب

تَرْكُ مصدر مضاف ہٗ فاعل مضاف الیہ مَا موصولہ لَا يَعْنِيْهِ فعل، فاعل مفعول بہٖ جملہ فعلیہ صلہ۔ صلہ موصول مفعول بہ ترک کا شبہ جملہ مبتدا مؤخر۔ مِنْ حُسْنِ إِسْلَامِ الْمَرْءِ متعلق حَاصِلٌ وغیرہ کے خبر مقدم۔ اِهْتِمَامًا لِشَانِهٖ جملہ اسمیہ مقولہ۔

تشریح

یہ حدیث بہت ہی اہم ہے۔ امام شافعیؒ نے اس کو رُبع علم فرمایا ہے۔ ؎

عُمْدَةُ الْخَيْرِ عِنْدَنَا كَلِمَاتٌ ❊ أَرْبَعٌ قَالَهُنَّ خَيْرُ الْبَرِيَّةِ

(بہتر باتوں میں سے ہمارے نزدیک چار کلماتِ خیر منتخب ہیں، جو بہترین خلق (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمائے ہیں)

اِتَّقِ الشُّبُهَاتِ وَازْهَدْ وَدَعْ مَا ❊ لَيْسَ يَعْنِيْكَ وَاعْمَلْ بِنِيَّةٍ

((۱) شبہات سے بچو (۲) دنیا میں زاہد بنو (۳) فضولیات چھوڑ دو (۴) نیتوں پر اعمال کی تعمیر کرو۔)

ان اشعار میں چار حدیثوں کی طرف اشارہ ہے۔ اتقائے شبہات وزہد فی الدنیا کا تعلق مباحات سے ہے۔ ترکِ فضولیات اور نیات کا تعلق تمام حالات سے ہے۔

حافظ ابن تیمیہ کہتے ہیں کہ مستحبات و محرمات کے درمیان شریعت نے ایک درجہ مُباحات کا بھی رکھا ہے۔ جو محرمات کی سرحد ہیں۔ مباحات سے محرمات کی ظاہری دلفریبیوں کا نظارہ ہونے لگتا ہے۔ اسلئے اسکو ہلکا نہ سمجھنا چاہیئے۔ عمل کے مسافر کے لئے یہ منزل بہت نازک منزل ہے۔ جو اس منزل پر پہونچ گیا اس کے لئے ہمہ وقت خطرہ ہے کہ دوسرا قدم محرمات میں نہ پہونچ جاتے۔ ان کی مشروعیت کا مقصد یہ ہے کہ آپ ان کو خدا کی عبادات کا ذریعہ بنائیں۔ تاکہ وہ بھی عبادات بنجائیں۔ ان کو اگر معاصی کا ذریعہ بنایا گیا تو عصیان کی فہرست دراز ہوجائیگی۔ مثلاً کھانا، پینا، سونا، باہمی خوش طبعی مباحات ہیں۔ اگر آپ کھانا ادائیگی فرائض و حقوق پر قوت حاصل کرنے کے لئے کھائیں۔ رات کو اس خیال سے سوئیں کہ صبح کی نماز باطمینان ادا کریں گے۔ باہمی خوش طبعی بھائیوں کا دل خوش کرنے اور آپس میں اُلفت و محبت پیدا کرنے کے لئے کریں گے تو یہ مباحات سب عبادات میں شامل ہوجائیں گے۔ اور اگر خواہش نفس پر کیجئے تو حد سے حدمُباح کا درجہ ہوگا۔ بعض اوقات مباحات محرمات بھی بنجاتے ہیں۔ مثلاً انگور کا عرق نکالنا مباح ہے لیکن اگر شراب بنانے کے لئے نکالا تو وہ ہی حرام ہوجائیگا۔ اگر آپ عالمِ غفلت میں مباحات میں قدم رکھتے ہیں تو یہ آپ کا فعل عبث اور آپ کے حسنِ اسلام پر ایک بدنما داغ ہے۔ اسی طرح شادی و غمی، مسرت و شادمانی کی رسوم گو بعض میں اباحت کا مقام مِل سکے لیکن غفلت سے وہ فضولیات محرمات کی فہرست میں آجاتی ہیں۔ اسلئے غفلت مسلمان کی شانِ عالی کے خلاف ہے۔ وہ اپنے اسلام کی چمک دمک میں ہمہ وقت چار چاند لگانیکی سعیِ بلیغ کرتا رہے۔ اور جو قول و فعل اسلام کی نظر میں قابلِ اعتناء و لائقِ اہتمام نہو اس سے یک لخت کنارہ کش ہوجائے، تاکہ اس کو صفتِ احسان کا لباس نصیب ہو۔ اگر اللہ کی عظمت کا تصور ہمہ وقت دل و دماغ پر چھایا رہے، اور اس کو حاضر و ناظر و قادرِ مطلق و مالکِ کُل سمجھے تو بیکار باتوں کیطرف انسان کا قدم نہیں اٹھ سکتا۔ اگر سہو و نسیان و غفلت سے ایسا ہوا تو احساس بیدار ہوتے ہی اس کو سرشکِ ندامت سے دھوڈالیگا۔

اس حدیث کی اہمیت و عام غفلت بالخصوص طلبہ عزیز کی لاپرواہی کے پیشِ نظر قدرے اور وضاحت مناسب معلوم ہوتی ہے۔ حافظ ابن رجب حنبلیؒ فرماتے ہیں کہ لفظی وسعت کے لحاظ سے تو لایعنی کا لفظ تمام اقوال و افعال کو شامل ہے۔ لیکن محاورہ اور استعمال کے اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کا زیادہ تر اطلاق لغو باتوں پر ہوتا ہے۔ اسی کی طرف حسبِ ذیل آیات و احادیث میں اشارہ ہے

(۱) مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ ٥ (قٓ) — (جو بات بھی انسان منہ سے نکالتا ہے تو (اسکو لکھنے کیلئے) نگراں تیار رہتا ہے)

(۲) لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّن نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ — (ان کی اکثر سرگوشیوں میں کوئی بھلائی نہیں مگر ہاں

بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ۔ (نساء)	جو خیرات یا کسی اور نیک کام یا لوگوں میں میل ملاپ کا مشورہ دے (تو اس کی سرگوشی میں خیر ہے)

(۳) امام مالکؒ نے مؤطا میں نقل کیا ہے۔ مجھ کو یہ بات پہونچی ہے کہ لقمان حکیمؒ سے کسی نے پوچھا کہ آپ کو یہ بلند مرتبہ کیسے حاصل ہوا؟ فرمایا تین باتوں سے (۱) راست گوئی (۲) امانت داری۔ (۳) اور بیکار باتوں سے احتیاط کی عادت سے۔

(۴) حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ بیکار باتوں سے مراد مباحات کا غیر ضروری سلسلہ ہے۔

(۵) جو آدمی اپنے عمل اور قول کا موازنہ کرتا رہیگا وہ خود بخود بقدرِ حاجت پر کفایت کریگا عادی ہوجائیگا۔ (ابن حبان)

(۶) اسی مخفی حقیقت کو حضرت معاذ بن جبلؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا: یا رسول اللہ جو باتیں ہم کرتے ہیں کیا ان پر بھی ہم سے مؤاخذہ ہوگا؟ ارشاد فرمایا کیوں نہیں زیادہ تر تو لوگ اسی جا بیجا زبان چلانے کی بدولت ہی منہ کے بل دوزخ میں گرائے جائیں گے۔ (مشکوٰۃ)

(۷) حضرت ام حبیبہؓ کی روایت ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ انسان کے منہ سے جو بات نکلتی ہے اس میں اس کے لئے سراسر نقصان ہے کوئی نفع نہیں۔ بجز ان صورتوں کے کہ وہ بھلی بات کا حکم دے، یا بری بات سے روکے، اور یا اللہ کی یاد کرے۔ (مشکوٰۃ)

(۸) ایک صحابیؓ کے انتقال پر کسی نے کہا: تجھے جنت کی بشارت ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں کیا خبر، شاید کبھی اس نے بیکار بات منہ سے نکالی ہو، یا اپنی ضرورت سے زائد چیز پر بخل کیا ہو۔ (ترمذی شریف)

(۹) ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوکر بولا۔ یا رسول اللہ میں اپنی قوم کا سردار ہوں، جو کہتا ہوں وہ لوگ میری بات مانتے ہیں، ان سے کیا کہوں۔ ارشاد فرمایا سب کو سلام کیا کریں۔ اور فضول باتیں چھوڑ دیں۔ (ابن ابی الدنیا)

(۱۰) حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ کسی آدمی سے اللہ تعالیٰ کے اعراض اور نفرت کرنے کی ایک علامت یہ بھی ہے کہ وہ اس کو بیکار باتوں میں الجھا دے۔

(۱۱) سہیل تستریؒ فرماتے ہیں کہ جو غیر ضروری باتیں کریگا وہ راست گوئی سے محروم ہوجائیگا۔

(۱۲) معروف کرخیؒ فرماتے ہیں آدمی کی بیکار باتوں کا مشغلہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو رسوا کرنیکی ایک علامت ہے۔

اس قسم کی احادیث و اقوال بکثرت ہیں۔ حدیثِ مذکور کا تعلق عام ہونے کے باوجود زیادہ تر اقوال ہی کے ساتھ ہے۔ یوں لایعنی کا مفہوم وہ قول یا فعل ہے جس میں دین کا فائدہ ہو نہ دنیا کا۔

جو طلبہ فضولیات میں خصوصاً دوستی میں (کیونکہ یہ چیز فضولیات وجرائم کا بڑا دروازہ ہے) اپنے اوقات ضائع کر دیتے ہیں۔ وہ یقیناً علم اور اس کی برکات و ثمرات سے محروم ہو جاتے ہیں۔

اور جو لغو و فضول قول و فعل سے پرہیز رکھتا ہے۔ اور بقدر حاجت اپنی ضروریات قولی و فعلی پر کفایت کر کے مقصود پر ثابت قدمی کا عادی ہو جاتا ہے۔ تو ایک وقت وہ آتا ہے کہ وہ شخص علم و عمل اور صفت احسان کے بلند مقام پر پہونچ جاتا ہے۔ اور حدیث کے مطابق اس کے تمام گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ نیز اس کی نیکیوں کا ثواب اسقدر بڑھا دیا جاتا ہے کہ دسؔ سے سات سوؔ ہی تک محدود نہیں رہتا۔ بلکہ اس کے لئے رحمت کا وہ وسیع دروازہ کھل جاتا ہے جس کی وسعت غیر محدود و بے نہایت ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مذکورہ روایت سے معلوم ہوا کہ اسلام کا نازک حسن بیکار باتوں کی ذراسی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا۔ پھر کیا آپ یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ آپ کی غفلت اور من مانی آزادی سے بھی آپ کا بال بیکا نہ ہوگا۔

"وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ"

(۲۰) هُوَ يَوْمُ الدِّيْنِ وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى وَمَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○

وہ (یوم آخر) جزا کا دن ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور آپ کو کیا معلوم کہ بدلہ کا دن کیسا ہوگا۔

ثُمَّ مَآ اَدْرٰكَ مَا يَوْمُ الدِّيْنِ ○ يَوْمَ لَا تَمْلِكُ نَفْسٌ لِّنَفْسٍ شَيْئًا ط

پھر آپکو کیا معلوم کہ بدلہ کا دن کیسا ہوگا۔ یاد رکھو اس دن کسی کو کسی کیلئے ذرا بھی اختیار نہ ہوگا۔

وَالْاَمْرُ يَوْمَئِذٍ لِّلّٰهِ ○ (سورۃ الانفطار پارہ ۳۰ ع ۷)

اور اس دن تمام معاملات اللہ ہی کے قبضہ میں ہوں گے۔

(۲۱) وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ ط فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ

اور اس دن اعمال کا تولا جانا حق ہے۔ پھر جن کا (ایمان کا) پلہ بھاری ہو جائیگا تو وہی لوگ

هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ○ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا

کامیاب ہوں گے۔ اور جن کا پلہ ہلکا ہو جائیگا تو یہ وہی لوگ ہوں گے جنہوں نے ہماری آیتوں

اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ○ (سورۃ الاعراف پارہ ۸ ع ۷)

کے ساتھ ناانصافی کر کے اپنا ستیاناس کر لیا تھا۔

(۲۲) وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا

اور ہم قیامت کے دن انصاف کی ترازوئیں قائم کریں گے پھر کسی پر بالکل بھی ظلم نہ ہوگا۔

وَإِنْ كَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ أَتَيْنَا بِهَا وَكَفَىٰ بِنَا حَاسِبِينَ ۝
اور اگر رائی کے ایک دانہ کی برابر بھی (کسی کا کوئی) عمل ہوگا تو ہم اس کو ترازو میں لا رکھیں گے۔ اور ہم حساب لینے والے کافی ہیں۔ (سورۃ الانبیاء ۔ پارہ ۱۷ ع ۴)

(۲۳) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّورِ فَلَا أَنسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَلَا يَتَسَاءَلُونَ ۝
پھر جب (دوسری بار) صور پھونکا جائیگا تو انکے اُسدن آپسی تعلقات ٹوٹ جائیں گے اور وہ ایکدوسرے (کے حال) کو نہ پوچھیں گے۔
فَمَن ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ
پھر جنکا پلہ بھاری ہوجائیگا تو وہ لوگ ہی کامیاب ہوں گے۔ اور جنکا پلہ ہلکا ہوجائیگا
مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فِي جَهَنَّمَ خَالِدُونَ ۝
تو یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے خود اپنے آپ کو نقصان میں ڈالدیا تھا دوزخ میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔
تَلْفَحُ وُجُوهَهُمُ النَّارُ وَهُمْ فِيهَا كَالِحُونَ ۝ (سورۃ المؤمنون پ ۱۸ ع ۶)
آگ ان کے چہروں کو (بری طرح) جھلس دے گی۔ اور جہنم میں ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔

لغات

اَدْرٰكَ آگاہ کرنا، جتلانا۔ کہا جاتا ہے مَا اَدْرٰكَ، وَمَا يُدْرِيكَ یعنی تم نہیں جانتے۔ دَرٰى يَدْرِي دَرْيًا دِرْيَةً دَرَيَانًا دُرِيًّا دِرَايَةً (ض) حیلہ سے جاننا۔ مشقت سے جاننا۔ آخری مصدر دِرَايَةً زیادہ مستعمل ہے۔ دھوکا دینا۔ سر کھجلانا بھی معنی ہیں۔ لَا تَمْلِكُ (ض) مالک ہونا۔ غالب ہونا، قابو رکھنا، نکاح کرنا، اختیار رکھنا۔ تفعیل سے متعدی۔ يَوْمَئِذٍ ای يَوْمَ اِذْ كَانَ كَذَا۔ تنوین بعوض مضاف الیہ ہے۔ يومٌ دن، مطلق وقت ج اَيَّامٌ جج اَيَاوِيم۔ اَيَّامُ اللهِ خدا کے دن یعنی انعامات و عقوبات خداوندی۔ اَيَّامُ الْعَرَبِ جنگہائے عرب۔ اِبْنُ الْاَيَّامِ زمانہ شناس۔ اِبْنُ الْيَوْمِ زمانہ ساز۔ يَوْمٌ اَيْوَمُ مہینہ کا آخری دن۔ اَلْوَزْنُ۔ وَزَنَ يَزِنُ وَزْنًا زِنَةً (ض) تولنا (ك) بوجھل ہونا، باوقار ہونا، عقلمند و سنجیدہ رائے ہونا۔ تَوَازَنَ برابر کرنا۔ وَزْن بوجھ ج اَوْزَانٌ۔ مِيزَانٌ ترازو۔ انصاف، مقدار ج مَوَازِين۔ اَلْحَقّ۔ حَقَّ حَقًّا (ن) غالب ہونا۔ ثابت کرنا۔ حقیقت پر مطلع ہونا۔ العقدۃ باندھنا الرحل وسط راس یا مونڈھے پر مارنا۔ (ض) واجب ہونا۔ (ض ن) سے واجب ہونا۔ ثابت ہونا۔ سخت پیش آنا۔ (س) دوڑنے میں گھوڑے کا اگلی ٹانگوں کی جگہ پچھلی ٹانگیں رکھنا۔ اَلْحَاقَّةُ مصیبت، قیامت۔ مُحَقِّق مسائل کو دلائل سے ثابت کرنیوالا۔ حَقٌّ اسم باری۔ حَقَّانِي نسبت۔ ثَقُلَتْ (ك) بھاری ہونا، بوجھل ہونا، سخت بیمار ہونا۔ ثَقَّلَ بوجھل کرنا۔ سخت مریض ہونا۔ (ن) وزن کرنے کے لئے وزن ہاتھ میں اٹھانا۔ مِثْقَال تولنے کے اوزان۔ مِثْقَالُ الشَّيءِ چیز کا وزن۔ عرفاً ڈیڑھ درہم کے وزن کو مثقال

کہتے ہیں۔ اور کبھی کم زیادہ کو بھی کہتے ہیں۔ ج مَثَاقِیْل۔ اَلْمُفْلِحُوْنَ صیغہ اسم فاعل از افعال کامیاب ہونیوالے۔ (ف) زمین جوتنا، مکر کرنا، خرید و فروخت میں دھوکہ دینا۔ (س) نیچے کے ہونٹ کا پھٹنا۔ استہزاء کرنا، مکر کرنا۔ اَفْلَحَ مطلوب پر کامیاب و فتحمند ہونا، کوشش میں کامیاب ہونا۔ اِسْتَفْلَحَ بہ کامیاب و فتحمند ہونا۔ الفلح پھٹن۔ ج فُلُوْحٌ۔ اَلْفَلَحُ و اَلْفَلَاحُ کامیابی، درستی، حال، بقاء، نجات۔ حَیَّ عَلَی الْفَلَاحِ یعنی کامیابی اور نجات کے راستہ کی طرف آؤ۔ الفلاح سحری۔ فَلَّاحٌ کاشتکار۔

خَفَّتْ (ض) ہلکا ہونا، خفیف العقل ہونا، کم مال والا ہونا، جلدی ہونا، کرنا۔ تَخْفِیْفٌ ہلکا کرنا۔ باریک بنانا۔ خِفَّۃٌ ہلکاپن۔ خَفِیْفٌ ہلکا۔ پھرتیلا۔ خَسِرُوْا (س) نقصان اٹھانا، گمراہ ہونا۔ ہلاک ہونا۔ (ض) خَسْرًا خُسْرَانًا کم کرنا، گھٹانا، ضائع کرنا۔ یَظْلِمُوْنَ ظَلَمَ ظُلْمًا مَظْلَمَۃً (ض) بے موقع رکھنا ظلم کرنا، گھٹانا، راستہ سے ہٹ جانا۔ (س) تاریک ہونا۔ اَظْلَمَ تاریک ہونا۔ تاریک کرنا۔ ظَلَّمَ ظلم کی طرف نسبت کرنا۔ ظُلْمَۃٌ تاریکی۔ ج ظُلَمٌ ظُلُمَاتٌ۔ ظَلَامَۃٌ۔ مَظْلَمَۃٌ ظلم جو تم اٹھاؤ۔ جو چیز تم سے ظلماً لیجائے۔ حق تلفی۔ نَضَمَ (ف) کمینہ بنانا۔ ذلیل کرنا، بات گھڑنا۔ الکتاب تالیف کرنا۔ دور کرنا۔ رکھنا، گرانا، مرتبہ سے گھٹانا۔ اپنے آپ کو ذلیل کرنا۔ (س) نقصان اٹھانا (ک) لئیم ہونا، خسیس ہونا۔ مُوَاضَعَۃ شرط لگانا۔ کسی معاملہ میں موافقت کرنا۔ اَلْقِسْطُ عدل۔ عادل۔ انصاف۔ حصہ۔ مقدار۔ پیمانہ۔ ترازو۔ ج اَقْسَاطٌ (ض) ظلم کرنا، ہٹ جانا۔ صفت قَاسِطٌ ج قُسَّاطٌ، قَاسِطُوْنَ (ض ن) انصاف کرنا۔ منصف ہونا۔ حَبَّۃٌ دانہ ج حَبَّاتٌ۔ خَرْدَلٌ خَرْدَلَۃٌ کی جمع رائی وَکَفٰی (ض) کِفَایَۃً کافی ہونا۔ قناعت کرنا۔ دوسرے سے مستغنی ہونا۔ کارگذاری کر دینا۔ کارگذاری سے مستغنی کر دینا۔ کَفٰی کے فاعل پر بار کی زیادتی ہوتی ہے جیسے کفٰی باللّٰہِ شہیدًا۔ حَاسِبِیْنَ اسم فاعل کا صیغہ حَسَبَ حَسْبًا حِسَابًا و حِسْبَانًا (ن) شمار کرنا، حساب کرنا (س ح) حِسْبَانًا و مَحْسَبَۃً گمان کرنا (ک) شریف ہونا۔ مُفَاعَلَۃ سے حسابات کی جانچ کرنا۔ حَاسِبٌ حساب داں ج حَاسِبُوْنَ، حَسَبَۃٌ۔ اَلْحَسْبُ مص کافی ہونا حَسَب عدد، اندازہ، موافق، حساب، شمار، کافی۔ عَطَاءً حِسَابًا کافی دینا۔ یَوْمُ الْحِسَاب قیامت کا دن۔ نَفَخَ (ن) منہ سے پھونک مارنا۔ نَفْخٌ تکبر۔ فخر۔ سوجن۔ نَفْخَۃٌ پھولنا۔ صُوْر نرسنگھا۔ صَارَ یَصُوْرُ صَوْرًا آواز دینا۔ جھکا دینا۔ صَوِرَ صَوَرًا (س) جھکنا۔ صَوَّرَ تصویر بنانا۔ مُصَوِّرٌ تصویر بنانے والا۔ اسم باری اَنْسَاب نَسَب کی جمع۔ قرابت۔ رشتہ داری۔ (ن ض) نسب بیان کرنا۔ نسب دریافت کرنا۔ نسبت کرنا۔ مُنَاسَبَۃٌ مشابہ ہونا۔ مناسب ہونا۔ نسب میں شریک ہونا۔ نِسْبَۃٌ قرابت۔ رشتہ داری، ربط و تعلق۔ خَالِدُوْنَ صیغہ اسم فاعل۔ (ن) ہمیشہ رہنا۔ اقامت کرنا۔ خُلُدٌ ہمیشگی۔ دوام۔ خَلَدٌ دل ہمیشہ رہنے والا۔ خَالِدٌ اسم فاعل۔ اَبُوْخَالِد کتا۔ تَلْفَحُ (ف) جھلس دینا۔ نَارٌ لَفُوْحٌ و لَافِحٌ جلانیوالی آگ۔ اَلنَّار آگ نِیْرَان جمع۔ نَارَ نَوْرًا نِیَارًا روشن ہونا (آگ کی چار قسمیں ہیں۔ روشن ہے

جلاتی ہے۔ یہ ہماری دنیا کی آگ ہے۔ نہ روشن ہے نہ جلاتی ہے۔ یہ شجر اخضر کی آگ ہے (جو بعض پیڑوں میں ہوتی ہے۔ نہ ان کو جلاتی ہے نہ وہ چمکتی ہے) روشن تو ہے مگر جلاتی نہیں۔ یہ موسیٰ علیہ السلام والی آگ ہے۔ جو ان کو کوہ طور پر نظر آئی تھی۔ پورے درخت میں پھیلی ہوئی تھی مگر ایک پتہ کو بھی اس نے نہیں جلایا۔ روشن تو بالکل بھی نہیں ہے مگر جلاتی خوب ہے۔ یہ جہنم کی آگ ہے جو دنیا کی آگ سے انہتر یا سو حصے زیادہ تیز ہے۔ جو اول وہلہ میں قلب پر بجلی کی طرح پہونچ جاتی ہے۔ تَطَّلِعُ عَلَى الْأَفْئِدَةِ۔ مگر بالکل تاریک اور سیاہ ہے۔ (نعوذ باللہ منہا) كَالِحُوْنَ۔ كَلَحَ كُلُوْحًا وَكُلَاحًا (ف) تیوری چڑھا ہوا ہونا۔ بدشکل ہونا۔ تفعیل سے متعدی۔ كَالِحٌ وہ شخص جسکے ہونٹ کھلے ہوئے ہوں۔

ترکیب

هُوَ مبتدا يَوْمُ الدِّيْنِ خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔ وَقَالَ اللهُ جملہ فعلیہ قول مَا اسم استفہام مبتدا۔ اَدْرَاكَ فعل ضمیر فاعل كَ مفعول اول مَا مبتدا۔ يَوْمُ الدِّيْنِ خبر۔ جملہ اسمیہ انشائیہ قائم مقام مفعول ثانی۔ جملہ معطوف علیہ۔ ثُمَّ مَا اَدْرَاكَ الخ اسی طرح معطوف۔ والاستفہام الاول للانكار والثانی للتعظيم والتهويل ای ای شیٍٔ ادراك عظم يوم الدين وشدة هوله ای لاعلم لك به الا باعلامِ مِنَّا۔ يَوْمَ مضاف لَا تَمْلِكُ فعل نَفْسٌ فاعل لِنَفْسٍ متعلق شَيْئًا مفعول بہ جملہ مضاف الیہ ظرف متعلق اُذْكُرْ یا يُدَانُوْنَ فعل کے۔ جملہ فعلیہ وَالْاَمْرُ مبتدا يَوْمَ مضاف اِذٍ بمعنی وقت مضاف كَانَ كَذَا جملہ یوم کا مضاف الیہ۔ ظرف كَائِنٌ محذوف کا۔ لِلّٰهِ متعلق محذوف۔ متعلق وظرف سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔

(۲۱) اَلْوَزْنُ اپنے ظرف يَوْمَئِذٍ سے ملکر مبتدا۔ الحقّ خبر۔ یا اَلْوَزْنُ اپنی صفت اَلْحَق سے ملکر مبتدا۔ يَوْمَئِذٍ خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔ فَ تفصیلیہ۔ مَنْ شرطیہ۔ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فعل فاعل جملہ فعلیہ شرط۔ فَاُولٰٓئِكَ مبتدا۔ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ مبتدا خبر ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ جزا۔ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ جملہ شرط۔ فَاُولٰٓئِكَ مبتدا اَلَّذِيْنَ اسم موصول خَسِرُوْا فعل هُمْ ضمیر فاعل اَنْفُسَهُمْ مفعول بہ۔ كَانُوْا فعل هُمْ اسم بِاٰيٰتِنَا متعلق يَظْلِمُوْنَ کے جملہ فعلیہ خبر۔ كَانُوْا مع اسم وخبر جملہ صلہ۔ مَا موصولہ صلہ سے ملکر مجرور بَا۔ متعلق خَسِرُوْا اور وہ فاعل مفعول اور متعلق سے ملکر صلہ۔ اَلَّذِيْنَ صلہ سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ جزا۔

(۲۲) نَضَعُ فعل با فاعل اَلْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ موصوف صفت مفعول بہ (ای ذوات القسط) لِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ متعلق جملہ فعلیہ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَيْئًا جملہ فعلیہ۔ وَاِنْ كَانَ ای العملُ۔ مِثْقَالَ مضاف حَبَّةٍ موصوف كَائِنَةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ صفت خبر كان جملہ شرط۔ اَتَيْنَا فعل با فاعل۔ بِهَا متعلق جملہ فعلیہ جزا۔ وَكَفٰى فعل بِنَا متعلق لفظًا فاعل معنًا ضمیر ذوالحال۔ حَاسِبِيْنَ حال۔ ذوالحال وحال فاعل۔ جملہ فعلیہ۔

(۲۳) فَإِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ جملہ شرط فَلَا أَنْسَابَ اسم لا کائنۃ محذوف بَيْنَهُمْ ظرف يَوْمَئِذٍ ثانی ظرف سے ملکر خبر جملہ جزا۔ (ای لا انساب بینھم یفتخرون بھا کما یتفاخرون فی الدنیا لان اللہ یلقی بینھم العداوۃ والبغضاء یوم القیمۃ قال تعالیٰ الْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ) وَلَا يَتَسَاءَلُونَ جملہ فعلیہ۔ والترکیب فی الجمل البواقی ظاھر لا یحتاج الی تامل وتفکر کثیر)

تشریح یہاں مؤلف نے قرآن پاک کی چار آیات ذکر فرمائی ہیں۔ جو عنوان کے موافق قیامت ہی سے متعلق ہیں۔ اول میں قیامت کے دن کی عظمت اور ہولناکی اور دنیاوی اسباب کی ناکامی کا ذکر ہے۔ اور چونکہ قیامت مفاتیح الغیب میں سے ہے۔ جس کا علم اللہ نے کسی کو نہیں دیا۔ جیسا کہ حدیث جبرئیل میں ہے۔ فی خمس لا یعلمھا الا ھو ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کا علم ان پانچ میں سے ایک ہے جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور آپنے بطور دلیل واستشہاد سورۂ لقمان کی یہ آخری آیت پڑھی۔ اور بھی قرآن میں صریح آیات موجود ہیں جن میں ہے کہ قیامت کا علم بجز خدا کے کسی کو نہیں۔ جو شخص اللہ کے ان علوم خاصہ میں کسی کو شریک مانیگا وہ یقیناً احادیث صریحہ و آیات قطعیہ کا منکر اور کافر و مشرک ہوگا۔ بہرحال اس وجہ سے ان آیات میں یہ انداز اختیار کیا گیا۔ اور مجملاً قیامت کے دن کی تعظیم وتہویل شان کو بار بار سوال کے انداز میں ظاہر فرمایا گیا۔

دوسری اور تیسری آیتوں میں وزنِ اعمال کا ذکر ہے۔ ممکن ہے کہ ایک ترازو ہو۔ اور موازین جمع کثرت موزونات کے اعتبار سے لائی گئی ہو۔ بعض لوگوں نے موازین کو موزون کی جمع بھی کہدیا ہے۔ یا تعددِ وزن کیوجہ سے جمع لائی گئی ہو۔ کہ ایمان وعقائد کا وزن الگ اور اعمال کا الگ ہو۔ یا اجزائے میزان کے اعتبار سے ہو۔ یا ایمان کی الگ ترازو ہو اور اعمال کی دوسری۔ اور ما فوق الواحد پر جمع کا اطلاق کیا گیا ہو۔ یا اس ترازو کی عظمت کی وجہ سے جمع کا لفظ لایا گیا ہو۔ سلیمان جمل لکھتے ہیں۔

فان الصحیح انہ میزان واحد لجمیع الامم ولجمیع الاعمال وھو جسم مخصوص لہ کفتان وعمود کل کفۃ قدر ما بین المشرق والمغرب ومکانہ بین الجنۃ والنار کفۃ الیمنی للحسنات عن یمین العرش وکفۃ الیسری للسیئات عن یسارہ۔ (صحیح یہ ہے کہ سب امتوں اور تمام اعمال کے لئے ترازو ایک ہی ہوگی۔ اور وہ ترازو ایک مخصوص جسم ہوگا۔ جس میں دو پلڑے اور ایک ڈنڈی ہوگی۔ ایک پلڑا بقدرِ مشرق تا مغرب وسیع ہوگا۔ اور اس ترازو کے قائم ہونیکی جگہ جنت و دوزخ کے درمیان ہوگی۔ (تفسیر کبیر میں حضرت حسن بصری کا قول نقل کیا گیا ہے کہ وہ

جبرئیل کے ہاتھ میں ہوگی) اس کا داہنا پلڑا نیکیوں کے لئے عرش کی داہنی جانب اور بلیاں بُرائیوں کے لئے عرش کی بائیں جانب ہوگا۔ وھکذا روی عن ابن عباسؓ فی کتب الاحادیث۔

دوسرے وزن انصاف کیساتھ ہوگا۔ جس کی نیکیوں کا وزن زیادہ ہوگا وہ جنتی اور کامیاب ہے ورنہ تو دوزخی اور عذاب شدید کا مستحق ہے۔ اور حساب میں کوئی دقت و پریشانی یا غلطی مخلوق کو تو ہو سکتی ہے، مگر خالق کائنات علیم وخبیر سے نہ غلطی ہوسکتی ہے، نہ وہ ظلم وزیادتی کریگا، نہ اسپر دشوار ہوگا۔ وَكَفٰى بِنَا حَاسِبِيْنَ۔ چوتھی آیت میں صور پھونکے جانیکا ذکر ہے۔ اس صور سے مُراد دوسرا صور (نفخۂ ثانیہ) ہے۔ جو اول صور سے چالیس سال بعد مُردوں کو زندہ کرنے کے لئے پھونکا جائیگا جکی تفصیل احادیث میں ہے۔ دوسری بات یہ بتلائی گئی کہ وہاں رشتے اور تعلقات سب ختم ہوجائیں گے۔ کوئی کسی کے کام تو کیا آتا کسی کا حال چال اور خیر خیریت بھی معلوم نہ کرسکیگا۔ سب کو اپنی اپنی پڑی ہوگی۔ پھر وزن وحساب کے بعد جب جہنمی جہنم میں چلے جائیں گے تو آگ ان کو جلا جلا کر خراب کرڈالے گی۔ قبیح اعمال اور سیاہ کفر وشرک کے نتیجہ میں ان کی صورتیں بگڑ جائیں گی۔ اوپر کا ہونٹ بیچ کھوپڑی تک سکڑ جائیگا، اور نیچے کا ناف تک لٹک جائیگا جیساکہ حدیث میں آیا ہے۔ ان آیات میں دو چیزیں تھوڑی تفصیل طلب ہیں۔ ایک آخرت اور اس کا یقین، دوسرے وزنِ اعمال۔ تفصیل کی تو گنجائش نہیں۔ البتہ بقدرِ ضرورت وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔ بغور مطالعہ کیجیے۔ ان چیزوں کے بیان کی اس دورِ پُرفتن اور انکارِ صداقت کے ماحول میں سخت ضرورت ہے۔ اور ہم لوگ خود بھی اپنے یقین کو تازہ اور ایمان کو مضبوط کرنے کے لئے ایمانیات کا گہری نظر سے مطالعہ کرکے ان مباحث کو اپنے قلب کی گہرائیوں میں اتار لینے کے سخت محتاج ہیں افسوس ہے کہ ہماری جماعت بھی آج خود فراموشی کے کنارے پر جا پہونچی۔ اے طلبۂ عزیز خود کو اور اپنی قوم کو ہلاکت کے جہنم سے بچاکر اسلام کے امن وسلامتی کے قلعہ میں محفوظ کرنے کے لئے اپنی جوان ہمتوں کو قربان کردیجیے۔ وَفَّقَنَا اللّٰهُ وَاِيَّاكُمْ۔

یومُ الدّین

روزِ جزا اس دن کا نام ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اعمال کی جزا وسزا دینے کے لئے مقرر کیا ہے۔ دُنیا جزا وسزا کی جگہ نہیں ہے۔ یہ دار العمل فرض ادا کرنیکا دفتر ہے۔ تنخواہ یا صِلہ وصول کرنیکی جگہ نہیں ہے۔ لہٰذا یہاں کسی کو عیش وعشرت، راحت ودولت سے مالا مال دیکھ کر یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ اللہ کے نزدیک محبوب ومقبول ہے۔ یا کسی کو رنج ومصیبت میں مبتلا پاکر اسکے معتوب و مردود ہونیکا حکم نہیں لگایا جاسکتا۔ جس طرح کسی کو دُنیا کے دفتروں، کارخانوں میں اپنا فرض

ادا کرنے میں مصروفِ محنت دیکھ کر کوئی سمجھدار اس کو مصیبت زدہ نہیں کہتا۔ اور وہ خود بھی مشقت کے باوجود اپنے آپ کو گرفتارِ بلاء و مصیبت نہیں سمجھتا، بلکہ اس محنت کو وہ اپنی کامیابی کا پیش خیمہ تصور کرتا ہے۔ اور کوئی مہربان اگر اس کو اس مشقت سے سبکدوش کرنا چاہے تو وہ اس کو اپنا بدترین دشمن خیال کرتا ہے۔ کیونکہ وہ اس مشقت کے پسِ پردہ راحت کے جلوے دیکھ رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس دنیا میں انبیاء علیہم السلام اور اولیائے کرام مصائب میں مبتلا رہنے کے باوجود نہایت مطمئن اور بسا اوقات مسرور نظر آتے ہیں ؎

فقر میں بھی میں سرلبریز فرح و سُرور و ناز ہوں ۔ حق کا نیاز مند ہوں سب سے بے نیاز ہوں

الغرض عیش و عشرت، حق و صداقت کی اور رنج و مصیبت بدعملی کی یقینی دلیل نہیں۔ یہاں کے راحت و آرام اور مصائب و مشکلات کبھی آزمائش اور امتحان ہوتے ہیں۔ جس سے جوہرِ اصلی و غیر اصلی میں امتیاز کرکے اوّل الذکر کو نوازنا مقصود ہوتا ہے۔ اور کبھی راحت و آرام مہلت اور ڈھیل اور مصائب بدعملی کے نتائج بھی ہوتے ہیں۔ اعمالِ خیر و شر کی پوری جزاء و سزا کا یہ دنیا محل نہیں۔ اور یہ بات عدل و انصاف و عقل و دانش نیز انسانی فطرت کے بھی خلاف ہے۔ کہ مجرم کا جُرم ظاہر کیے بغیر اور منعم علیہ کا اظہارِ استحقاق کیے بغیر سزا یا انعام دیا جائے۔ اسلئے ضروری ہے کہ اس عالم کے بعد کوئی ایک دن حساب اور جزاء و سزا کا دن ہو جس میں مکلفین کے اعمال کے نتائج ظاہر ہوں، اسی کو یوم الدین۔ یوم الحساب اور یوم القیامۃ جیسے معنی خیز ناموں کے ساتھ قرآنی آیات اور حدیثی نصوص نے موسوم کیا ہے۔

قیامت و آخرت کا عقلی ثبوت

سب کچھ کے بعد کچھ تو ہونا ضرور ہے ۔ سب کچھ کے بعد کچھ نہیں یہ تو کچھ نہیں

کوئی بھی عاقل جو کام کرتا ہے تو سب سے اوّل اس کے ذہن میں اس کی غایت، اس کا نتیجہ و ثمرہ ہوتا ہے ہاں جن کا جوہرِ عقل ضائع ہو چکا یا جن کی عقل بے حسی میں گم ہے، ان کی نظر کے سامنے اگر نتائج نہ ہوں تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ بہرحال اہلِ عقل کوئی بے نتیجہ اور عبث کام ہرگز نہیں کرتے۔ تو خالقِ عقل و مالکِ کل کس طرح ایسا کام کریگا جو بیکار و فضول اور بے نتیجہ ہو۔

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا وَّأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُوْنَ ۝ فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ۔

(پ ۱۸ ع ۶)

کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ ہم نے تمکو یونہی بیکار پیدا کردیا ہے اور یہ کہ تم ہماری بارگاہ میں واپس نہ کیے جاؤ گے۔ سو بلند و برتر ہے اللہ جو حقیقی بادشاہ ہے۔

بہرحال قیامت کا نہ آنا اور حساب و جزاء و سزا کا نہ ہونا عقل و دانش کے خلاف اور اللہ کے عدل

وحاکمیت ومالکیت کی شانِ عالی کے قطعاً منافی ہے۔ مرنے کے بعد اٹھنا اور مابعد الموت کے جملہ احوال حق ہیں۔ جس نے اوّل بار پیدا کیا وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی مکمل قدرت رکھتا ہے۔ کسی چیز کا اولاً ایجاد کرنا دشوار ہوتا ہے، پھر اس کا بنانا اتنا مشکل نہیں ہوتا۔ اللہ کے لئے نہ اوّل پیدا کرنا دشوار تھا نہ دوبارہ۔ اگر کوئی کوتاہ عقل اتنی موٹی بات نہ سمجھ سکے، تو اس کی قدرت کے جلوے کھلی آنکھوں سے اس کائنات میں دیکھے۔ سورج، چاند، ستاروں کے طلوع وغروب کا سلسلہ شب وروز کی آمد ورفت، اللہ کی قدرتِ کاملہ پر مسلسل دلائل بھی ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک یقینِ آخرت کے مُبَلِّغ بھی۔ بہار کے بعد خزاں اور خزاں کے بعد بہار میں قدرتِ حق کے جلوے اور حیات وموت اور حشر کے کھلے نمونے نہیں تو اور کیا ہیں؟ چلتے پھرتے انسانوں کا آغوشِ شب میں محوِ خواب ہو جانا اور پھر صبح بیدار ہو کر میدانِ حیات میں مصروفِ عمل ہو جانا کیا اس یقین کا روشن ثبوت اور اہلِ عقل کے لئے عبرتناک درس نہیں؟

کم از کم اگر یہ تمام کائنات میں پھیلے ہوتے مظاہرِ قدرت امکانِ حشر ونشر ہی تک کسی ردّی عقل والے کو پہونچا سکتے ہوں تب بھی اس پر یقینِ آخرت کا باب ضرور کھل جائیگا۔ بشرطیکہ وہ اپنی کمزور عقل پر تھوڑا سا دباؤ اور ڈالدے۔ دیکھیے اگر کسی ممکن چیز کے بارے میں کوئی اچھا آدمی خبر دیتا ہے کہ وہ ممکن کام ہوگیا یا اس کے ہونیکا قطعی فیصلہ ہوگیا تو اس کا بلاپس وپیش یقین کر لیا جاتا ہے مثلاً آدمی کو موت آنا ممکن ہے۔ ایک معتبر شخص آپ سے کہتا ہے کہ آج صبح زید جو سخت بیمار تھا مر گیا۔ تو آپ فوراً متاثر ہوں گے اور یقین کر کے اس کی موت کا اعلان کرنے لگیں گے۔ اگر کسی کو اس خبر میں تردُّد ہوگا تو آپ اس معتبر شخص کا فوراً حوالہ دیں گے۔ اسی طرح اگر کسی کی شادی کی بات چیت چل رہی تھی، کوئی معتبر اور سچا آدمی کہتا ہے کہ ۱۰ محرم الحرام جمعہ کے دن شادی ہونا طے ہوگیا ہے تو اس کا آپ یقین کر لیں گے۔ اور پورے اعتماد کے ساتھ احباب ومتعلقین سے اس کا تذکرہ کرینگے۔ اور کسی کو تردد پیش آنے کی صورت میں آپ اسی معتبر ومعتمد علیہ سچے انسان کا حوالہ دیکر مخاطب کو مطمئن کر دیں گے۔ اب کان کھولکر سنیئے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ عقلمند انسان اس بات کو ضرور تسلیم کرتا ہے کہ ہمارے پیدا کرنیوالے کو دوبارہ پیدا کرنے کی قدرت ہے۔ یعنی قیامت وحشر ونشر وغیرہ سب ممکن ہیں۔ اور اس کے ثبوت کی خبر دینے والا ایک سچا انسان نہیں بلکہ ایسے سوا لاکھ معصوم اور سچوں کی عظیم جماعت پوری بصیرت وطاقت کیساتھ آخرت کے برحق ہونیکا اعلان کر رہی ہے جنکے دشمن بھی ان کی صداقت کا یقین رکھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ مالک الملک نے اس کا ایک دن مقرر کر دیا ہے۔ پھر کروڑوں اور اربوں کی تعداد میں سچے انسانوں نے ان کی آواز پر پوری قوت کے ساتھ اس اعلان کو ہر انسان کے کانوں تک پہونچایا۔ ہم بھی اُن پاکیزہ وپاکباز ہستیوں کا

حوالہ دیتے ہوئے حق پر صداقت ختم ہے ہر اس شخص کو مطمئن کرنا چاہتے ہیں جو صداقت و حقیقت کا اقرار و اعتراف کرتا ہے۔ لیکن یہاں آکر بد نصیب انسان اس مسلّم اصولِ مذکور کو بھول جاتا ہے پھر دنیا کے شہروں اور ان کے حالات کا یقین سڑے ہوئے جھوٹے انسانوں کی زبانی منکر اور غیر معتبر اخبارات کی غیر مصدقہ خبروں کو پڑھ کر یقین کرنے والے بد قسمت آدمی اسقدر یقینی چیز کے صاف منکر ہیں جس کے انکار سے عقل بھی انکار کرتی ہے۔ وَمَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ جس کو اللہ ہی گمراہ کردے اس کو کون ہدایت دے سکتا ہے۔

این سعادت بزورِ بازو نیست ۔ تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

یقینِ آخرت ہی روحِ زندگی ہے

اسلامی عقائد میں یقینِ آخرت ایک ایسا انقلابی عقیدہ ہے جس نے دنیا کی کایا پلٹ کردی۔ اور جس نے آسمانی علم پر عمل کرنیوالوں کو پہلے اخلاق و اعمال میں اور پھر دنیا کی سیاست میں بھی تمام عالم کے مقابلہ میں ایک امتیازی مقام عطا فرمایا۔ یہ ایسا عقیدہ ہے جو توحید و رسالت کی طرح حضرت آدمؑ سے لیکر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام شریعتوں میں مشترک و متفق علیہ چلا آرہا ہے۔ جن لوگوں کی نگاہیں اس عالم ناپائیدار کی حدود میں محدود ہیں، اور مابعد الموت کا ان کو یقین نہیں وہ جھوٹ سچ حرام و حلال کے امتیاز کو اپنی عیش و عشرت میں خلل انداز نہیں بنا سکتے۔ جس کے نتیجہ میں وہ اپنی نفسانی خواہشات پر اپنی دنیا کو آخرت ہی کو نہیں بلکہ اپنے تمام ابنائے جنس کے راحت و سکون کو بھینٹ چڑھا دیتے ہیں۔ حکومت کے تعزیری قوانین ان کو جرائم سے باز رکھنے میں بے بس ثابت ہوتے ہیں۔ انسان کو اگر کوئی چیز خلوت و جلوت میں جرائم سے روک سکتی ہے یا عظمتِ حق و شفقتِ خلق پر آمادہ کرسکتی ہے وہ صرف آخرت کے دن احکم الحاکمین کی عظیم عدالت میں زندگی کے ایک ایک لمحہ کی جوابدہی کا یقین ہے اور بس۔ دنیاوی قوانین سڑکوں پر گو کسی درجہ میں چل سکیں خلوتوں میں وہ نہیں چلا کرتے۔ قلوبِ بنی آدم پر ان کی عظمت کی چھاپ نہیں لگتی۔ خلوت و جلوت، قلب و قالب پر برابر نافذ ہونیوالا قانون وہی اور صرف وہی ہوسکتا ہے جس کا جلی عنوان "عقیدۂ آخرت" اور "مابعد الموت پر یقین" ہو۔

یہی وہ عقیدہ تھا جس پر عمل کرنے کی وجہ سے اسلام کے ابتدائی دور میں ایسا پاکیزہ معاشرہ پیدا ہوا کہ مسلمانوں کی صورت اور ظاہری معاملات ہی دیکھ کر لوگ دل و جان سے اسلام کے گرویدہ ہوجاتے اور اپنی زندگی کو انسان و انسانیت کے لئے سراپا امن و سلامتی اور شفقت و رحمت بنا کر دنیا کے سامنے پیش کر دیتے تھے۔ اگر اس مختصر سی تحریر میں فکر و نظر کو

کام میں لایا جائے تو ایک انصاف پسند انسان یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ، واقعی نظامِ عالم کی مکمل کامیابی اور انسانی زندگی کی حقیقی روح اگر ہے تو یہی، "عقیدۂ آخرت" ہے۔ کاش آج کا ترقی یافتہ انسان جو اپنی محنتوں سے چیزوں کو قیمتی بنا رہا ہے ایسے زرّیں یقین کو اپنے دل میں جما کر پورے عالمِ انسانیت کو دعوت دے۔ اور انسانوں کو قیمتی بنانے پر اپنی محنتوں کو کام میں لائے۔ اور اس طرح وہ اپنی ذات کو بھی قیمتی بنالے۔

وزنِ اعمال

مذکورہ چاروں آیات میں سے تین آیتوں میں اعمال کے تولے جانے کا ذکر ہے۔ "اَلْوَزْنُ یَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ" یعنی بھلے بُرے اعمال کا وزن ہونا اس دن حق اور صحیح ہے۔ اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ لوگ دھوکہ نہ کھائیں کہ وزن تو ان چیزوں کا ہو سکتا ہے جن میں بوجھ ہو۔ اعمال تو اعراض ہیں، ان کا وزن کیسے ہو سکے گا۔؟

اس شبہ کا جواب پہلے علماء نے کئی طرح سے دیا ہے۔ اور ہر ایک نے اپنے جوابات کی تائید میں آیاتِ قرآنیہ اور نصوصِ حدیثیہ پیش کی ہیں۔ جن کو آپ بڑی کتابوں میں پڑھ لیں گے۔ یہاں اجمالاً اور اشارۃً اس سلسلہ میں کچھ مختصر وبقدر کفایت تحریر سے زیادہ گنجائش نہیں۔ تفصیلات ہمارے رسالہ، "بخاری شریف کی آخری حدیث" میں ملاحظہ کیجئے۔ حاصل ان کا یہ ہے کہ

(۱) بعض علماء کہتے ہیں کہ ہمارے اعمال دوسرے عالم میں اچھی یا بُری شکلیں اختیار کر لیتے ہیں ان شکلوں کو میزان میں رکھ کر تولا جائیگا۔ بہت سی احادیث میں اعمال کے اچھی یا بُری صورتوں میں قبر وحشر میں ظاہر ہونیکا ذکر وارد ہے۔ اور حضراتِ صوفیہ دنیا ہی میں اس کا مشاہدہ کر لیتے ہیں۔ چنانچہ شیخ محی الدین بن عربیؒ فتوحاتِ مکیہ میں لکھتے ہیں کہ آوازوں کا صرف وجود نہیں بلکہ ان کی شکلوں کا بھی میں مشاہدہ کرتا ہوں۔ (ترجمان السنۃ ص۱۶۵ ج۱)

(۲) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نامۂ اعمال تولے جائیں گے۔ یہ لوگ حدیثِ بطاقہ وغیرہ سے استدلال کرتے ہیں جن میں ایک چھوٹے سے پرچہ کا ننانوے بڑے بڑے دفتروں سے زیادہ بوجھل ہونا معلوم ہوتا ہے۔

(۳) بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خود صاحبِ عمل کو تولا جائیگا۔ چنانچہ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا؛ قیامت کے دن بعض موٹے آدمی آئیں گے، جن کا وزن اللہ کے نزدیک مچھر کے پَر کی برابر بھی نہ ہوگا۔ اور اس کی شہادت میں آپ نے قرآن کریم کی آیت "فَلَا نُقِیْمُ لَهُمْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ وَزْنًا" پڑھی۔ نیز حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے مناقب میں یہ حدیث موجود ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کی ٹانگیں بظاہر کتنی پتلی ہیں لیکن

قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے قیامت کی میزان میں ان کا وزن اُحد پہاڑ سے بھی زیادہ ہوگا۔ وغیرہ

(۴) حافظ ابن کثیرؒ نے یہ تمام اقوال اور اُن کی تائیدات میں نصوص ذکر فرما کر لکھا ہے کہ ان تمام روایاتِ حدیث سے وزنِ اعمال کی کیفیت مختلف معلوم ہوتی ہے۔ ممکن ہے کہ وزن مختلف صورتوں سے کئی بار کیا جائے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ پوری حقیقت ان چیزوں کی اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ نیز عمل کرنے کے لئے اس حقیقت کا جاننا ضروری بھی نہیں صرف اتنا ہی کافی ہے کہ ہمارے اعمال کا وزن ہوگا۔ نیک اعمال کا پلّہ ہلکا رہا تو عذاب کے اور بھاری ہوگیا تو ثواب و نجات کے مستحق قرار پائیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ کسی ایمان والے کو اپنے فضل سے یا کسی بندۂ مقبول کی شفاعت سے معاف کردیں تو یہ اور بات ہے۔ یعنی یہ عدل سے آگے فضل کی شان ہے۔

(۵) توحید و رسالت کے ماننے والے کے لئے تو صرف اتنی بات ہی بہت کافی ہے کہ اللہ جلّ شانہٗ مالک الملک و قادرِ مطلق ہیں۔ یہ کیا ضروری ہے کہ جس چیز کو ہم نہ تول سکیں حق تعالیٰ شانہٗ بھی نہ تول سکیں اور جبکہ صریح آیاتِ قطعیہ اور کثیر روایاتِ صحیحہ میں اعمال کے تولے جانے کا ذکر ہے تو ہمارے لئے کسی شک و شبہ کی گنجائش ہی نہیں۔ اور ایمان کا تقاضا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا اور اٰمَنَّا وَصَدَّقْنَا کے سوا کیا ہے؟ اس کے علاوہ قلبِ مؤمن کو مطمئن کرنے کے لئے نہ تو کوئی اور دلیل درکار ہے اور نہ اس کو اس راہ میں عقلی گھوڑوں پر سواری کی ضرورت پیش آتی ہے۔ مگر ماڈرن قسم کے ذہن والے جو عموماً اپنی زبانوں سے مسلمان ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرتے ہیں۔ اور ہر چیز کو وہ اپنی عقلِ کوتاہ کی ترازو میں تولنا چاہتے ہیں، بیچارے اپنی جدّت پسند طبیعت سے مجبور ہیں۔ انکی ریسرچی ذہنیت اللہ و رسولؐ کے ارشادات پر قناعت نہیں کرتی۔ اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ جس کو اعتماد ہوتا ہے اسی کو اعتبار ہوتا ہے۔ تاہم ایسے لوگوں کے لئے مجبوراً چند سطریں سیاہ کرنی ہی پڑیں گی۔

متوجہ ہوکر آپ مشاہدات کے عالم پر نظر ڈالئے اور دیکھیے کہ اس عالمِ دُنیا میں بڑی سے بڑی اور چھوٹی سے چھوٹی چیزوں کے تولنے کی ترازوئیں موجود ہیں۔ بڑے بڑے لکڑ تولنے کی ترازوئیں، غلّہ کی بوریاں تولنے کی ترازوئیں، تھوڑا غلّہ تولنے کی چھوٹی ترازوئیں، معمولی سودا سلف تولنے کی ترازوئیں، سونا، چاندی تولنے کی ترازوئیں، اور آگے دیکھیے تو ٹرک تولنے کی ترازوئیں، ریل گاڑیاں اور ہوائی جہاز وغیرہ تولنے کی ترازوئیں۔ یہ تمام ترازوئیں مجسم چیزوں کو تولنے کے لئے انسانوں نے ایجاد کی ہیں۔ لیکن ان میں بھی اتنا بڑا فرق ہے کہ ایک چیز کی ترازو دوسری چیز میں استعمال نہیں ہوتی۔ مثلاً لکڑ تولنے کی ترازو میں سونا نہ تلے گا، ورنہ وارے کے نیارے ہوجائیں گے۔ اسی طرح سونے چاندی، غلّہ کی ترازو میں لکڑیاں نہ تلیں گی، اور لکڑیوں والی میں ریل گاڑی اور جہاز نہ تلیں گے۔ بڑی بڑی گاڑیاں

اور جہاز تولنے کی ترازو ان کے انجنوں میں فٹ ہوتی ہے۔ اسی ترازو (میٹر) سے یہ چیزیں تولی جاسکتی ہیں آگے اور بڑھیئے تو آپ کو ہوا تولنے کے آلات، سردی اور گرمی تولنے کی مشینیں ملیں گی۔ اب ان عقل کے پتلوں سے پوچھیئے کہ اگر اعراض نہیں تل سکتے، صرف اجسام ہی تل سکتے ہیں تو سردی گرمی کیا جسم ہیں؟ جو تولی جاتی ہیں۔ سائنس کی ترقی کے اس دور میں بھی وزن اعمال کا یقین نہ کرنا حیرت وتعجب کی بات ہے۔ ان عقل کے بندوں کو یہ معلوم نہیں کہ عقل میں کسی چیز کا نہ آنا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ چیز موجود نہ ہو، یا وجود میں نہ آسکے۔ بیشمار عقلاء نے خود اپنے آپ کو نہ سمجھتے ہوئے بھی خود کو موجود مانا ہے اب سے چند سال قبل لوگ ٹیلی ویژن جیسی ایجاد کا یقین نہیں کرسکتے تھے، آج آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ ایک عرصہ پہلے لوگ اس بات کا یقین نہیں کرسکتے تھے کہ انسان ہوا پر اڑ سکے گا، مگر اب یہ بات حیرت انگیز نہیں رہی۔ بہرحال مخبر صادق نے جو خبر دی ہے وہ یقینی ہے۔ اور عقل میں نہ آنا عقل کے کوتاہ ہونے کی دلیل ہے نہ کہ خبر کے غلط ہونیکی۔ اگر ہاتھی کسی کی جھونپڑی میں نہ آسکے، اور وہ اسکو اس میں گھسانا چاہتا ہے تو یہ اس کی جھونپڑی کی کوتاہی اور جھونپڑی والے کی بیوقوفی ہے۔ بغیر جھونپڑی میں داخل کیئے ہوئے اس کو اپنی جھونپڑی کی کوتاہی اور ہاتھی کے وجود کی عظمت تسلیم کرلینی چاہیئے۔ لوگ تو دنیا ہی میں اپنی عقل سے عام طور پر وزن کرتے ہیں۔ آپنے یہ کہتے ہوئے سنا ہوگا کہ فلاں شخص بہت بھاری عالم ہے۔ فلاں شخص بہت بڑے بزرگ ہیں، تو کیا عالم صاحب کو تول کر دیکھا ہے، یا بزرگ صاحب کو میٹر سے ناپ کر دیکھا ہے۔ نہیں نہیں یہ ناپ تول عقل کی ترازو سے ہوئی ہے جس میں نہ پلڑے ہیں نہ ڈنڈی ہے۔ کہتے ہیں کہ فلاں شخص کی بات وزنی ہے، فلاں شخص کا کام بہت بھاری ہے۔ فلاں صاحب بہت بھاری بھرکم ہیں۔ لیجیئے یہ دنیا کے انسان اعمال واقوال اور صفات کو تول رہے ہیں۔ ان پر کوئی شک وشبہ نہیں کرتا۔ بلکہ سب ایسی باتوں کی تصدیق کرتے ہیں۔ اور اگر قرآن وحدیث اعمال کے وزن کی اطلاع دیں، اور نبیوں کا سچا اور معتبر گروہ خبر دے تو یہی لوگ کہتے ہیں کہ ہماری عقل میں یہ بات نہیں آتی۔ اسلیئے ہم نہیں مانتے، یہ حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

(ف) اَلْمُلْکُ یَوْمَئِذٍ لِّلّٰہِ۔ میں یہ بات یاد رکھیئے کہ ملک تو آج بھی اور اس دن بھی اللہ ہی کا ہے۔ اس میں کوئی شریک نہیں۔ لیکن یہ فرماکر کہ "اسدن سلطنت اللہ ہی کی ہوگی۔ ان لوگوں کے خیالات کی تردید کی گئی جو اس سبز باغ میں جیا کرتے ہیں کہ ہمکو فلاں بخشوالیں گے، اور فلاں شفاعت کریں گے اور اس خیال سے مطمئن ہوکر ایمان وعمل سے بیگانگی کی راہوں پر دوڑتے رہتے ہیں۔ اور جو ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ جیسے نعروں کے سہاروں پر جیتے ہیں، یا جس طرح دنیا میں سفارشوں اور طاقتوں کے بل بوتے پر وہ اپنے مسائل حل کرلیتے ہیں۔ آخرت کو اس پر قیاس کیئے بیٹھے ہیں۔ تو اس آیت میں فرمادیا گیا کہ اس کے ملک واختیار میں اس دن کسی کی شرکت نہوگی وَلَا یَشْفَعُ عِنْدَہٗ

اِلَّا بِاِذْنِہٖ اور اس کے پاس اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش کرنے کے لئے لب بھی نہ ہلا سکیگا، دوسری بات یہ بھی ہے کہ دنیا میں بہت سے "میرا ملک، میرا مال" کا نعرہ لگا رہے ہیں، وہاں ایسا بھی کوئی نہ ہوگا کہ یہ کہہ سکے کہ میں بادشاہ ہوں یا دولتمند، بلکہ باری تعالیٰ ارشاد فرمائیں گے۔ لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ (اے ملک و بادشاہت پر اکڑنے والو! آج ملک کس کا ہے؟) اور ایک طویل عرصہ کے بعد خود ہی ارشاد فرمائیں گے۔ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ، آج ایک زبردست اللہ ہی کی بادشاہت ہے۔

(۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

كَلِمَتَانِ حَبِيْبَتَانِ اِلَى الرَّحْمٰنِ خَفِيْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ ثَقِيْلَتَانِ فِی

دو کلمے ہیں جو رحمٰن کے نزدیک محبوب، زبان پر ہلکے پھلکے ہیں (اور) اعمال کی ترازو میں وزنی

الْمِیْزَانِ سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِیْمِ۔ {بخاری شریف ص ۱۱۲۹، مشکوٰۃ شریف باب ثواب التسبیح ص ۲۰۰}

ہوں گے۔ سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم

لغات

سُبْحَانَ اللّٰهِ۔ سَبَّحَ تَسْبِیْحًا نماز پڑھنا، سبحان اللہ کہنا، سَبَّحَ اللّٰہَ۔ لِلّٰہِ خدا کی پاکی بیان کرنا۔ سَبَحَ سَبْحًا (ف) اپنی معاش کے لئے تصرف کرنا، سونا، آرام کرنا، دور تک نکل جانا سَبْحًا سِبَاحَةً فِی الْمَاءِ تیرنا۔ سُبْحَانًا سبحان اللہ کہنا اَلسُّبْحَةُ دعاء، نفل نماز، سُبْحَةُ اللّٰہِ اللہ تعالیٰ کا جلال ج سُبَحٌ سُبُحَاتٌ سبحان اللہ کا ترجمہ ہے، میں عیوب ونقائص سے اللہ کی پاکی بیان کرتا ہوں وَاَنْتَ اَعْلَمُ بِمَا فِی سُبْحَانِكَ یعنی جو تیرے نفس میں ہے اس کا تو زیادہ جاننے والا ہے۔ تَسْبِیْحَةٌ تسبیح کے کلمات ج تَسَابِیْحُ۔ سُبُّوْحٌ باری تعالیٰ کی صفات میں سے ہے۔ مُسَبِّحَةٌ سَبَّاحَةٌ انگشت شہادت سَبْحَلَةٌ سَبْحَلَ۔ سَبْحَنَ سبحان اللہ کہنا اَلْعَظِیْمُ (ک) بڑا ہونا عظیم بڑا ج عُظَمَاءُ، عِظَامٌ، عُظْمٌ۔ عَظُمَ الامرُ علیہ دشوار ہونا عَظَمَ عَظْمًا (ن) الکلبَ کتے کو ہڈی کھلانا الرَّجُلَ ہڈی پر مارنا تَعَظَّمَ تکبر کرنا وغیرہ۔

ترکیب

كَلِمَتَانِ موصوف حَبِیْبَتَانِ صیغہ صفت اِلَى الرَّحْمٰنِ متعلق صفت اول۔ اسی طرح خَفِیْفَتَانِ عَلَى اللِّسَانِ صفت ثانی اور ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ صفت ثالث مبتدا۔ اور آگے جو كَلِمَتَانِ کا مصداق ہے وہ خبر ہے۔ یا كَلِمَتَانِ مبتدا کیونکہ مخصوص کلمے مراد ہیں۔ اور اگر نکرہ بھی مانو تو جب مفید ہو تو مبتدا بن سکتا ہے۔ اور آگے تین خبریں ہیں۔ اور كَلِمَتَانِ

کے مصداق کی جُدا ترکیب حسب ذیل ہوگی احدہما سُبحان اللہِ وبحمدہٖ وثانیتہما سُبحان اللہِ العظیمِ بتاویل ھذہٖ۔ سُبحان اللہِ وبحمدہٖ میں سُبحان مصدر لازم النصب ہے۔ اور اسکا فعل اُسبّحُ محذوف ہوتا ہے۔ نیز سُبحان لازم الاضافۃ ہے۔ ترکیب یہ ہوئی۔ اُسبّحُ فعل بافاعل سُبحان مصدر مضاف اپنے مضاف الیہ (لفظ اللہ) مفعول بہ سے ملکر مفعول مطلق۔ جملہ فعلیہ وبحمدہٖ میں واؤ حالیہ ای متلبّساً بحمدہٖ اس کا ذوالحال۔ اُسبّحُ میں ضمیر انا ہے اور تقدیر عبارت یہ ہوگی وَاُسبّحُ متلبّساً بحمدی لہٗ ای من اجل توفیقہٖ اور ممکن ہے کہ اس واؤ کو واؤ عاطفہ مان لیں تو تقدیر عبارت اُسبّح اللہ واتلبّس بحمدہٖ۔ ویحتمل ان الحمد مضافاً للفاعلِ والمرادُ مِن الحمد لازمہٗ اوما یوجبُ الحمدَ مِن التوفیق ونحوہٖ ویحتمل ان یکون الباء متعلقۃ بمحذوفٍ متقدّمٍ والتقدیر واثنی علیہ بحمدہٖ فیکون سُبحان اللہ جملۃ مستقلۃ وبحمدہٖ جُملۃٌ اُخریٰ مستقلۃٌ فان قلت ما الحمد قلتُ لہٗ تعریفاتٌ کثیرۃ عند اھل العلمِ والعمدۃ فیھا الذی رقمتہٗ فی صدر ھٰذا الکتاب ای ھو الثناء باللسانِ علیٰ جمیل الاختیاری علیٰ وجہ التعظیمِ۔ وترکیب سبحان اللہ العظیم مثل ترکیب سُبحان اللہ والعظیم صفۃ لفظ الجلالۃ۔ واللہ اعلم۔ نسیم احمد غازی مظاہری۔

تشریح کلمتان سے مراد کلامان ہیں۔ اور کلام پر کلمہ کا اطلاق ہوتا ہے۔ جیساکہ کلمہ شہادت کو کلمہ کا نام دیتے ہیں۔ حالانکہ وہ کلام ہے۔ حَبِیبَتَانِ بمعنی محبوبتان ہے یعنی بمعنی مفعول ہے۔ بمعنی فاعل نہیں (اور فعیل وفعیلۃ کا وزن فاعل ومفعول دونوں کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ مگر بیشتر مفعول کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی مفعول کے معنیٰ میں ہے۔ اور ان کلموں کی محبوبیت قائل کے اعتبار سے ہے۔ یعنی ان کا کہنے والا محبوبِ خدا ہوجاتا ہے۔ اور اللہ کی محبت بندوں کی محبت کی طرح تاثر وانفعال کا نام نہیں۔ بلکہ اللہ کا بندوں سے محبت کرنیکا مطلب ایصالُ الخیر الی العبد والتکریم (بندہ کو بھلائی پہونچانا اور اس کو عزت دینا) ہوتا ہے۔

سوال:۔ وزن فعیل بمعنی مفعول میں مذکر و مؤنث دونوں برابر ہوتے ہیں یقال رَجُلٌ جَرِیحٌ و اِمْرأۃٌ جَرِیحٌ خصوصاً جبکہ اس کا موصوف مذکور ہو تو قاعدہ کی رُو سے حَبِیبَانِ ہونا چاہیئے تو پھر ان میں علامت تانیث کیوں لائی گئی؟

جواب (۱) اس میں تسویہ بین المذکر والمؤنث جائز ہے واجب نہیں۔ (۲) اگر وجوب تسلیم کرلیں تو وجوب تسویہ صرف مفرد میں ہے نہ کہ مثنیٰ میں۔ (۳) آگے دو لفظ خفیفتان اور ثقیلتان میں

چونکہ تائے تانیث کلمتان کی مناسبت کے لئے آئی ضروری ہے تو اس کلمۂ حبیبتانِ پر بھی ان دونوں کی مناسبت کے لئے تار لائی گئی۔ اور خفیفتان وثقیلتان پر تاء علامت تانیث کا آنا اس لئے ضروری ہے کہ یہ وزنِ فعیلۃ (ثقیلۃ وخفیفۃ) بمعنی فاعلۃ ہے نہ کہ بمعنی مفعولۃ۔ ایک جواب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس پر تاء علامتِ تانیث نہیں۔ بلکہ لفظ کو وصفیت سے اسمیت کی جانب نقل کر لینے کی علامت ہے۔

بعض نے یہ قاعدہ بیان کیا ہے کہ فعل غیر واقع پر تو اس وزن میں تاء آتی ہے۔ مثلاً کہتے ہیں خُذْ ذَبِیْحَتَكَ اور مراد وہ بکری ہوتی ہے جو ابھی ذبح نہیں ہوئی۔ بلکہ ذبح کے لئے اس کی تعیین کر دی گئی۔ ہاں ذبح ہونے کے بعد اس کو ذبیحۃ نہیں کہتے بلکہ ذَبِیحٌ کہتے ہیں۔ لانہ وقع علیها فعل الذبح۔ فافهم فانه ينفعك ايها الطالب۔

سوال:۔ باری تعالیٰ کے تمام اسمائے حسنیٰ میں سے اسم رحمان ہی کو کیوں خاص طور پر لایا گیا ہے۔؟

جواب:۔ یہاں بندوں پر رحمتِ خداوندی کی وسعت کو بیان کرنا مقصود ہے۔ اسلئے کہ اس حدیث میں یہ بات بیان کی گئی ہے کہ بندوں کو حق تعالیٰ ایک عمل قلیل (سُبحان اللهِ وبحمدہٖ۔ سُبحانَ اللهِ العظیم صرف دو کلموں کے کہنے پر) ثواب کثیر عطاء فرماتے ہیں۔ اور اسمائے صفات میں کوئی اسم رحمٰن سے زیادہ وسعتِ رحمت پر دلالت کرنیوالا نہیں ہے۔ اس وجہ سے اسی مبارک اسم صفتی کو لانا مناسب ہوا۔

سوال:۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کاہنوں کی طرح مسجّع کلام کرنے سے منع فرمایا ہے۔ مگر اس حدیث میں رعایتِ سجع پورے طور پر موجود ہے۔ (سجع اس کو کہتے ہیں کہ فقروں کے اواخر یکساں ہوتے چلے جائیں)

جواب:۔ آپ نے اُس سجع کی ممانعت فرمائی ہے جس میں تکلف کرنا پڑے۔ جس طرح کاہن لوگ بہ تکلف تکبندی کیا کرتے ہیں۔ اور ان کلمات میں تکلف نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ یہ رعایتِ سجع بلا تکلف ہوئی ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں۔

سوال:۔ یہ دونوں کلمے تو ایک ہی معلوم ہوتے ہیں۔ کیونکہ دونوں میں تسبیح کا ذکر ہے۔

جواب:۔ ایک ہی کلمہ کا تعلق جب دو مختلف چیزوں سے ہو جاتا ہے تو وہ دو جدا جدا چیزیں شمار ہوتی ہیں۔ خواہ وہ تعلق نسبت کا ہو جیسے انسان بجنوریؒ، انسان سہارنپوریؒ۔ یا صفت کا جیسے رجلٌ جاہلٌ، رجلٌ عالمٌ۔ یا اضافت کا ہو جیسے غلامُ زیدٍ، غلامُ بکرٍ۔ ان تینوں مثالوں میں ایک ہی چیز کا تعلق دو مختلف چیزوں سے ہونے کی وجہ سے اس میں تعدد پیدا ہو گیا۔ اسی طرح سُبحانَ اللهِ وبحمدہٖ مقید بہ قید حمد ہے۔ اور دوسرا اس قید سے مقید نہیں ہے بلکہ صفت العظیم

سے ہے۔ توان قیدوں کی وجہ سے ان کو کَلِمَتَان (دو کلمے) فرمایا گیا۔

حدیث شریف کا مطلب یہ ہے کہ یہ دو کلمے ایسے ہیں جو اللہ کو اتنے محبوب ہیں کہ ان کا کہنے والا بھی اللہ کا محبوب ہوجاتا ہے۔ اوران دو کلموں کے محبوب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اللہ جل شانہ کی صفات دو قسم کی ہیں۔ (۱) وجودیہ یا ثبوتیہ۔ جن کو صفات جمالیہ بھی کہتے ہیں جیسے علم وقدرت وغیرہ۔ (۲) صفات عدمیہ یا سلبیہ جن کو صفات جلالیہ اور تنزیہیہ بھی کہتے ہیں۔ جیسے لاشریک۔ لامثل وغیرہ۔

تو اس حدیث میں تسبیح میں صفات جلالیہ آگئیں۔ اور حمد میں صفات جمالیہ۔ اور دونوں الفاظ مطلق ہیں۔ سُبحان کا لفظ بھی تعمیم پر دلالت کرتا ہے یعنی اُنَزِّهُهٗ عن جمیع النقائصِ والعیوب (میں تمام کمیوں اور عیبوں سے اللہ کے پاک ہونے کو بیان کرتا ہوں) اور لفظ حمد بھی تعمیم پر دال ہے یعنی اَحْمَدُہٗ بجمیع الکمالاتِ (میں اللہ کی تعریف کرتا ہوں اس بات کا اقرار کرتے ہوئے کہ وہ تمام صفات کمالیہ سے متصف ہے) اور تخلیہ کیونکہ تحلیہ پر طبعًا مقدم ہوا کرتا ہے اسلئے تسبیح کو جو تخلیہ پر دال ہے اس تحمید پر جو تحلیہ پر دال ہے وضعًا (ذکر میں) بھی مقدم کردیا گیا۔ ولا یخفی لطفہٗ علی الفطن اللَّبیب والبلیدُ عنید وبعید وبقیتْ نکاتٌ کثیرۃٌ مثلاً تقدمُ لفظ الجلالۃ لانہٗ اسمُ الذات المقدس الجامع لجمیع الصفات الکمالیۃ والاسماء الحُسنٰی ووصفہ بالعظیم لانہٗ الشامل لسلب مالایلیق بہ واثبات مَایلیق بہ اذ العظمۃ الکاملۃ مستلزمۃ لعَدمِ النظیرِ والمثل وغیرذٰلک المذکور لئلا تمل الطبائعُ القاصرۃ ولانہٗ لایسع المقام لمثلِ ھٰذا الکلام وھٰذا کلہٗ ماخوذ من حواشی البخاری وغیرہ ملخصًا۔ (واللّٰہ اعلم)

الحاصل یہ دونوں کلمے چونکہ اپنے اندر ایسی عظیم جامعیت رکھتے ہیں کہ ہر قسم کی صفات باری پر حاوی اور تسبیح وتحمید وبیانِ عظمت پر مشتمل ہیں۔ اسلئے حق تعالیٰ کے نزدیک پیارے اوران کا وِرد رکھنے والے بھی اللہ کے پیارے ہیں۔ اسلئے فرمایا کَلِمَتَانِ حَبِیْبَتَانِ اِلَی الرَّحْمٰنِ (لفظ رحمٰن سے ان کلموں کے ثواب کی عظمت وکثرت کی طرف بھی اشارہ ہے) اللہ کو نہایت پسند ہوتے کے ساتھ ان میں کوئی دِقت نہیں۔ آسانی سے زبان سے ادا ہوجاتے ہیں۔ یاد کرنے میں بھی دشواری نہیں۔ وقت بھی زیادہ خرچ نہیں ہوتا۔ گویا عمل بہت تھوڑا اور آسان ہے۔ اسی لئے خَفِیْفَتَانِ عَلَی اللِّسَانِ فرمایا ہے۔ لیکن اس عملِ قلیل پر اللہ نے اجر وثواب چونکہ بہت رکھا ہے کہ میزانِ عمل ان کے ثواب سے بھرجائیگی اسلئے فرمایا ثَقِیْلَتَانِ فِی الْمِیْزَانِ لفظ رحمٰن سے جس چیز کی طرف اشارہ تھا اس فقرہ میں اس کی صراحت ہے سُبْحَانَ اللّٰہِ وَبِحَمْدِہٖ سُبْحَانَ اللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔

اہمیت وفضیلت

اس حدیث کی اہمیت کی وجہ سے امام بخاریؒ نے اپنی کتاب بخاری شریف کو اسی حدیث پر ختم فرمایا ہے۔ امام بخاریؒ نے آخر کتاب الدعوات

میں ان کلموں کی فضیلت میں حدیث ذکر فرمائی ہے۔ اس میں ہے کہ جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ کو ایک دن میں سَو بار پڑھیگا اللہ تعالیٰ اسکے سب گناہ معاف فرمادیں گے خواہ سمندر کے جھاگوں کی برابر ہی کیوں نہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ سبحان اللہ وبحمدہ سَو بار پڑھنے سے دس ہزار نیکیاں ملتی ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ کی ایک ایک تسبیح (سَو سَو بار) صبح وشام پڑھ لے اسکے سب گناہ معاف ہوجائیں گے۔ خواہ وہ سمندر کے جھاگوں سے بھی زیادہ ہوں۔ ایک حدیث میں ہے کہ سبحان اللہ، الحمد للہ، لا الٰہ الا اللہ، اللہ اکبر سے گناہ ایسے جھڑتے ہیں جیسے (موسم سرما) میں درخت سے پتے جھڑتے ہیں۔ بہت سی حدیثوں میں سبحان اللہ وبحمدہ کو احب الکلام الی اللہ فرمایا گیا ہے۔ ایک حدیث کے یہ الفاظ بھی ہیں سبحان ربی وبحمدہ۔ ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اللہ نے جس چیز کو اپنے فرشتوں کے لئے پسند فرمایا وہی سب سے افضل ہے۔ اور وہ سبحان اللہ وبحمدہٖ ہے۔ فرشتوں کا اللہ کی تسبیح وتحمید بیان کرنا قرآن مقدس کی بہت سی آیات میں مذکور ہے۔ ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص سبحان اللہ وبحمدہ سَو مرتبہ پڑھیگا اس کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جائیں گی۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ پھر تو (روز قیامت) کوئی بھی ہلاک نہوگا فرمایا کہ (بعض لوگ پھر بھی ہلاک ہوں گے) بعض آدمی اتنی نیکیاں لیکر آئیں گے کہ اگر پہاڑ پر رکھدی جائیں تو وہ بھی دب جائے۔ لیکن اللہ کی نعمتوں کے مقابلہ میں وہ کالعدم ہوجائیں گی۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے پھر بھی دستگیری فرمائیں گے۔ ان کلموں کے فضائل احادیث میں بکثرت آئے ہیں۔ ہم نے فضائل ذکر وبخاری شریف سے ملخص کرکے یہ چند کلمات اسلئے لکھدیئے ہیں کہ طالب علم کے لئے طلب علم کی عظیم معروفیت خود اپنی جگہ ایک بہت بڑا وظیفہ ہے۔ اسوجہ سے طلبہ کو اپنے تمام اوقات طلب علم ہی میں صرف کرنے چاہئیں۔ ہاں بعد عصر یا ضروریات کے لئے چلتے پھرتے کے اوقات میں اگر زبان پر یہ کلمے جاری کرکے صبح وشام سَو سَو بار کو اپنا معمول بنالیں تو سیئات اور غفلتوں کی مکافات بھی ہوجائے، اور رحمٰن کی رحمت سے خاص نسبت حاصل ہونے کی وجہ سے علم اور اس کی برکات کے دروازے بھی کھل جائیں۔ کیونکہ گناہوں کی کثرت کے سبب حافظے اور ذہن خراب ہوجاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ گناہوں کے کوڑے کباڑ اور گندگی کو دور کردیا جائیگا۔ تو حافظ وذہن صاف ستھرے اور چمکدار ہوجائیں گے۔ حضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں ؎

شَكَوْتُ اِلٰى وَكِيْعٍ سُوْءَ حِفْظِيْ ÷ فَاَوْصَانِيْ اِلٰى تَرْكِ الْمَعَاصِيْ

(میں نے (اپنے استاذ) وکیع سے حافظہ کے خراب ہونے کی شکایت کی تو انہوں نے تاکید فرمائی کہ گناہ نہ کرو۔)

فَاِنَّ الْعِلْمَ نُوْرٌ مِّنْ اِلٰهِيْ ÷ وَنُوْرُ اللّٰهِ لَا يُعْطٰى لِعَاصِيْ

(کیونکہ علم درحقیقت نورِ خداوندی ہے اور اللہ کا نور نافرمان کو نہیں ملتا)

اگر طالب علم نے اپنی زندگی کا مقصدِ عظیم تحصیلِ علومِ دینیہ ہی کو قرار دیا ہے تو وہ واقعی طالب علم ہے۔ اور وہ اپنے اس مقصدِ اہم میں کامیابی کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر سکتا ہے۔ لیکن اس راہ کا توشہ صرف تقویٰ و اخلاص ہی ہے۔ اور اللہ کے خوف سے ترکِ معاصی کامیابی کی شرطِ اول ہے ؎

در رہِ منزلِ لیلیٰ خطرہاست بجاں ❊ شرطِ اول مگر آنست کہ مجنوں باشی

اور اگر طلبِ علم کی راہ میں یہ توشہ نہیں ہے تو حصولِ منزلِ علم کا بھی بھروسہ نہیں ہے ؎

اِذَا اَنْتَ لَمْ تَعْشِقْ وَلَمْ تَدْرِ مَا الْهَوٰى ❊ فَكُنْ حَجَرًا مِنْ يَابِسِ الصَّخْرِ جَلْمَدْ

(تو اگر عاشق نہیں اور نہ عشق کی حقیقت سے باخبر ہے۔ تو تیرے لئے یہی اچھا ہے کہ ایک خشک سخت چٹان کا ٹکڑا بنجائے)

بہرحال طلبہ کے لئے یہ دو کلمے ان کی حیاتِ پائیدار کے دو عظیم باب ہیں۔ ان کلمات کا وِرد علم کے در کشادہ کرتا ہے۔ اور علم سے حیاتِ دائمی نصیب ہوتی ہے ؎

اَخُو الْعِلْمِ حَيٌّ خَالِدٌ بَعْدَ مَوْتِهٖ ❊ وَاَوْصَالُهٗ تَحْتَ التُّرَابِ رَمِيْمٌ

(عالم مرنے کے بعد بھی ہمیشہ زندہ ہے۔ گو اس کے اعضا مٹی میں گل سڑ جائیں)

وَذُو الْجَهْلِ مَيِّتٌ وَهُوَ مَاشٍ عَلَى الثَّرٰى ❊ يُظَنُّ مِنَ الْاَحْيَاءِ وَهُوَ عَدِيْمٌ

(اور جاہل مردہ ہے گو زمین پر چل رہا ہے۔ اور لوگ اسکو زندہ ہی سمجھ رہے ہیں حالانکہ وہ مردہ ہے)

سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ سُبْحَانَ اللّٰهِ الْعَظِيْمِ

---

(۲۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ

يُحْشَرُ النَّاسُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ حُفَاةً عُرَاةً غُرْلًا قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

ارشاد فرماتے تھے کہ لوگ قیامت کے دن ننگے پیروں ننگے بدن، غیر مختون جمع کئے جائیں گے۔ عرض کیا یا رسول اللہ

اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ جَمِيْعًا يَنْظُرُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالَ يَا عَائِشَةُ

کیا مرد اور عورتیں سب اکٹھے ہوں گے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے، ارشاد فرمایا اے عائشہ معاملہ بہت

اَلْاَمْرُ اَشَدُّ مِنْ اَنْ يَنْظُرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ۔ {مسلم شریف ص ۳۸۴ جلد ۲ و مشکوٰۃ شریف باب الحشر ص ۴۸۳}

سخت ہوگا۔ کوئی کسی کو نہ دیکھ سکے گا۔

لغات یحشر (ن ض) جمع کرنا عن وطنہ جلاوطن کرنا۔ العود چھیلنا، باریک کرنا الحَشَرَةُ کیڑا مکوڑا، یا چھوٹے چھوٹے جانور۔ ج حَشَرَاتٌ۔ مَحْشَرٌ لوگوں کے جمع ہونے کی جگہ۔ حُفَاةٌ حَافٍ کی جمع۔ ننگے پاؤں چلنے والا۔ حَفِيَ حَفَاءً (س) زیادہ چلنے سے پاؤں گھسنا، ننگے پاؤں چلنا۔

حَفِیَ حَفْوًا (ن) دینا، روکنا، منع کرنا۔ عُرَاۃٌ عُرْیَانٌ اور عَارِیٌ کی جمع ہے ننگا مؤنث عَارِیَۃٌ عُرْیَانَۃٌ ج عُوَارٍ وعَارِیَاتٌ۔ عَرِیَ عُرْیًا (س) ننگا ہونا، عیب سے پاک ہونا (ن ض) پیش آنا۔ عَرَاءٌ کھلا میدان اَلْعُرْیَۃُ ننگاپن۔ غُرْلًا اَغْرَل کی جمع۔ غیر مختون۔ غُرْلَۃٌ وہ چمڑا جس کو ختنہ کے وقت کاٹتے ہیں غَرِلَ (س) غیر مختون ہونا۔ اَغْرَل کی مؤنث غَرْلَاءُ جمع غُرْلٌ ہے۔ غَرِلٌ ڈھیلا ڈھالا آدمی۔ بہت لمبا نیزہ اَلنِّسَاءُ جمع اِمْرَاَۃٌ من غیر لفظھا۔ یَنْظُرُ نَظَرًا ومَنْظَرًا (ن س) اِلَیْہِ دیکھنا غور سے دیکھنا۔ (ن) فِی الْاَمْرِ سوچنا۔ اندازہ کرنا۔ انتظار کرنا بَیْنَ النَّاسِ حکم کرنا۔ فیصلہ کرنا۔ لِلْقَوْمِ رحم کرنا، مدد دینا۔ اور بہت سے معنی کے لئے آتا ہے۔ نَظَرٌ نگاہ۔ دانائی۔ نَظِرَۃٌ مہلت۔ نَاظِرٌ نَاظِرَۃٌ آنکھ۔ آنکھ کی پتلی۔ مَنْظَرٌ دیکھنے کی جگہ۔ خوشنما یا بدنما وکذا المَنْظِرَۃ بَعْضٌ حصہ۔ فرد۔ جزء۔ اَبْعَاضٌ جمع بُعُوْضٌ مچھر واحد بَعُوْضَۃٌ۔ اَشَدُّ سخت، کٹھن (ن)، قوی کرنا۔ بہت مارنا۔ باندھنا۔ کسنا۔ مضبوط باندھنا۔ مدد کرنا (ن ض) حملہ کرنا (ض) قوی ہونا۔

ترکیب

یُحْشَرُ فعل اَلنَّاسُ نائب فاعل یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ظرف حُفَاۃً عُرَاۃً غُرْلًا تینوں حال۔ جملہ فعلیہ۔ اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ ذوالحال (علیٰ مَا جوّزہ بعض النحاۃ) جَمِیْعًا حال ای مجتمعین۔ ذوالحال وحال مبتدا۔ یَنْظُرُ فعل بَعْضُھُمْ فاعل اِلیٰ بَعْضٍ متعلق جملہ فعلیہ خبر۔ یا اَلرِّجَالُ والنساء مبتدا۔ مختلطون کی ضمیر ھم سے۔ جمیعًا حال خبر اول۔ ینظر بعضہم الی بعض خبر ثانی۔ یا جمیعًا ینظر کی ضمیر سے حال۔ اور جملہ خبر (وقدّم اھتمامًا) اَلرِّجَالُ سے پہلے ہمزہ استفہام محذوف یا اسی کو بالمدّ آلرِّجَالُ پڑھیں۔ یا بالتسہیل پڑھیں۔ ہر طرح جائز ہے۔ بہرحال اس میں معنیٰ استفہام ملحوظ ہیں جس پر آئندہ جواب مرتب ہو رہا ہے۔ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ ترکیب ظاہر ہے اَلْاَمْرُ مبتدا اَشَدُّ صیغہ صفت اَن ینظر بعضہم الی بعضٍ جملہ بتاویل مفرد مجرور، مِنْ اَشَدّ کے متعلق ہو کر خبر۔

تشریح

مطلب یہ ہے کہ جیسے لوگ دنیا میں بے سروسامان آئے تھے کہ نہ بدن پر لباس تھا نہ توشہ، مسکین ومحتاج بن کر آئے تھے۔ اسی طرح اپنی قبروں سے ایسی حالت میں اٹھیں گے کہ ان کے پاس کوئی سروسامان ہوگا نہ کسی حالت میں تغیر ہوگا۔ ننگے پاؤں، ننگے بدن، غیر مختون میدانِ حشر میں یہ مسکین حاضر ہو جائیں گے۔ اور سب ہی حاضر ہوں گے۔ ایسا نہ ہوگا کہ کوئی شخص قبر کے کسی کونے میں چھپا رہ جائے۔ یا کہیں میدانِ حشر کی بھیڑ بھاڑ میں وہ احکم الحاکمین کی پیشی سے بچ جائے کوئی شخص تو کیا بچ سکتا ہے کسی انسان کے بدن کا ایک جزء بھی باقی نہ رہ سکے گا۔ دنیا میں ختنہ کرا کر جس کھال کو پھینکدیا گیا تھا وہ بھی انسان کیساتھ ہوگی۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کَمَا بَدَاْنَآ

اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيْدُهٗ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فٰعِلِيْنَ ۞ (جیسا ہم نے اول بار پیدا کیا تھا اسی طرح دوبارہ پیدا کریں گے۔ یہ ہمارا مستحکم وعدہ ہے جس کو ہمیں کرنا ہی ہے)

اماں جان حضرت عائشہ صدیقہؓ نے جب یہ سُنا تو یہ فکر لاحق ہوئی کہ جب ایک میدان میں سب برہنہ ہوں گے تو ایکدوسرے سے کس قدر شرم آئیگی تو آنحضرتؐ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہؐ ایکدوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ اماں جان کا سوال قابلِ غور اور کمالِ حیا میں لائق توجہ ہے۔ میدانِ حشر کی دیگر ہولناکیاں بھی قابلِ التفات تھیں۔ مگر عفت و حجاب کا کسقدر خیال ہے۔ اور کیوں نہ ہوتا۔ انہیں کمالات کی وجہ سے تو حق تعالیٰ نے ان کو اپنے حبیب (روحی فداہ) صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کے لئے منتخب فرمایا ہے۔ یہ بظاہر ایک چھوٹی سی بات ہے۔ لیکن غور کیا جائے تو یہ ان کے کمالِ ایمان و عقل کی ایک واضح دلیل ہے۔ جواب میں ارشاد فرمایا گیا کہ اس کا کس کو ہوش ہوگا کہ کسی کی طرف دیکھ سکے۔ اس نفسی نفسی کے عالم میں کوئی کسی کی طرف دھیان نہ کرسکیگا۔ بارگاہِ بے نیاز کی طرف سب کی نگاہیں لگی ہوں گی۔ خود اپنی خیر منا رہے ہوں گے۔ دنیا میں بھی انتہائی مصیبت کیوقت آدمی کسی کی طرف التفات نہیں کرتا۔ تاک جھانک اور لغویات کی طرف تو انسان کا ذہن فارغ البالی، راحت و آرام اور امن و امان کے اوقات متوجہ ہوتا ہے۔ ”پیٹ بھرا ہے تو نفس ہرا ہے“ اگر دنیائی پولیس نے کسی کو گرفتار کیا اور اس پر ڈنڈا برسانا شروع کردیا ہو۔ اور اس مجرم کا تماشا دیکھنے والوں میں بہت سی حسین عورتیں بھی موجود ہوں تو یہ پٹنے والا انسان گو کتنا ہی بدکردار و جرائم پیشہ شخص ہو مگر اس وقت اس کی توجہ کسی کی طرف نہ ہوگی۔ قیامت کے مقابلہ میں یہ مصیبت نہایت معمولی ہے۔ دونوں میں پہاڑ اور ذرہ کی بھی نسبت نہیں۔ تو کیا اس مصیبتِ عظمیٰ کے وقت جبکہ انبیاء علیہم السلام بھی مارے ہیبت کے گھٹنوں کے بل گر پڑیں گے۔ کسی کی مجال ہوسکیگی کہ وہ کسی دوسرے اپنے جیسے انسان پر نگاہ جمالے۔ ہرگز کوئی کسی کی طرف نظر نہ کرسکے گا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ صدیق اکبرؓ کی لختِ جگر ہیں۔ والدہ ماجدہ امّ رومان بنت عامر بن عویمر تھیں۔ آپ سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا عقدِ نکاح شوال سنہ ۱۰ نبوی میں یعنی ہجرتِ مدینہ سے تین سال پہلے مکہ مکرمہ میں ہوا۔ اور رخصتی مدینہ منورہ میں سنہ ۲ھ ماہِ شوال میں ہوئی (جبکہ ہجرت کو تقریباً انیس ۱۹ ماہ ہوچکے تھے) اسوقت حضرت عائشہؓ کی عمر شریف ۹ سال تھی۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ مدینہ منورہ میں تشریف آوری سے سات ماہ بعد رخصتی ہوگئی تھی۔ کُل ۹ سال حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کا شرف حاصل ہوا۔ وفات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

کے وقت ان کی عمر صرف اٹھارہ برس تھی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کے علاوہ کسی کنواری سے شادی نہیں کی۔ زبردست عالمہ فاضلہ اور اعلیٰ درجہ کی فقیہہ تھیں۔ حضرات صحابہؓ فقہی مشکل مسائل کو اماں جان سے حل کرتے۔ فصاحت و بلاغت میں مہارتِ تامہ رکھتیں۔ اور عرب کی تاریخ، عرب شعراء کے اشعار کی حافظ تھیں۔ آپ سے احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ مروی ہے آپ سے حدیث نقل کرنے والی صحابہؓ و تابعینؒ کی ایک بڑی جماعت ہے۔ تابعین میں سے حضرت مسروق، حضرت اسود، حضرت سعید بن المسیب، حضرت عروہ بن الزبیر، حضرت قاسم رحمہم اللہ آپکے مشہور شاگرد ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے علم و فضل، ذکاوت و عقل وغیرہ بہت سے خصوصی کمالات کی بنا پر سب بیویوں سے زیادہ انہیں سے محبت تھی۔ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید (روٹی اور گوشت ملاکر ایک لذیذ کھانا بنتا تھا) کی فضیلت تمام کھانوں پر ہے۔ حضرت عروہؓ کا قول ہے کہ علمِ شعر میں میں نے کسی کو حضرت عائشہؓ سے بڑھکر نہیں پایا۔ حضرت عائشہؓ اپنی بہت سی خصوصیات پر تحدیثِ نعمت کے طور فخر فرمایا کرتی تھیں۔ ارشاد فرماتی ہیں کہ اللہ نے مجھ کو ایسی خصوصیات عطا فرمائی ہیں جن میں کوئی دوسری عورت شریک نہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ نکاح سے قبل جبرئیل علیہ السلام ایک ریشم کے ٹکڑے یا اپنی ہتھیلی میں میری صورت لائے اور نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یارسول اللہ یہ آپ کی بیوی ہوں گی۔ دوسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سوا کسی باکرہ عورت سے شادی نہیں کی۔ تیسری یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات میری باری میں ہوئی۔ چوتھی یہ کہ آپ کی وفات میری گود میں ہوئی۔ پانچویں یہ کہ آپ میرے گھر میں مدفون ہوئے۔ چھٹی یہ کہ میرے لحاف میں تشریف فرما ہوتے تب بھی وحی نازل ہوتی۔ ساتویں یہ کہ میری برأت (جبکہ بعض منافقوں نے تہمت لگا دی تھی) آسمان سے نازل ہوئی۔ (ایک مستقل سورت سورۃ نور آپ کی پاکدامنی میں اُتری)۔ حضرتِ یوسف علیہ السلام پر تہمت آئی تو ایک صبی نے اپنے پالنے میں ان کی پاکدامنی کی شہادت دی۔ اور حضرت مریمؑ پر الزام آیا تو نبی (عیسیٰ علیہ السلام) نے ان کی عفت کی گواہی دی۔ اور حضرتِ عائشہؓ پر بہتان باندھا گیا تو ان کی برأت و پاکیزگی نہ صبی کی زبانی کرائی گئی نہ نبی کی۔ بلکہ خود حق تعالیٰ نے اپنے کلامِ مقدس سے اُن کی عفت و طہارت کا اعلان فرمایا۔ آٹھویں خصوصیت یہ ہے کہ میں صدیق اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفۂ اول کی بیٹی ہوں۔ حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا کے مقدس حالات میں علماء نے مستقل کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔ آپ کی وفات شبِ شنبہ ۱۷ رمضان المبارک ۵۷ھ یا ۵۸ھ میں مدینہ منورہ میں ہوئی۔ حضرت ابوہریرۃؓ

نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اور حسب وصیت رات کے وقت جنت البقیع میں مدفون ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول احادیث کی تعداد دو ہزار دو سو دس ۲۲۱۰ ہے۔ جن میں سے دو سو دس ۲۱۰ حدیثیں بخاری و مسلم دونوں میں ہیں۔ ان کے علاوہ چون ۵۴ روایات میں امام بخاری منفرد ہیں۔ اور اڑسٹھ میں امام مسلم۔ اس طرح بخاری و مسلم میں تین سو بتیس ۳۳۲ احادیث حضرت عائشہ کی موجود ہیں۔ باقی اور دوسرے محدثین نے اپنی کتابوں میں ذکر فرمائی ہیں ؎

کل حدیث عائشہ را کن شمار ۔ دو ہزار و دو صد و دہ ۲۲۱۰ ہوشیار

(۲۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقُ اِلٰى اَهْلِهَا حَتّٰى تُقَادَ الشَّاةُ الْجَلْحَاءُ مِنَ الشَّاةِ الْقَرْنَاءِ۔

ضرور بالضرور ادا کیے جائیں گے حق والوں کے حقوق یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ بھی سینگوں والی بکری سے لیا جائیگا۔

(ترمذی شریف ص۶۴ ج۲ و مشکوٰۃ شریف باب الظلم ص۴۳۵)

لُغات لَتُؤَدُّنَّ۔ تَأدِیَةٌ ادا کرنا۔ اَدّٰی اَدْیًا (ض) ادا کرنا، پہونچانا۔ اٰدٰی اِیْدَاءً تیاری کرنا۔ قوی کرنا، مدد کرنا۔ اَلْاَدَاءُ ادائیگی، پہونچانا۔ اَدَا یَادُوْ اُدُوًّا فریب دینا۔ دھوکہ دینا۔ تُقَادُ۔ قَادَ قَوْدًا قِیَادَةً مَقَادَةً قَیْدُوْدَةً (ن) چوپائے کو آگے سے کھینچنا۔ سالار جیش ہونا۔ قصاص کے لئے لیجانا۔ قَوِدَ یَقْوَدُ قَوَدًا (س) لمبی پیٹھ والا ہونا۔ اِنْقِیَاد تابعدار ہونا، عاجزی کرنا، کھینچنا۔ قَوَدٌ قصاص۔ قِیَاد جانور کو کھینچنے کی رسی۔ الشاۃ بکری، بکرا، نیل گائے۔ جمع شَاءٌ شِیَاہٌ شِوَاہٌ اَشَاوِہٌ شِیْہٌ شَیِّہٌ شَوِیٌّ۔ تصغیر شُوَیْہَۃٌ۔ شُوَیْہَۃٌ ج شُوَیْہَاتٌ شَاوِیٌ اور شَاہِیٌ بکری والا۔ شَاہَ۔ شَوْہًا وشَوْہَۃً (ن) بدشکل ہونا۔ الرجل خوف زدہ کرنا۔ (س) سے بدشکل ہونا۔ گردن لمبی ہونا۔ چھوٹی ہونا (ضد) تفعیل سے متعدی بدشکل بنانا۔ الجلحاء بے سینگ والی گائے، بکری۔ ارضٌ جلحاء بغیر درخت والی زمین۔ قریۃٌ جلحاء بے قلعہ والی آبادی سُطُوْحٌ جُلْحٌ بے پردہ کی دیوار والی چھتیں۔ جَلَحَ جَلْحًا (ف) الشجر اوپر کے حصہ کا چرجانا (س) سر کی دونوں جانبوں سے گرے ہوئے بال والا ہونا۔ بے سینگ ہونا۔ اَجْلَحُ صفت ج جُلْحٌ اَجْلَاحٌ۔ جُلْحَانٌ مؤنث جَلْحَاءُ۔ اَلْقَرْنَاءُ۔ اَقْرَنُ کی مؤنث۔ سینگوں والا۔ والی۔ ملی ہوئی بھنووں والا۔ والی۔ مِقْرَنٌ بل کا جوا۔ قَرِنَ قَرَنًا (س) ملی ہوئی بھنووں والا ہونا، بڑے سینگ والا ہونا۔

قَرَنَ (ض) قَرَّنَ ملانا۔ باندھنا۔ قَرَنَ (ن) دوڑنے میں پچھلی ٹانگوں کا اگلی ٹانگوں کی جگہ رکھنا۔ قَرْنٌ سینگ۔ قِرْنٌ ہمسر۔ برابر۔ مقابل۔ شجاعت۔ علم میں نظیر۔ ساتھی ج اَقْرَانٌ۔

ترکیب لَتُؤَدُّنَّ۔ بفتح الدّال صیغہ غائبہ وبضم الدال صیغہ جمع حاضر۔ الحُقُوق۔ بالرفع علی الاوّل لکونہ نائب الفاعل وبالنصب علی الثانی مفعول ثان۔ اِلیٰ اَھْلِھَا متعلق اول الشَّاۃُ الْجَلْحَاءُ مرکب توصیفی تُقَادُ کا نائب فاعل مِنَ الشَّاۃِ الْقَرْنَاءِ متعلق جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور حَتّٰی فعل اول کا متعلق ثانی۔ جملہ فعلیہ مقولہ۔ قَالَ مقولہ سے ملکر خبر اَنَّ۔ اَنَّ مع اسم وخبر بتاویل مفرد مبتدا موخر۔ مروی عن ابی ھریرۃ خبر مقدم جملہ اسمیہ۔ لَتُؤَدُّنَّ۔ جوابُ لقسمٍ محذوف وصیغۃ الحاضرین ارجح واقوی روایۃً من الغائبۃ کذا حققہ علیُّ القاری رَحِمَہ اللہ فی المِرْقَاۃ۔

تشریح قیامت کے دن پورا پورا انصاف ہوگا۔ اور بندوں کے وہ حقوق جو دنیا میں ضائع ہوگئے تھے دلوائے جائیں گے۔ حتیٰ کہ حیوانات میں بھی ان کی آپس کی زیادتیوں کے بدلے چکائے جائیں گے۔ مثلاً دنیا میں اگر کسی سینگوں والی بکری نے بے سینگوں والی بکری کو مارا ہے تو اس کو سینگ دیکر اس زیادتی کرنیوالی بکری سے بدلہ دلوایا جائیگا۔ اور سینگوں کے ہونے اور نہونے سے مراد صرف قوۃ وضعف کا مقابلہ ہے۔ حتیٰ کہ اگر مظلوم بکری کے سینگ بھی ہوں تب بھی بدلہ ہوگا۔ اس احکم الحاکمین کی عدالت میں ضعیف قوی اور قوی ضعیف ہوگا۔ اور بندوں کے حقوق باری تعالیٰ معاف نہ فرمائیں گے۔ ہاں وہ اپنے حقوق میں عفو وکرم کا معاملہ فرمائیں گے۔

سوال (۱): حیوانات کا حشر کیوں ہوگا جبکہ وہ مکلف نہیں ہیں۔ (۲) ان کے درمیان بدلے کیوں ہونگے حالانکہ وہ مکلف نہیں ہیں۔؟

جواب:۔ دونوں سوالوں کا سب سے اچھا اور اجمالی جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی شان فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ اور لَا یُسْئَلُ عَمَّا یَفْعَلُ ہے۔ اتنا ہمیں یقین کامل ہے کہ اس حکیم مطلق کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ اس میں بھی اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی۔ اگر یہ سوال ہو کہ حکمت ہی بتلا دو۔ تو جواب یہ ہے کہ بندوں کو اللہ کی حکمتیں معلوم ہونا ضروری نہیں۔ اور نہ ہم حکمتوں کے جاننے کے مدعی ہیں، ہم تو اللہ کے بندے ہیں۔ ہمیں ان چیزوں کے پیچھے پڑنے کی ضرورت بھی نہیں یقین کے لئے خبر اور عمل کے لئے حکم کافی ہے۔ رہی نہ ماننے والوں کی بات، ان کو نہ ہم منوا سکتے ہیں، نہ یہ ہماری ذمہ داری ہے۔ اور حکمت معلوم بھی ہوجائے تو نہ ماننے والا تو پھر بھی نہ مانیگا۔

الحاصل آیاتِ صریحہ واحادیثِ صحیحہ میں حیوانات کا محشور ہونا وارد ہے۔ ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں چنانچہ صبیان ومجانین غیر مکلف ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جنکو دعوت نہیں پہونچی وہ احکام شرع سے معذور ہیں۔ مگر ان کا بھی حشر ہوگا۔ ممکن ہے کہ ان غیر مکلفین اور حیوانات کے حشر میں کوئی مشترک حکمت ہو۔ مثلاً ان غیر مکلفین سے اگرچہ کسی ظلم کا بدلہ غیر مکلف ہونے کی وجہ سے نہ لیا جائے۔ لیکن جن لوگوں سے ان پر زیادیاں ہوئی ہیں، خود ان کے سامنے ظالموں سے قصاص لیا جائے۔ یہ وجہ تو مشترک ہے۔ مگر اس کا جواب کہ حیوانات سے آپس میں کیوں بدلہ لیا جائیگا۔ تو اس میں یہ حکمت ممکن ہے کہ مکلف بندوں کو آگاہ کرنا ہے کہ تمہارے آپسی حقوق ضائع نہ ہونگے۔ بلکہ ظالم کوئی بھی ہو ہمارے یہاں کمالِ عدل ہے جبکہ غیر مکلف (حیوانات) سے بدلہ لیا جائیگا تو مکلف بندوں کو بدرجۂ اولیٰ اور یقیناً نہ چھوڑا جائیگا۔

(۲) بعض لوگوں نے سوالِ ثانی کا یہ جواب دیا ہے کہ جلحاء سے مراد مظلوم وفقیر اور قرناء سے مُراد ظالم غنی ہے۔ لیکن اس جواب میں ارتکاب مجاز ہے۔ اسوجہ سے اچھا نہیں لگتا۔ پھر اس سے مجیب کی کچھ مرعوبیت بھی محسوس ہوتی ہے۔ جبکہ نصوصِ صریحہ وصحیحہ میں حشر وقصاصِ حیوانات مذکور ہے تو کمزور راہوں اور رکیک تاویلات اختیار کرنا یقیناً کیدِ نفس ہے۔ اَعاذنا اللّٰہُ منہ۔

فالحاصل انّ ھٰذا القصاص قصاصُ مقابلۃ لا قصاصُ تکلیفٍ اذ لا تکلیف علی الحیواناتِ والبھائم والصّحیح انہٗ یؤخذ من الصّبیانِ والمجانین ومِمّن لم تبلغھم الدعوۃ ومن الحیوانات کلّھا۔ واللّٰہ اعلم بالصّواب۔

---

(۲۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں

قَالَ لَا تَزُوْلُ قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مِنْ عِنْدِ رَبِّہٖ حَتّٰی

آپنے ارشاد فرمایا کہ آدمی کے قدم قیامت کے دن اپنے رب کے پاس (میدانِ حساب) سے اسوقت تک ہٹ نہ سکینگے

یُسْأَلَ عَنْ خَمْسٍ عَنْ عُمُرِہٖ فِیْمَا اَفْنَاہُ وَعَنْ شَبَابِہٖ فِیْمَا اَبْلَاہُ

جبتک کہ اس سے پانچ چیزوں کا سوال نہ کرلیا جائے (۱) زندگی کہاں کھپائی (۲) جوانی کس مشغلہ میں گنوائی۔

وَعَنْ مَالِہٖ مِنْ اَیْنَ اکْتَسَبَہٗ وَفِیْمَا اَنْفَقَہٗ وَمَاذَا عَمِلَ فِیْمَا عَلِمَ۔

(۳) مال کہاں سے کمایا۔ (۴) اور کس مصرف میں خرچ کیا (۵) اور جو جانا اس پر کیا عمل کیا۔

(ترمذی شریف صفحہ ۶۴ ج ۲)

لغات

لَا تَزُوْلُ۔ زَوْلًا زَوَالًا (ن) جاتا رہنا۔ پھر جانا، جدا ہونا، ہلاک ہونا، ڈھلنا، ہٹنا۔ اِفعال سے متعدی۔ قَدَمَا اضافہ کی وجہ سے نون گر گیا۔ قَدَمَانِ تھا۔ یہ قَدَم کی تثنیہ ہے۔ پاؤں (مؤنث ہے کبھی مذکر بھی اِستعمال ہوتا ہے۔ یاد رکھو کہ انسان کے جسم میں جو جفت اعضاء ہیں وہ سب مؤنث ہیں) نیز قَدَم خاندانی شرافت۔ سُرخ کپڑا۔ مرتبہ۔ قِدَمٌ اولیت۔ حدوث کی ضد قِدَمٌ پرانا زمانہ۔ اَلْقَدَمُ آگے بڑھنا خیر میں یا شر میں۔ قَدِمٌ بہت اقدام کرنیوالا۔ قُدُمٌ قُدُمٌ آگے گذرنے والا۔ قَدَم (پاؤں) ج اَقْدَامٌ۔ قُدَّامٌ تصغیر قُدَيْمَةٌ۔ قَدِمَ قُدُوْمًا مَقْدَمًا قَدْمَانًا (س) سفر سے واپس آنا۔ قصد کرنا۔ قُدَمًا قُدُوْمًا (ن س) دلیری کرنا۔ بہادری کرنا۔ آگے بڑھانا (ک) پرانا ہونا۔ قَدَّمَ متعدی۔ تَقَدَّمَ لازم۔ عُمُرٌ زندگی۔ مسجد۔ گرجا۔ مسوڑھا۔ دانتوں کے درمیان کا گوشت۔ (ن) آباد ہونا۔ کرنا۔ تعمیر کرنا۔ اقامت کرنا۔ زندہ کرنا۔ (ض ن) عُمُوْرًا عِمَارَةً۔ عُمْرَانًا۔ زندگی بھر کے لئے دینا۔ لازم پکڑنا۔ خدمت کرنا۔ عبادت کرنا (س) لمبی عمر پانا۔ عَمَّرَ آباد کرنا۔ زندگی بھر کے لئے دیدینا۔ لمبی زندگی پانا۔ زندہ رکھنا۔ اِعْتَمَرَ قصد کرنا، زیارت کرنا۔ عَمْرٌ عُمُرٌ زندگی ج اَعْمَارٌ عُمْرىٰ وہ مکان یا زمین جس کو زندگی بھر کے لئے دیدیا جائے۔ عَمَّارٌ صیغہ مبالغہ بمعنی قوی الایمان، بُردبار، صاحبِ وقار۔ اچھی تعریف۔ موت تک امر و نہی پر قائم رہنے والا۔ اَفْنَاهُ اِفعال سے فنا کرنا۔ معدوم کرنا۔ ہلاک کرنا۔ فَنِيَ فَنَاءً (س) معدوم ہونا۔ بوڑھا ہونا۔ فَانِي بڑھا کھوسٹ۔ فِنَاءٌ گھر کا صحن ج اَفْنِيَةٌ۔ اَبْلَاهُ بوسیدہ کرنا، شجاعت ظاہر کرنا بَلِيَ بِلًى وَبَلَاءً بوسیدہ ہونا۔ تفعیل سے بوسیدہ کرنا۔ مُفَاعَلَة سے پرواہ کرنا۔ فخر کرنا۔ اِکْتَسَبَ کمانا۔ حاصل کرنا۔ طلب کرنا۔ جمع کرنا۔ کِسْبَةٌ۔ کَسْبَةٌ کَسْبٌ کمائی (ض) کمانا۔ حاصل کرنا۔ طلب کرنا۔ جمع کرنا کَسُوْبٌ کَسَّابٌ بہت کمائی کرنیوالا۔ کَسَابٌ وَاَبُوْ کَاسِب بھیڑیا۔ اَنْفَقَ خرچ کرنا نَفَقًا نِفَاقًا (ن س) کم ہونا۔ ختم ہونا۔ خرید و فروخت رائج ہونا۔ نُفُوْقًا (ن) مرنا۔ روح نکلنا۔ سوراخ سے نکلنا۔ گھسنا۔ نَافَقَ کفر چھپا کر اظہارِ ایمان کرنا۔ اَنفَقَ محتاج ہونا۔ خرچ کرنا۔ توشہ ختم ہونا۔ سامان کو رائج پانا۔

ترکیب

لَا تَزُوْلُ فعل قَدَمَا ابْنِ اٰدَمَ مرکب اضافی فاعل یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مرکب اضافی مفعول فیہ مِنْ عِنْدِ رَبِّهٖ متعلق اول یُسْـأَلَ فعل مجہول ھو ضمیر راجع بسوئے ابن آدم نائب فاعل۔ عَنْ خَمْسٍ متعلق جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور حتی متعلق جملہ فعلیہ۔ عن عمرہ فیما افناہ ای یُسْـأَلُ عن عمرہ فی ای شیءٍ اَفْنَاہ او فی اِفْنَائِہٖ علی انّ ما استفہامیۃ او مصدریۃ وکذلک یقدّر فیما بعدہٗ عن عمرہ یُسْـأَلُ مقدر کے متعلق۔ اَفْنَاهُ فعل فاعل (ھو) و مفعول بہٖ جملہ فعلیہ خبر مبتدا مَا بمعنی اَیّ شیءٍ۔ جملہ ہوکر مجرور فِیْ یا اَفْنَا جملہ فعلیہ بتاویل مصدر

مجرور فی یسأل کے متعلق جملہ فعلیہ معطوف علیہ وکذلک۔ وعن شبابہ فیما ابلاہ معطوف وکذلک عن ماله الخ معطوف وماذا عمل الخ معطوف جملہ معطوفہ جملہ سابقہ سے بدل یا ان میں ہر ایک جملہ کو احدھا وثانیھا وغیرہ کی خبر مان لیں۔

تشریح

اس حدیث پاک میں قیامت کے ہولناک منظر کی ایک جھلک سامنے کردی گئی ہے۔ کہ اس موقفِ حساب سے جہاں اولین وآخرین تمام انسان ایک کھلے میدان میں کھڑے ہونگے۔ ہر خطہ ہر ملک ہر زمانہ کے انسان اس میدانِ حساب میں حاضر ہوں گے۔ سورج انسانوں کے سروں کے قریب ہوگا۔ اور شدت تمازت کے سبب پسینہ کے دریا بہہ رہے ہونگے۔ ہر شخص اپنے اعمال کی مقدار پسینہ میں غرق ہوگا۔ کسی کے گھٹنوں تک کسی کی تگڑی تک کسی کی ناف تک اور کسی کے سینہ تک، کسی کی ناک تک پسینہ ہوگا۔ اللہ کے سب سے زیادہ مقبول و برگزیدہ بندے انبیاء علیہم السلام بھی لرز رہے ہوں گے اور گھٹنوں کے بل گرپڑے ہوں گے۔ اس موقفِ حساب سے کسی انسان کو اپنے قدم ہٹانے کی جرأت نہ ہوگی۔ جبتک کہ وہ وہیں کھڑا کھڑا پانچ مقررہ سوالات کے جوابات نہ دیدے۔

(۱) اپنی پوری زندگی کے شب و روز کس کام میں خرچ کیئے۔ (۲) زندگی کا سنہرا موقع اور قوتِ عمل کا ایسا وقت کہ دنیا اور آخرت میں سے جس چیز پر اس جوانی کو صرف کردیا جائے اسی میں کامیابی بڑھکر اسکے قدم چوم لے۔ اس ہمارے خصوصی انعام (دورِ جوانی) کو کن کن مشاغل میں گنوایا۔ (۳) مال کہاں سے کمایا۔ جو راہیں شریعت نے مقرر کی تھیں۔ ان راہوں سے حاصل کیا۔ یا پیروی نفس کرتے ہوئے اور ہمارے احکامِ شریعت کو پامال کرتے ہوئے حلال وحرام کے فرق کو بالائے طاق رکھکر سود، رشوت، چوری، ڈکیتی، زبردستی، دھوکہ، فریب اور جھوٹ کے راستوں سے مال حاصل کیا تھا (۴) مال کو کن کن کاموں میں صرف کیا۔ اعمال پر یا ناشائستہ افعال پر۔ اکابرِ اُمت فرماتے ہیں کہ جیسا مال ہوتا ہے ویسا ہی اس کے خرچ کا حال ہوتا ہے۔ حلال کا مال حلال پر اور حرام کا مال حرام پر خرچ ہوتا ہے۔ (۵) علمِ دین پر کیا عمل کیا۔ اس ارحم الراحمین نے اپنی انتہائی رحمت وشفقت سے اس عظیم امتحان کے سوالات کا پرچہ اپنے رسولِ اکرم رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنے بندوں تک پہونچا دیا ہے۔ اب بندوں کا کام صرف اتنا رہ گیا کہ اس عمرِ ناپائیدار کی فرصت میں اس کی تیاری انتہائی فکر واہتمام کے ساتھ کرلیں۔ ان سوالات کا حل اُمت کے اساتذہ (علمائے حق ومشائخِ حقانی) سے سیکھ کر یاد کرلیں ؎

کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں ٭ آدمی، آدمی بناتے ہیں

امتحان سے پہلے ہی سوالات بتلا دینے کے بعد بھی اگر کوئی فیل ہو جائے تو اس سے زیادہ بدنصیب و بدقسمت کون ہو سکتا ہے؟ اعاننا اللہ علی الحساب یوم الحساب۔

تنبیہ بعض بیوقوف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اسی لئے دین کی معلومات نہیں کرتے کہ عمل کرنا پڑیگا۔ اگر علم حاصل کیا تو اسپر عمل کا حساب دینا پڑیگا۔ یاد رکھیئے کہ یہ شیطانی دھوکہ ہے۔
ہر مسلمان کو اتنا علم ہے کہ دینِ حق پر عمل کرنا ضروری ہے۔ اس اجمالی علم کی تفصیل کے بغیر عمل ممکن نہیں تو جب دینِ حق کے حق اور قابلِ عمل ہونے کا علم ہے تو اب عمل کے علاوہ باقی کیا رہا۔ ہاں عمل تفصیل پر موقوف ہے۔ جیسے نماز فرض ہے، یہ سب کو معلوم ہے۔ تو ایک شخص وضو اسلئے نہ کرے کہ نماز پڑھنی پڑیگی، تو وہ احمق ہے۔ بلکہ وہ نماز ہی پڑھنا نہیں چاہتا۔ یا اس کو فرض ہی نہیں سمجھتا۔ اسی طرح جو علم سے عمل کی وجہ سے بھاگتا ہے، درحقیقت وہ دینِ حق کو قابلِ عمل ہی نہیں سمجھتا۔ اس کو اپنے ایمان پر غور کرنا چاہیئے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ اسلامی نام کے علاوہ قلب میں کچھ نہیں یعنی ایمان کا چراغ تو گل نہیں ہو گیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ دو فریضے الگ الگ ہیں۔ علم حاصل کرنا اور اُسپر عمل کرنا۔ جس نے دونوں کام انجام دیئے وہ انتہائی خوش نصیب ہے۔ کہ دونوں فریضوں کو ادا کر دیا۔ اور جس نے دونوں سے کنارہ کشی کی، وہ اعلیٰ درجہ کا محروم القسمت ہے، کہ وہ تمام ذمّہ داریوں سے مُنہ موڑ کر جہنم کا مستحق ہو گیا۔ اور جس نے علم حاصل کر لیا، ہاں عمل میں کوتاہی کی اس نے بھی ایک فریضہ ادا کر لیا، اور آدھی ذمّہ داری سے وہ سبکدوش ہو گیا۔ گو علم والے کی دوسری حیثیت زیادہ اہم ہے۔ وہ یہ کہ امّت کی بلکہ سارے عالم کی جو ذمّہ داری اس کے سر ہے العالِمُ امامُ العالَمِ اذا فسدت صلوٰۃ حیاتہ باعمالہ السیئۃ فسد نظامُ العالَمِ علی السویۃ کما انّ موتَ العالِمِ موتُ العالَمِ کذلک فسادُ العالِمِ فسادُ العالَمِ۔ چوتھی صورت عمل بغیر علم زندقہ و گمراہی ہے۔ اسی لئے عالم کے فساد کے اصل ذمّہ دار دو ہی گروپ ہیں۔ علمائے سُوء اور جہّال مشائخ ؎

فسادٌ کبیرٌ عالِمٌ متہتّکٌ — وأکبرُ منہُ جاہلٌ متنسّکٌ
(فسادِ عالمِ دیں فسادِ عالَم ہے — رہی جہالتِ صوفی وہ دیں کا ماتم ہے)
وہل أفسدَ الدینَ الّا الملوکُ — وأحبارُ سُوءٍ ورُہبانُہا

(دین کو خراب کرنیکے ذمّہ دار تین قسم کے لوگ ہیں (ظالم) بادشاہ، بےعمل علماء اور نالائق صوفی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

حضرت عبد اللہ بن مسعود بن غافل الہذلی اسم گرامی اور کنیت ابو عبد الرحمٰن ہے۔ قدیم الاسلام صحابی ہیں حضرت عمرؓ سے قبل بلکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دارِ ارقم میں داخل ہونے سے پہلے ہی مشرف باسلام ہو چکے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ آپ سے پہلے صرف پانچ آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ آپ

چھٹے نمبر پر اسلام لائے۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت ہی خاص لوگوں میں سے تھے۔ آپکا فرمان تھا عبداللہ تم کو اندر داخل ہونے کی ہر وقت اجازت ہے۔ پردہ اٹھاؤ اور چلے آؤ۔ باہر سے آنیوالے ان کو آپ کے اہل بیت میں سے خیال کرتے تھے۔ آپ کے اخلاق وعادات، چال ڈھال غرض ہر ادا اپنے محبوب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت ملتی جلتی تھی۔ آپ آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحب سِرّ اور رازدار کہلاتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمہ وقت خدمت گذار تھے۔ مسواک، پانی اور نعلین مبارکین کا نظم آپ ہی کرتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حبشہ کی ہجرت کی۔ غزوۂ بدر اور دیگر تمام غزوات میں شریک رہے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی اور ارشاد فرمایا کہ میں اپنی امت کیلئے وہ پسند کرتا ہوں جو ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ) پسند کریں۔ اور میں اس چیز سے ناراض ہوں جس چیز سے ابن ام عبد خفا ہوں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے بلا واسطہ قرآن پاک کی ستّر سورتیں سیکھیں۔ اور ان کے علوم حاصل کیے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ دُبلے پتلے ٹھنگنے تھے۔ بیٹھے ہوئے آدمی سے کچھ ہی اونچے تھے۔ خلافت حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے شروع دور میں کوفہ کے قاضی اور بیت المال کے ذمہ دار نگراں رہے۔ پھر مدینۂ منورہ تشریف لے آئے۔ ساٹھ سال سے زیادہ عمر پاکر ۳۲ سنہ ھ میں مدینۂ منورہ ہی میں وفات پائی۔ اور جنت البقیع میں مدفون ہوئے۔ آپ سے امت کو آٹھ سو اڑتالیس ۸۴۸ احادیث کا عظیم ذخیرہ ملا۔ جن میں ۶۴ حدیثیں امام بخاریؒ و امام مسلمؒ دونوں ہی نے متفقہ طور پر لی ہیں۔ اور ۲۱ احادیث میں امام بخاریؒ متفرد ہیں۔ اور ۳۵ میں امام مسلمؒ۔ باقی احادیث صحیحین کے علاوہ دیگر کتب حدیث میں مروی ہیں۔ آپ سے روایت کرنیوالی ایک بڑی مخلوق ہے۔ جن میں صحابہ بھی ہیں، اور تابعینؒ بھی، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ نے بھی آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ اور تابعین میں سے حضرت علقمہؒ و حضرت اسودؒ وہ مخصوص شاگرد ہیں جن پر فقہ احناف کا مدار ہے۔ ان کے علاوہ حضرت مسروقؒ و قیس بن ابی حازمؒ وغیرہ کبار تابعین نے آپ سے فیوض حاصل کیے اور ذخیرۂ حدیث میں اُن کے وارث بنے۔ رضی اللہ عنہم وعنا اجمعین۔

---

(۲۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

رَحِمَ اللّٰهُ عَبْدًا کَانَتْ لِاَخِیْهِ عِنْدَهٗ مَظْلَمَةٌ فِیْ عِرْضٍ اَوْمَالٍ

اللہ تعالیٰ اس بندے پر رحم فرمائے جس کے ذمہ اپنے بھائی کا آبرو یا مال کے سلسلہ میں کوئی حق ہو۔ تو وہ

فَجَآءَهٗ فَاسْتَحَلَّهٗ قَبْلَ اَنْ يُّؤْخَذَ وَلَيْسَ ثَمَّ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ

اس کے پاس آکر معافی مانگ لے اس سے پہلے کہ وہ پکڑا جائے ایسی حالت میں کہ وہاں اسکے پاس نہ دینار ہو نہ درہم

فَاِنْ كَانَتْ لَهٗ حَسَنَاتٌ اُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَاِنْ لَّمْ تَكُنْ لَّهٗ حَسَنَاتٌ

پھر اگر اسکے پاس نیکیاں ہوں گی تو اس کی نیکیاں (بدلہ میں) لے لی جائیں گی اور اگر اسکے پاس نیکیاں نہ ہونگی

حَمَّلُوْا عَلَيْهِ مِنْ سَيِّاٰتِهِمْ۔

تو ان کے گناہ اس پر لاد دیئے جائیں گے۔

{ بخاری شریف ص۳۳۲ ج۱ و ص۹۶۷ ج۲ واللفظ للترمذی ص۶۴ ج۲ مشکوٰۃ شریف باب الظلم ص۴۳۵ }

لغات

عِرْضٌ عزت، آبرو، اچھی عادت ج اَعْرَاضٌ۔ فَاسْتَحَلَّهٗ حلال سمجھنا، حلال کرلینا۔ حلال ٹھہرانے کی اجازت چاہنا۔ (معافی مانگنا) حَلَّ حَلًّا (ن) کھولنا۔ حَلَّ حُلُوْلًا (ن ض) اترنا حَلَّ حِلًّا (ن) حلال ہونا حَلَلًا (س) پاؤں یا ٹخنے میں ڈھیلا پن ہونا۔ حُلَّةٌ نیا کپڑا۔ کپڑوں کا جوڑا، ہتھیار۔ حَلَّالَۃ چرخہ۔ حَلَالٌ ضد حرام۔ حَلِيْل شوہر اَحِلَّاء جمع۔ حَلِيْلَة بیوی حَلَائِل جمع۔ لانّ کل واحدٍ منهما حلال للاٰخر ان کانا من باب ضرب اَوْلانّ کل واحد منهما يَحُلّ ثوبه او ثوب الاٰخر ای الازار للجماع ان کانا من باب نصر اَوْلانّ الحليل ينزل عند حليلته وهی عنده وقت المباشرة اِحْلِيْلٌ مخرج البول او مخرج اللبن من الثدی ج اَحَالِيْل۔ يُؤْخَذُ (ن) پکڑنا، لینا، سزا دینا، نقل کرنا، سیکھنا، شروع کرنا۔ دِيْنَارٌ اشرفی۔ دَنَانِيْرُ جمع۔ دَنَّرَ تَدْنِيْرًا دینار بنانا۔ دینار کی طرح چمکدار ہونا (دینار سونے کا سکّہ) دِرْهَمٌ دَرَاهِمُ چاندی کا سکّہ (یہ کلمہ یونانی ہے) مُدَرْهَم بہت دراہم والا۔ حَمَّلُوْا اٹھوانا۔ لاد دینا حَمَلَ حَمْلًا حُمْلَانًا (ض) اٹھانا، غصّہ ظاہر کرنا، ابھارنا، بُردبار ہونا، حملہ کرنا، حاملہ ہونا۔ پھلدار ہونا روایت کرنا، نقل کرنا۔ حِمْل بوجھ اَحْمَالٌ حُمُوْلَةٌ جمع حَمَّالٌ قلی، مزدور حَمُوْل صابر، بردبار

ترکیب

رَحِمَ فعل۔ لفظ اللّٰهُ فاعل۔ عَبْدًا موصوف۔ كَانَتْ فعل ناقص مظلمة موصوف کائنة۔ فی عرض او مال صفت، اسم کانت۔ لاخيه متعلق کانت یا مظلمة والثانی اولیٰ معنیً والاوّل لفظًا۔ عِنْدَهٗ خبر جملہ صفت۔ موصوف وصفت مفعول بہ جملہ فعلیہ۔ فَاسْتَحَلَّهٗ فعل فاعل مفعول بہ۔ قَبْلَ مضاف اَنْ يُّؤْخَذَ جملہ بتأویل مفرد مضاف الیہ۔ مرکب اضافی ظرف۔ جملہ ہوا۔ دِيْنَارٌ وَّلَا دِرْهَمٌ اسم ثَمَّ خبر لیس جملہ يُؤْخَذَ کی ضمیر سے حال۔ یا الگ جملہ۔ لَهٗ محذوف کے متعلق ہو کر خبر کانت۔ حَسَنَاتٌ اسم۔ جملہ شرط۔ اُخِذَ مِنْ حَسَنَاتِهٖ جملہ فعلیہ جزا۔ اگلا جملہ بھی شرط و جزا۔

تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے لئے رحمت کی دعا فرمائی ہے جس نے غلطی سے کسی مسلمان بھائی کی حق تلفی کی، مگر تنبیہ کے بعد اپنے بھائی سے معافی مانگ کر دنیا ہی میں اپنا معاملہ صاف کر لیا ہو۔ اور ممکن ہے کہ یہ خبر ہو کہ جو شخص ایسا کرے تو یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ جل شانہٗ کی اس پر خاص نظرِ کرم ہے۔ اسی لئے تو اس کو معافی مانگنے کی توفیق دی جس طرح مہربان ماں اپنے لاڈلے بچہ کو گندا دیکھ کر اس کو پاک صاف کر دیتی ہے۔ ایسے ہی وہ ارحم الراحمین اور حقیقی مہربان بھی توبہ اور معافی کے ذریعہ اپنے چہیتے بندے کو معاف فرما دیا کرتا ہے۔

فی عرضٍ او مالٍ میں حقوق کی تعمیم فرمائی گئی ہے، کہ وہ حق تلفی کسی بھی قسم کی ہو، آبرو سے متعلق ہو مثلاً غیبت، بہتان، گالی گلوچ وغیرہ یا مال سے متعلق ہو، چوری، غصب، دھوکہ سے یا اور کسی طرح مالی نقصان کیا ہو، بہرحال دنیا ہی میں معاملہ صاف کر لینا چاہیئے۔ کیونکہ آخرت کا معاملہ دشوار ہے خصوصاً حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائیں گے۔ بندہ خود معاف کر سکتا ہے۔ مگر آخرت میں اس کی بہت کم توقع ہے۔ کہ بندۂ محتاج سخت حاجت کے وقت کسی سے حق وصول نہ کرے اور معاف کر دے۔ دنیا میں بھی جب ضرورت پیش آتی ہے تو پیسہ پیسہ پر نگاہ جاتی ہے۔ اگر کسی ایسے غریب کے کچھ پیسے آپ کے ذمہ ہیں جس کو دو وقت کا فاقہ ہے، اور آپ اس سے معاف کرانا چاہیں تو اس کا معاف کر دینا بہت مشکل ہے۔ کیونکہ اس کے سامنے اپنی محتاجی موجود ہے، آخرت میں اس سے زیادہ ضرورت درپیش ہوگی۔ پھر آخرت میں بندوں کے حقوق ضرور دلوائے جائیں گے جیسا کہ پہلی حدیث میں آچکا ہے۔ اور اس ملک (دنیا) کا سکّہ نہ وہاں ہوگا اور نہ اس ملک (آخرت) میں چلے گا۔ (دنیا میں بھی ایک ملک کا سکہ دوسرے میں نہیں چلتا) تو وہیں کا سکہ دینا پڑیگا۔ اور وہاں کا سکہ نیکیاں ہیں یعنی نیکیوں کا ثواب دیا جائیگا۔ اور ممکن ہے کہ وہ نیکیاں ہی دیدی جائیں۔ اگر اعمال دوسرے عالم میں اجسام وجواہر کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ اور اگر نیکیاں نہونگی یا سب حقداروں کو پہونچنے سے پہلے ختم ہو جائیں گی تو ان لوگوں کے (جن کی حق تلفی کی تھی) گناہوں کا عقاب یا مجسّم گناہ اس کے سر پر رکھکر عذاب میں گرفتار کر دیا جائیگا۔ اور مظلوم اگر مؤمن ہے تو وہ نیکیوں کی وجہ سے جنت میں چلا جائیگا (اگر کوٹہ پورا ہو گیا یا فضل باری سے) اور یہ ظالم اسکے بدلہ کی سزا بھگت کر یا فضلِ خداوندی سے جنت میں چلا جائیگا۔ کیونکہ حقوق کے بدلہ ایمان نہ دیا جائیگا۔ اور اگر کافر ذمی ہے تو کافر کے عذاب میں بقدرِ حق تخفیف کر دیجائیگی یعنی اسکی نیکیوں کا فائدہ اس کو تخفیفِ عذاب کا ہوگا۔ اور یہ محروم اپنی کمائی رائیگاں جاتے ہوئے دیکھ کر ہاتھ ملتا رہ جائیگا۔ اور پاداشِ جرم میں گرفتارِ بلا ہو جائیگا۔

سوال (۱): نیکیاں کس حساب سے دیجائیں گی۔ جواب: تفصیل تو اللہ ہی کو معلوم ہے۔ ہاں

بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ حقوق کو اس کی نیکیاں لوٹ لینے کا حکم ہوگا۔ اور بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک دانق (چھدام) کے بدلے سات سو مقبول نمازیں اور بعض سے معلوم ہوتا ہے باجماعت پڑھی ہوئی سات سو نمازیں دیجائیں گی۔ اور مطلب دونوں کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ کیونکہ جماعت کی نمازیں عموماً مقبول ہوتی ہی ہیں۔ اِلاَّ یہ کہ کسی بدعتی کے پیچھے پڑھی ہوں کیونکہ خود بدعتی کی کوئی فرض یا نفل عبادت قبول نہیں ہوتی۔ اور جب امام کی قبول نہیں تو مقتدی کی کیسے قبول ہوگی۔ اور اگر بدعتی فاسد العقیدہ (مشرک و کافر) بھی ہے جیسے فرقۂ رضاخانی تو نہ فریضہ سے سبکدوشی ہوگی، اور نہ اس نماز کو شرفِ مقبولیت حاصل ہوکر اسپر ثواب مرتب ہوگا۔ لعنۃ اللہ علی المبتدعین ونعوذ باللہ من شرّھم اجمعین۔

سوال[۱]: آیتِ شریفہ لَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ کوئی کسی کے گناہ کا بوجھ نہ اٹھائیگا۔ اور اس حدیث (کے جملہ حُمِّلُوْا عَلَیْہِ) سے اس کے برعکس معلوم ہوتا ہے۔ تو آیت و روایت میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

جواب:۔ دوسرے کی چیز خرید لینے سے وہ اپنی ہوجاتی ہے۔ تو اس ظالم نے ظلم وحق تلفی کے بدلے مظلوم کے گناہوں کو خرید لیا ہے۔ تو یہ گناہ خود اس کے اپنے ہوگئے۔ لہٰذا وہ اپنے ہی گناہ اُٹھا رہا ہے۔ نہ کہ اور کسی کے۔

سوال[۲]:۔ اُوپر معلوم ہوا کہ اسکی نیکیوں کا ثواب مظلوم کے گناہوں کے عقاب کے بدلہ میں دیدیا جائیگا۔ تو اس میں اشکال یہ ہے کہ مؤمن کے اعمال کا ثواب غیر متناہی ہوگا۔ کیونکہ جنت میں ہمیشہ ہی ملتا رہیگا۔ اور مؤمن کی بدعملی اور گناہ کا عذاب متناہی۔ کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ نہ رہیگا۔ تو دونوں میں برابری نہوئی۔ اس بندۂ ظالم کی غیر متناہی دولت مظلوم کو دی گئی۔ اور اس کی متناہی سزا ظالم کو۔ ایسا بظاہر عدل کے خلاف ہے۔

جواب:۔ مؤمن ظالم کی نیکیاں اتنی ہی دیجائیں گی جو مظلوم کے عقاب کے بقدر ہوں گی۔ اور یہ نیکیاں اس کی اصل نیکیاں ہوں گی، نہ کہ اجر مضاعف۔ یعنی جن کے فیض سے وہ سزا سے بچ جائیگا۔ اور اگر اس حساب سے بھی اصل نیکیاں کم پڑجائیں گی تب اگر مظلوم معاف کریگا تو مظلوم کی خطائیں ظالم پر رکھکر مظلوم کے عوض سزا دیجائیگی۔ اور ان خطاؤں کے موافق جب سزا پوری ہوجائیگی تو یہ بھی اپنے ایمان کی برکت سے جنت میں آجائیگا۔ خلاصہ یہ ہوا کہ اصل نیکیاں حساب میں آئیں گی۔ اجر مضاعف تو اللہ کے فضلِ خاص سے ملیگا۔ جو بندہ کا عمل نہیں بلکہ انعام ہے۔ شراحِ حدیث کا یہ جواب دل کو نہیں چپکتا۔ بلکہ سمجھ میں یہ آتا ہے کہ یہ اعتراض ہی غلط ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اعمال کی جزا بھی غیر متناہی نہیں جیساکہ گناہوں کی سزا غیر متناہی نہیں

کیونکہ جنت میں دخول تو صرف ایمان پر موقوف ہے۔ اور جنت کے درجات (جو غیر متناہی نہیں ہیں) اعمال پر موقوف ہیں۔ اور خلود فی الجنۃ اعمال کا بدلہ نہیں ہے۔ بلکہ دوام علی الایمان کی نیت کا بدلہ ہے۔ تو خلود فی الجنۃ کی موقوف علیہ نیت ہے۔ جس کے سبب سے انعامات عدمِ تناہی کے وصف سے متصف ہوں گے۔ اور یہ کسی نص میں نہیں ہے کہ حقوق کے عوض ایمان یا نیت دیئے جائیں گے۔

فتفکّر وتشکّر ان کان صوابًا فمن اللہ والا فمنّی ومن الشیطٰن الرّجیم۔ واللہ اعلم

تنبیہ اگر قصور وار اپنے قصور کی معافی چاہتا ہے تو معاف کر دینا واجب ہے۔ نہ معاف کریگا تو گنہگار ہوگا۔ بشرطیکہ مالی حق نہو۔ مالی حق اگر معاف کر دے تو بہتر ہے ورنہ وصول کرنیکا اختیار ہے۔ ہاں اگر وہ تنگدست ہے اور ادائیگی میں مہلت چاہتا ہے تو اسکو مہلت دینا واجب ہے۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ اگر کسی کی غیبت کی، اور جس کی غیبت کی ہے اس کو غیبت کا علم نہیں۔ اسی طرح استہزاء وغیرہ کا اس کو علم نہیں تو اس کے علم میں نہیں لانا چاہیئے۔ بلکہ جن لوگوں کے سامنے غیبت کی ہے ان سے اس کی تعریف کرے، اور جو بہتان باندھا ہے اسکی صفائی کر دے، اور اس کے لئے دعائے مغفرت خوب کرے انشاءاللہ معاف ہو جائیگا۔ یوں کہے اَللّٰھُمَّ اغْفِرْ لِیْ وَلَہٗ۔ وجہ یہ ہے کہ اطلاع سے اس کو اذیت ہوگی تو یہ دوسرا جرم ہو جائیگا۔ کیونکہ ایذائے مسلم بدترین گناہ ہے۔ یہ بالکل ایسا ہو جائیگا کہ بارش سے بچنے کے لئے کوئی عقلمند پرنالے کے نیچے آ کھڑا ہو۔

اسی طرح اگر غیر مالی قصور کی معافی کا موقع نہیں اسوجہ سے کہ وہ مرگیا ہے جسکی غیبت وغیرہ کی تھی یا وہ غائب ہو گیا۔ اور پتہ معلوم نہیں ہے تو دعائے مغفرت وایصالِ ثواب اس کا کفارہ ہے۔ اور ان دونوں صورتوں میں اگر مالی حق ہے تو اس کے وارثوں کو پہونچایا جائے۔ وارث نہوں تو صاحب حق کی جانب سے صدقہ کر دیا جائے، انشاءاللہ یہ اس کا بدل ہو جائیگا۔ اسی طرح اگر والدین کی نافرمانی کی، اور وہ دنیا سے چلے گئے تو ان کے لئے ہمیشہ دعائے مغفرت وایصالِ ثواب کرتا رہے، تو انشاءاللہ والدین کی اطاعت کرنیوالوں میں شمار ہوگا۔ اور عقوق والدین کی سزا سے دنیا وآخرت میں نجات پالیگا۔ اور سب خرافات سے بچنے کی ترکیب خلوت گزینی، اپنے علم وعمل یا دنیا کے ضروری کاموں میں مصروفیت وانہماک اور کم بولنے کی عادت بنالینا ہے۔

فقط۔

نسیم احمد غازی مظاہری

اَلْمُفْلِسُ مِنْ اُمَّةِ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا مفلس

(۲۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَتَدْرُوْنَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم جانتے ہو

مَنِ الْمُفْلِسُ قَالُوا الْمُفْلِسُ فِیْنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ

نادار کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ہم میں نادار وہ (سمجھا جاتا) ہے جسکے پاس روپیہ پیسہ اور سر و سامان

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُفْلِسُ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ یَّاْتِیْ یَوْمَ

نہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری امت کا نادار وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ

الْقِیٰمَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِیَامٍ وَّزَکٰوةٍ وَّیَاْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا وَقَذَفَ هٰذَا

زکوٰۃ (ہر قسم کی عبادات) لائیگا اور ایسی حالت میں آیگا کہ اس نے کسی کو گالی دی تھی کسی کو تہمت لگائی تھی کسی کا مال

وَاَکَلَ مَالَ هٰذَا وَسَفَکَ دَمَ هٰذَا وَضَرَبَ هٰذَا فَیُقْعَدُ فَیَقْتَصُّ

ہڑپ کرلیا تھا کسی کو قتل کردیا اور کسی کو مارا تھا پھر اس کو بٹھایا جائیگا یہ بھی اسکی نیکیوں میں سے اپنا بدلہ لے لیگا۔

هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ فَاِنْ فَنِیَتْ حَسَنَاتُهٗ

اور وہ بھی لے لیگا۔ پھر اگر اسکے جرائم کا بدلہ اترنے سے پہلے اسکی نیکیاں ختم ہوجائیں گی۔

قَبْلَ اَنْ یُّقْتَصَّ مَا عَلَیْهِ مِنَ الْخَطَایَا اُخِذَ مِنْ خَطَایَاهُمْ فَطُرِحَ

تو حق داروں کی خطاؤں کو لیکر اس مجرم پر ڈالدیا جائے گا۔ پھر

عَلَیْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔

اس مجرم کو جہنم رسید کردیا جائیگا۔

{مسلم شریف باب تحریم الظلم ص ۳۲۰ ج ۲ و ترمذی شریف ص ۶۶ ج ۲ و مشکوٰۃ شریف ص ۴۳۵}

لغات

المُفْلِس باب اِفْعَال سے اسم فاعل کا صیغہ الذی لیس لہٗ فَلْسٌ ج مُفْلِسُوْن ومَفَالِس۔ اِفْلَاسٌ مال باقی نہ رہنا۔ فَلْسٌ پیسہ ج اَفْلُسٌ و فُلُوْسٌ۔ فَلَّسَ کسی پر دیوالیہ ہونیکا حکم لگادینا۔ مَتَاعٌ چاندی سونے کے علاوہ سامانِ زندگی، ہر وہ چیز جس سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا جائے، پھر وہ فنا ہوجائے۔ اِنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ ج اَمْتِعَةٌ ج اَمَاتِعُ وَاَمَاتِیْعُ (ف) لیجانا، لمبا ہونا، بلند ہونا۔ (ک) زیرک ہونا۔ متعہ دینا (عورت مطلقہ کو جوڑا دینا۔ اُمَّةٌ جماعت، گروہ، طریقہ، وقت، قد و قامت۔ ج اُمَمٌ۔ شَتَمَ شَتْمًا مَشْتَمَةً (ن ض) گالی دینا۔ گالی دینے میں غالب ہونا۔ شَتُمَ شَتَامَةً (ک) بدصورت و کریہ

المنظر ہونا۔ شَتِیْمَۃٌ گالی ج شَتَائِم۔ شُتَّام بدصورت وقَذَفَ قذفاً (ض) قے کرنا، بے سمجھے بوجھے بول دینا۔ پتھر مارنا، تہمت لگانا۔ اَکَلَ۔ اَکْلاً (ن) کھانا۔ اُکْلَۃٌ لقمہ۔ اَکَّالٌ۔ اَکِیْلٌ۔ اَکُوْلٌ اُکَلَۃٌ بہت کھانیوالا۔ (س) دانت یا لکڑی کا کھوکھلا ہونا۔ سَفَکَ سفکاً (ض) پانی یا خون بہانا۔ بہت بولنا۔ سَفُوْکٌ سَفَّاکٌ مبالغہ کے صیغے ہیں۔ دَمٌ خون ج دِمَآءٌ۔ دَمِیَ یَدْمٰی دُمِیًّا ودَمًی (س) خون دینا۔ دَمّٰی خون نکالنا دَامِیٌ جس کا خون بہہ رہا ہو دَمٌ کی اصل دَمْوٌ یا دَمْیٌ تھی۔ یہ اسمائے محذوفۃ الاعجاز میں سے ہے۔ فَیُقْتَصُّ قصاص لینا نیز تابعداری کرنا۔ نقل کرنا قصًّا (ن) قینچی سے بال وغیرہ کاٹنا۔ قَصصًا بیان کرنا۔ قَصَّۃٌ چونا ج قِصَاصٌ۔ قِصَّۃٌ واقعہ، حالت ج قِصَصٌ واَقَاصِیْصُ۔ قُصَّۃٌ پیشانی کے بال، بالوں کا گچھا۔ ج قُصَصٌ، قُصَاصٌ۔ قِصَاصٌ گناہ کی سزا، جُرم کا بدلہ۔ القَاصُّ خطیب، واعظ۔ قَصَّاصٌ قصہ گو۔ مِقَصٌّ قینچی۔ خَطَایَا اور خَطِیْئَاتٌ خَطِیْئَۃٌ کی جمع گناہ۔ خَطِیَ خَطَاءً (س) غلطی کرنا، قصداً یا بلاقصد غلطی کے راستہ پر چلنا، گناہ کرنا خِطْءٌ وخَطَاءٌ گناہ۔ خَطَّآءٌ بہت گناہ کرنیوالا۔ طَرَحَ (ف) پھینکدینا۔ ڈالدینا، دور کردینا۔ (س) بدخلق ہونا۔ خوش عیش ہونا۔ مُطَارَحَۃ گفتگو، شعر یا گانے میں مقابلہ کرنا۔

ترکیب

مَنِ المُفْلِسُ مبتدا خبر مفعول بہ تَدْرُوْنَ کا۔ جملہ فعلیہ مقولہ۔ قَالَ مقولہ مفعول بہ سے ملکر اِنَّ کی خبر پھر حسب سابق مبتدا مؤخر، خبر مقدم سے ملکر جملہ ہوا۔ المفلس مبتدا فِیْنَا ای المعروف فینا خبر جملہ پھر مبتدا۔ یا المفلس کائنًا فینا ذو الحال وحال مبتدا۔ مَنْ موصولہ لَادِرْھَمَ لَہٗ۔ لَا اسم وخبر سے ملکر جملہ معطوف علیہ وَلَامَتَاعَ ای ولا متاع لہٗ جملہ معطوف۔ معطوفین صلہ۔ موصول وصلہ خبر۔ جملہ اسمیہ جواب ندا (یا رسول اللہ) المُفْلِسُ مِنْ اُمَّتِیْ المفلس فینا کی طرح مبتدا۔ مَنْ موصولہ۔ یَاْتِیْ فعل فاعل ضمیر غائب محذوف۔ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ مفعول فیہ بِصَلٰوۃٍ وصِیَامٍ وَزَکٰوۃٍ جار مجرور متعلق یَاْتِیْ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ ویَاْتِیْ ضمیر فاعل ذو الحال قَدْ شَتَمَ فعل ضمیر فاعل۔ ھٰذَا مفعول بہ معطوف علیہ۔ وَقَذَفَ ھٰذَا جملہ فعلیہ معطوف اول وَاَکَلَ مَالَ ھٰذَا جملہ فعلیہ معطوف ثانی۔ وَسَفَکَ دَمَ ھٰذَا معطوف ثالث۔ وَضَرَبَ ھٰذَا معطوف رابع۔ چاروں معطوفات حال، ذو الحال وحال فاعل۔ یَاْتِیْ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوف علیہ ومعطوف ملکر صلہ۔ موصول وصلہ خبر جملہ اسمیہ۔ فیقعد فعل مجہول ضمیر غائب فاعل جملہ فعلیہ۔ فیقتصُّ فعل ھٰذَا فاعل۔ مِنْ حَسَنَاتِہٖ متعلق جملہ فعلیہ۔ وھٰذَا مِنْ حَسَنَاتِہٖ ای ویقتصّ ھٰذا من حسناتہٖ جملہ فعلیہ حسب سابق۔ فَاِنْ فَنِیَتْ فعل حَسَنَاتُہٗ فاعل قَبْلَ مضاف اَنْ یُّقْتَصَّ فعل مجہول۔ مَا موصولہ عَلَیْہِ اور مِنَ الْخَطَایَا۔ ثبتَ یا حصَلَ کے متعلق جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول وصلہ نائب فاعل۔ پھر

جملہ فعلیہ بتاویلِ مفرد مضاف الیہ قبلَ کا مرکب اضافی ظرف۔ فعل فاعل ظرف جملہ شرط۔ اُخِذَ مِنْ خَطَایَاھُمْ فعل مجہول ظرف نائب فاعل جملہ معطوف علیہ۔ اپنے آئندہ دونوں جملوں معطوفوں سے مل کر جزا۔

تشریح حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضراتِ صحابہؓ سے سوال کیا "مفلس کون ہے؟" مسلم و ترمذی وغیرہ میں مَنِ المفلسُ کے بجائے مَا المفلسُ ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ مفلس کے اوصاف بتلاؤ کیا ہیں؟ اسی وجہ سے آپ نے اس کے اوصاف بیان فرمائے ہیں لیکن حضراتِ صحابہؓ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ لفظ مَنْ ہی زیادہ مناسب ہے۔ اسی لئے صحابہؓ نے حقیقتِ مفلس بیان کی۔ اس لئے جن روایات میں مَا ہے وہ بمعنی مَنْ ہے۔ حاصل یہ ہے کہ تم کس کو مفلس سمجھتے ہو۔ آپ کا یہ سوال، سوالِ استعلام نہ تھا یعنی آپ کا یہ مقصد نہیں تھا کہ مجھے مفلس کی حقیقت یا اس کے اوصاف معلوم نہیں، مجھ کو بتلا دو۔ بلکہ یہ سوال، سوالِ ارشاد تھا۔ یعنی آپ اپنے صحابہؓ کو سوال کے ذریعہ متوجہ کر کے یہ بتلانا چاہتے تھے کہ حقیقی مفلس جس میں کمالِ افلاس موجود ہو کون ہے؟ حضراتِ صحابہؓ نے دنیوی عرف کے لحاظ سے یہ جواب دیا۔ یا رسول اللہ دنیا میں تو ہم لوگ مفلس اسی کو سمجھتے ہیں جس کے پاس روپیہ پیسہ مال و متاع اور سر و سامان نہ ہو۔ فینا کے لفظ سے اسی طرف اشارہ ہے کہ عرفِ عام میں جس کو مفلس کہتے ہیں ہم اسی کو جانتے ہیں۔ اگر آنحضورؐ کی مراد اور کچھ ہوگی تو ارشاد فرمائیں گے۔ بظاہر حضراتِ صحابہؓ کا یہی مقصد تھا۔ ورنہ تو ان کو معلوم تھا کہ جواب میں جس امر کو ہم بیان کر رہے ہیں اس سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بخوبی واقف ہیں۔

وقول علی القاری فی شرحہ لمشکوٰۃ المصابیح والحاصل انہم اجابوا بما عندھم من العلم بحسب عرف اھل الدنیا کما یدل علیہ قولھم فینا وغفلوا عن امر الآخرۃ وکان حقھم ان یقولوا اللہ ورسولہ اعلم لان المعنی الذی ذکروہ کان واضحًا عندہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ انتہی۔ لیس بسدیدٍ عندی لان ھذا القول ینافی عظمۃ الصحابۃ رضی اللہ عنہم اجمعین، ربِّ اغفر لی ولہ ولجمیع المؤمنین۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو نماز، روزہ اور عبادات کا ذخیرہ خدا کی بارگاہ میں لیکر پیش ہوگا لیکن وہ بداخلاق تھا، حقوق العباد کی اس نے دنیا میں کوئی پرواہ نہیں کی، کسی کو گالیاں بک دیتا، کسی پر الزام و بہتان لگاتا، کسی کا خون بہا دیتا، کسی کو مار پیٹ کر دیتا، تو اس سے قیامت کے دن عدالتِ حق میں تمام حق تلفیوں کا بدلہ دلوایا جائیگا۔ اُس ملک (آخرت) میں اس ملک (دنیا) کا سکہ نہ موجود ہوگا۔ اور نہ

چل سکیگا کیونکہ جو سکہ جس ملک کا ہوتا ہے وہیں چلتا ہے۔ آخرت میں تو نیکیوں کا سکہ چلے گا جن پر لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا نقش کندہ ہوگا۔ اپنے حقوق وصول کرنیوالے اس کی نیکیوں کا ذخیرہ لوٹ لیں گے۔ اور نیکیوں کے ختم ہوجانے کے بعد بھی اگر کچھ لوگوں کا مطالبہ باقی رہ جائیگا تو انکے گناہوں کے بدلہ میں اس ظالم کو سزا بھگتنی پڑیگی۔ وہ دولت مند کتنا بدنصیب ہے جس کی دولت اسکی نگاہوں کے سامنے لٹ گئی ہو۔ اور اسی پر بس نہیں بلکہ جسم وجان کی سلامتی وعافیت بھی خطرات وحوادث کی نذر ہوچکی ہو، اس کے دکھ درد کو کون بیان کرسکتا ہے۔ اور اس کے حالِ زار کو کون سمجھ سکتا ہے۔ پھر دنیا کا وہ اِفلاس جو مالداری کے بعد آئے، اور جو مصیبت راحت کے بعد واقع ہو، سنگین وسخت ترین ہونے کے باوجود یقینًا ناپائیدار ہے۔ موت سے پہلے بھی حالات بدل سکتے ہیں۔ فقر وفاقہ کے بعد غنا ؤ مالداری اور رنج ومصیبت کے بعد راحت وآرام کا آجانا کچھ بعید نہیں اور زندگی میں حالات نہ پلٹے تو اس چند روزہ زندگی کے ختم پر دنیا کی ہر مصیبت وراحت بہرحال ختم ہوجاتی ہے۔

لیکن آخرت کا افلاس واقعی ایسا افلاس ہے جس کو حقیقی افلاس کہا جاسکتا ہے۔ اور وہاں کی مصیبت واقعۃً سنگین اور ناقابلِ برداشت مصیبت ہے۔ اللّٰھمّ احفظنا من خزی الدنیا وعذاب الاخرۃ۔ بہرحال حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اپنی امّت کے دنیوی افلاس کی کوئی اہمیت نہیں۔ بلکہ جیسا کہ احادیث میں موجود ہے آپ امّت کے لئے کشائشِ دنیا کو خطرہ سمجھتے رہے۔ کیونکہ حالتِ افلاس میں مسلمان عمومًا اللہ کی جانب متوجہ رہتے ہیں۔ اور مالداری ہی میں بیشتر خدافراموشی کا مرض پیدا ہوجاتا ہے۔ غور کیجئے کہ خدائی کا دعویٰ کرنیوالے فرعون ونمرود وغیرہ سب اہلِ دولت ہی تھے۔ کسی غریب آدمی نے کبھی خدائی کا دعویٰ نہیں کیا۔ بہرحال دنیوی افلاس انسان کے لئے اتنا خطرناک نہیں ہے جتنی مالداری خطرناک ہے۔ اِسی لئے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امّت کے دنیوی افلاس کو اہمیت نہیں دی۔ ہاں اُخروی افلاس نہایت خطرناک مصیبت ہے۔ اسلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے اہتمام کے ساتھ اُمّت کو اس کی طرف متوجہ فرمایا۔

اور نہایت بلیغ انداز میں

اس سے بچنے کی

تاکید فرمائی۔

اَلْمَلٰٓئِکَۃُ

(۳۰) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○ (سورہ فاطر پ ۲۲ ع ۱۲)

تمام تعریفیں اسی اللہ کو زیبا ہیں جو آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنیوالا (اور) دو دو اور تین تین اور چار چار بازوؤں والے فرشتوں کو پیغام رساں بنانیوالا ہے۔ وہ بنانے میں جو چاہے زیادہ کر دیتا ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

(۳۱) اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَيَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ○ رَبَّنَا وَاَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِۨ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ

جو فرشتے عرش کو اٹھاتے ہیں اور جو اس کے اِرد گرد ہیں وہ اپنے پروردگار کی تسبیح و تحمید کرتے رہتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان والوں کیلئے استغفار کرتے رہتے ہیں کہ اے ہمارے رب آپکی رحمت اور علم ہر چیز کو عام ہیں سو آپ ان لوگوں کو بخش دیجئے جنھوں نے توبہ کرلی اور آپکی راہ پر چل پڑے۔ اور ان کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے۔ اے ہمارے رب اور ان کو ہمیشہ رہنے کے ان باغات میں داخل فرما دیجئے جنکا آپنے

عے الملائکۃ جمع ملئک کشمائل وشمآل وہو مقلوب مالک صفۃ مشبہۃ عند الکسائی وہو مختار الجمہور من الألوکۃ وہی الرسالۃ فہم رسل الی الناس او کالرسل الیہم وقیل لاقلب فیہ فذہب ابن کیسان الیٰ انہ فعال من الملک بزیادۃ الہمزۃ لاما ملک ما جعلہ اللہ تعالیٰ الیہ اولقوتہ فان (م ل ک) یدور مع القوۃ والشدۃ یقال ملکت العجین ای شددت عجنہ وہو اشتقاق بعید وفعال قلیل وابوعبیدۃ الیٰ انہ مفعل من لاک اذا ارسل مصدر میمی بمعنی المفعول او اسم مکان علی المبالغۃ وہو اشتقاق بعید ایضا ولم یشتہر لاک وکثر فی الاستعمال الکنی الیہ ای کن لی رسولا ولم یجئ سوی ہٰذہ الصیغۃ فاعتبرہ مہموز العین فی ان اصلہ الاکنی وبعض جعلہ اجوف من لاک یلوک والتاء لتانیث الجمع وقیل للمبالغۃ ولم یجعل لتانیث اللفظ کا لظلمۃ لاعتبارہم التانیث المعنوی فی کل جمع حیث قالوا کل جمع مؤنث بتاویل الجماعۃ وقد ورد بغیر تاء ای الملائک واللہ تعالیٰ اعلم کذا قال الآلوسی ۱۲ ان

عـہ بظاہر والملائکۃ بالواؤ ہونا چاہیئے، مگر نہ اعلیٰ پریس کے نسخہ میں واؤ ہے، نہ حیدرآبادی نسخہ میں۔ سیاق وسباق کا تقاضا یہی ہے کہ وَالْمَلٰٓئِكَةُ ہو۔ ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری

وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ

ان سے وعدہ کیا ہے۔ اور ان کے ماں باپ اور بیویوں اور اولاد میں سے جو اس لائق ہوں انکو بھی جنت میں داخل کر دیجئے

الْحَكِيْمُ ○ وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ؕ وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ

بیشک آپ زبردست بڑی حکمت والے ہیں۔ اور انکو تکلیفوں سے بچائیے اور اس دن کی تکالیف سے آپنے جسکو بھی بچالیا تو

رَحِمْتَهٗ ؕ وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ○ (پ ۲۴ ع ۶)

یقیناً آپنے اسپر مہربانی فرمائی۔ اور در اصل یہی بڑی کامیابی ہے۔

(۳۲) اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ

بیشک جو لوگ (اس بات کے) قائل ہو گئے کہ ہمارا پالنے والا اللہ ہے پھر ثابت قدم رہے تو فرشتے ان پر یہ پیغام لیکر

الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ

اتریں گے کہ تم اندیشہ نہ کرو اور نہ افسوس کرو اور تم اس جنت کی خوش خبری لو جس کا تم سے وعدہ کیا جاتا تھا۔

تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَ

ہم دنیاوی زندگی میں تمہارے ساتھی رہے اور آخرت میں بھی رہیں گے۔ اور

لَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ نُزُلًا مِّنْ

تم کو جنت میں وہ سب کچھ ملیگا جس کو تمہارا جی چاہے گا اور جو کچھ تم مانگو گے وہ جنت میں موجود ہے۔ یہ غفور

غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ ○ (پ ۲۴ ع ۱۸)

رحیم کی جانب سے مہمان نوازی کے طور پر ہوگا۔

(۳۳) اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ ○

یاد رکھو کہ وہ لکھنے والے لکھتے رہتے ہیں جو داہنی جانب اور بائیں جانب بیٹھے رہتے ہیں۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ○ (پ ۲۶ ع ۱۸)

جو بات بھی انسان کہتا ہے اس کے پاس ایک نگراں تیار رہتا ہے۔

لغات فاطِر (ن ض) پھاڑنا، پیدا کرنا، شروع کرنا، روزہ افطار کرنا۔ فِطْرَۃٌ وہ صفت کہ ہر موجود اپنی ابتدائی پیدائش میں اسپر ہو۔ طبعی حالت، دین، سُنت، طریقہ، پیدائش ج فِطَرٌ۔ اَجْنِحَۃ۔ جَنَاحٌ کی جمع پرندہ کا بازو، اور انسان کا ہاتھ، بغل، بازو، پہلو۔ اَجْنُحٌ بھی جمع آتی ہے۔ جُنَاحٌ بضم الجیم گناہ۔ جانِحٌ جانب۔ جمع جَوَانِح۔ جَنَحَ جُنُوحًا (ف ن ض) مائل ہونا۔ زمین سے لگ جانا (ض جَنْحًا) بازو پر مارنا۔ اِفعال سے جھکانا۔ مَثْنٰی وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ۔ مفعل و فعال کے ہر دو وزن اعداد میں مَوْحَد اُحَاد سے عُشَار و مَعْشَر تک تکرار کا فائدہ

دیتے ہیں۔ مثنیٰ کے معنی دُو دُو، ثُلٰث کے معنی تین تین اور رُبع کے معنی چار چار (رُبَعَ مَربَعَ تک اور عُشار و مَعشَر تک علی الاختلاف بین النحویین قال فی الفوائد الضیائیۃ والصواب مجیئھا) اور یہ غیر منصرف ہوں گے والسبب فی منع صرفھا العدل والوصف۔ یَزِیۡدُ (ض) زیادہ ہونا، بڑھنا، زیادہ کرنا۔ بڑھانا۔ قَدِیۡرٌ (ن ض س) توانا ہونا، قوی ہونا۔ (ض) تدبیر کرنا۔ اندازہ کرنا، تیار کرنا، معین کرنا قَدۡرًا (ن ض) تعظیم کرنا، فیصلہ کرنا، حکم لگانا، تقسیم کرنا، تنگ کرنا، قادر ہونا، جمع کرنا، غور و فکر کرنا۔ قَدَرًا (س) چھوٹی گردن والا ہونا، قدرت رکھنا۔ قَدَّرَ قادر بنانا، ہانڈی میں پکانا۔ قدریہ ایک فرقہ باطلہ کا نام ہے جو تقدیر الٰہی کا منکر ہے۔ اور کہتا ہے کہ بندے اپنے افعالِ اختیاریہ کے خود خالق ہیں۔ اور جبریہ فرقہ باطلہ خود کو اینٹ پتھر کی طرح مجبور محض مانتا ہے۔ اہل سنت ان کے درمیان ہیں۔ تمام افعال کا خالق بھی اللہ کو مانتے ہیں۔ اور بندوں کے لئے ظاہری اختیار و ارادہ بھی مانتے ہیں۔ اور اسی پر جزا و سزا کا مدار ہے۔ قدیر اور قادر و مقتدر یہ سب اللہ کے اسمائے حسنیٰ ہیں۔ وَسِعَتۡ وَسِعَ، وُسۡعًا سِعَۃً (س) کشادہ ہونا، شامل ہونا، قدرت رکھنا۔ وَسَّعَ تَوۡسِیۡعًا وَسُعًا (ف) کشادہ کرنا، غنی بنانا۔ (ک) کشادہ ہونا، مالدار ہونا۔ وَاسِعٌ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ بمعنی بہت دینے والا، ہر چیز کا احاطہ کرنیوالا۔ تَابُوۡا۔ تَابَ یَتُوۡبُ تَوۡبًا وَتَوۡبَۃً وَتَابَۃً وَمَتَابًا (ن) گناہ چھوڑ کر اللہ کی طرف متوجہ ہونا۔ نادم و پشیمان ہونا جبکہ صلہ الیٰ آئے۔ اور اگر علیٰ آئے تو بخشدینا، دوبارہ مہربان ہونا، معنی ہوں گے۔ تَابَ اِلَی اللّٰہِ توبہ کی، شرمندہ ہو کر اللہ کی طرف رجوع کیا۔ تَابَ اللّٰہُ عَلَیۡہِ اللہ نے بخشدیا، رحمت کے ساتھ متوجہ ہوا۔ تَوَّابٌ صیغہ مبالغہ۔ اسمائے حسنیٰ میں سے ہے۔ وَقِہِمۡ۔ وَقٰی وَقۡیًا وِقَایَۃً (ض) حفاظت کرنا، تکلیف سے بچانا، درست کرنا۔ عَذَابٌ سزا، مشقت، مصیبت ج اَعۡذِبَۃٌ (ض) سخت پیاس کیوجہ سے کھانا چھوڑ دینا، منع کرنا، باز رہنا۔ عَذِبَ (س) الماءُ کائی والا ہونا عَذُوۡبَۃً (ک) میٹھا ہونا، خوشگوار ہونا۔ عَذَّبَ تَعۡذِیۡبًا وعَذَابًا سزا دینا، روکنا۔ عَدَنَ (ن ض) اقامت کرنا، وطن بنانا، اسی سے جنت عدن ہے۔ یعنی ہمیشہ رہنے کے باغات، یا جنتِ عدن، جنت کا ایک خاص درجہ ہے۔ علامہ خازنؒ کی تصریح کے موافق اس میں ستر دار (حویلیاں) ہوں گی۔ اور ہر دار میں ستر بُیُوت (کمرے) اور ہر بیت میں ستر تخت اور ہر تخت پر ستر رنگ کا قالین، اور ہر قالین پر ایک خوان ہوگا۔ جس پر جنت کے ہر قسم کے میوے اور پھل ہوں گے۔ اور اس خوان کے کنارہ پر ایک حور بیٹھی ہوگی۔ حق تعالیٰ جس کو وہ جنت عطاء فرمائیں گے اس کو ان تمام حوروں اور دستر خوانوں کے انعامات کو صبح و شام استعمال کرنیکی قوت و طاقت عطاء فرمائیں گے۔ عَدَنَ (ض) کھاد ڈالنا، اکھیڑنا۔ عَدَن یمن کے ایک شہر کا نام بھی ہے۔ مَعۡدِنٌ سونے چاندی وغیرہ کی کان۔ مِعۡدَنٌ ہتھوڑا، وہ آلہ جس سے پتھر توڑا جائے۔

ذُرِّيَّةٌ بتثلیث الذال اولاد ونسل ج ذَرَارِي وذُرِّيَّاتٌ، ذَرَّ ذَرًّا ذُرُوْرًا (س ن) سر کے اگلے حصہ کا سفید ہونا۔ ذَرٌّ چھوٹی چیونٹی (ن) اُگنا، طلوع ہونا۔ الفوز کامیابی (ن) کامیاب ہونا نجات پانا، ہلاک ہونا، مرنا۔ اَفَازَ کامیاب کرنا۔ مَفَازَۃٌ نجات، کامیابی، ہلاکت، بیابان ج مَفَازَاتٌ، مَفَاوِز۔ تَتَنَزَّلُ (تفعّل) اترنا نُزُوْلًا (ض) اترنا نَزْلَۃً (س) زکام میں مبتلا ہونا۔ نَزْدٌ کھیتی کا بڑھنا۔ نَزَّلَ اتارنا، مرتب کرنا۔ اَنْزَلَ مہمان اُتارنا، اتارنا، یکبارگی اتارنا۔ نُزُلٌ، نُزْلٌ وہ کھانا جو مہمان کے سامنے پیش کیا جائے ج اَنْزَالٌ، نُزُلٌ بابرکت کھانا۔ نَزِيْلٌ مہمان۔ بابرکت کھانا ج نُزَلَاءُ۔ مَنْزِلَۃٌ مرتبہ، اترنے کی جگہ، گھر۔ لَاتَحْزَنُوْا (س) ملال کرنا، غمگین ہونا۔ غم کرنا حُزْنٌ حَزَنٌ رنج وغم ج اَحْزَانٌ (ن) غمگین کرنا۔ حَزِيْنٌ غمگین ج حُزَنَاءُ، حِزَانٌ۔ حَزَانٰی، حُزُوْنَۃٌ (ک) سخت ہونا حَزْنٌ سخت وبلند زمین۔ حُزْنٌ۔ حُزُوْنٌ جمع حَزْنَۃٌ سخت زمین حُزْنَۃٌ سخت پہاڑ اَبْشِرُوْا خوشخبری دینا، خوش ہونا، حسین وپُر رونق بنا دینا، پھیلنا۔ بَشْرًا (ن) پھیلنا۔ (ف س) خوش ہونا۔ بَشَّرَ خوش کرنا، خوشخبری دینا۔ مُبَاشَرَۃٌ کسی کام کو خود کرنا، نعمتوں میں پلنا۔ جماع کرنا۔ بِشْرٌ کشادہ روئی، چہرہ کی رونق۔ بَشِيْرٌ خوشخبری دینے والا۔ بَشَارَۃٌ حسن وجمال۔ بُشَارَۃٌ خوشخبری، ج بُشَارَاتٌ، بَشَائِرُ۔ بَشَرٌ انسان (مذکر ومؤنث وواحد وجمع) اَبُوالْبَشَرِ آدم علیہ السلام، بَشَرَۃٌ کھال کا اوپر کا حصہ۔ ساگ، گھاس ج بَشَر۔ بُشْرٰی خوشخبری۔ اَوْلِيَاءُ، وَلِيٌّ کی جمع، دوست، محبت کرنیوالا۔ (ض ح) قریب ہونا، والی ہونا، متصرف ہونا، مدد کرنا، محبت کرنا۔ وَلَاءٌ محبت، دوستی، نزدیکی، قرابت، مدد، ملکیت۔ وَلِيُّ الْعَهْدِ وارث تخت وتاج۔ وَلِيُّ اللهِ مؤمن کامل۔ وَالِي حاکم۔ حَيٰوۃٌ زندگی (س) زندہ رہنا۔ تفعیل سے حَيَّاكَ اللهُ کہنا۔ اِفعال سے زندہ کرنا تَشْتَهِي چاہنا، خواہش کرنا، رغبت کرنا (س) مرغوب ہونا۔ تَدَّعُوْنَ افتعال سے دعویٰ کرنا، تمنا کرنا دُعَاءً دعوٰی (ن) پکارنا، بلانا، مدد طلب کرنا۔ دُعَاءٌ ج اَدْعِيَۃٌ۔ يَتَلَقّٰی ملنا، استقبال کرنا سیکھنا تَلَقَّتِ الْمَرْأَۃُ حاملہ ہونا۔ لَقِيَ لِقَاءً لِقَاءَۃً لُقِيَانًا لُقْيًا لِقَايَۃً وغیرہ (س) ملاقات کرنا، ملنا، پانا، استقبال کرنا، دیکھنا۔ مُفَاعَلَۃ سے پانا، ملاقات کرنا۔ يَلْفِظُ (ض س) بولنا، پھینکنا۔ عَتِيْدٌ آمادہ، تیار (ک) تیار ہونا عَتَدَ اِعْتَدَّ تیار کرنا۔

ترکیب الحمد مبتدا فَاطِرِ اپنے مضاف الیہ سے ملکر لفظ اللّٰہ کی صفت اول جَاعِلِ اسم فاعل کا صیغہ۔ الملٰئکۃ مضاف الیہ مفعول اول اور رُسُلًا موصوف اُولِي مضاف اَجْنِحَۃٍ مبدل منہ۔ مَثْنٰی اپنے دونوں معطوفوں سے مل کر بدل۔ مبدل منہ بدل ملکر مضاف الیہ۔ مضاف ومضاف الیہ صفت رُسُلًا کی رُسُلًا اپنی صفت سے ملکر جَاعِلِ

کا مفعول ثانی جَاعِل دونوں مفعولوں سے ملکر صفتِ ثانی۔ لفظ اللہ اپنی دونوں صفتوں سے مل کر مجرور۔ ثَابِتٌ کے متعلق ہوکر خبر۔ مبتدا و خبر جملہ خبریہ یا انشائیہ ہوا۔ یَزِیْدُ فعل ضمیر ھو راجع بجانب اللہ فاعل۔ فِي الْخَلْقِ متعلق مَا موصولہ۔ یَشَآءُ فعل فاعل جملہ فعلیہ صلہ مفعول بہ جملہ فعلیہ ہوا۔ اِنَّ حرف مشبہ بفعل اللہ اسم قَدِیْرٌ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ۔

سوال۔ جَاعِل دو حال سے خالی نہیں یا تو بمعنیٰ ماضی ہے، یا حال و استقبال کے معنیٰ میں ہے۔ اگر اول ہے تو عامل نہو گا۔ کیونکہ اسم فاعل کے عمل کی دو شرطیں ہیں۔ حال یا استقبال کے معنیٰ میں ہونا اور چھ چیزوں میں سے ایک پر اعتماد ہونا۔ تو یہاں اول شرط مفقود ہے۔ حالانکہ عامل بن رہا ہے۔ جیساکہ رُسُلاً کے نصب سے ظاہر ہے۔ اور اگر حال و استقبال کے معنیٰ میں ہے تو عامل ہونا اور اضافت صحیح ہے۔ مگر تخصیص پیدا نہیں ہوئی۔ کیونکہ اس صورت میں اضافت عامل کی اپنے معمول کی طرف (اضافتِ لفظیہ) ہوئی۔ جو صرف تخفیف کا فائدہ دیگی جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس کا معرفہ (اللہ) کی صفت بننا جائز نہو گا۔ حالانکہ وہ صفتِ ثانی ہے۔

جواب:۔ یہاں جاعل استمرار کے لئے ہے۔ لہٰذا اس اعتبار سے کہ ماضی پر دال ہے اضافت کی وجہ سے تخصیص پیدا ہوگئی۔ کیونکہ اضافت اس صورت میں اضافتِ معنوی ہوئی۔ اور اس کا معرفہ (اللہ) کی صفت بننا بھی صحیح ہوگیا۔ اور اس اعتبار سے کہ یہ حال و استقبال پر بھی دال ہے تو اس کا عامل بننا بھی صحیح ہوگیا۔ فافھم وتشکر ولاتکن من الغافلین۔

(۳۱) اَلَّذِیْنَ اسم موصول یَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ جملہ فعلیہ صلہ، موصول صلہ معطوف علیہ مَنْ موصولہ، حَوْلَہٗ فعل محذوف کا ظرف ہوکر جملہ فعلیہ صلہ، موصول صلہ معطوف۔ معطوفین مبتدا۔ یُسَبِّحُوْنَ فعل ضمیر ھُمْ ذوالحال مُلابسین بِحَمْدِ رَبِّہِمْ حال۔ فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَیَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔ یَقُوْلُوْنَ محذوف رَبَّنَا ای ندعو ربَّنا جملہ فعلیہ ندا۔ وَسِعْتَ فعل اَنْتَ ضمیر ممیز کُلَّ شَیْءٍ مفعول بہ۔ رَحْمَۃً وَّعِلْمًا تمیز۔ ممیز تمیز فاعل جملہ فعلیہ جواب ندا۔ فَاغْفِرْ فعل با فاعل اَلَّذِیْنَ اسم موصول تَابُوْا جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَاتَّبَعُوْا سَبِیْلَکَ جملہ فعلیہ معطوف معطوفین مل کر صلہ۔ موصول وصلہ مجرور متعلق اِغْفِرْ جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہ وَقِہِمْ عَذَابَ الْجَحِیْمِ فعل با فاعل دونوں مفعولوں سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف۔ رَبَّنَا۔ اَدْخِلْ فعل با فاعل۔ ھُمْ مفعول بہ۔ جَنّٰتِ مضاف عَدْنٍ موصوف اَلَّتِیْ اپنے صلہ (وَعَدْتَّہُمْ جملہ فعلیہ) سے ملکر صفت، موصوف وصفت مضاف الیہ مضاف ومضاف الیہ مفعول فیہ۔ جملہ فعلیہ۔ مَنْ موصولہ صَلَحَ فعل، ضمیر ھُوَ برائے مَنْ فاعل مِنْ اٰبَآئِہِمْ وَاَزْوَاجِہِمْ وَذُرِّیّٰتِہِمْ جار مجرور بیان فاعل متعلق صَلَحَ جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول

وصلہ۔ اَدْخِلْهُمْ کے هُمْ پر عطف ہے۔ (فاصلہ نے ضمیر منفصل تاکیدی کے قائم مقام ہوکر عطف کو جائز کردیا) اِنَّ کا اسم کَ۔ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ موصوف صفت خبر یا دونوں دو خبریں ہیں۔ اَنْتَ ضمیر فصل وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ فعل با فاعل دونوں مفعولوں سے ملکر جملہ فعلیہ انشائیہ۔ مَنْ شرطیہ۔ تَقِ فعل با فاعل السَّيِّاٰتِ مفعول بہ۔ يَوْمَئِذٍ حسب ترکیب سابق مفعول فیہ۔ جملہ شرط۔ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ جملہ فعلیہ جزا۔ ذٰلِكَ مبتدا۔ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ موصوف صفت خبر۔ هُوَ ضمیر فصل۔

(۳۲) رَبُّنَا مبتدا اللّٰهُ خبر یا برعکس جملہ مقولہ۔ قَالُوْا کا جملہ معطوف علیہ۔ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فعل فاعل جملہ فعلیہ معطوف صلہ۔ اَلَّذِيْنَ موصول اپنے صلہ سے ملکر اِنَّ کا اسم۔ تَتَنَزَّلُ فعل عَلَيْهِمُ متعلق الْمَلٰٓئِكَةُ فاعل اَلَّا تَخَافُوْا فعل با فاعل جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ وَلَا تَحْزَنُوْا جملہ فعلیہ معطوف۔ اَبْشِرُوْا فعل با فاعل۔ الَّتِيْ اسم موصول اپنے صلہ جملہ فعلیہ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ سے ملکر جَنَّتْ کی صفت، پھر مجرور متعلق۔ اَبْشِرُوْا جملہ فعلیہ معطوف۔ تمام معطوفات بتاویل مفرد بَ محذوف کے مجرور ہوکر تَتَنَزَّلُ کے متعلق۔ جملہ فعلیہ اَنَّ کی خبر۔ اِنَّ اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ اسمیہ۔ نَحْنُ مبتدا اَوْلِيٰٓؤُكُمْ ای كنا اولياءكم فی الحيوة الدنيا ونكون معكم فی الاٰخرة جملہ خبر۔ مَا موصولہ۔ تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ فعل فاعل جملہ صلہ مبتدا ويكون لكم فيها ای فی الجنة جملہ خبر مقدم وكذلك۔ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ۔ نُزُلًا جُعِلَ مقدر کا مفعول ثانی مِنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ متعلق جملہ فعلیہ۔ نیز نزلًا، تَدَّعُوْنَ کی ضمیر سے حال بھی ہو سکتا ہے۔ اور مِنْ غَفُوْرٍ رَّحِيْمٍ کو تَدَّعُوْنَ کے متعلق بھی کرسکتے ہیں۔

(۳۳) اِذْ بمعنی وقت مضاف يَتَلَقَّى فعل الْمُتَلَقِّيٰنِ فاعل جملہ مضاف الیہ ظرف ہوا اُذْكُرْ محذوف کا۔ جملہ خبر مقدم عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ متعلق قَعِيْدٌ بمعنی قاعدان مبتدا مؤخر۔ مَا يَلْفِظُ فعل ضمیر هُوَ فاعل مِنْ قَوْلٍ متعلق۔ جملہ مستثنیٰ منہ۔ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ مبتدا خبر۔ پھر مبتدا لَدَيْهِ ظرف محذوف خبر مقدم جملہ اسمیہ مستثنیٰ۔ یا لَدَيْهِ کو رقیب کے متعلق کیا جائے۔

(ف) اعلم ان قعيد ورقيب وعتيد كل واحد منها فعيل بمعنى فاعلان ای هذه الصيغة اطلقت ههنا بمعنى التثنية ولا عجب فيه فانه قد يطلق على المتعدد فوق التثنية ايضا كما فی قوله تعالى والملائكة بعد ذلك ظهير بمعنى ظهراء وهذا قول الكوفيين وقيل وزن فعيل يستوی فيه الواحد والاثنان كما يستوی فيه المذكر والمؤنث وفی المدارك تقديره عن اليمين قعيد وعن الشمال قعيد فحذف الاول لدلالة الثانی عليه۔

واللّٰہ تعالیٰ اعلم۔

تشریح (۳۰) یہ سورۂ فاطر کی پہلی آیت ہے۔ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے جن چار سورتوں (انعام، کہف، سبا، فاطر) کو حمد سے شروع کیا ہے، سورۂ فاطر ان میں سے ایک ہے۔ اور ان چار سورتوں کو حمد سے بالخصوص اسلئے شروع کیا گیا ہے کہ ان میں دینی و دنیاوی انعامات کی تفصیلات مذکور ہیں۔ اس آیت میں اللہ نے فرشتوں کی پیدائش کو ذکر فرمایا ہے۔ فرشتوں کا پیدا ہونا بھی درحقیقت انسان کے لئے ایسا زبردست انعام ہے جو بہت سے انعامات پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک اسی آیت میں مذکور ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی ربانی لاتے ہیں جس کی روشنی میں انسان اپنی زندگی گذار کر ظاہری و باطنی، دنیوی و اُخروی کامرانیوں کی منزلوں تک پہونچ سکتے ہیں۔ دوسری بات اس میں یہ ہے کہ فرشتوں کو دو دو تین تین، چار چار بازو عطا فرمانے کا ذکر ہے۔ اور یہ کہ اس سے زیادہ بھی وہ کر دیتا ہے۔ چنانچہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جبرئیل کے چھ سو بازو ہیں۔

(۳۱) اس آیت میں فرشتوں کی مختلف جماعتوں کا ذکر کیا ہے۔ (قدرے تفصیل آگے آرہی ہے)۔ اس میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ فرشتے اہلِ ایمان سے محبت بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے جہاں وہ اللہ کی محبت کی بناپر اس کی تسبیح و تحمید کرتے ہیں، اہلِ ایمان کے لئے استغفار بھی کرتے ہیں۔ اور بارگاہِ حق میں درخواست کرتے ہیں کہ ان کو اور ان کے متعلقین اصول و فروع اور ازواج کو جنت میں داخل کر کے ان کو سب سے بڑی کامیابی عطا فرمادیجئے۔ اور تمام تکلیفوں سے محفوظ رکھیئے۔ اس محبت کی وجہ بھی بیان فرمائی۔ وَيُؤْمِنُونَ بِهٖ فرشتے ایمان والے ہیں، اسلئے ایمان والوں سے محبت رکھتے ہیں۔ اس میں ایمان والوں کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ بھی آپس میں ایک دوسرے سے محبت رکھیں۔ اور فرشتوں کی طرح تمام اہلِ ایمان کے لئے خیر خواہی کا جذبہ اپنے دل میں پیدا کریں۔ اور زبانوں سے بھی انکے لئے دعائیں کرتے رہیں۔ کیونکہ ایمان کا تقاضا یہی ہے۔ لا یؤمن احدکم حتّیٰ یحبّ لاخیہ ما یحبّ لنفسہ۔

(س) ما فائدۃ یؤمنون بہ بعد ذکر یسبّحون بحمدِ ربّہم۔

(ج) قلت للتصریح علیٰ سبب حبِّ الملائکۃ للمؤمنین ولتنبیہِ المؤمنین من الانس والجنّ علیٰ مقتضی الایمان فانہ الحبّ فی اللہ وذلك لا یحصل بدون ذکرِ قولہ تعالیٰ ویؤمنون بہ وایضاً التسبیح والتحمید من وظائف اللّسان والایمان من وظائف الجنان فافاد فائدۃً لم تکن فی الاول، فافہم ایّہا الطالب فانہ شئ عجیب۔

(۳۲) جن لوگوں نے اللہ کو اپنا پروردگار مان لیا ہے۔ اور یہ کہ اس کی ربوبیت جسم و روح سب ہی کو عام ہے، وہ جسمانی ربوبیت مادی عالم سے کرتا ہے کہ زمین سے انسانوں کے لئے غذائیں،

خوشبوئیں، لذتیں، لباس، مکان وغیرہ نکالتا ہے، کیونکہ جسم بھی مٹی سے نکلا ہے۔ اسی سے انسان جان لیتا ہے کہ روحانی غذا عالمِ ارواح سے آنی ضروری ہے۔ اس کے لئے ایک ایسی ہستی کی ضرورت ہوگی جس کا تعلق حق وخلق دونوں سے مکمل ہو۔ وہ انبیاء علیہم السلام کی ذات گرامی ہے۔ تو جب ربوبیت کا اعتراف کر کے نبوت کی ضرورت کو محسوس کر لیا۔ اور تلاش کر کے بارگاہ نبوی تک پہنچا تو وہاں پورا دین مل گیا۔ یہی مطلب ہے آیت گرامی کا کہ جو اپنے اللہ کی ربوبیت کا قائل ہوگیا۔ پھر پوری زندگی اسی یقین اور اطاعت رب میں گذار دی تو موت کے وقت فرشتے آکر اس کو خوشخبری وتسلی دیتے ہیں۔ کہ آئندہ کے حالات سے اندیشہ نہ کرو تمہارا بیڑا پار ہوگیا۔ جو چھوٹ جائے اس پر کفِ افسوس نہ ملو، اس سے بہت بہتر آگے ملنے والا ہے۔ اور جس جنت کا وعدہ تم سے ہوا ہے وہ تمہاری منتظر ہے بس یہ زندگی کا پردہ ہی حائل ہے، یہ ہٹا اور جنت سامنے آئی۔ اور ہم تم سے محبت کرتے تھے جب تم دنیا میں زندگی گذار رہے تھے، آئندہ بھی تمہاری ہماری دوستی اور محبتِ ایمانی کا رشتہ قائم ودائم رہیگا۔ یہ مطلب جب ہے کہ نَحْنُ اَوْلِیَآءُکُمْ الخ فرشتوں کا مقولہ ہو۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ یہ حق سُبحانہٗ وتعالیٰ فرمائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اللہ ہم پر دنیا میں بھی مہربان ہیں، اور ہمیشہ مہربان رہیں گے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے ذریعہ فرماتے ہیں یا خود ہی فرمائیں گے کہ تم نے خدا چاہی زندگی دنیا میں بسر کی، جنت میں تم کو من چاہی زندگی ملیگی۔ یعنی دنیا میں ہم نے جو چاہا تم نے کیا، اب جنت میں جو تم چاہو گے تم کو ملیگا، اور ہمیشہ مہمانوں کی طرح عزت واحترام کے ساتھ ملیگا۔

(۲۳) یاد رکھو کہ دو فرشتے اعمال لکھنے والے داہنے بائیں ہر وقت رہتے ہیں، ہر قول وعمل کو لکھتے رہتے ہیں۔ جو بات بھی آدمی منہ سے نکالتا ہے اس کو فوراً لکھ لیتے ہیں۔ دن کے فرشتے فجر سے لیکر عصر تک اور رات کے عصر سے فجر تک رہتے ہیں۔ عصر وفجر میں ڈیوٹیاں بدلتی ہیں اور ان دونوں نمازوں میں رات دن کے فرشتے کراماً کاتبین جمع ہوتے ہیں۔ جانیوالے آخری عمل نماز اور آنیوالے اول عمل نماز لکھتے ہیں۔ تفسیر صاوی میں لکھا ہے کہ یہ فرشتے نواجذ کے پاس بیٹھتے ہیں۔ ہاں تین موقعوں پر انسان سے الگ ہوجاتے ہیں۔ (۱) استنجار کرتے وقت۔ (۲) جماع کے وقت (۳) جنابت کی حالت میں، اور الگ ہونے کی وجہ شدتِ حیا ہوتی ہے۔ جو ایمان کی جان ہے۔ اور گندگی سے نفرت جو مومن کی شان ہے۔ بندہ ان تینوں حالتوں میں اگر کوئی اچھا یا برا عمل کرتا ہے تو ان اعمال کی خوشبو اور بدبو سے یا خاص آثار سے ان کو علم ہوجاتا ہے جس سے وہ نامۂ اعمال میں ان اعمال کو درج کر لیتے ہیں۔

(ف) دنیا کے اکثر لوگ فرشتوں کے وجود کے قائل ہیں۔ لیکن فرشتوں کی حقیقت میں انکے

مختلف خیالات ہیں۔ نصاریٰ کا خیال ہے کہ نیک لوگوں کی روحیں جب اپنے پاک جسموں کو چھوڑ دیتی ہیں تو وہی ارواح فرشتے کہلاتے ہیں، اور ارواح خبیثہ شیاطین بنجاتی ہیں۔ یعنی جب کوئی انسان مرجاتا ہے تو وہ فرشتہ بنجاتا ہے۔ یا شیطان۔ لیکن یہ خیال غلط ہے۔ کیونکہ فرشتے انسانوں سے پہلے بھی تھے۔ جیساکہ ان کی انجیل و بائبل میں متعدد جگہ صراحۃً موجود ہے۔ بُت پرستوں کا خیال ہے کہ کواکبِ سَعد ملائکہ رحمت ہیں۔ اور کواکبِ نحس ملائکہ عذاب ہیں۔ یہ ان کی بے سرو پا بکواس ہے۔ بعض فلاسفہ کا قول ہے کہ وہ جواہر مجرّدہ ہیں اور انسانوں سے اسی ایک چیز میں مختلف ہیں، کہ انسان کا جسم ہے اور وہ مادّیت سے مُبرّا ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ وہ عقولِ عشرہ اور نفوسِ فلکیہ ہیں جن سے افلاک میں حرکت ہوتی ہے۔ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ۔

قال علی القاری (الملائکۃ) اطلقت بالغلبۃ علی الجواھر العلویۃ النورانیۃ المُبرأۃ عن الکدُورات الجسمانیۃ وھی وسائط بین اللّٰہ وبین انبیائہم وخاصۃ اصفیائہم۔

مُلا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کا اطلاق اکثر ان نورانی علوی جواہر پر ہوتا ہے جو جسمانی کدورتوں سے مبرّا ہیں اور وہ اللہ اور اس کے نبیوں اور خاص بندوں کے درمیان (سلسلۂ وحی کا) واسطہ ہوتے ہیں۔

وقال بعضہم ھی اجسام لطیفۃ نورانیۃ مقتدرۃ علی تشکلات مختلفۃ یجوز علیہم الصعود والنزول والتسبیح لہم بمنزلۃ النفس منّا فمشقۃ التکلیف منتفیۃ۔

(مرقاۃ صـ۵ـ ج۱)

اور بعض علماء کا قول ہے کہ وہ ایسے لطیف نورانی اجسام ہوتے ہیں کہ ان کو مختلف صورتیں بنا لینے پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ اور (آسمانوں) پر چڑھنا اترنا انکے لئے آسان ہوتا ہے۔ جس طرح ہم سے سانس بے تکلف سرزد ہوتی ہے اسی طرح ان سے اللہ کی تسبیح بے تکلف جاری رہتی ہے۔ اور وہ لوگ احکام شرعیہ کے مکلف نہیں ہوتے۔

وقال الآلوسی فذھب اکثر المسلمین الی انہا اجسام نورانیۃ وقیل ھوائیۃ قادرۃ علی التشکل والظھور باشکال مختلفۃ باذن اللّٰہ تعالیٰ۔ (روح المعانی صـ۲۱۸ـ ج۱)

علامہ آلوسیؒ نے فرمایا کہ اکثر مسلمانوں کا مذہب یہ ہے کہ فرشتے نورانی اجسام ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ہوائی اجسام ہیں جن کو کوئی شکل اختیار کرنے اور مختلف صورتوں میں ظاہر ہونے پر منجانب اللہ قدرت حاصل ہے

وعن عائشۃؓ عن رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم قال خلقت الملائکۃ من نورٍ و خلق الجانّ من مارجٍ من نارٍ وخلق اٰدم ممّا وصف لکم۔ رواہ مسلم

(مشکوٰۃ شریف صـ۵۱۰ـ)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ فرشتے نور سے پیدا کیے گئے، اور جنات آگ کی لپٹ سے، اور آدم اس چیز سے جو تم سے (قرآن و حدیث میں) بیان کر دی گئی۔ یعنی مٹی سے پیدا کیے گئے۔

فرشتوں کے اقسام

(۱) حاملینِ عرش جن کا ذکر یَحۡمِلُوۡنَ الۡعَرۡشَ میں آگیا۔ (۲) عرش کے اردگرد طواف کرنیوالے وَمَنۡ حَوۡلَہٗ میں جن کا بیان ہے۔ اور وَتَرَی الۡمَلٰٓئِکَۃَ حَآفِّیۡنَ مِنۡ حَوۡلِ الۡعَرۡشِ یُسَبِّحُوۡنَ بِحَمۡدِ رَبِّہِمۡ (اور فرشتوں کو آپ عرش کے اردگرد تسبیح وتحمید کرتے دیکھیں گے) میں ان کا ذکر ہے (۳) اکابر ملائکہ جن میں جبرئیل ومیکائیل بھی ہیں۔ مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّجِبۡرِیۡلَ اور مَنۡ کَانَ عَدُوًّا لِّلّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَرُسُلِہٖ وَجِبۡرِیۡلَ وَمِیۡکٰلَ میں، اس کے علاوہ اور بھی بہت سی آیاتِ قرآنیہ میں ان کا ذکر ہے۔ حضرت جبرئیلؑ کو کہیں شدید القویٰ، کہیں روح القدس، کہیں روح الامین، کہیں رسول کریم وغیرہ کے القاب سے مختلف آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ انہیں میں حضرت اسرافیلؑ بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نفخ صور کی آیات میں ضمناً اور احادیثِ صحیحہ میں اُن کا نام صراحۃً مذکور ہے۔ ان کے ذمہ صُور پھونکنا ہے۔ جس کے لئے وہ کان لگائے اور صور منہ میں دبائے ہمہ وقت حکم کے منتظر کھڑے ہیں۔ انہیں میں حضرت عزرائیل علیہ السلام ہیں جن کا نام احادیثِ صحیحہ میں بکثرت وارد ہے۔ اور قرآن میں ان کو ملک الموت کہا گیا ہے۔ یہ چاروں فرشتے سب فرشتوں میں بڑے ہیں۔ (حضرت جبرئیلؑ کے ذمہ روحانی غذا کا نظم ہے۔ یعنی علمِ الٰہی کو انبیاء علیہم السلام کے پاس پہونچاتے ہیں۔ اور نہ ماننے والوں پر عذاب کی صورت میں حد بھی جاری کرتے ہیں۔ اور حضرت میکائیلؑ کو اللہ نے جسمانی غذا کے نظم پر مقرر فرمایا ہے۔ بادل، بارش وغیرہ کا یہ انتظام کرتے ہیں۔ نیز ان فرشتوں کے ماتحت بہت سے فرشتے ہیں۔ جو ان کے نظام میں اُن کے مامور ومعین ہیں۔ (۴) ملائکہ ارواح حَتّٰٓی اِذَا جَآءَ اَحَدَکُمُ الۡمَوۡتُ تَوَفَّتۡہُ رُسُلُنَا (جب تم میں سے کسی کو موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں) وَلَوۡ تَرٰٓی اِذۡ یَتَوَفَّی الَّذِیۡنَ کَفَرُوا الۡمَلٰٓئِکَۃُ۔ یہ فرشتے درحقیقت حضرت عزرائیلؑ کے محکمہ کے فرشتے ہیں جو اُن کے مامور ومعین ہیں۔ (۵) کراماً کاتبین وَاِنَّ عَلَیۡکُمۡ لَحٰفِظِیۡنَ ۝ کِرَامًا کَاتِبِیۡنَ ۝ یَعۡلَمُوۡنَ مَا تَفۡعَلُوۡنَ ۝ ان کا کام بنی آدم کے اعمال لکھنا ہے تفصیل تشریح کے ذیل میں دیکھیے۔ (۶) ملائکہ حفاظت یعنی جو انسانوں کی بلاؤں اور آفتوں سے حفاظت کرتے ہیں۔ وَیُرۡسِلُ عَلَیۡکُمۡ حَفَظَۃً (اور اللہ تم پر اپنے محافظ فرشتے بھیجتا ہے)۔ (۷) وہ ملائکہ جو احوالِ عالم پر موکل ہیں۔ جن کا ذکر سورۃ ذاریات اور سورۃ نازعات کے شروع میں ہے۔ (۸) ملائکہ جنت یَدۡخُلُوۡنَ عَلَیۡہِمۡ مِّنۡ کُلِّ بَابٍ ۝ سَلٰمٌ عَلَیۡکُمۡ بِمَا صَبَرۡتُمۡ فَنِعۡمَ عُقۡبَی الدَّارِ ؕ (اور فرشتے جنتیوں کے پاس ہر دروازے سے آئیں گے اور سلام کر کے کہیں گے کہ یہ جنت تمہارے صبر کی بدولت ملی ہے۔ تو یہ آخرت کا گھر کتنا اچھا ہے۔ (۹) ملائکہ جہنم عَلَیۡہَا تِسۡعَۃَ عَشَرَ (دوزخ پر انیس۱۹ فرشتے یا انیس۱۹ قسم کے فرشتے مقرر ہیں) جن کے ماتحت بیشمار فرشتے ہیں وَمَا جَعَلۡنَاۤ اَصۡحٰبَ النَّارِ اِلَّا مَلٰٓئِکَۃً ۪ (ہم نے دوزخ میں (عذاب دینے والے)

فرشتے ہی مقرر کیے ہیں) اس جماعت کے سردار مالک ہیں۔ وَنَادَوْا يَا مَالِكُ لِيَقْضِ عَلَيْنَا رَبُّكَ (اور کافر آواز دیں گے اے مالک اپنے اللہ سے کہدو کہ موت دیکر ہی ہمارا قصّہ تمام دے) اور اس پوری جماعت (ملائکہ عذاب) کا نام زبانیہ ہے۔ سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ۔ (۱۰) ملائکہ سَیَّاحین جوذکر کے حلقوں میں حاضر ہوکر سیر ہوتے اور بارگاہِ حق میں ذاکرین کے گواہ بنتے ہیں۔ جیساکہ احادیث میں مذکور ہے۔ (۱۱) ملائکہ مقربین جن کا مشغلہ تجلیات ربّانی میں ہمہ وقت استغراق ہے۔ اور ان کا کام بارگاہِ حق میں ہمہ وقت متوجہ رہنا ہے۔ کوئی رکوع کی حالت میں ہے تو کوئی سجدہ میں، اور کوئی قیام میں ہے تو کوئی تشہد میں۔ اور تا قیامت ان کا وظیفہ یہی ہے۔ جیساکہ حدیث میں مذکور ہے۔ علاوہ ازیں فرشتوں کی اسقدر کثرت ہے کہ آسمان اُن کی کثرت کے سبب چرچر بولتے ہیں۔ اور ایک بالشت کی جگہ آسمانوں میں ایسی خالی نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ عبادت میں مصروف نہو۔ دراصل فرشتوں کی تعداد و انواع و اقسام وغیرہ اللہ ہی کے علم میں ہیں۔ وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ (آپکے پروردگار کے لشکروں کا علم اسی کو ہے۔)

فرشتوں کے اوصاف

اوپر کے بیان سے فرشتوں کے بہت سے اوصاف بھی معلوم ہوگئے۔ بَلْ عِبَادٌ مُكْرَمُونَ ۝ (وہ اللہ کے معزز بندے ہیں)۔ لَا يَسْبِقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ (وہ اللہ سے بات کرنے میں سبقت نہیں کرتے، اور وہ اس کے حکم کی پوری پوری تعمیل کرتے ہیں) يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَفْتُرُونَ ۝ (رات دن اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اکتاتے نہیں) يَخَافُونَ رَبَّهُمْ مِنْ فَوْقِهِمْ (وہ اپنے خدا تے برتر سے ڈرتے ہیں) وَهُمْ مِنْ خَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ (وہ فرشتے اللہ سے ہمیشہ ڈرتے رہتے ہیں) وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ (اور وہ فرشتے اللہ کے حکم پر (بلا پس و پیش) عمل کرتے ہیں) لَا يَعْصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمَرُونَ ۝ (اللہ کے حکم کی ذرّہ برابر خلاف ورزی نہیں کرتے، ان کو جو حکم ہوتا ہے وہ وہی کرتے ہیں) ان کے علاوہ قرآن پاک میں فرشتوں کا ذکر اور ان کے اوصاف بہت سی آیات میں موجود ہیں۔

فرشتوں پر ایمان

فرشتوں پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ان کے موجود ہونے کا اعتقاد رکھیں۔ جن فرشتوں کا نام اور کام وغیرہ ہمیں معلوم ہیں جیسے حضرت جبرئیل و میکائیل و اسرافیل و عزرائیل علیہم السلام، تو ان کے متعلق بالتفصیل یقین رکھیں۔ اور جن کے متعلق ہمیں بالتفصیل معلومات حاصل نہیں، تو ان پر اجمالی طور پر ایمان رکھیں، اور اوصاف مذکورہ سے ان کے متصف ہونیکا بھی یقین رکھیں یعنی وہ اللہ کے معزز و معصوم بندے ہیں، کھانے پینے اور ذکورۃ و انوثت سے مبرّا ہیں شب و روز

خدا کی حمد وثنا وتسبیح بیان کرتے ہیں۔ اور اس سے نہ تھکتے ہیں نہ اکتاتے ہیں۔ اللہ کے حکم کے پابند ہیں ذرّہ برابر نافرمانی نہیں کر سکتے۔ ان میں سے حاملینِ عرش بھی ہیں۔ محافظ ونگراں بھی اور کراماً کاتبین، نامۂ عمل لکھنے والے بھی ہیں۔ بارش وبجلی وغیرہ پر مامور بھی ہیں۔ موت کے فرشتے حکم کے مطابق اپنا کام انجام دیتے ہیں۔ حضرتِ جبرئیل علیہ السّلام نبیوں کے پاس وحی لیکر آتے تھے۔ وغیرہ وغیرہ ان سب باتوں کا فرشتوں کے متعلق مکمل یقین واعتقاد رکھنا ایمان بالملائکہ کہلاتا ہے۔ اور ہم اس کے مامور ومکلف ہیں۔

البتہ یہ اعتقاد کہ فرشتے افضل ہیں یا اللہ کے رسول افضل ہیں۔ یہ مسئلہ ظنی ہے۔ اس کا اعتقاد واجب اور ضروری نہیں۔ ہاں مولائے کل فخرِ رسل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جملہ ملائک اور تمام خلقِ خدا سے افضل واعلیٰ ہیں۔ دل میں اس بات کا اعتقادِ راسخ رکھنا چاہیئے۔

سوال:۔ آدمی کے مؤمن ہونے کے لئے توحید ورسالت، مبداٗ ومعاد کا یقین کافی ہونا چاہیئے۔ فرشتوں کے متعلق اعتقادِ مذکور کیوں ضروری ہے؟

جواب:۔ انسان بالعموم مادیت وخلقی کدورت کے غلبہ کے سبب بغیر کسی معلّم کے مغیبات کو نہیں جان سکتے۔ اور اوامرِ الٰہیہ ومناہی شرعیہ غیب کے قبیل سے ہیں۔ لہٰذا اکثر انسانوں کے لئے ایسے معلّم کی ضرورت ہے جس کو مغیبات کا علم وانکشاف ہوتا ہو۔ اور وہ انسانوں کو حق کی دعوت وترغیب دیکر باطل سے بچانے اور حق پر ثابت قدم کرنے کی کوشش کرے۔ اور ان کی عقلوں سے شبہات زائل کرتا رہے۔ اور وہ معلّم نبی مبعوث ہی ہو سکتا ہے۔ انبیاء علیہم السّلام کی عقل وفطانت کا گویہ عالم ہوتا ہے کہ وہ معقول کو محسوس کی طرح اور غائب کو مشاہد کے مثل جان لیتے ہیں۔ لیکن وہ باوجود کمال فہم وذکاوت ایک اور نور کے محتاج ہوتے ہیں۔ جو عالمِ غیب سے اُن پر ظاہر ہو۔ بالکل اسی طرح جیساکہ ایک صحیح البصر (بینا انسان) اشیائے عالم کو دیکھنے میں آفتاب عالمتاب کے نور کا محتاج ہوتا ہے۔ اور یہ غیبی نور وحی وکتاب کہلاتا ہے۔ اسی لئے قرآنِ پاک میں قرآنِ پاک کو نور فرمایا گیا ہے۔ پھر اس نور کا کوئی حامل وموصل ہونا چاہیئے۔ یعنی عالمِ غیب سے انبیاء علیہم السّلام تک پہونچانے کے لئے کوئی واسطہ ضروری ہے۔ اور وہ واسطہ ملائکۃ اللہ ہیں۔ کما قال تعالیٰ۔

فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُكُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِّیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ۔

اللہ تعالیٰ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے برگزیدہ پیغامبر کو، تو اسکے آگے پیچھے محافظ فرشتے بھیجدیتا ہے تاکہ اللہ کو اس بات کا مشاہدہ ہوجائے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغامات کو (رسول تک) پہنچادیا ہے۔

(ان کا حاشیہ اگلے صفحہ پر)

کتاب اللہ و وحیٔ ربانی کا نزول جسپر ہوتا ہے وہی نبی و رسول ہوتا ہے. تو رسالت و نبوت اور کتاب اللہ کے یقین کے لئے اس واسطہ کا اعتقاد کرنا بداہۃً لازم ہوا۔ معلوم ہوا کہ جبتک اس واسطۂ وحی اور پیغامِ خداوندی لانیوالوں کا اعتقاد نہ کریگا تو نبی اللہ و کتاب اللہ پر ایمان کا تحقق نہیں ہوسکیگا اور اللہ جل شانہٗ کے وجود باجود نیز احکامِ شرعیہ وغیرہ پر یقین حاصل نہو سکیگا۔ دوسری بات یہ ہے کہ کتاب اللہ و نبی اللہ پر ایمان کا مطلب یہی ہے کہ ان کی خبروں اور حکموں کی تصدیق و تعمیل کیجائے. تو ملائکۃ اللہ کے وجود و اوصاف کی خبریں اور ان کے ساتھ اعتقادِ مذکور کا حکم آیاتِ قرآنیہ و احادیثِ نبویہ مشہورہ اور دلائلِ قطعیہ سے ثابت ہے. تو لامحالہ بغیر فرشتوں پر ایمان لائے کوئی انسان ہرگز مؤمن نہ ہوسکیگا۔ واللہ اعلم۔

---

(۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ رسولِ خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں

یَتَعَاقَبُوْنَ فِیْكُمْ مَلٰٓئِكَةٌ بِاللَّیْلِ وَمَلٰٓئِكَةٌ بِالنَّهَارِ وَیَجْتَمِعُوْنَ

باری باری آتے ہیں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے ۔ اور سب جمع ہوتے ہیں

فِیْ صَلٰوةِ الْعَصْرِ وَصَلٰوةِ الْفَجْرِ ثُمَّ یَعْرُجُ الَّذِیْنَ بَاتُوْا فِیْكُمْ

عصر کی نماز میں اور فجر کی نماز میں ۔ پھر وہ فرشتے اوپر چلے جاتے ہیں جنہوں نے تمہارے پاس

فَیَسْاَلُهُمْ وَهُوَ اَعْلَمُ بِهِمْ كَیْفَ تَرَكْتُمْ عِبَادِیْ فَیَقُوْلُوْنَ تَرَكْنَاهُمْ

رات گذاری (اسی طرح دن والے بھی) تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتے ہیں حالانکہ وہ ان کو خوب جانتے ہیں کہ تمنے میرے بندوں

وَهُمْ یُصَلُّوْنَ وَاَتَیْنَاهُمْ وَهُمْ یُصَلُّوْنَ۔

کو کس حال میں چھوڑا ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمنے ان کو نماز پڑھتے ہوتے چھوڑا ہے۔ اور ہم انکے پاس پہنچے وہ تب بھی نماز ہی پڑھ رہے تھے۔

(بخاری شریف ص ۱۱۵ ج ۲ و مشکوٰۃ شریف باب فضائل الصلوٰۃ ص ۶۲)

بقیہ ص ۱۸۶ ف اس آیت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب ہونے پر استدلال محض جہالت ہے۔ اول اسوجہ سے کہ رسول سے مراد جبرئیل ہیں وہ وحی لاتے ہیں، اور پیغمبروں کے پاس اس شان سے پہنچاتے ہیں کہ انکے آگے پیچھے محافظ فرشتے ہوتے ہیں۔ دوسرے اگر مستدل کے موافق رسول سے مراد نبی ہی لیا جائے تو ذاتِ اقدس کی خصوصیت نہیں۔ اور اگر خصوصیت بھی مان لیں تو تمام غیوب مراد نہیں صرف وحی کا ذکر ہے۔ اور بعض علومِ غیب سے عالم الغیب کہنا کھلی ہوئی حماقت ہے۔ پھر فلا یظہر کے لفظ سے اظہار و اطلاع مفہوم ہوتی ہے، اور کسی غیب پر مطلع ہو جانے سے کوئی عالم الغیب نہیں بنتا۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ اطلاع و اظہار اور علم کی حقیقت میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۔ ۱۲ ن

لغات

يَتَعَاقَبُوْنَ۔ تعاقب ایک دوسرے کے پیچھے ہونا۔ نوبت بہ نوبت آنا۔ باری باری کرنا۔ عَقَبَ عَقْبًا (ن ض) ایڑی مارنا۔ پیچھے آنا۔ جانشین ہونا۔ مُعَاقَبَةٌ نوبت بہ نوبت آنا۔ عِقَابًا مؤاخذہ کرنا۔ سزا دینا۔ عَقِبٌ ایڑی، بیٹا، پوتا۔ عَاقِبٌ نائب۔ اچھا جانشین۔ مُعَقِّبَاتٌ رات دن کے فرشتے۔ لَيْل رات (مذکر و مؤنث) ج لَيَالِي۔ یاء کی زیادتی کے ساتھ علیٰ خلاف القیاس۔ نیز لَيَائِل بھی کہا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ لیل لَيْلَة کی جمع ہے جیسے تَمْرَةٌ کی جمع تَمْرٌ ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ لَيْلٌ لَيْلَةٌ کے مثل ہے۔ جیسے عَشِيٌّ اور عَشِيَّةٌ ہے۔ فرق یہ ہے کہ لَيْل نہار کے مقابل ہے۔ اور لَيْلَةٌ یوم کی مقابل ہے۔ لَيْلِيٌّ لیل کی طرف منسوب، وہ شخص جو رات کو چلنا پسند کرے۔ لَيْلَةٌ لَيْلَاءُ اور لَيْلَةٌ لَيْلِي اور لَيْلٌ أَلْيَلُ و مُلَيَّل سخت کالی طویل رات۔ النَّهَارُ دن۔ نہارِ شرعی صبح صادق سے غروبِ آفتاب تک نُهُرٌ أَنْهُرٌ جمع نَهَارِي ناشتہ نَهَرَ نَهْرًا (ف) زور سے بہنا۔ نہر بنا لینا۔ نہر کھودنا۔ جاری کرنا، ڈانٹنا۔ عَصْر دن کا آخری حصہ آفتاب سرخ ہونے تک۔ دن۔ رات۔ صبح۔ قبیلہ۔ گروہ۔ عطیہ ج أَعْصُرٌ عُصُورٌ۔ اَلْعَصْرَانِ صبح و شام۔ العَصْر زمانہ ج عُصُورٌ۔ أَعْصُر۔ أَعْصَار اور أَعْصَار کی جمع أَعَاصِر۔ أَعْصَرَ عصر کے وقت میں داخل ہونا۔ (ض) نچوڑنا۔ منع کرنا۔ عطیہ دینا۔ الفَجْر صبح کی روشنی۔ طَرِيقٌ فَجْرٌ کھلا ہوا صاف راستہ فَجَرَ فُجُوْرًا (ن) جھوٹ بولنا۔ زنا کرنا۔ گناہ کرنا۔ کمزور نگاہ والا ہونا۔ خراب ہونا۔ فَجْرًا پانی بہانا۔ نالی نکالنا۔ فجر طلوع کرنا۔ فُجُوْرًا تجاوز کرنا۔ فَجْرًا (س) فیاضی کرنا۔ بہانا، جاری کرنا۔ يَعْرُجُ (ن ض) چڑھنا۔ (ف س) لنگڑا ہونا أَعْرَج لنگڑا ج عُرُوْجٌ۔ عُرْجَانٌ۔ مؤنث عَرْجَاءُ (س ك) مائل ہونا۔ جھکنا۔ مِعْرَجٌ، مِعْرَاجٌ سیڑھی، چڑھنے کی جگہ ج مَعَارِج، مَعَارِيج۔ بَاتُوْا (ض س) رات گذارنا تَرَكْتُمْ (ن) چھوڑنا۔

ترکیب

يَتَعَاقَبُوْنَ فعل فِيْكُمْ متعلق مَلَائِكَةُ اللَّيْلِ وَمَلَائِكَةُ النَّهَارِ معطوف علیہ معطوف۔ فاعل۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ يَجْتَمِعُوْنَ فعل ضمیر هُمْ فاعل فِي اپنے مجرور سے ملکر متعلق جملہ فعلیہ معطوف ثُمَّ يَعْرُجُ فعل الَّذِيْنَ اسم موصول اپنے صلہ جملہ بَاتُوْا فِيْكُمْ سے ملکر فاعل جملہ فعلیہ۔ فَيَسْأَلُهُمْ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ وَهُوَ أَعْلَمُ بِهِمْ جملہ اسمیہ۔ فَيَسْأَلُهُمْ کی ضمیر فاعل سے حال۔ كَيْفَ حرف استفہام۔ تَرَكْتُمْ عِبَادِيْ جملہ فعلیہ۔ تَرَكْنَاهُمْ جملہ فعلیہ۔ وَهُمْ يُصَلُّوْنَ جملہ اسمیہ تركناهم کی ضمیر مفعول (ہم) سے حال۔ اسی طرح اگلا جملہ ہے۔

تشریح

اس حدیث کا مطلب ظاہر ہے۔ اور آیات کی تشریح میں اس کا خلاصہ آچکا ہے۔

اس حدیث میں اعمال لکھنے والے فرشتوں کا ذکر ہے۔ نمازِ فجر میں اور نمازِ عصر میں رات دن کے ملائک جمع ہوتے ہیں۔ آنیوالے پہلا عمل نماز اور جانیوالے آخری عمل نماز لکھتے ہیں۔ وہ انسان کتنا خوش نصیب ہے جو نماز باجماعت کا خصوصًا نمازِ عصر و فجر کا اہتمام کرتا ہے۔ اور شب و روز کے اعمال ناموں کے اول بھی نماز اور آخر بھی نماز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرشتوں سے ان کو گواہ بنانے کے لئے سوال کرتے ہیں۔ نیز انسان کی فضیلت وعظمت کا اظہار اور خود فرشتوں سے اقرار و اعتراف کرانا بھی ہے کہ انہوں نے ابتدا میں، اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا، الخ کہا تھا جس کی صورت اعتراض کی سی تھی۔ باری تعالیٰ نے "اِنِّيْ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ" فرمایا تھا۔ لہٰذا اب انسانوں کی عبادت و فرمانبرداری کا ان سے اقرار لیا جاتا ہے۔

---

(۳۵) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک جب

اللّٰهَ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا نَادٰى جِبْرَئِيْلَ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ

اللہ تعالیٰ کسی بندہ سے محبت فرماتے ہیں تو جبرئیل کو بلا کر فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت فرماتے ہیں تم بھی اس سے

فَيُحِبُّهٗ جِبْرَئِيْلُ ثُمَّ يُنَادِيْ جِبْرَئِيْلُ فِي السَّمَآءِ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَبَّ

محبت کرو چنانچہ جبرئیل اس سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ پھر جبرئیل آسمانوں میں اعلان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ فلاں بندہ سے محبت

فُلَانًا فَاَحِبُّوْهُ فَيُحِبُّهٗ اَهْلُ السَّمَآءِ وَيُوْضَعُ لَهُ الْقَبُوْلُ فِيْ اَهْلِ

کرتے ہیں تم سب اس سے محبت کرو چنانچہ آسمان والے اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور اس بندہ کی قبولیت زمین والوں

الْاَرْضِ۔ (بخاری شریف ص۱۱۱۴ مشکوٰۃ شریف ص۴۲۵)

(کے دلوں) میں ڈالدی جاتی ہے۔

لغات نَادٰی يُنَادِيْ نِدَاءً مُنَادَاةً پکارنا۔ فخر کرنا۔ بھید ظاہر کرنا۔ دیکھنا، جاننا، مشورہ کرنا۔ نَدَا۔ نَدْوًا (ن) جمع کرنا، جمع ہونا۔ مجلس میں حاضر ہونا۔ نَدِيَ نَدًى نَدَاوَةً (س) تر ہونا۔ نِدَاءٌ آواز، پکار۔ نَدْوَةٌ مجلس جماعت۔

ترکیب اِنَّ کا اسم لفظ اللہ۔ اِذَا اَحَبَّ عَبْدًا۔ جملہ فعلیہ شرط۔ نَادٰی فعل ضمیر هُوَ فاعل جِبْرَئِيْلَ مفعول اول اِنَّ اپنے اسم لفظ اللہ اور قَدْ اَحَبَّ فُلَانًا فَاَحِبَّهٗ ہر دو جملے ملکر خبر جملہ مفعول ثانی۔ نَادٰی فاعل اور دونوں مفعولوں سے ملکر جزا۔ شرط و جزا خبر اِنَّ۔ فَيُحِبُّهٗ جِبْرَئِيْلُ جملہ فعلیہ معطوف علیہ

ثُمَّ تا فَاَحِبُّوْہُ حسبِ سابق جملہ معطوف فَیُحِبُّہٗ اَھْلُ السَّمَآءِ جملہ فعلیہ۔ آئندہ بھی جملہ فعلیہ۔

تشریح علّامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ کا بندہ سے محبّت کرنیکا مطلب یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ اُس کے لئے خیر و ہدایت اور انعام کا ارادہ فرمائیں۔ اور جبرئیلؑ و ملائکہ کی محبّت میں دو احتمال ہیں۔ اِستغفار و ثناء اور دُعاء، یا معنیٰ مشہور میلانِ قلب اور ملاقات کا شوق۔

مُلّا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ثانی معنیٰ زیادہ ظاہر ہیں۔ کیونکہ جب تک لفظ کو حقیقی معنیٰ پر محمول کر سکیں مجازی معنیٰ مراد نہ لینے چاہئیں۔ اور محبّت کی حقیقت میلان و اشتیاقِ ملاقات ہی ہے۔ ظاہر ہے کہ محبوب کے لئے دُعاء، واِستغفار اس کی تعریف اور خیر خواہی چاہنے والا کرتا ہی ہے اسلئے معنیٰ اول ثانی پر خود بخود متفرع ہو جاتے ہیں۔ اور ملائکہ کی محبت کی وجہ یہ ہے کہ وہ بندہ ان کے محبوب (اللہ جل شانہٗ) کا مطیع اور محبوب ہے۔ وَیُوْضَعُ لَہُ الْقَبُوْلُ فِیْ اَھْلِ الْاَرْضِ، کا مطلب یہ ہے کہ جو اللہ کے نیک بندے دنیا میں رہتے ہیں ان کے دِلوں میں اس بندہ کی محبت پیدا کر دی جاتی ہے۔ اسلئے کہ بُرے لوگ تو نبیوں اور ولیوں سب ہی سے عداوت رکھتے ہیں۔ وَکَذٰلِکَ جَعَلْنَا لِکُلِّ نَبِیٍّ عَدُوًّا شَیٰطِیْنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم سے سَیَجْعَلُ لَھُمُ الرَّحْمٰنُ وُدًّا کے متعلق پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ ارشاد فرمایا کہ اس سے مراد اہلِ ایمان اور ملائکہ مقربین کے دلوں میں محبّت پیدا ہونا ہے۔ اے علی (جو) اللہ تعالیٰ نے نفرت و محبّت، حلاوت و ہیبت، صالحین کے قلب میں پیدا کی ہے (اسی کا اعتبار ہوتا ہے) یعنی غیر صالحین کی محبت و نفرت کا اللہ کے نزدیک کوئی اعتبار نہیں۔

اور عقلی وجہ یہ ہے کہ جن کے دِلوں میں سلامتی واِستقامت ہوتی ہے وہ لوگ ہی اَشیاء کی حقیقت کا صحیح طور پر اِدراک واِحساس کر پاتے ہیں۔ خصوصاً غیر مشاہد اَشیاء کا۔ اور یہ لوگ صالحین ہی ہو سکتے ہیں۔ اور جن لوگوں کے قلوب میں زیغ اور کجی ہے وہ صحیح اِدراک واِحساس سے اِسی طرح محروم ہوتے ہیں جیسے کج نگاہ یعنی بھینگا اَشیاء مُبصرہ کا صحیح اِدراک نہیں کر پاتا۔ بلکہ ہمیشہ اس کو ایک کے دو نظر آتے ہیں، اسی طرح غیر صالحین کو سب میں کجی نظر آتی ہے۔ اور یہی حقیقت ہے اس مشہور جملہ اَلْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ کی جو علماء کا زباں زد ہے۔

وَالْکِتَابُ

(۳۶) الٓمّٓ ذٰلِکَ الْکِتَابُ لَارَیْبَ فِیْہِ۔

یہ کتاب ایسی ہے جس میں شک (کی کوئی گنجائش) نہیں ہے۔ (سورۂ بقرہ پ۱ ع۲)

(۲۷) اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ

اعتقاد رکھتے ہیں رسول اس کتاب پر جو ان پر انکے رب کی جانب سے اتاری گئی اور تمام ایمان والے بھی عقیدہ رکھتے ہیں اللہ

اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ

پر اور اسکے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر (اور کہتے ہیں) کہ ہم (ایمان لانے میں) اللہ کے

رُّسُلِهٖ ؕ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ۝

پیغمبروں میں سے کسی کو جدا نہیں کرتے ۔ اور سب نے یہ کہا کہ ہم نے سنا اور بخوشی مان لیا ہم آپ کی بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب

اور آپ ہی کی طرف لوٹنا ہے ۔ (سورۂ بقرہ پ۳ ع۸)

لُغَات رَیْبَ ۔ رَابَ رَیْبًا (ض) شک یا تہمت میں ڈالنا، شک کرنا، تہمت لگانا ۔ اِرْتِیَابٌ شک کرنا، تہمت لگانا ۔ رَیْبٌ تہمت ۔ شک ۔ حاجت ۔ اَطَعْنَا از اِفْعَال فرمانبرداری کرنا (ن) اسی معنی میں ۔ اطاعت ۔ بطیبِ خاطر کسی کا حکم مان لینا ۔ غُفْرَانَكَ ای نَطْلُبُ غُفْرَانَكَ ۔ اَلْمَصِیْرُ ای المرجع ۔ صَارَ صَیْرًا صَیْرُوْرَۃً مَصِیْرًا (ض) لوٹنا ۔ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف پلٹنا منتقل ہونا ۔ یہ افعال ناقصہ میں سے ہے ۔ صَارَ یَصُوْرُ وَیَصِیْرُ صَیْرًا (ن ض) کا ٹنا ۔ روکنا ۔ ایک حالت سے دوسری حالت کی طرف کر دینا ۔ مَصِیْرٌ انجام کار ۔

ترکیب الٓمٓ اللہ اعلم بمرادہ بذلك ۔ فھذا من حروف المقطعات ۔ وقال بعضھم معناہ المرکب من ھٰذہ الحروف التی تتکلمون بھا (مبتدا) معجزٌ او متحدّیٰ (خبر) او المراد بالالف اللّٰہ وباللام جبرئیل وبالمیم محمّد صلی اللہ علیہ وسلم فمعناہ ھٰذا الکتاب اَنزلہ اللہ وجاء بہ جبرئیل الیٰ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم ۔ واللہ اعلم ۔ والوجہ الاول اسلم ۔ اس آیت کی بہت سی ترکیبیں کی گئی ہیں ۔ ان میں سے چند حسب ذیل ہیں ۔

(۱) الٓمٓ (اگر قرآن کا نام ہے) مبتدا ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ موصوف اپنی صفت جملہ لَا رَیْبَ فِیْهِ سے ملکر اس کی خبر ۔ وان کان فیہ نظر ظاھرٌ ۔

(۲) الٓمٓ مبتدا ذٰلك موصوف الکتاب اپنی صفت لَا رَیْبَ فِیْهِ سے ملکر صفتٌ خبر ۔ مثل زَیْدٌ اِنْسَانٌ ای کامل فی الانسانیۃ ۔

(۳) الٓمٓ مبتدا معجزٌ یا متحدّیٰ بہ خبر ۔ ذٰلِكَ مبتدا الْكِتٰبُ اپنی صفت سے ملکر خبر ۔

(۴) الٓمٓ کی کچھ ترکیب نہیں ۔ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ مبتدا لَا رَیْبَ فِیْهِ جملہ خبر ۔ اور بھی بہت سی ترکیبیں ہیں ۔ اور ہر ایک میں ایک عجیب معنیٰ پیدا ہوتے ہیں ۔

(۳۷) آمَنَ فعل۔ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ فاعل اِلَيْهِ اور مِنْ رَّبِّهٖ اُنْزِلَ کے متعلق جملہ صلہ ہوا۔ موصول وصلہ مجرور متعلق جملہ فعلیہ ہوا۔ کُلٌّ ای کلّ واحدٍ مّنہم مبتدا آمَنَ فعل ضمیر ھُوَ راجع بسوئے کل فاعل لفظ اللّٰہ تینوں معطوفوں سے ملکر مجرور متعلق آمَنَ جملہ فعلیہ خبر۔ لَا نُفَرِّقُ فعل با فاعل اپنے ظرف بَيْنَ اَحَدٍ اور متعلق مِنْ رُّسُلِهٖ سے ملکر جملہ فعلیہ۔ سَمِعْنَا فعل با فاعل جملہ وھکذا اَطَعْنَا معطوف علیہ ومعطوف مقولہ۔ نطلب غفرانك جملہ فعلیہ دال علیٰ جواب النداء۔ رَبَّنَا ای ندعو ربّنا جملہ ندائیہ۔ الْمَصِيْرُ مبتدا اِلَيْكَ متعلق ثابت وغیرہ خبر مقدم۔

تشریح

(۳۶) (۱) ذٰلِكَ اسم اشارہ بعید کے لئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ سورۃ فاتحہ میں جو بندوں کی درخواست بارگاہِ ایزدی میں پیش ہوئی تھی جس میں ہدایت طلب کی گئی تھی وہ اس کتاب کے مطابق زندگی گذار کر دستیاب ہو سکے گی۔ کہ یہ کتاب ایسی بے مثال کتاب ہے جس میں شک وشبہ کی گنجائش قطعاً نہیں۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ کفر وشرک سے بچنے والوں کیلئے سراسر سامانِ ہدایت ہے۔

(۲) یا بلندیٔ مرتبہ کو بُعدِ مکانی سے تعبیر فرمایا گیا۔ اور تعظیماً بجائے اسم اشارہ قریب (ہٰذا) کے اسم اشارہ بعید (ذٰلک) ارشاد فرمایا گیا۔

(۳) سورۃ فاتحہ دراصل تمام مضامینِ قرآنی کی اجمالی فہرست یا ایک ہمہ گیر خلاصہ ہے۔ الٓمّٓ سے اس کی تفصیل شروع ہوتی ہے۔ قرآنِ مقدس کی گویا یہ پہلی آیت ہے۔ کوئی بھی اجنبی انسان اسوقت تک قرآن کو کتاب اللہ نہ مانیگا جبتک کہ دلائل سے اس کا کتاب اللہ ہونا معلوم نہ ہو جائے۔ اس آیت میں قرآنِ مقدس کا کتاب اللہ ہونا ثابت کیا گیا ہے۔ اس بات کو سمجھنے کے لئے ایک مختصر سی تمہید کی ضرورت ہے۔ وہ یہ کہ آدمی دو قسم کے ہیں۔ ایک عربی یا زبانِ عربی کے ماہر لوگ دوسرے عجمی۔ پھر عجمیوں میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ اہلِ علم اور بے علم۔ کل تین قسم کے لوگ ہوئے۔ اور قرآن سب کے لیے نازل ہوا ہے۔ پہلی قسم کے لوگوں کے لئے فرمایا گیا ذٰلِكَ الْكِتٰبُ کتاب تو یہی کتاب ہے۔ کیونکہ یہ ایسے کمال پر پہونچی ہوئی ہے کہ کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ چنانچہ قرآن نے مختلف طریقوں سے اس چیلنج کو بیان کیا ہے۔

(۱) قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ الخ اگر تمام انسان اور جنات ملکر زور لگائیں تب بھی اس کے مثل نہ لاسکیں گے۔)

(۲) فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ مُفْتَرَيٰتٍ (اگر تم اس قرآن کو انسانی کلام سمجھتے ہو تو اس کے مقابلہ میں دس سورتیں ہی بنا لاؤ۔)

(۳) فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (ایک ہی سورت اس قرآن کی کسی سورۃ کے مثل لے آؤ۔)
مگر آج تک تینوں قسموں میں سے کسی ایک قسم کے چیلنج کو بھی کسی نے قبول نہ کیا۔ اور بڑے بڑے فُصحاء بُلغاء حیران وانگشت بدنداں رہ گئے۔ تو یہ کتاب ہی کتاب کہلانے کی مستحق ہے۔ اول گروہ کی تسلی ویقین کے لئے ۔ ذٰلِكَ الْكِتَابُ ہی کافی ہے۔ اور حکمائے غیر عرب (اہل علم) کے لئے مختصر سا اس سے اگلا جملہ لَا رَيْبَ فِيْهِ لایا گیا۔ کہ اس کے مضامین سمجھو تو سب یقینی، شک وشبہ اور وہم وخیال سے بالاتر ہیں۔ اور جو نہ الفاظِ قرآنی کی عظمت کو سمجھ سکیں، اور نہ معانی لاثانی کی گہرائیوں تک پہونچ سکیں اُن کو اُس کے ظاہری اثرات اور اس کے انقلابی نتائج کے مشاہدہ کی دعوت ہے۔ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ جو قرآنی دستور اور اُس کی نورانی تعلیمات پر عمل کرتے ہیں اُن کی پاکیزہ زندگی اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ یہ قرآنِ مقدس اللہ کا کلام ہے۔ کسی انسانی کلام میں اس قدر عظیم انقلابی قوت وتاثیر ممکن نہیں۔

(۳۷) یہ آیت پاک سورۂ بقرہ کی آخری دو آیتوں میں سے پہلی آیت ہے۔ اِن دونوں آیتوں کے صحیح ومعتبر روایات میں بڑے بڑے فضائل مذکور ہیں۔ مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے رات کو یہ دو آیتیں پڑھ لیں تو یہ اس کے لئے کافی ہیں۔ حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دو آیتیں جنت کے خزانوں میں سے نازل فرمائی ہیں۔ جن کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے رحمٰن نے خود اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا۔ جو اُن کو بعد نمازِ عشاء پڑھ لے تو یہ اس کے لئے قیام اللیل (تہجد) کے قائم مقام ہوجاتی ہیں۔ ایک روایت میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورۂ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے جو اُس نے مجھے اس خزانہ خاص سے عطاء فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ اسلئے تم خاص طور پر ان کو سیکھو۔ اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ۔ حضرتِ عمرؓ وعلیؓ فرماتے ہیں کہ ہمارے خیال میں جس کو ذرا بھی عقل ہوگی وہ سورۂ بقرہ کی ان دونوں آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئے گا۔ اس آیت میں اُن اطاعت شعار مؤمنوں کی مدح کی گئی ہے جنہوں نے اللہ جل شانہٗ کے تمام احکام پر لبیک کہا اور تعمیل کے لئے تیار ہوگئے۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ الیٰ مِنْ رُّسُلِهٖ۔ یعنی ایمان رکھتے ہیں رسول اس پر جو کتاب انپر نازل ہوئی ہے ان کے رب کی طرف سے۔ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح فرمائی۔ اور بجائے نام مبارک کے لفظ رسول فرماکر آپ کی تعظیم وتشریف کو واضح کیا۔ وَالْمُؤْمِنُوْنَ۔ یعنی جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنی وحی پر ایمان واعتقاد ہے، اسی طرح عام مؤمنوں کا بھی اعتقاد ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اعتقاد کا ایک جملہ میں اور اہلِ ایمان کے اعتقاد کا دوسرے میں الگ بیان فرماکر امتیاز کی جانب اشارہ ہے۔ کہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور عام مؤمنین نفسِ ایمان میں شریک

ہونے کے باوجود دونوں کے درجاتِ ایمان میں بڑا فرق ہے۔ آپکا ایمان علم مشاہدہ اور براہ راست سماعِ وحی کی بنا پر ہے۔ اور دوسروں کا بواسطہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم۔

لَانُفَرِّقُ میں اس امر کی وضاحت ہے کہ اس اُمت کے مومن پہلی امتوں کی طرح ایسا نہ کریں گے کہ اللہ کے رسولوں میں باہمی تفرقہ ڈالیں۔ بعض کو نبی مانیں بعض کو نہ مانیں۔ جیساکہ یہود نے حضرت موسٰیؑ کو مانا اور نصاریٰ نے حضرت عیسٰیؑ کو مانا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اکثر یہود و نصاریٰ نے نہ مانا۔

وَقَالُوا سَمِعْنَا الخ جب وَاِنْ تُبْدُوا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ (یعنی جو تمہارے دلوں میں ہے اس کو ظاہر کرو یا نہ کرو اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لیں گے) نازل ہوئی تو صحابہؓ عمومِ الفاظ سے گھبرا گئے اور عرض کیا، ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ جو کام ہم اپنے ارادہ و اختیار سے کرتے ہیں ہم سے اسی کا حساب ہوگا۔ جو غیر اختیاری خیالات دل میں آتے ہیں ان کا ہم سے حساب نہ ہوگا۔ مگر اس آیت سے معلوم ہوا کہ سب ہی کا حساب ہوگا۔ اس میں تو عذاب سے نجات پانا سخت دشوار ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اگرچہ آیت کی صحیح مراد معلوم تھی کہ اس میں غیر اختیاری امور داخل نہیں۔ مگر عموم ظاہری کے پیشِ نظر آپ نے کچھ کہنا پسند نہ فرمایا۔ بلکہ وحی کا انتظار کیا۔ اور صحابہؓ کو تلقین فرمائی کہ اللہ کی جانب سے جو حکم آئے آسان ہو یا دشوار مومن کا کام بلا تامل یہ کہدینا ہے سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (اے ہمارے پروردگار ہم نے آپ کا حکم سُنا اور اسکی اطاعت کی اگر ہم سے تعمیلِ حکم میں کوئی کوتاہی ہوجائے تو آپ اس کو معاف فرمادیں۔ کیونکہ ہم سب کو آپ کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہے) صحابہ کرامؓ نے آپؐ کے حکم کے بموجب ایسا ہی کیا۔ اسی پر اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ کی آخری دو آیات نازل فرمائیں۔ پہلی میں اہلِ ایمان کی مدح فرمائی جیساکہ معلوم ہوا۔ اور اس آیت کے آخری جملہ (وَقَالُوا سَمِعْنَا الخ میں صحابہ کرامؓ کی تعریف فرمائی۔ اور جو انہوں نے تعمیلِ ارشادِ پیغمبرؐ میں عرض کیا تھا اُسی کو اس آیت کا آخری جزء بنایا۔ اس سے اگلی آیت لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ الخ سے صحابہؓ کا وہ شبہ دور کیا گیا جو اُن کو وَاِنْ تُبْدُوا الخ سے پیدا ہوا تھا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غیر اختیاری امور پر حساب و مؤاخذہ نہیں ہوگا۔

کتاب پر ایمان

آیت میں کُتب پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اس بات کا دل سے یقین کریں کہ اللہ نے جتنی کتابیں نازل فرمائی ہیں وہ سب حق ہیں۔ جن کا ہم کو تفصیلی علم ہے۔ مثلاً قرآن پاک، انجیل، توراۃ، زبور۔ ان پر نام بنام تفصیلی اعتقاد رکھیں۔ اور باقی پر اجمالی ایمان کافی ہے۔ یہ بھی یقین کریں کہ یہ سب کتابیں اپنے اپنے زمانہ میں قابلِ عمل بلکہ واجب العمل اور سراپا ہدایت تھیں۔ اور قرآنِ مقدس نازل ہونے کے بعد اُن پر عمل کی نہ ضرورت باقی ہے نہ جواز و گنجائش۔ قرآن سے سب کتابیں منسوخ ہوگئی ہیں۔

اب قیامت تک کے لئے قرآنِ مقدس ہی تمام جن وانس کے لئے سَراپا رشد وہدایت اور واجب العمل ہے۔ نیز قرآن نہ قیامت تک منسوخ ہوگا نہ اس میں تحریف وتبدیل ممکن ہے۔ اللہ نے اسکی حفاظت خود اپنے ذمہ لی ہے۔ اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ ۝

(س) قرآن کے علاوہ جملہ کتب کو حق ماننا اور قابلِ عمل تسلیم نہ کرنا بظاہر اجتماعِ مُتنافیین ہے۔

(ج) آپ چاند، ستاروں، بجلی کے قمقموں اور چراغوں کو غرضیکہ ارضی وسماوی روشنیوں کو قابلِ قدر، ضروری اور شب کی تاریکیوں میں کام آنیوالی چیزیں سمجھتے ہیں۔ رات گذر جانے کے بعد جب آفتابِ عالم تاب پورے عالم کو جگمگا دیتا ہے۔ تو آپ رات کی نورانی مشعلوں اور نور کے آلاتِ سماوی وارضی کو ناقدری کی نگاہوں سے نہیں دیکھتے۔ اُن کے حق اور قابلِ قدر ہونیکا یقین بھی کرتے ہیں۔ اسی لئے چراغوں، لالٹینوں اور بجلی کے بلبوں اور راڈوں کو آپ توڑ کر پھینک نہیں دیتے۔ مگر آفتاب کے سامنے چراغ جلا کر یا اور کسی روشنی سے آپ کام نہیں لیتے۔ دیکھیے یہ سب چیزیں قابلِ قدر ہیں مگر قابلِ عمل نہیں۔ آفتاب کو چراغ دکھانا حماقت نہیں تو کیا ہے۔؟ اسی طرح قرآنِ مقدس عالمِ روحانیات کا آفتاب ہے۔ اس کے طلوع ہونے کے بعد توریت، انجیل، زبور، صحفِ ابراہیمؑ وموسیٰؑ وغیرہ کی باوجود حق ہونے کے ضرورت باقی نہیں رہی۔ جیسے آفتاب نے تمام مادی روشنیوں کو منسوخ کردیا اسی طرح قرآنِ پاک نے تمام روحانی ونورانی کتابوں کو منسوخ وناقابلِ عمل بنادیا ہے۔ اب اگر کوئی شخص قرآن پاک کے مقابلہ میں کوئی دوسری کتاب آسمانی لاتا ہے۔ (اولاً تو یہ سب محرّف ہوچکیں، بالفرض اگر اُن کو آسمانی تصور کرلیں تو یہ آفتاب کے مقابلہ میں چراغ روشن کرنے کے مُرادف اور سراسر جہالت وبیوقوفی ہوگی۔ اہلِ سُنت کا مسلک یہ ہے کہ کلام اللہ یعنی "کلامِ نفسی" اللہ کی خاص صفت غیر مخلوق ہے۔ معتزلہ مخلوق مانتے ہیں یہ معرکۃ الآراء مسئلہ اگلی کتابوں میں آئیگا۔ یہ بات بھی یاد رکھیے کہ بعض علماء کے قول کے موافق کل کتب منزلہ ۱۰۴ ہیں۔ دس صحیفے حضرت آدم علیہ السلام پر نازل ہوئے۔ اور پچاس حضرتِ شیث علیہ السلام پر اور تیس حضرتِ ادریس علیہ السلام پر۔ اور دس حضرتِ ابراہیم علیہ السلام پر۔ اور چار کتابیں مشہور ہیں۔ قرآن۔ توریت۔ انجیل۔ زبور۔ اور بعض نے حضرت موسیٰ کے دس صحیفوں کے اضافہ کے ساتھ آسمانی کتابوں کی کل تعداد (۱۱۴) بتائی ہے۔ واللہ اعلم

نسیم احمد غازی مظاہری

وَالنَّبِيِّينَ

(۳۸) قُولُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ

تم کہدو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور اس پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس پر بھی جو حضرت ابراہیم

وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى

وحضرت اسماعیل وحضرت اسحٰق وحضرت یعقوب (علیہم السلام) اور اولاد یعقوب کیطرف بھیجا گیا اور اسپر بھی جو حضرت

وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ

موسیٰ وحضرت عیسیٰ کو دیا گیا اور اسپر بھی جو اور انبیاء کو ان کے رب کی جانب سے دیا گیا۔ ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے کسی

مُسْلِمُوْنَ ۝ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ

ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں۔ پھر اگر وہ بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم ایمان لائے ہو تو وہ راہ پر لگ

تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ

جائیں گے۔ اور اگر وہ روگردانی کریں تو وہ مخالفت پر ہیں ہی۔ پھر آپکی طرف سے عنقریب اللہ تعالیٰ انسے نمٹ ہی لیں گے۔ اور

الْعَلِيْمُ ۝ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ

اللہ تعالیٰ خوب سننے اور جاننے والے ہیں۔ ہمنے اللہ کے رنگ کو قبول کرلیا ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے کس کا رنگ اچھا ہو سکتا ہے؟

لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ پ۱ ع ۱۶)

اور ہم اسی کی عبادت کرتے ہیں۔

لغات

وَالْاَسْبَاط اَلسِّبْط کی جمع ہے۔ اولاد کی اولاد۔ اس کا اطلاق عموماً نواسوں پر ہوتا ہے۔ جیسے حَفِيْد کا اطلاق پوتوں پر ہوتا ہے۔ یہ لفظ یہود کے لئے ایسے ہی مستعمل ہوتا ہے جیسے عرب کے لئے قبیلہ کا لفظ۔ سَبِطَ سَبْطًا وسُبُوْطًا (س) وسُبُوْطَةً وسَبَاطَةً (ن) بالوں کا سیدھا ہونا۔ سَبَاطَةً (ک) المطرُ بارش بہت ہونا، دور تک ہونا۔ اِسْبَاط خوف کی وجہ سے چپ رہنا، کمزور ہونا۔ گر کر بے حس وحرکت ہونا۔ شِقَاق مخالفت، دشمنی۔ مصدر باب مفاعلة شَقَّ شَقًّا مَشَقَّةً (ن) دشوار ہونا۔ مشقت میں ڈالنا۔ پھاڑنا چیرنا۔ شَقّ شگاف۔ پھٹن۔ جگہ۔ مشقت۔ ہر چیز کا آدھا شِقّ جانب۔ کنارہ۔ شَقِيْقٌ دو حصوں میں بٹی ہوئی چیز۔ حقیقی بھائی۔ نظیر۔ شَقِيْقَةٌ حقیقی بہن — باغوں کے درمیان سخت زمین۔ بہت بارش وغیرہ۔ صِبْغَة رنگ۔ نوع۔ ملت۔ دین۔ بپتسمہ کا رنگ (ن ض ف) رنگنا۔ ڈبونا۔ کام میں مشغول ہونا۔ چھپا دینا۔ (ن) بھر جانا خوش رنگ ہونا۔ صَبَّغ گہرا رنگنا۔ تصبّغ فِي الدِّيْنِ دین میں کامل وپختہ ہونا۔

ترکیب

قُولُوْا فعل با فاعل جملہ قول۔ باء جار۔ لفظ اللہ معطوف علیہ اگلے چاروں مَا اسم موصول معہ اپنے صلوں کے معطوفات۔ پھر جار مجرور متعلق اٰمَنَّا کے۔ جملہ فعلیہ مقولہ مفعول بہ۔ لَا نُفَرِّقُ فعل با فاعل بَیْنَ اَحَدٍ ظرف (بَیْنَ ہمیشہ متعدد کی طرف مضاف ہوتا ہے۔ یہاں اَحد جمع کے معنی میں ہے لانّ النکرۃ اذا وقعت تحت النفی تفید العُمُومَ فحصل العُمُومُ لذٰلك وثبت التَّعَدُّدُ اَوْ اَحَدٌ بمعنی الفَرِیقِ وَفِی معناہ التعدّد ظاہرٌ (فافهم) مِنْهُمْ متعلق جملہ فعلیہ نَحْنُ مبتدا۔ لَہٗ متعلق مقدم۔ مُسْلِمُوْنَ خبر۔ وقُدِّمَ لہٗ لِاِفادۃِ الحَصْرِ۔ فَاِنْ شرطیہ۔ اٰمَنُوْا فعل ضمیر ھُم فاعل ب زائد مِثْل صفت مصدر محذوف۔ تقدیرہٗ فَاِنْ اٰمَنُوا اِیْمَانًا مِثْلَ اِیْمَانِکُمْ مَا اٰمَنْتُمْ میں مَا مصدریہ ہے۔ جملہ بتاویل مصدر مِثْل کا مضاف الیہ۔ یہ جملہ شرط ہوا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ کے کاف کی طرح لفظ مِثْل زائد ہو۔ اور مَا اٰمَنْتُمْ میں مَا موصولہ ہو جس سے مراد قرآن یا نبی لیا جائے۔ اور بِہٖ کی ضمیر اس کی طرف راجع ہو۔ وتقدیرہٗ فَاِنْ اٰمَنُوا بِمَا (بالذی) اٰمَنْتُمْ بِہٖ۔ یعنی جس چیز پر تم ایمان لائے ہو اسی پر یہ لوگ (یہود و نصاریٰ) بھی ایمان لے آئیں تو راہ پا جائیں گے۔ فَقَدِ اهْتَدَوْا جملہ فعلیہ جواب شرط۔ ایسے ہی وَاِنْ تَوَلَّوْا جملہ شرط۔ فَاِنَّمَا ھُمْ فِی شِقَاقٍ جملہ اسمیہ جزا۔ فَسَیَکْفِیْکَھُمُ اللہُ فعل، فاعل، مفعول بہ جملہ فعلیہ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ مبتدا خبر جملہ اسمیہ۔ صِبْغَۃَ اللہِ قبلنا، لَزِمْنَا یا اِلْزَمُوْا یا نُحِبُّ وغیرہ کا مفعول بہ ہے۔ اور اسی سے فعل محذوف مان کر مفعول مطلق بھی ہو سکتا ہے ای صَبَغَ اللہُ صِبْغَۃً وَمَنْ استفہامِ انکاری کے لئے مبتدا۔ اَحْسَنُ ممیز صِبْغَۃً تمیز اور مِنَ اللہِ متعلق سے ملکر خبر جملہ اسمیہ وَنَحْنُ لَہٗ عٰبِدُوْنَ بعینہٖ نَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ کی طرح جملہ اسمیہ ہے۔

تشریح

قُولُوْا اِلٰی مُسْلِمُوْنَ یہودی کہتے تھے کہ قدیم مذہب ہمارا ہے۔ اسی میں ہدایت منحصر ہے۔ عیسائی کہتے تھے کہ ہمارا مذہب زیادہ اچھا ہے۔ اس کے بغیر ہدایت ممکن نہیں چنانچہ قرآن پاک میں آیت مذکورہ سے پہلے اُن کے اس مزعوم کو بیان کیا گیا۔ وَقَالُوْا کُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی تَهْتَدُوْا حضرت حق سبحانہٗ نے اُن کے اس خیال کا جواب دیا قُلْ بَلْ مِلَّۃَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا وَمَا کَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ۔ یعنی اگر تم یہودیت یا نصرانیت کی اتباع اور مُسلّم بزرگوں کی پیروی کو ہدایت جانتے ہو تو یہودیت و نصرانیت سے بہتر ملّتِ ابراہیمی ہے۔ اسی پر سب اتفاق کر لو۔ اور سب کے مُسلّم بزرگ حضرت ابراہیمؑ ہیں۔ کہ یہودی، نصرانی اور مشرکین نیز مسلمان سب ہی اُن کے معتقد اور مداح ہیں۔ لہٰذا سب ہی ملکر ان کی پوری اتباع کر لو۔ درحقیقت وہ مُوحّد تھے۔ بخلاف یہود کے کہ وہ عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا مان کر مشرک ہوئے۔ اسی طرح نصاریٰ

مَسِیحُ ابنُ اللہِ یا اِنَّ اللہَ ھُوَ المَسِیحُ ابنُ مَریَمَ کے عقیدہ سے مشرک ہوئے۔ اور بُت پرست تو ہیں ہی مشرک۔ مطلب یہ ہے کہ سب کے سب ہر قسم کے شرک سے بری اور تائب ہو کر سچے پکے ابراہیمی بنجاؤ۔ زبانی نسبت کرکے خود کو ابراہیمی کہنا اور اس نسبت پر فخر کرنا بے سود ہے۔ جبتک کہ ان کے طریقۂ حیات کو نہ اپناؤ۔ اور خلوص و توحید کے دامن کو مضبوط نہ پکڑلو۔ پھر آیت قُولُوا سے مُسلِمُونَ تک انکا دوسرا جواب ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر اس سے بھی قطع نظر کرکے صحیح اور ٹھیک راہِ ہدایت چاہتے ہو تو وہ یہ ہے کہ تمام برگزیدہ ہستیوں اور اللہ کے سارے نبیوں اور رسولوں پر ایمان لاؤ۔ اور اُن میں تفریق نہ کرو، کہ بعض پر ایمان لاؤ اور بعض کو جھٹلا دو۔ اور ملتِ ابراہیم کا اتباع نیز تمام انبیاء علیہم السّلام پر ایمان لانا ہی عین اسلام ہے۔ اور اسلام ہی تمام اختلافات و تعصبی خرافات کا خاتمہ کرسکتا ہے۔ یہ خصوصیت نہ یہودیت میں ہے نہ نصرانیت میں۔ اسی لئے قُولُوا سے حکم ہے کہ اے مسلمانو! تم یہ کہو کہ ہم سارے رسولوں، نبیوں اور خدا کی سب کتابوں پر ایمان و اعتقاد رکھتے ہیں۔ اُن میں ہم تفریق کو گوارا نہیں کرتے، اور ہم مسلمان خدائے پاک کے فرمانبردار ہیں۔ مسلمانوں کی شان یہی ہے کہ سب اچھوں کی اچھائی کے قائل ہوں اور اسی کا ہم کو حکم ہے۔

(ف) حضرتِ ابراہیم علیہ السّلام کے آٹھ بیٹے تھے، اور کئی بیویاں تھیں۔ حضرتِ ہاجرہؓ سے سب سے بڑے بیٹے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السّلام تھے، اُن سے چھوٹے حضرتِ اسحٰق علیہ السّلام حضرت سارہؓ کے بطن سے تھے۔ تیسری بیوی قنورہ کنعانیہ سے چھ بیٹے ہوئے۔ زمران۔ یقان، مدان۔ مدیان۔ اشباق۔ سوخ (مدیان یا مدین کی اولاد میں سے حضرتِ شعیب علیہ السّلام تھے) حضرتِ اسماعیل علیہ السّلام کے بارہ بیٹے تھے۔ بڑے بیٹے سے چھوٹے قیدار تھے، جن کی نسل سے جناب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا حضرت اسمٰعیل علیہ السّلام کی نسل میں کوئی پیغمبر نہیں ہوا۔ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السّلام کے بڑے بیٹے حضرت عیص تھے۔ اور ان کے عقب (بعد) میں حضرتِ یعقوب علیہ السّلام پیدا ہوئے۔ (آپکے نام کی وجہ تسمیہ یہی ہے) حضرت یعقوب علیہ السّلام کو اسرائیل (بمعنی عبداللہ) بھی کہتے تھے۔ یہ تمام بنی اسرائیل کے جدِ امجد ہیں۔ ان کی چند بیویاں اور بارہ بیٹے تھے۔

(۱) لیاہ۔ ان کے بطن سے چھ بیٹے ہوئے۔ یہودا۔ شمعون۔ روبن۔ لاوا۔ اشکار۔ زبلون۔

(۲) راحیل کی لونڈی بلہ سے دو فرزند پیدا ہوئے۔ دان۔ تفتالی۔

(۳) لیاہ کی باندی زلفہ سے دو لڑکے پیدا ہوئے۔ جد۔ آشر۔

(۴) خود راحیل کے بطن سے (جو لیاہ کی چھوٹی بہن تھیں) یوسف اور بنیامین پیدا ہوئے۔ حضرت یعقوب کے ان بارہ بیٹوں سے بارہ خاندان بنے۔ اور عیسیٰ علیہ السّلام تک تمام انبیاء علیہم السّلام

بنی اسرائیل کے انہیں خاندانوں میں آتے رہے۔ اور بنی اسمٰعیل میں صرف سید الکل خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ کے بعد جتنے انبیاء و رسل مبعوث ہوئے سب ہی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل و ذریت میں ہوئے۔ اور حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ گیارہ انبیاء علیہم السلام کے علاوہ باقی سب انبیاء و رسل انہی کی اولاد میں ہوئے۔ وہ گیارہ انبیاء علیہم السلام جو بنی اسرائیل کے علاوہ ہیں یہ ہیں۔ حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت شیثؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت اسحٰقؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت اسمٰعیلؑ۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ تفصیل حسب بیان قرآن مقدس ہے۔ ان کے علاوہ تمام رسولوں اور نبیوں کی تعداد، اور یہ کہ کس مقام پر کس خاندان میں کتنے اور کون کون نبی و رسول مبعوث ہوئے اس کا حقیقی علم صرف اللہ ہی کو ہے۔ ارشاد باری ہے مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (رسولوں اور نبیوں میں سے بعض کو ہم نے آپ سے بیان کر دیا اور بعض کو بیان نہیں کیا۔) واللہ اعلم

ایمان کی مختصر تعبیر

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ۔ اس آیت میں ایمان کی ایک ایسی اجمالی اور مختصر مگر جامع تعبیر ہے جو تمام تفصیلات و تشریحات پر حاوی ہے۔ یاد رکھیے کہ اٰمَنْتُمْ کے مخاطب رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ اس آیت میں ان کے ایمان کو معیار اور مثالی نمونہ قرار دیکر فرمایا کہ اللہ کے نزدیک مقبول و معتبر صرف اس طرح کا ایمان ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے جاں نثار صحابۂ کرامؓ نے اختیار فرمایا۔ جو ایمان و اعتقاد اس سے سر مو بھی مختلف ہوگا وہ اللہ کے نزدیک مقبول و معتبر نہیں ہوگا۔

اسکی توضیح یہ ہے کہ جتنی چیزوں پر یہ حضرات ایمان لائے اُن میں کوئی کمی یا زیادتی نہ ہونی چاہیے۔ اللہ کی ذات و صفات، فرشتوں، انبیاء و رسل، آسمانی کتابوں اور اُن کی تعلیمات، تقدیر و حشر و نشر وغیرہ کے متعلق جو ایمان و اعتقاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے اصحابؓ نے اختیار کیا اُس کے خلاف کوئی تاویل کرنا یا کوئی دوسرے معنی مراد لینا اللہ کے نزدیک مردود و غیر معتبر ہے۔ انبیاء و رسل اور ملائکہ کیلئے جو مقام آپ کے قول و فعل سے واضح ہوا اس سے ان کو گھٹانا یا بڑھانا ایمان معتبر کے خلاف ہوگا۔

اس آیت سے ان تمام فرقِ باطلہ کے ایمان کا خلل واضح ہوگیا جو ایمان کے دعویدار اور حقیقت ایمان سے بے بہرہ ہیں۔ اسلام میں محبت و عظمتِ رسول فرضِ عین ہے، اسکے بغیر ایمان کا تحقق ہی نہیں

ہو سکتا۔ مگر رسول کو صفتِ علم و قدرت و اختیار وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے برابر کر دینا کھلی گمراہی، شرک اور ظلمِ عظیم ہے۔ قرآنِ پاک نے شرک کی یہی حقیقت بیان کی ہے۔ کہ غیر اللہ کو کسی صفت میں اللہ کے برابر کر دیں۔ اِذْ نُسَوِّيْكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ آج بھی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور اللہ کی طرح ہر جگہ حاضر و ناظر اور قادرِ مطلق و مختارِ کل کہتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت کا حق ادا کر رہے ہیں۔ وہ دھوکہ میں ہیں۔ پیغمبر اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی عظمت و محبت مطلوب ہے جیسی حضرات صحابہ کرامؓ کرتے تھے۔ اس میں کمی بھی جرم ہے اور زیادتی بھی گمراہی ہے۔ اور ان مذکورہ عقائد کا حضرات صحابہؓ میں کوئی نام و نشان نہیں ملتا۔ ایک خاص بات یہ بھی یاد رکھیئے کہ اس آیت سے یہ صاف معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں۔ جبکہ وہ حضرات اصل الاصول یعنی ایمان کے مسئلہ میں معیار ہیں۔ جیساکہ آیت بالا سے معلوم ہوا، تو فرقۂ مودودیہ کا صحابہ کرامؓ کو معیارِ حق نہ ماننا کتاب اللہ سے صریح بغاوت اور کھلی ہوئی گمراہی ہے۔ اس فرقے کے اسی ایک کلمہ سے ان کے ایمان و دین کی جڑیں کٹ جاتی ہیں جب صحابہؓ معیارِ حق نہیں تو قرآن و حدیث بلکہ پورے دین کا اعتبار ہی کیسے کیا جا سکتا ہے؟ کیا مودودی صاحب بارگاہِ رسالت سے خود ہی دین لے آئے ہیں۔ یہ تو "یکے بر سرِ شاخ و بُن می برید" کا مضمون ہے۔ "بریں عقل و دانش بہ باید گریست"۔

اسی طرح قرآنِ کریم کی واضح تصریح خاتم النبیین کو قادیانیوں نے اپنے مقصد میں حائل پاکر ظلّی اور بروزی وغیرہ نئی قسم کی نبوتوں کے دروازے کھول کر ختمِ نبوت کا انکار کر دیا۔ بِمِثْلِ مَاۤ اٰمَنْتُمْ نے ان کی گمراہی کو بھی واضح کر دیا۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم و صحابہ کرامؓ کے ایمان میں ظلّی و بروزی نبوت کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ یہ قادیانیوں کا کھلا الحاد و کفر ہے۔

اسی طرح جن فرقوں نے حشر و نشر اور قیامت کے عقائد میں تاویلاتِ رکیکہ سے کام لیا ہے۔ آیتِ مذکورہ اُن کی گمراہی کا بھی واضح اعلان ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ البتہ اس بیان سے غور و فکر کی راہیں طالبین پر ان شاء اللہ کشادہ ہو گئیں۔

حفاظت کی ذِمّہ داری

فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ۔ میں ارشاد فرمایا گیا کہ آپ اپنے ان مخالفین کی جانب سے قطعاً فکر نہ کریں، جن کا شیوہ ضد، دشمنی اور ہٹ دھرمی ہے۔ اللہ تعالیٰ اُن سے خود ہی نمٹ لیں گے، اور آپ کی حفاظت خود فرمائیں گے دوسری ایک (چھٹے پارہ کی) آیت وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ میں اس مضمون کو اس سے زیادہ وضاحت کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے کہ آپ ہمارے پیغامات کو بے جھجک پہونچایئے ــ اور مخالفین کی قطعاً پرواہ نہ کیجئے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں سے آپ کی خود حفاظت فرمائیں گے چنانچہ

اللہ نے اپنے وعدہ کو پورا کیا حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے شر سے بچایا۔ اور اس آیت کے نزول کے بعد آپ نے بھی ظاہری اسباب حفاظت کو اہمیت نہیں دی۔

اللہ کا رنگ

صِبْغَةَ اللّٰهِ۔ عیسائیوں میں دستور رہا ہے کہ وہ جب کسی کو اپنے مذہب میں داخل کرتے یا ان کے کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ساتویں دن اس کو حوض میں غوطہ دیتے، بعض عیسائی مثلاً کلیسائے عرب زرد یا اور کسی قسم کے رنگ کی آمیزش بھی اس پانی میں کرتے تھے۔ یا بجائے غوطہ کے یونہی اس بچہ کو رنگین کردیتے تھے۔ اور بجائے ختنہ کے اسی نہلانے کو بچہ کی طہارت اور دین نصرانیت کا پختہ رنگ سمجھتے تھے۔ اس آیت نے بتلایا کہ یہ پانی کا رنگ تو دھل کر ختم ہوجاتا ہے۔ نیز ختنہ نہ کرنے کی وجہ سے جو گندگی اور ناپاکی جسم میں رہتی ہے، اس سے بھی یہ رنگ نجات نہیں دیتا۔ اصل رنگ تو دین و ایمان کا رنگ ہے جو ظاہری اور باطنی پاکی کا ضامن بھی ہے، اور باقی رہنے والا بھی۔ یہی خدائی رنگ یعنی لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا رنگ ایسا عجیب رنگ ہے، جو انسان کے قلب و دماغ اور روح و بدن سبھی کو رنگین بنا دیتا ہے۔ جو انسان اس رنگ میں رنگ جاتا ہے پھر کوئی طاقت اس رنگ کو اتار نہیں سکتی۔ دین و ایمان کو رنگ سے تعبیر کرکے اس طرف بھی اشارہ ہوگیا کہ جس طرح رنگ آنکھوں سے محسوس ہوتا ہے اسی طرح ایمان کی علامات کا مومن کے چہرہ، بشرہ، حرکات و سکنات، معاملات و عادات میں ظاہر اور محسوس ہونا ضروری اور ایمانی تقاضا ہے۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ، وَفَّقَنَا اللّٰهُ الْوَهَّابُ۔

نبیوں اور رسولوں پر ایمان

جن انبیاء و رسل کا نصوص کے ذریعہ تفصیلی علم ہے ان کے نبی و رسول ہونے پر بالتفصیل نام بنام یقین کرنا، اور جن کے متعلق تفصیل معلوم نہیں ان پر اجمالاً ایمان لانا جیساکہ آیت مذکورہ میں چند انبیاء کی تفصیل بھی ہے۔ پھر اُن کے بعد وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ میں اجمال ہے۔ تمام انبیاء و رسل کے متعلق یہ عقیدہ رکھیں کہ وہ معصوم و بے گناہ ہیں۔ اور جن احکام و اخبار کے پہونچانیکا ان کو حکم ہوا پوری دیانتداری سے انہوں نے وہ تمام پیغامات الٰہیہ بندوں تک پہونچائے۔ جملہ انبیاء علیہم السلام بشر ہونے اور تمام بشری احساسات و حاجات رکھنے کے باوجود بشری کمزوریوں سے مبرّا و پاک ہیں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء و رسل سے افضل ہیں۔ خاتم النبیین یعنی مرکز نبوت ہیں۔ نبوت و رسالت کے مبتدا و منتہا ہیں۔ آپ آفتاب نبوت ہیں۔ آپ کے فیوض کی کرنوں سے پچھلے زمانہ میں نبوت کے گھر روشن ہیں۔ تو بعد کے زمانہ میں علوم و ولایت کے مرکز چمک رہے ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی بحیثیت نبی نہ آئیگا۔ عیسیٰ علیہ السلام اخیر زمانہ میں اُمتی ہونے کی حیثیت سے تشریف لائیں گے۔ چنانچہ وہ آئین اسلام کے موافق عمل کریں گے۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ یا رسول اللہ تمام نبیوں کی پوری تعداد کتنی ہے؟ ارشاد فرمایا: ایک لاکھ چوبیس ہزار کل تعداد ہے۔ جن میں سے رسول تین سو پندرہ (۳۱۵) ہیں۔ بھاری جماعت ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ملاھ) ملا علی قاریؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں العدد فی ھٰذا الحدیث وان کان مجزومًا لکنہ لیس بمقطوع فیجب الایمان بالانبیاء والرسل مجملًا من غیر حصر فی عدد لئلا یخرج احد منہم ولا یدخل احد من غیرھم فیہم۔

نکتۂ عجیبہ اصل صاحب کتاب وشریعت رسول ہوتے ہیں۔ جن کی تعداد تین سو دس (۳۱۰) سے کچھ اوپر (مشکوٰۃ میں بضع وعشرۃ کے الفاظ ہیں) یا تین سو تیرہ (۳۱۳) یا تین سو پندرہ (۳۱۵) ہے۔ تو دنیا سے کفر وضلالت کی تاریکیاں دور کرنے کے لئے مقدار مذکور میں رسول بھیجے گئے۔ اسی طرح اسلام کا سب سے پہلا غزوہ غزوۂ بدر ہے جس میں کفر واسلام کا قیامت تک کے لئے فیصلہ ہو گیا۔ اس کے مجاہدین کی تعداد بھی تین سو تیرہ (۳۱۳) یا تین سو پندرہ (۳۱۵) تھی۔ اس سے عادت خداوندی یہ معلوم ہوتی ہے۔ کہ تعداد مذکور میں اگر پکے ایمان والے کسی بھی دور میں جمع ہو جائیں گے تو وہ لوگ کفر وضلالت کا دفاع اور اہل ضلالت کو شکست دینے کے لئے بہت کافی ہیں۔ چاہے اہل باطل سے ساری دنیا ہی کیوں نہ بھری ہوئی ہو۔

نبی ورسول کی تعریف جمہور علماء کے نزدیک رسول وہ انسان ہے جس کے پاس اللہ کی طرف سے وحی آتی ہو، اور اس کو تبلیغ کا حکم بھی دیا گیا ہو اور نبی وہ انسان ہے جس پر وحی آتی ہو عام اس سے کہ اس کو تبلیغ کا حکم ہوا ہو یا نہ ہوا ہو علی ما قالہ علی القاریؒ۔ والمشھور بینہم ان الرسول ھو انسان بعثہ اللہ تعالیٰ واٰتاہ الکتاب والشریعۃ الجدیدۃ والنبی ھو انسان بعثہ اللہ تعالیٰ سواء اوتی الکتاب والشریعۃ الجدیدۃ اولا (ای امر ان یبلغ الکتاب والشریعۃ الذی قبلہ)

بہر حال جمہور کے یہاں رسول خاص ہے اور نبی عام فکل رسول نبیٌ کموسٰی وعیسٰی و داؤد ومحمد صلی اللہ علیہم وسلم ولیس کل نبی برسول کزکریا ویحییٰ وغیرھما۔ محققین کہتے ہیں کہ رسول ونبی میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت ہے۔ کیونکہ ان کے یہاں رسول انسان بھی ہو سکتا ہے اور ملک بھی۔

چنانچہ حضرت جبرئیلؑ کے لئے قرآن میں رسول کا لفظ آیا ہے اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّكِ لِاَهَبَ لَكِ غُلَامًا زَكِيًّا۔ نسبت عموم من وجہ میں ایک اجتماعی مادہ ہوتا ہے اور دو افتراقی۔ چنانچہ تین صورتیں یہاں بھی موجود ہیں۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں دونوں مجتمع ہیں کہ آپ نبی بھی ہیں اور رسول بھی حضرت جبرئیلؑ رسول ہیں نبی نہیں ہیں حضرت زکریا نبی ہیں رسول نہیں ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ تباین ہے۔ رسول وہ انسان مبعوث ہے جس کو نئی شریعت و کتاب دی گئی ہو۔ اور نبی وہ انسان مبعوث ہے جس کو نئی شریعت و کتاب نہ دی گئی ہو۔ بعض تساوی کے قائل ہیں۔ کلّ رسولٍ نبیٌّ وکلّ نبیٍّ رسولٌ۔ یہ آخری دونوں قول غیر مشہور ہیں۔

(ف) یاد رکھیے کہ تمام انبیاء و مرسلین میں پانچ ہستیاں سب سے افضل ہیں۔ حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ اور ان پانچوں میں سید المرسلین، خاتم النبیین، رحمۃ للعالمین، حبیبنا و مولانا محمد المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سب سے افضل ہے۔ مندرجہ ذیل آیت میں پانچوں حضرات کا یکجائی ذکر ہے۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِنَ النَّبِيّٖنَ مِيْثَاقَهُمْ وَمِنْكَ وَمِنْ نُّوْحٍ وَّاِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ط (پ۲۱ ع ۱۷)

اور وہ وقت بھی قابلِ ذکر ہے جبکہ ہم نے تمام پیغمبروں سے اُن کا عہد لیا تھا۔ اور آپ سے بھی اور نوحؑ و ابراہیمؑ و موسیٰؑ و عیسیٰ ابن مریم علیہم السلام سے بھی۔

اس آیت میں اجمالی طور پر اولاً تمام انبیاء علیہم السلام کا ذکر من النبیین میں فرمایا گیا۔ پھر مستقلاً ان کی فضیلت و اہمیت کی وجہ سے پانچ حضرات کا تذکرہ خصوصیت سے فرمایا گیا ہے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تقدیم اور وہ بھی بصورتِ خطاب بلا تصریحِ اسمِ گرامی مزیت و فضیلتِ خصوصی پر واضح دلالت ہے۔ واللہ اعلم

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى جَمِيْعِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ خُصُوْصًا عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَاٰلِ كُلٍّ وَّسَائِرِ الصّٰلِحِيْنَ بِعَدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ اَلْفَ اَلْفِ مَرَّةٍ اَبَدًا اَبَدًا۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ

اور مال دیوے اللہ کی محبت پر

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ

رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنیوالوں کو

وَفِي الرِّقَابِ ط

اور گردنیں چھڑانے میں۔

(۳۹) قَالَ اَبُوْهُرَيْرَةَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر پوچھا

فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَىُّ الصَّدَقَةِ اَعْظَمُ اَجْرًا قَالَ اَنْ تَصَدَّقَ وَ
اے اللہ کے رسول کون سے صدقہ میں ثواب زیادہ ملتا ہے۔ فرمایا اس صدقہ میں کہ تو

اَنْتَ صَحِيْحٌ شَحِيْحٌ تَخْشَى الْفَقْرَ وَتَاْمُلُ الْغِنٰى وَلَا تُمْهِلُ حَتّٰى
تندرست ہو حریص ہو تنگدستی کا اندیشہ اور مالداری کی امید کرتا ہو (پھر تو صدقہ کرے) اور ڈھیل

اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ قُلْتَ لِفُلَانٍ كَذَا وَلِفُلَانٍ كَذَا وَقَدْ كَانَ
نہ کر یہاں تک کہ جب جان گلے میں آجائے تو تو کہے کہ اتنا فلاں کا ہے اور اتنا فلاں کا، حالانکہ وہ تو

لِفُلَانٍ۔ (کتاب الزکوٰۃ بخاری شریف ص۱۹۱ ج۱)
(مشکوٰۃ ص۱۶۴)
فلاں (وارث) کا ہوگیا۔

لغات اَجْرٌ ثواب بدلہ ج اُجُوْرٌ (ن ض) بدلہ دینا، مزدوری دینا، جوڑنا۔ صَحِيْحٌ تندرست۔ عیب سے بری۔ ج اَصِحَّاءُ وصِحَاحٌ واَصِحَّةٌ وصَحَائِحُ۔ صَحَّ صُحًّا وصِحَّةً وصِحَاحًا (ض) تندرست ہونا۔ ہر عیب سے پاک صاف ہونا۔ الخبرُ مطابق واقع ثابت ہونا۔ صِحَّةٌ تندرستی۔ شَحِيْحٌ بخیل حریص۔ ج شِحَاحٌ، اَشِحَّةٌ، اَشِحَّاءُ۔ مؤنث شَحِيْحَةٌ۔ شَحَاحٌ بخیل، حریص، شَحَّ شُحًّا (ن ض س) بخل کرنا حرص کرنا۔ تَخْشٰى (س) ڈرنا۔ خشیۃ میں خوف سے زیادہ مبالغہ ہے۔ نیز خشیت میں ڈر کے ساتھ محبت کا شمول ہوتا ہے۔ اور خوف عام ہے۔ وتَاْمُلُ (ن) امید رکھنا، امید کرنا۔ اَمَلٌ امید ج اٰمَالٌ۔ وَلَا تُمْهِلْ مجرد میں (ف) اطمینان سے کام کرنا۔ اَمْهَلَ مہلت دینا۔ مَهْل نرمی۔ آہستگی۔ ڈھیل۔ بَلَغَتْ بُلُوْغًا (ن) پہونچنا۔ پکنا۔ متأثر ہونا۔ (ك) بَلَاغَةً بلیغ ہونا ج بُلَغَاء۔ تَبْلِيْغ پہونچانا بَلَاغ پیغام حُلْقُوْمٌ گلا ج حَلَاقِيْم۔ حَلْقَمَ يُحَلْقِمُ حَلْقَمَةً گلا کاٹنا۔ فُلَانٌ وفُلَانَةٌ ذوی العقول کے عَلَم سے کنایہ ہوتا ہے۔ فلانۃٌ میں چونکہ دو سبب (علمیت وتانیث) پائے گئے، اس لئے مذکورہ صورت میں غیر منصرف ہوگا۔ اور فلانٌ منصرف ہی رہیگا لعدمِ علۃِ عدمِ الانصراف۔ البتہ مذکورہ صورت میں الف لام دونوں پر نہیں آتا۔ اور کبھی غیر ذوی العقول کے عَلَم سے بھی کنایہ ہوتا ہے۔ اس صورت میں دونوں پر الف لام آجاتا ہے جیسے رَكِبْتُ الفُلَانَ ورَكِبْتُ الفُلَانَةَ۔

ترکیب جَاءَ فعل اپنے فاعل رَجُلٌ اور متعلق اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ سے ملکر جملہ فعلیہ۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ جملہ ندائیہ۔ اَىُّ الصَّدَقَةِ مرکب اضافی مبتدا۔ اَعْظَمُ اَجْرًا ممیز تمیز خبر۔

جملہ جواب ندا۔ ان تصدّق فعل با فاعل۔ واوٗ حالیہ۔ انت مبتدا۔ صَحِیحٌ خبر اول۔ شَحِیحٌ ذو الحال یا خبر ثانی۔ تَخْشَی الْفَقْرَ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ تَامُلُ الْغِنیٰ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوف علیہ و معطوف ملکر حال۔ ذو الحال و حال ملکر خبر ثانی یا خبر ثالث۔ مبتدا دونوں خبروں سے ملکر جملہ اسمیہ حال از فاعل۔ تصدق جملہ فعلیہ بتاویل مفرد خبر۔ مبتدا محذوف اَعْظَمُ الصَّدَقَۃِ اَجْرًا کی جملہ اسمیہ۔ لا تمہل فعل با فاعل اِذَا بَلَغَتْ (ای الروح الی) الْحُلْقُوْمَ جملہ فعلیہ شرط۔ قلت فعل با فاعل لفلانٍ کذا اپنے معطوف سے ملکر متعلق جملہ جزا۔ وقد کان ای صار المال لفلانٍ جملہ حالیہ۔

تشریح ایک شخص نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کس قسم کا یا کس حال کا صدقہ زیادہ ثواب رکھتا ہے؟ ارشاد فرمایا کہ جب تو تندرست ہو۔ زندگی کی امید عموماً ایسی حالت میں زیادہ ہوتی ہے۔ اور زندگی کی ضروریات بھی پیش نظر ہوتی ہیں۔ اسلئے فرمایا کہ تو مال پر حریص ہو۔ اور خرچ کرنے میں ضروریات زندگی کے پیش نظر طبیعت میں بخل بھی ہو۔ عموماً آدمی حالت صحت میں مال کے خرچ کرنے میں محتاط بلکہ بخیل ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے وقت میں مال خرچ کرنا نفس پر بہت گراں گذرے گا۔ اور مشقت کے موافق ثواب ہوتا ہے۔ لہٰذا اس حالت میں صدقہ کرنے کا ثواب بھی عظیم ہوگا۔ تَخْشَی الْفَقْرَ میں اسی کی وضاحت ہے۔ اور تَامُلُ الْغِنیٰ کا مطلب یہ ہے کہ مال دار بننے کی توقع بھی اس سے وابستہ ہے۔ نفس کہتا ہے کہ مال کو خرچ نہ کر۔ جمع کرکے رکھ، تو مالدار بن جائیگا اور دنیا تیری عزت کریگی۔ اس خیال خام کی وجہ سے آدمی مال خرچ کرنے میں کنجوس ہوتا ہے۔

ولا تمہل اس کو منصوب پڑھیں تو اَنْ تَصَدَّقَ پر عطف، مجزوم پڑھیں تو نہی حاضر کا صیغہ ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ ٹال مٹول اور ڈھیل نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ پہلی فرصت میں مال خدا کی بینک میں جمع کر دینا چاہیئے۔ تاکہ آخرت میں کام آئے۔

حَتّٰی اِذَا بَلَغَتِ الْحُلْقُوْمَ الخ جب آخر وقت ہوتا ہے نفس کی لمبی امیدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ مال کی وقعت دل سے نکلنے لگتی ہے۔ تو اب کہتا ہے کہ اتنا فلاں مدرسہ میں، اتنا فلاں مسجد میں، اتنا فلاں شخص کو دیدینا۔ حالانکہ یہ مال اب دوسرے وارثوں کا ہو رہا ہے۔ اسوقت یہ گویا دوسروں کا مال خرچ کرنا چاہتا ہے۔ جبتک اپنا تھا خرچ نہیں کیا۔ عقل کا تقاضا تو یہ تھا کہ اس کو خرچ کرنے کی اجازت نہوتی۔ مگر شرع نے انسان کی فطری کمزوری پر رحم کھا کر ایک تہائی تک تصرف کرنیکا اسوقت بھی حق دیدیا ہے۔ یعنی ایک تہائی کی وصیت کرسکتا ہے۔ لیکن اس خرچ کرنے میں وہ اجر کہاں ہوسکتا ہے جو اسوقت ہوتا جبکہ مال کی محبت و وقعت دل کے اندر اور ضروریات نظروں کے سامنے موجود تھیں۔ ممکن ہے کہ اس جملہ کے یہ معنیٰ ہوں کہ مرتے وقت وہ

حقوق و دیون کا اقرار کرتا ہے۔ صحت و سلامتی کے وقت تو دوسروں کے حقوق دبائے رہا اور تاخیر کرتا رہا۔ جب مال ملکیت سے نکلنے لگا تو اب دوسروں کے حق یاد آئے۔ مطلب یہ ہے کہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی پہلی فرصت میں کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ کرے کہ موت تک پرواہ نہ کرے۔ کیونکہ مال کو بھی خطرات ہیں۔ اور یہ بھی اندیشہ ہے کہ مرتے وقت بتلانے کا موقع ہی نہ ملے بہر حال حقوق و دیون کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کرنی چاہیئے۔ نہ مال کا بھروسہ ہے نہ زندگی کا۔ ؎

کیا بھروسہ ہے زندگانی کا ؎ زندگی بلبلہ ہے پانی کا

---

(۴۰) عَنْ حَكِيمِ بْنِ حِزَامٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْيَدُ

حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا،

الْعُلْيَا خَيْرٌ مِّنْ يَدِ السُّفْلٰى وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُولُ وَخَيْرُ الصَّدَقَةِ

اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے۔ اور شروع کر اس سے جس کی تو کفالت کرتا ہے۔ اور بہتر صدقہ وہ ہے جو

مَا كَانَ عَنْ ظَهْرِ غِنًى وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ وَمَنْ يَّسْتَغْنِ

حاجت سے زائد ہو۔ اور جو شخص پاکدامنی چاہتا ہے اللہ اس کو پاکدامنی عطا فرماتے ہیں۔ اور جو غنی ہونا

يُغْنِهِ اللّٰهُ۔ (بخاری شریف کتاب الزکوٰۃ ج۱ ص۱۹۱ مشکوٰۃ شریف ص۱۶۲)

چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اُسے غنی کر دیتے ہیں۔

لغات اَلْعُلْيَا۔ اَعْلٰی کی مؤنث صیغہ اسم تفضیل عَلٰی عُلُوًّا (ن) بلند ہونا۔ غالب ہونا۔ السُّفْلٰی مؤنث ہے اَسْفَل کی صیغہ اسم تفضیل سَفَلَ سُفُوْلًا سَفَالًا (ن س ک) پست ہونا، نیچا ہونا، نیچے اُترنا۔ وَابْدَأْ (ف)، شروع کرنا۔ تَعُوْلُ (ن) اہل و عیال کی کفالت کرنا۔ ظلم کرنا۔ راہ حق سے ہٹ جانا۔ خیانت کرنا وغیرہ۔ اِفعال سے بہت اولاد والا ہونا۔ حریص ہونا۔ اَعْوَلَ چیخ کر رونا، ظهرِ غِنًى گنجائش، مالداری کی حالت۔ يَسْتَعِفّ رکنا۔ پارسائی و پاکدامنی کا طالب ہونا۔ عَفَّ عَفًّا عِفَّةً عَفَافًا عَفَافَةً (ض) حرام یا غیر مستحسن سے رکنا۔ پاکدامن ہونا۔

ترکیب اَلْيَدُ الْعُلْيَا مرکب توصیفی مبتدا خَيْرٌ اپنے متعلق مِنْ يَدِ السُّفْلٰى سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ۔ وَابْدَأْ فعل با فاعل مَنْ موصولہ تَعُوْلُ فعل با فاعل جملہ فعلیہ صلہ پھر مجرور و متعلق فعل امر جملہ فعلیہ انشائیہ۔ خَيْرُ الصَّدَقَةِ مبتدا۔ مَا موصولہ۔ كَانَ اسم ضمیر ھو خبر (جار مجرور متعلق محذوف) سے ملکر جملہ صلہ۔ موصول وصلہ خبر۔ یا بر عکس۔ مَنْ يَّسْتَعِفّ شرط۔

یعفہ اللہ وجزا - وکذا الجملۃ الاٰتیۃ۔

تشریح حدیث پاک میں چند باتیں ارشاد فرمائی گئیں۔ (۱) اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلیٰ اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔) اس کا مطلب یہ ہے کہ خرچ کرنیوالا ہاتھ مانگنے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ شریف (باب من لاتحل لہ المسئلۃ ومن تحل لہ صـ۱۶۳) میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسوقت فرمایا جبکہ آپ منبر پر تشریف فرما تھے، اور آپ صدقہ کا اور سوال سے بچنے کا بیان فرما رہے تھے کہ اَلْیَدُ الْعُلْیَا خیر من الیدِ السّفلیٰ والید العُلیا ھی المنفقۃ والسُّفلیٰ ھی السّائلۃ (اوپر والا ہاتھ بہتر ہے نیچے والے ہاتھ سے، اور اوپر والا ہاتھ خرچ کرنیوالا ہاتھ ہے اور نیچے والا مانگنے والا ہے) اس لئے اس جملہ کا یہ مطلب متعین ہے الید العُلیا ھی المنفقۃ۔ بخاری، مسلم، ابوداؤد وغیرہ میں یہی لفظ ہے۔ اور بعض روایات میں الید العُلیا ھی المتعففۃ ہے یعنی اوپر والا ہاتھ سوال سے بچنے والا ہاتھ ہے۔ بعض شراح حدیث نے اول کو، بعض نے ثانی کو ترجیح دی ہے۔ ملا علی قاریؒ وعلامہ نوویؒ نے اول کو ترجیح دی ہے۔ اور معنیٰ دونوں ہی صحیح ہیں۔ کیونکہ دینے والا ہاتھ لینے والے سے اعلیٰ ہے اور سوال سے بچنے والا سوال کرنے والے سے بہتر ہے۔ اور ید سے مراد ذات (صاحب ید) ہے۔

(۲) بعض کہتے ہیں کہ یدِ عُلیا دینے والا ہاتھ اور یدِ سُفلیٰ نہ دینے والا ہاتھ ہے۔ کیونکہ دیتے وقت وہ بلند ہوتا ہے۔ اس کو علیا کہدیا گیا، اور جو نہیں دیتا اس کو سفلیٰ سے تعبیر کیا گیا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ شیخ ابوالنجیب سہروردیؒ نے آداب المریدین میں فرمایا ہے۔ کہ حضرات صوفیہ کا اسپر اتفاق ہے کہ صبر ورضا کے ساتھ فقر، مالداری سے بہتر ہے۔ اور اگر کوئی اَلْیَدُ الْعُلْیَا الخ سے اس کے خلاف استدلال کرے کہ یدِ عُلیا غنی کا ہو سکتا ہے نہ کہ فقیر کا۔ اور اس کو بہتر فرمایا گیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یدِ عَلیا میں فضیلت اس سے مال نکال دینے ہی کی وجہ سے تو آئی ہے اگر اس میں مال موجود ہے تو اس کی کوئی فضیلت نہیں۔ اسی طرح ید سفلیٰ میں جو اسفلیت آئی ہے، اس میں مال آنے کی وجہ سے آئی ہے۔ لہٰذا یہ حدیث خود مالداری کے مقابلہ میں فقر کے افضل واعلیٰ ہونے کی دلیل بن گئی۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ غنی نے اپنے مال کا کچھ حصہ خرچ کر دیا تو گویا اس نے مال دیکر کسی درجہ میں فقر کو مالداری کے مقابلہ میں اختیار کیا۔ اور اللہ کا مقرب بنکر صفت خیریت سے مالا مال ہوگیا۔ اور فقیر نے جب کچھ مال غنی سے حاصل کر لیا تو گویا مالداری کی طرف مائل ہوا

تو وہ خیریت سے محروم ہوگیا۔ لہٰذا یہ حدیث ہی غنی شاکر کے مقابلہ میں فقیر صابر کی افضلیت پر بہت عمدہ دلیل بن گئی (غنی شاکر افضل ہے یا فقیر صابر۔ یہ علماء کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ ہے۔ (جس کی تفصیلی بحث انشاء اللہ حدیث کی بڑی کتابوں میں معلوم ہوجائیگی۔)

جاہل پیروں کی حرکت

ماہانہ، فصلانہ، سالانہ اور نذرانہ وصول کرنے والے جاہل پیروں نے جب اَلْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنْ یَدِ السُّفْلٰی کو سُنا تو کبر و مکر نے ان کو اس ارشاد کے یہ معنیٰ سمجھائے کہ ہاتھ اوپر والا اچھا ہے نیچے والے سے۔ اس سے زیادہ اس جملہ کے کچھ معنیٰ نہیں۔ لہٰذا اپنے مریدوں کو سمجھا دیا کہ جب تم ہمیں کچھ نذرانہ ماہانہ وغیرہ دیا کرو تو اس کا ادب یہ ہے کہ اپنے ہاتھوں پر رکھ کر ہماری خدمت میں پیش کیا کرو تاکہ ہم اوپر سے اٹھالیں اور اگر تم ہمارے ہاتھ پر رکھو تو یہ ہمارے ادب کے خلاف ہے۔ کیونکہ ہم تم سے اچھے ہیں، اور ہمارا ہاتھ تمہارے ہاتھ سے بہتر ہے۔ لہٰذا بہتر ہی اوپر رہیگا۔ سُبحان اللہ ؎

فَسَادٌ کَبِیْرٌ عَالِمٌ مُّتَھَتِّكٌ ✧ واکبر منه جاھل متنسك

(۲) وَابْدَأْ بِمَنْ تَعُوْلُ۔ یعنی جن لوگوں کی کفالت تمہارے ذمہ ہے ان کا نفقۂ واجبہ دینے کے بعد جب صدقہ کا ارادہ ہو تو ابتداء انہیں سے کرو۔ اس طرح ان کے نفقات میں توسع بھی ہوجائیگی اور دینے والے کو ثواب بھی دُوگنا ملیگا۔ ایک صدقہ کا ثواب، دوسرے صلہ رحمی یا حقِ قرابت کا ثواب۔ پھر اجنبی کو دینے میں تو آخرت کا فائدہ غالب ہے۔ اور دنیاوی مفاد موہوم۔ لیکن اہل و عیال و اہلِ قرابت کو دینے میں دنیا و آخرت دونوں کا مفاد متیقن ہے۔ چنانچہ بہت سی احادیث میں اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کو افضل الصَّدقة اور اعظم اَجْرًا فرمایا گیا ہے۔

(۳) وَخَیْرُ الصَّدَقَةِ مَا یَکُوْنُ عَنْ ظَھْرِ غِنًی۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ گنجائش اور اہل و عیال کی حاجت و کفالت سے زائد جو صدقہ دیا جائے وہ صدقہ بہترین صدقہ ہے۔ کیونکہ ایسی صورت میں آدمی بطیبِ خاطر دیتا ہے، اور اہل و عیال کی حق تلفی بھی نہیں ہوتی۔ کَاَنَّ صَدَقَتَهٗ مُسْتَنِدَةٌ اِلٰی ظَھْرٍ قَوِیٍّ مِنَ الْمَالِ۔ یا یہ مطلب ہے کہ مالدار جس مال کو اپنا سہارا سمجھتا ہے۔ اور اس نے اپنی ضروریات کے لئے جس کو مُہیّا کرکے رکھا ہے اس مال کو صدقہ کرتا خیر الصَّدقة ہے۔ وجہ اس کا خلوص اور ایسا جذبہ ہے کہ جس کی وجہ سے وہ رضائے حق کو اپنی ذاتی ضروریات پر ترجیح دیتا ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ظَہر کا لفظ زائد محض تحسینِ کلام کیلئے ہے۔ مطلب یہ ہے کہ مالداری کی حالت میں صدقہ اچھا ہے۔ بعضؒ نے کہا ہے کہ اس سے مراد نفس کا غنا ہے۔ یعنی وہ سخاوتِ نفس و اعتمادِ حق کے جذبہ سے خرچ کرتا ہے۔ اور اس خرچ کرنے میں اپنے دل میں دکھ یا کسی قسم کا تردد نہیں لاتا۔ بعضؒ کہتے ہیں کہ غنائے مال و غنائے نفس

دونوں میں سے کوئی بھی غنا ہو۔ اور ثانی غنا افضل الیسارین ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَيْسَ الْغِنٰى عَنْ كَثْرَةِ الْعَرَضِ اِنَّمَا الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ (زیادہ سروسامان (اکٹھا کرلینا) مالداری نہیں غنی تو نفس کا غنی ہے) یعنی دل مال کا محتاج نہ رہے۔ بہرحال بغیر غنی کے محتاجی کی حالت میں صدقہ نہ کرے۔ کیونکہ آج دیا ہے تو کل کو دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلائیگا۔ اسی طرح کُل مال کا صدقہ نہ کرے، اس صورت میں خود پریشان ہوجائیگا۔ اور اہل وعیال بھوک اور مصیبت میں گرفتار ہوجائیں گے۔

(۳) وَمَنْ يَّسْتَعْفِفْ يُعِفَّهُ اللّٰهُ۔ عفّت کے معنی حِفْظٌ عَنِ الْمَنَاهِي (برائیوں سے حفاظت) کے ہیں اور یہاں مطلب یہ ہے کہ جو شخص صبر وقناعت کو اختیار کرلیگا اور لوگوں سے اپنی حاجتوں کے بارے میں سوال نہ کریگا تو اللہ تعالیٰ اسپر صبر وقناعت کو آسان فرمادیں گے۔ والقناعۃ کنزٌ لا یفنیٰ اور صبر وقناعت کی برکت سے منجانب اللہ اسپر رزق کے دروازے انشاء اللہ کھل جائیں گے ؎

لَا تَشْكُوَنَّ لِغَيْرِ رَبِّكَ شِدَّةً ✤ فَهُوَ الْعَلِيْمُ وَغَيْرُهٗ لَا يَعْلَمُ

وَاِذَا شَكَوْتَ اِلَى الْعِبَادِ كَاَنَّمَا ✤ تَشْكُوا الرَّحِيْمَ اِلَى الَّذِيْ لَا يَرْحَمُ

وَمَنْ يَّسْتَغْنِ يُغْنِهِ اللّٰهُ۔ جو شخص لوگوں کے مال کا محتاج نہ رہنا چاہے تو اللہ تعالیٰ اسکے قلب کو غنی فرمادیتے ہیں، اور وہ دنیا والوں کے مال پر رال نہیں ٹپکاتا۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ جو مالداری چاہتا ہے تو اس کا طریقہ لوگوں سے مانگنا نہیں ہے۔ اس سے تو آدمی محتاج ہی رہتا ہے بلکہ محتاجی وفقر میں اضافہ ہوتا ہے۔ تو غنیٰ بھی اللہ ہی سے مانگنا چاہیئے۔ وہی اگر چاہے تو غنائے ظاہری وباطنی عطاء فرماسکتا ہے۔

حضرتِ حکیم بن حِزام رضی اللہ عنہ

حضرت حکیم بن حزام ابوخالد القرشی الاسدیؓ ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بھتیجے تھے۔ کعبہ میں واقعۂ اصحاب فیل سے تیرہ۱۳ سال قبل پیدا ہوئے۔ دورِ جاہلیت وزمانۂ اسلام میں اشراف وسردارانِ قریش میں سے تھے۔ آپ فتح مکہ کے سال مسلمان ہوئے۔ مدینۂ طیبہ میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ آپ کی عمر ایک سو بیس۱۲۰ سال ہوئی۔ ساٹھ سال جاہلیت میں گذرے اور ساٹھ ہی اسلام میں۔ اعلیٰ درجہ کے عاقل وذی علم اور متقی تھے۔ اظہارِ اسلام کے بعد شروع میں مؤلفۃ قلوب میں رہے۔ لیکن کچھ ہی دنوں بعد مخلص مسلمان ہوگئے تھے۔ انہوں نے زمانۂ جاہلیت میں سو۱۰۰ غلام آزاد کیئے۔ اور سو۱۰۰ اونٹ سواری کے لئے ہبہ کیئے۔ ایک مرتبہ حضرتِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو اپنا ایک مکان ساٹھ ہزار درہم میں فروخت کیا۔ اور پوری قیمت فی سبیل اللہ صدقہ کردی۔ غزوۂ بدر میں مشرکین کی طرف سے میدانِ جنگ میں آئے تھے، مگر بخیر وسلامتی مکہ واپس ہوئے۔

مسلمان ہونے کے بعد جب قسم کھاتے تو یہ الفاظ کہتے وَالَّذِیْ نَجَّانِیْ یَوْمَ الْبَدْرِ (قسم ہے اس ذات کی جس نے مجھ کو بدر کے دن نجات دی)
عروۃ بن زبیرؓ و سعید بن مسیبؒ و ابن سیرینؒ وغیرہ حضرات نے آپؓ سے احادیث روایت کی ہیں۔
رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ وَعَنْ جَمِیْعِ الصَّحَابَۃِ وَاَدْخَلَنَا الْجَنَّۃَ مَعَھُمْ اٰمِیْنَ۔

(۴۱) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا
حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب
اَنْفَقَ الْمُسْلِمُ نَفَقَۃً عَلٰی اَھْلِہٖ وَھُوَ یَحْتَسِبُھَا کَانَتْ لَہٗ صَدَقَۃً۔
مسلمان اپنے بال بچوں پر خرچ کرتا ہے اور وہ اُس پر ثواب کی امید رکھتا ہے تو وہ خرچہ اُسکے لئے صدقہ ہوگا۔
(بخاری شریف کتاب النفقات صفحہ ۸۰۵ ج ۲ مشکوٰۃ شریف صفحہ ۱۷۱)

لغات یَحْتَسِبُھَا۔ ثواب کی امید رکھنا۔ عطیہ مانگنا۔ گمان کرنا۔ شمار کرنا۔ آزمائش کرنا۔ یہاں اوّل معنی مراد ہیں۔ (ن) شمار کرنا (س ح) گمان کرنا۔ مَرَّ التَّفْصِیْلُ۔

ترکیب اِذَا اَنْفَقَ فعل اَلْمُسْلِمُ فاعل نَفَقَۃً مفعول مطلق (مِنْ غَیْرِ بَابِہٖ) عَلٰی اَھْلِہٖ متعلق جملہ فعلیہ شرط۔ وَھُوَ یَحْتَسِبُھَا جملہ اسمیہ حالیہ۔ کَانَتْ لَہٗ صَدَقَۃً جملہ فعلیہ جزا۔ ای کَانَتْ نَفَقَتُہٗ صَدَقَۃً لَہٗ۔

تشریح یعنی جب کوئی مسلمان اپنی بیوی، بچوں اور متعلقین پر ثواب کی نیت سے خرچ کرتا ہے تو وہ اس کے لئے صدقہ مقبولہ ہوتا ہے۔ صَدَقَۃً پر تنوین تعظیم کے لئے ہے۔ دوسری روایات سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ کہ کسی روایت میں اہل وعیال پر خرچ کرنے کو اَعْظَمُ اَجْرًا فرمایا گیا۔ جیسے (۴۳) میں آرہا ہے۔ کہیں افضل الصدقۃ کہیں خیر الصدقۃ فرمایا گیا ہے۔ اس روایت میں یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مومن کے نفقہ کی یہ خصوصیت ہے۔ کیونکہ ایمان والا امر خداوندی کا امتثال ہی کرتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اس امتثال میں ثواب ملنا ضروری ہے۔ لیکن چونکہ عارضِ غفلت کیوجہ سے کبھی اس طرف توجہ نہیں ہوتی۔ تو یَحْتَسِبُھَا میں نیت ثواب کو صراحۃً ذکر فرما دیا گیا۔ کیونکہ اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کی جزا نیات ہی سے وابستہ ہے۔

بہرحال یہ دونوں قیدیں ہر عمل میں ملحوظ رہنی چاہئیں۔ بغیر ایمان کے کوئی عمل عمل نہیں۔ اور بغیر نیت رضائے حق کوئی عمل باعث اجر و ثواب نہیں۔ اور اہل و عیال و متعلقین پر خرچ کرنے کا زیادہ ثواب کیوں ملتا ہے؟ اس کی وجہ پچھلی حدیث میں گذرچکی کہ اس میں احسان وصلہ رحمی اور صدقہ دونوں چیزیں جمع ہوگئیں اور یہ ہی مضمون اگلی حدیث میں بھی آرہا ہے۔

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ اسم گرامی عقبہ بن عمرو الانصاری البدری ہے۔ کنیت ابومسعود، عقبہ ثانیہ میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔ جمہور اہل علم کی تحقیق کے مطابق غزوۂ بدر میں شریک نہ ہوسکے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ شریک ہوئے۔ والاول اصح۔ لیکن بدر کی جانب اُن کی نسبت ہوتی ہے۔ اس کی وجہ غزوۂ بدر میں شرکت نہیں۔ بلکہ وہ ماء بدر کی جانب نسبت ہے۔ وہاں پر اُن کی سکونت کی وجہ سے نسبت ہوتی ہے۔ آپ کوفہ میں قیام پذیر ہوگئے تھے۔ خلافت علی کرم اللہ وجہہ کے دور میں وفات پائی۔ بعض نے کہا کہ ۴۱ھ یا ۴۲ھ میں وفات ہوئی۔ ان سے اُن کے بیٹے حضرت بشیر اور اُن کے علاوہ دوسرے بہت سے لوگ احادیث روایت کرتے ہیں۔

---

(۴۴۲) عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ
حضرت سلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
اَلصَّدَقَةُ عَلَى الْمِسْكِيْنِ صَدَقَةٌ وَهِيَ عَلٰى ذِي الرَّحِمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ
کہ محتاج پر صدقہ کرنا تو ایک ہی صدقہ (کا ثواب رکھتا) ہے اور عزیز قریب پر صدقہ دو چیزیں ہیں صدقہ اور
وَصِلَةٌ۔ (ترمذی شریف ص۸۳ ج۱، مشکوٰۃ شریف ص۱۷۱)
صلہ رحمی۔

(۴۴۳) قَالَ اَبُوْقِلَابَةَ وَاَيُّ رَجُلٍ اَعْظَمُ اَجْرًا مِّنْ رَّجُلٍ يُّنْفِقُ عَلٰى
حضرت ابوقلابہ نے فرمایا کہ اس سے بڑھ کر اور کون شخص زیادہ ثواب والا ہوگا جو چھوٹے چھوٹے بال بچوں پر
عِيَالٍ صِغَارٍ يُعِفُّهُمُ اللّٰهُ اَوْ قَالَ يَنْفَعُهُمُ اللّٰهُ وَيُغْنِيْهِمْ۔
خرچ کرتا ہو کہ اللہ ان کو کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رکھے یا یہ فرمایا کہ اللہ ان کو فائدہ پہونچائے اور ان کو بے نیاز رکھے۔ (مسلم شریف ص۳۲۲ ج۱)

لغات ذِي الرَّحِمِ وہ قریبی رشتہ دار جن سے مناکحت نہ ہوسکے۔ صِلَةٌ رشتہ داری کا جوڑنا۔ وَصَلَ وَصْلًا وَصِلَةً (ض) ملنا، ملانا۔ یہاں صلہ کے معنی رشتہ داری کو جوڑنا۔

تعلق باقی رکھتا ہیں۔ صِغَارٌ جمع صَغِیْرٌ کی چھوٹا۔ صَغِرَ صِغَرًا صَغَارًا (ن س ك) چھوٹا ہونا، ذلیل ہونا۔ صَغَارٌ ذلت ظلم۔ صَغِیْرٌ چھوٹا مرتبہ میں یا جسامت میں۔ یَنْفَعُ (ف) فائدہ پہونچانا۔

ترکیب الصَّدَقَۃُ ذوالحال کَائِنَۃً عَلَی الْمِسْکِیْنِ حال مبتدا صدقۃ خبر۔ یا عَلَی الْمِسْکِیْنِ اور صَدَقَۃٌ خبر بعد خبر ہے۔ اسی طرح اگلا جملہ ہے۔ صدقۃٌ وصلۃٌ مرفوع ہیں تو ثنتان سے بدل۔ یا مبتدا محذوف احدہما ثانیہما کی خبریں ہیں۔ یا منصوب اعنی فعل با فاعل محذوف کا مفعول بہ۔ (۴۴) اَیُّ رَجُلٍ مبتدا اَعْظَمُ اَجْرًا میز تمیز۔ رَجُلٌ موصوف یُنْفِقُ فعل ضمیر ھو فاعل۔ عَلٰی عِیَالٍ صِغَارٍ جار مجرور، جملہ مجرور ہوکر متعلق اعظم کے خبر۔ یُعِفُّھُمُ اللّٰہُ جملہ فعلیہ مستقلہ یا عِیَالٍ صِغَارٍ کی صفت وھکذا یَنْفَعُھُمُ اللّٰہُ۔ اَوْ قَالَ برائے شک راوی ہے یُغْنِیْھِمْ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ یُعِفُّھُمُ اللّٰہُ کا معطوف۔

تشریح مطلب دونوں حدیثوں کا بالکل ظاہر ہے۔ چھوٹے بچوں پر خرچ میں اُن کو سوال کی ذلت اور حرص سے نیز دوسروں کے سہارے پر جینے اور طمع، لالچ وغیرہ رذائل سے حفاظت بھی ہے۔ جو عموماً سوال کرنے کے لازمی نتائج ہیں۔ اس کے علاوہ بچوں پر خرچ کرنے میں جو لوگ کنجوسی کرتے ہیں خصوصاً اِس دور میں ان کے بچے آوارہ ہوجاتے ہیں۔

حضرت سُلیمان بن عامر رضی اللہ عنہ صاحب مرقات کہتے ہیں کہ یہ نام سُلیمان مصغراً نہیں ہے۔ بلکہ سَلْمَان بلا یا مکبراً ہے وقال میرك صوابہٗ سلمان مکبّرًا وسُلیمان سھوٌ من الکُتّاب (ای الکاتبین اومن صاحب الکتاب (ای صاحب المشکوٰۃ) واللّٰہ اَعْلَمُ۔ خود مؤلف مشکوٰۃ نے بھی اکمال فی اسماء الرجال میں فرمایا ہے کہ سلمان بن عامر الضبی کا شمار بصریین میں ہے۔ بعض علماء نے فرمایا ہے کہ صحابہؓ میں ان کے علاوہ کوئی راوی ضبّی نہیں ہے۔ صاحب مشکوٰۃ نے اکمال میں ان کا تذکرہ سلمانِ فارسی کے بعد کیا ہے۔ اور سلمانِ فارسی سے پہلے دو سُلیمان ذکر کیے۔ سُلیمان بن صُرد۔ سُلیمان بن بریدہ۔ اگر صاحب مشکوٰۃ کی غلطی ہوتی تو ضرور ان کا نام مذکورہ ہر دو سُلیمان کے ساتھ کرتے معلوم ہوا کہ کاتبوں کی غلطی ہے۔ شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ سُلیمان سب یار کے ساتھ (مصغراً) ہیں۔ علاوہ سلمان فارسی وسلمان بن عامر وسلمان الاغر وعبد الرحمن بن سلمان کے۔

حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ ابو قِلابہ بکسر القاف وتخفیف اللام وبالباء الموحّدۃ ہے۔

ان کا نام عبداللہ بن زید الجرمیؒ ہے۔ مشہور و معروف تابعی ہیں۔ حضرت انسؓ وغیرہ سے روایت کرتے ہیں اور ان سے بھی خلق کثیر نے روایت کی ہے۔ ابوایوب سختیانی کہتے ہیں کان واللہ ابو قلابۃ من الفقہاء وذوی الالباب۔ بعض علماء فرماتے ہیں کان احدُ اعلام التابعین وثقاتھم۔ ان کو قاضی بننے پر مجبور کیا گیا۔ تو آپ نے اپنی آبادی کو ترک کر کے کسی اور وادی میں قیام فرمایا مات بالشام فی ستّ ومائۃ۔ سنہ ۱۰۶ھ۔

(۴۴) وَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّكَ اَنْ تَذَرَ وَرَثَتَكَ اَغْنِيَاءَ

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یقینا اگر تو اپنے وارثوں کو مالدار چھوڑے تو اس سے اچھا ہے

خَيْرٌ مِنْ اَنْ تَذَرَهُمْ عَالَةً يَتَكَفَّفُوْنَ النَّاسَ وَاِنَّكَ لَنْ تُنْفِقَ

کہ تو ان کو محتاج چھوڑ جائے کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں اور تو جو کچھ بھی خرچ کرے

نَفَقَةً تَبْتَغِيْ بِهَا وَجْهَ اللّٰهِ اِلَّا اُجِرْتَ بِهَا حَتّٰى مَا تَجْعَلُ فِيْ

اللہ کی خوشنودی کے لئے تجھ کو ثواب ملیگا یہاں تک کہ اس لقمہ میں بھی جو تو اپنی

فِيْ امْرَاَتِكَ۔

بیوی کے منہ میں دیدے۔ (بخاری شریف ص ۱۷۲ ج ۱ مشکوٰۃ شریف باب الوصایا ص ۲۶۵)

لغات

اِنْ تَذَرَ۔ وَذْرًا (ض س) چھوڑنا۔ کاٹنا۔ چھوڑنے کے معنیٰ میں مضارع اور امر کے علاوہ کوئی دوسرا صیغہ مستعمل نہیں۔ ماضی۔ مصدر۔ اسم فاعل کے لئے تَرَكَ، التَّرْكُ، تَارِكٌ بولا جائے گا۔ وَرَثَۃ جمع وَارِث کی۔ وُرَّاث بھی جمع آتی ہے (ضح) وارث ہونا۔ اِفعال وتفعیل سے متعدی۔ اِرْثٌ، وِرْثٌ، وِرَاثَۃٌ، تُرَاثٌ مصادر۔ میت کا ترکہ، میراث

عہ الجَرمی بفتح الجیم والراء ۱۲ ان عہ اَنْ اس کا ہمزہ مکسور ومفتوح دونوں طرح روایۃً ثابت ہے۔ لیکن اِنْ شرطیہ کی صورت میں نحوی اشکال یہ ہے کہ جملہ اسمیہ جزا ہو تو حذف فاء جائز نہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث نحو کے تابع نہیں علم نحو کو تابع ہونا چاہیئے، ہمیں پرواہ نہیں، نحو کا قاعدہ ٹوٹے یا رہے۔ جبکہ روایت دونوں طرح پایۂ ثبوت کو پہنچ گئی ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک کتاب میں روایت اس طرح پائی ہے انك ان تذر ورثتك اغنياء فهو خير الخ پھر فرماتے ہیں کہ نحویین نے جملہ اسمیہ جزائیہ سے فاء کو حذف کرنا صرف ضرورتِ شعری میں جائز قرار دیا ہے یہ غلط ہے۔ پھر نظائر پیش کر کے فرمایا کہ ہاں اشعار میں حذفِ فاء بکثرت ہے، اور نثر میں کم لیکن ضرورتِ شعری کیساتھ مخصوص نہیں۔ اسلئے نحویوں کو اس میں وسعت سے کام لینا چاہیئے۔ ۱۲ ان

میت کا ترکہ جو مَوَارِیث۔ عَالَةً، عَائِل کی جمع۔ فقیر محتاج (ض ن) محتاج ہونا، کثیر العیال ہونا۔ یَتَکَفَّفُوْنَ۔ تَکَفُّفٌ لوگوں سے مانگنے کے لیے ہاتھ پھیلانا۔ کَفًّا (ن) جمع کرنا۔ بھرنا۔ دوبارہ سینا۔ باز رہنا۔ رکنا۔ تَبْتَغِیْ تلاش کرنا۔ کرانا۔ بَغْوًا (ن) غور سے دیکھنا۔ زیادتی کرنا بَغْیًا بُغَاءً و بُغًی، بُغْیَةً (ض) طلب کرنا۔ ہٹ جانا، نافرمانی کرنا، ظلم کرنا، زنا کرنا وغیرہ۔ فِیْ، فَاہٌ، فُوْہٌ، فُمٌ، فِیْہِ۔ بمعنی منہ۔ ج اَفْوَاہٌ۔ اسمائے ستہ مکبرہ میں سے ہے۔ فُوَیْہٌ تصغیر چھوٹا منہ۔ فَاہَ فَوْھًا (ن) بولنا۔ فَوِہَ فَوَھًا (س) فراخ دہن ہونا۔ مفاعلۃ سے باہم گفتگو کرنا۔ مفاخرت کرنا۔

ترکیب

اِنَّ حرف مشبہ بفعل لَکَ اسم اِنْ شرطیہ۔ تَذَرْ فعل با فاعل وَرَثَتَکَ مرکب اضافی ذوالحال۔ اَغْنِیَاءَ حال مفعول بہ جملہ شرط۔ خَیْرٌ صیغہ صفت۔ اِنْ تَذَرْ فعل با فاعل ھُمْ ذوالحال عَالَةً حال اول۔ یَتَکَفَّفُوْنَ النَّاسَ جملہ فعلیہ حال ثانی۔ ھُمْ دونوں حالوں سے ملکر مفعول بہ۔ جملہ بتاویل مفرد مجرور خیر کے متعلق جزا۔ شرط و جزا اَنَّ کی خبر مقولہ مفعول بہ۔ اِنَّکَ کے بعد والا اِنْ اگر مکسورہ پڑھیں تو ترکیب یہ ہوئی۔ اور اگر مفتوحہ پڑھیں تو جملہ بتاویل مفرد مبتدا۔ خیر اپنے متعلق سے ملکر خبر۔ مبتدا و خبر اِنَّ کی خبر۔ لَنْ تُنْفِقَ فعل با فاعل۔ نَفَقَةً موصوف، تَبْتَغِیْ بِھَا وَجْہَ اللّٰہِ جملہ فعلیہ مستثنیٰ منہ۔ اُجِرْتَ فعل با فاعل۔ بِھَا متعلق اول۔ حَتّٰی حرف جر۔ مَا موصولہ۔ تَجْعَلُ فعل با فاعل۔ فِیْ جارہ فِیْ مضاف۔ اِمْرَاَتِکَ مرکب اضافی مضاف الیہ۔ مضاف و مضاف الیہ مجرور متعلق تَجْعَلُ جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول صلہ مجرور۔ حَتّٰی متعلق ثانی۔ اُجِرْتَ نائب فاعل و ہر دو متعلق سے ملکر جملہ مستثنیٰ۔ مستثنیٰ منہ مع مستثنیٰ جملہ استثنائیہ صفت۔ نَفَقَةً موصوف اپنی صفت سے ملکر مفعول بہ۔ فعل و فاعل و مفعول سے ملکر اِنَّ کی خبر جملہ اسمیہ خبریہ۔ پہلے جملہ پر عطف۔ مقولہ مفعول بہ قَالَ کا۔

تشریح

یہ حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ پوری حدیث اس طرح ہے۔

وعن سعد بن ابی وقاصؓ قال مرِضتُ عامَ الفتح مرضًا اشفیت علی الموت فاتانی رسُوْل اللّٰہ صَلی اللّٰہ علیہ وسَلم یعودنی فقلت یَا رسُوْلَ اللّٰہِ انَّ لیْ مَالًا کثیرًا ولیس یرثنی الّا ابنتی افاوصی بمالی کلہٖ قال لا

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں فتح مکہ کے سال اتنا سخت بیمار ہوا کہ مرنے کے قریب ہوگیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم عیادت کیلئے میرے پاس تشریف لائے تو میں نے پوچھا۔ یا رسول اللہ میرا مال بہت ہے۔ اور میری ایک لڑکی کے سوا کوئی وارث نہیں۔ کیا میں اپنے تمام مال کی (فی سبیل اللہ)

قلت فثلثی مالی قال لا قلت فالشطر قال لا قلت فالثلث قال الثلث والثلث کثیر انک ان تذر ورثتک اغنیاء الخ
(مشکوٰۃ باب الوصایا ص۲۶۵)

وصیت کردوں۔ فرمایا نہیں۔
میں نے عرض کیا دو تہائی کی؟ فرمایا نہیں۔ میں نے کہا آدھے کی؟ فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا ایک تہائی کی؟ فرمایا ایک تہائی کی کردو۔ اور ایک تہائی بہت ہے۔
(آگے مذکورہ عبارت ہے)

اس حدیث سے چند باتیں معلوم ہوئیں۔ (۱) اپنے چھوٹوں کی عیادت بھی کرنی چاہیئے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کی عیادت کو تشریف لیگئے۔ (۲) کوئی کام کرنا ہو تو بڑوں سے مشورہ کریں۔ چنانچہ حضرت سعدؓ نے حضور سے مشورہ کیا۔ (۳) ایک تہائی مال سے زیادہ وصیت کا حق نہیں۔ آپ نے ایک تہائی سے زائد کی اجازت نہیں دی، اور ایک تہائی کو کثیر فرمایا۔ (۴) الثلث کثیر سے معلوم ہوا کہ ثلث سے کم بہتر ہے۔ اور ثلث سے زیادہ کا حق نہیں۔ (۵) اہل وعیال کے لئے جائز طریقہ سے مال جمع کرکے چھوڑنا بہتر ہے۔ تاکہ وہ لوگ بعد میں پریشان نہوں۔ (۶) لوگوں سے مانگنا ذلت ہے (۷) مومن کا ہر خرچہ جو ایمان کے تقاضے کے خلاف نہو۔ بلکہ اس سے رضائے الٰہی مقصود ہو تو وہ صدقہ اور باعث ثواب ہے۔ (۸) بیوی کی دلجوئی محمود ہے حتیٰ کہ اس جذبہ سے کہ اس کا دل خوش ہوجائے اس کے منہ میں لقمہ دیدینا بھی باعث اجر وثواب ہے۔ گو یہ محل شہوت ہے مگر تین وجوہ اس میں ثواب کی ہیں۔ جائز شہوت، بیویؔ (جو رفیقۂ حیات ہے) کی دل جوئی ومسرت رسانی۔ اللہ کی رضا کا ارادہ۔ (۹) امر مباح رضائے حق کی نیت سے طاعت بنجاتا ہے۔ غور کیجئے کہ بیوی دنیوی لذات وشہوات میں سب سے بڑھکر ہے۔ اور لقمہ ملاعبت اور پیار کے وقت اس کے منہ میں (عادۃً) رکھتے ہیں۔ ان سب اسباب کیوجہ سے یہ عمل طاعت وامور آخرت سے بالکل دور ہے۔ لیکن نیت صحیح سے یہ فعل بھی طاعت میں داخل ہوگیا۔ تو دوسرے مباحات نیت صحیح سے بدرجۂ اولیٰ طاعات اور اجر وثواب کا باعث بنجائیں گے۔ (۱۰) حدیث میں صلہ رحمی، اقرباء کے ساتھ احسان وسلوک، وارثوں پر شفقت، اور وجوہ خیر میں انفاق کی خاص تاکید ہے۔

مسئلہ۔ اگر وارث ہوں تو وصیت ثلث مال تک کرسکتا ہے۔ اور اگر کوئی بھی وارث نہو تو امام ابوحنیفہؒ، ان کے اصحاب اور اسحٰق بن راہویہؒ کے نزدیک ثلث سے زائد وصیت جائز ہے۔ امام احمدؒ کی بھی ایک روایت ایسی ہی ہے۔ دوسرے ائمہ کسی حال میں بھی ثلث سے زائد کی اجازت نہیں دیتے۔

مسئلہ۲۔ وارثوں کو نقصان پہونچانے کی نیت سے وصیت کرنا مکروہ اور گناہ ہے۔

تنبیہ۔ الفاظ روایت میں جزوی اختلاف بھی ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ میں آخری جملہ حتی اللقمۃ ترفعہا الی فی امرأتک ہے۔ فلا نذکرہ لخوف الطوالۃ۔ نسیم احمد غازی مظاہری

(۴۵) عَنْ فَاطِمَةَ ابْنَةِ قَيْسٍ قَالَتْ سَأَلْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ
حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا
وَسَلَّمَ عَنِ الزَّكٰوةِ فَقَالَ اِنَّ فِي الْمَالِ لَحَقًّا سِوَى الزَّكٰوةِ ثُمَّ تَلَا
تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ یقیناً مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے۔ پھر آپ نے وہی
هٰذِهِ الْاٰيَةَ الَّتِي فِي الْبَقَرَةِ لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ الْاٰيَةَ۔
آیت تلاوت فرمائی جو سورۂ بقرہ میں ہے یعنی لیس البر ان تولوا وجوھکم اخیر آیت تک تلاوت کی۔

(ترمذی شریف ص۸۳ ج۱ و مشکوٰۃ باب فضل الصدقۃ ص۱۶۹)

ترکیب

رُوِيَ فعل محذوف نائب فاعل ضمیر عَنْ فَاطِمَةَ بنت قَيْسٍ متعلق جملہ فعلیہ سَأَلْتُ فعل با فاعل النَّبِيَّ مفعول بہ عَنِ الزَّكٰوةِ متعلق جملہ مقولہ قالت کا۔ فِي الْمَالِ متعلق ثابتٌ خبر اِنَّ مقدم لَحَقًّا اپنی صفت سِوَى الزَّكٰوةِ سے ملکر اسم۔ جملہ مقولہ۔ تَلَا فعل ضمیر ھو فاعل هٰذِهِ اسم اشارہ الْاٰيَةَ موصوف الَّتِي اسم موصول فِي الْبَقَرَةِ متعلق وَقَعَتْ یا جَاءَتْ جملہ فعلیہ صلہ موصول وصلہ صفت۔ موصوف صفت مبدل منہ لَيْسَ الْبِرَّ تا وُجُوْهَكُمْ بدل مشار الیہ پھر مفعول بہ تَلَا کا جملہ فعلیہ الْاٰيَةَ (ای الآیۃ الی آخرھا) مبتدا و خبر۔ اس صورت میں یہ مرفوع ہے۔ اس کو منصوب بھی پڑھ سکتے ہیں۔ فتقدیرہٗ (اِقْرَءِ الْاٰيَةَ) اور مجرور بھی پڑھ سکتے ہیں کہ الآیۃ مخفف ہے۔ الی آخر الآیۃ کا۔ اس صورت میں کئی ترکیبیں ہوں گی (قرء یا اقرء الی اخر الاٰیۃ۔ او اعنی الی اخر الاٰیۃ ۔ او ھٰذہ الاٰیۃ الی اخر الاٰیۃ۔ او مرادی الی اخر الاٰیۃ۔ وغیر ذلک۔

تشریح

یعنی مال میں صاحب نصاب پر زکوٰۃ تو فرض ہے ہی لیکن انسان کے ذمہ اور حقوق مالیہ بھی ہیں۔ جن میں نہ نصاب کی شرط ہے نہ حولان حول کی۔ اور بطور دلیل و استشہاد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت لَيْسَ الْبِرَّ الْاٰيَة تلاوت فرمائی کیونکہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زکوٰۃ کے ذکر کرنے سے پہلے مختلف مالی حقوق کا ذکر فرمایا۔ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ میں کچھ اہم مالی مصارف کا ذکر فرمایا ہے۔ رشتہ داروں کو ان کے نفقات و حاجات وغیرہ میں مال دینا۔ یتیموں کی پرورش و تعلیم و تربیت وغیرہ پر مال خرچ کرنا۔ حاجتمندوں اور غریبوں کی ہر قسم کی ضروریات کی کفالت کرنا۔ مسافروں پر خرچ کر کے ان کی سفری مشکلات کو حل کرنا۔ سوال کرنے والے ناداروں کی پریشانیاں دور کرنے پر مال لگانا۔ قیدیوں کو ناحق تکالیف سے

بچانے اور غلاموں کو قیدِ غلامی سے چھڑانے میں مالی امداد کرنا۔ یہ تمام حقوقِ مالیہ زکوٰۃ کے علاوہ ہیں۔ جن کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھکر توجہ دلائی۔ اسی آیت میں زکوٰۃ کا حکم ان حقوق سے آگے وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ میں مذکور ہونا اس کی دلیل ہے۔ کہ یہ تمام مذکورہ حقوق مالی زکوٰۃ کے علاوہ ہیں۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ سائل کو محروم نہ کرنا، ضرورتمند کو قرض دینا، استعمالی سامانِ خانہ، ہانڈی پیالہ وغیرہ کسی کے مانگنے پر برتنے کے لئے دینا۔ نمک، پانی، آگ جیسی معمولی چیزوں سے کسی کو منع نہ کرنا وغیرہ سب اِنَّ فِی الْمَالِ لَحَقًّا سِوَی الزَّکٰوۃِ میں داخل ہیں۔ یہ بات بھی ذہن میں رکھیئے کہ کچھ مالی حقوق تو وہ ہیں جو اللہ نے بندوں پر واجب فرمائے ہیں۔ جیسے زکوٰۃ اور دیگر حقوقِ مالیہ مذکورہ۔ ان کے سوا کچھ حقوق ایسے بھی ہیں کہ بندے خود اپنے ذمہ کر لیتے ہیں۔ جیسے نذر مان کر اللہ کا حق یا معاملات سے بندوں کے حق اپنے ذمہ کر لیتے ہیں۔ ان کو آیتِ مذکورہ میں وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا میں بیان فرمایا گیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم

حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا

فاطمہ بنت قیس القرشیہ حضرت ضحاکؓ کی بہن ہیں۔ یہ ان عورتوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے اوّل اوّل ہی ہجرت کرلی تھی، عقل و جمال و کمال میں ممتاز حیثیت رکھتی تھیں۔ اولاً ابی عمرو بن حفصؓ کے نکاح میں تھیں۔ انہوں نے ان کو طلاق دیدی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے غلام زادہ حضرت اُسامہ بن زیدؓ سے اُن کی شادی کردی تھی۔ حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کثیر الروایہ عورتوں میں سے ہیں ایک بڑی جماعت نے آپ سے احادیث روایت کیں۔

قَالَ الْعَبْدُ الضَّعِيْفُ ذٰلِكَ لِاَنَّ فِي الْاٰيَةِ جِهَتَيْنِ لِلْاِنْفَاقِ كُلٌّ مِّنْهُمَا

بندۂ ناتواں کہتا ہے یہ (آیت سے استشہاد) اسوجہ سے ہے کہ آیت میں خرچ کرنیکے دو رُخ مذکور ہیں اور ہر

تُغَايِرُ الْاُخْرٰى فَالْجِهَةُ الْاُوْلٰى اَنَّهٗ تَعَالٰى ذَكَرَ اَوَّلًا۔ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى

ایک جہت دوسری سے مختلف ہے۔ پہلی جہت تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پہلے تو (آتی المال الخ) میں زکوٰۃ کے علاوہ

حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى الْاٰيَةَ ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ ذَكَرَ الزَّكٰوةَ حَيْثُ قَالَ

حقوقِ مالیہ) کو ذکر فرمایا پھر ان کے بعد زکوٰۃ کو (مستقل الگ) ذکر کیا۔ کیونکہ (اسکے بعد) اللہ تعالیٰ نے

جَلَّ مَجْدُهٗ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ۔ فَالزَّكٰوةُ جِهَةٌ ثَانِيَةٌ

فرمایا ہے ۔ اقام الصلوٰۃ و آتی الزکوٰۃ ۔ اور عطف تغایر پر دلالت کرتا ہے) تو زکوٰۃ لامحالہ

لَا مُحَالَةَ ثُمَّ إِنَّ هٰذَا الْحَقَّ سِوَى الزَّكٰوةِ رُبَّمَا يَزْدَادُ أَهَمِّيَةً

دوسری جہت ہوتی۔ پھر زکوٰۃ کے سوا یہ حق بسا اوقات اہمیت میں بڑھ جاتا ہے۔

فَيَجِبُ حَتْمًا كَوُجُوْبِ الزَّكٰوةِ أَلَا تَرٰى أَنَّ النَّاسَ حِيْنَ تُحِيْطُهُمُ

کہ زکوٰۃ کی طرح قطعی واجب ہوجاتا ہے۔ کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جب لوگوں کو فاقہ گھیر لے

الْفَاقَةُ وَتَعُمُّهُمُ الْمَجَاعَةُ حَتّٰى تَبْلُغَ أَنْفُسَهُمْ يَجِبُ عَلٰى كُلِّ

اور بھوک انپر اس طرح مسلط ہوجائے کہ ان کی جان پر بن آئے تو ہر صاحب استطاعت پر

مُسْتَطِيْعٍ إِنْفَاقُ مَا اسْتَطَاعَ وَلَوْ حَبَّاتٍ مِّنْ شَعِيْرٍ إِلَّا تُحِيْطُهُ

حسب مقدور خرچ ضروری ہوجاتا ہے اگرچہ جو کے چند دانے ہی کیوں نہ ہوں ورنہ تو (آخرت میں)

النَّارُ كَمَا أَحَاطَتْهُمُ الْمَجَاعَةُ كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

اس صاحب استطاعت کو آگ اس طرح لپٹ جائیگی جس طرح (آج) لوگوں کو بھوک لپٹی ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضور

وَسَلَّمَ اتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وَهٰذَا الْوُجُوْبُ لَا يَخْتَصُّ

صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد (اسی طرف اشارہ کرتا) ہے، تم دوزخ سے بچو اگرچہ ایک چھوارے کے ٹکڑے کے (صدقہ کرنے

بِصَاحِبِ نِصَابٍ بَلْ يَعُمُّ كُلَّ مَنْ يَّجِدُ مَا يُشْبِعُ بَطْنَهٗ وَيُقِيْمُ

کے) ذریعہ ہی کیوں نہ ہو، اور یہ وجوب صاحب نصاب (مالدار) کے ساتھ خاص نہیں بلکہ یہ وجوب ہر اس شخص کو عام ہے

صُلْبَهٗ وَهٰذَا مَعْنٰى قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

جو اپنا پیٹ بھرنے کی مقدار (روزی) پاتا اور اسکے ذریعہ اپنی کمر سیدھی رکھتا ہے۔ اور یہی مطلب ہے رسول اللہ صلی اللہ

(۴۶) لَيْسَ بِالْمُؤْمِنِ الَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ۔

علیہ وسلم کے اس ارشاد کا کہ وہ مومن نہیں جو خود پیٹ بھر لے اور اس کا پڑوسی بھوکا رہے۔

(مشکوٰۃ باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق ص۴۲۴)

لُغَات

جِهَة رُخ۔ سمت۔ جانب۔ طریقہ۔ جِهَتَانِ تثنیہ۔ جِهَات جمع۔ جُهَة مثلث الجیم والکسر اغلب۔ مَرَّ تَحْقِيْقُهٗ۔ مَجُدَ (ن ك) بزرگوار ہونا۔ سیر ہونا۔ تفعیل سے تعریف کرنا تعظیم کرنا۔ بزرگی کی طرف نسبت کرنا۔ مَجْد عزت۔ بلندی ج أَمْجَاد۔ لَا مُحَالَةَ ضروری۔ لابدی۔ مَحَلَ مَحْلًا مِحَالًا (ف س ك) چغلخوری کرنا۔ مضبوط کرنا۔ لمبا کرنا۔ مفاعلہ سے مکر کرنا۔ دشمنی کرنا، زور آزمائی کرنا وغیرہ۔ أَهَمِّيَةٌ۔ أَهَمّ کی طرف منسوب۔ بہت قابل فکر ولائق اہتمام چیز۔ یا یائے مصدریہ ہے۔ هَمَّ هَمًّا مَهَمَّةً (ن) رنجیدہ کرنا، غمگین کرنا۔ گھلا دینا۔ پختہ ارادہ کرنا۔ صاحب

ہمت ہونا وغیرہ۔ حَتْمًا خالص فیصلہ ج حُتُوْمٌ (ض) مضبوط کرنا۔ واجب کرنا۔ حکم لگانا۔ وُجُوْب (ض) واجب ہونا۔ ثابت ہونا۔ لازم ہونا۔ گرنا۔ غروب ہونا۔ (ک) بزدل ہونا۔ یُحِیْطُ جُمْ اِفعال سے گھیر لینا۔ حفاظت کرنا۔ (ن) انہی معنی میں۔ اَلْمَجَاعَۃُ بھوک (ن) بھوکا ہونا۔ شَعِیْرٌ واحد شَعِیْرَۃٌ نیز جمع شَعِیْرَات۔ شعیرۃ علامت ج شَعَائِر۔ شِعْرًا (ن) شعر کہنا۔ الثَّوْبَ کپڑے میں بال بھر جانا (ن ک) جاننا، محسوس کرنا۔ یقال للشاعر شاعر لانہ یشعر مالا یشعر غیرہ من اللطائف الحقائق ودقائق الکلام (س) لمبے بالوں والا ہونا۔ یشبع (س) شکم سیر ہونا (ک) بہت عقل والا ہونا۔ صُلْبٌ سخت۔ ریڑھ کی ہڈی۔ پیٹھ ج اَصْلَابٌ واَصْلُبٌ وصِلَبَۃٌ نیز قوت۔ سخت پتھریلی زمین۔ ج صِلَبَۃٌ (ن ض) سولی دینا۔ بھوننا۔ ہڈیوں کا گودا نکالنا۔ (س ک) صَلَابَۃٌ سخت ہونا۔

ترکیب

قَالَ فعل اَلْعَبْدُ الضَّعِیْفُ مرکب توصیفی فاعل۔ آئندہ کی تمام عبارت مقولہ مفعول۔ ذٰلِكَ الْاِسْتِدْلَالُ یا الْاِسْتِشْهَادُ محذوف مشارٌ الیہ مبتدا۔ لِاَنَّ حرف مشبہ بفعل کائنتان محذوف اپنے متعلق فِی الْاٰیَۃِ سے ملکر خبر مقدم جِهَتَیْنِ موصوف کَائِنَتَیْنِ محذوف۔ لِلْاِنْفَاقِ سے ملکر صفت۔ موصوف صفت ذوالحال کل مِنْهُمَا ذوالحال وحال مبتدا تُغَایِرُ فعل، هِیَ فاعل الْاُخْرٰی مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ خبر۔ جملہ اسمیہ حال ا والجملۃ الاسمیۃ بلاواو تقع حالا فی فصیح الکلام کما فی قولہ تعالیٰ وَتَرَی الَّذِیْنَ کَذَبُوْا عَلَی اللّٰہِ وُجُوْهُهُمْ مُسْوَدَّۃٌ، ذوالحال وحال اسم۔ اِنَّ اپنے اسم وخبر سے ملکر جملہ اسمیہ بتاویل مفرد مجرور متعلق حَصَلَ محذوف کے حَصَلَ فعل اپنے فاعل ضمیر هو محذوف ومتعلق سے ملکر جملہ فعلیہ ہو کر خبر ذٰلِكَ مبتدا کی فا تفصیلیہ الْجِهَۃُ الْاُوْلٰی۔ مرکب توصیفی مبتدا اِنَّہٗ ہٗ اسم اِنَّ ذکر فعل ضمیر هو فاعل اَوَّلًا ظرف اٰتَی الْمَالَ عَلٰی حُبِّہٖ ذَوِی الْقُرْبٰی مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ الْاٰیَۃ کی ترکیب حسب سابق کرلیں ثُمَّ بَعْدَ ذٰلِكَ ظرف مقدم ذکر کا ذکر اپنے فاعل ضمیر هو اور مفعول بہ الزکوٰۃ اور ظرف مقدم اور ظرف مؤخر (حَیْثُ مضاف قَالَ فعل هو فاعل۔ اَقَامَ الصَّلٰوۃَ وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ مفعول بہ جملہ فعلیہ مضاف الیہ حیث کا حیث اپنے مضاف سے ملکر ظرف مؤخر ذکر کا) سے ملکر جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین ملکر خبر مبتدا (فالجهۃ الاولیٰ) کی جَلَّ عَجْدُہٗ فعل فاعل جملہ فعلیہ معترضہ تَعَالٰی وغیرہ کی طرح فالزکوٰۃ مبتدا جِهَۃٌ ثَانِیَۃٌ مرکب توصیفی خبر جملہ اسمیہ۔ لَا نفی جنس مَحَالَۃَ اسم لَہٗ محذوف متعلق محذوف خبر۔ جملہ اسمیہ۔ ثُمَّ اِنَّ هٰذَا الْحَقَّ موصوف الَّذِیْ موصول وَقَعَ سِوَی الزَّکٰوۃِ صلہ سے ملکر صفت۔ اسم اِنَّ۔ یَزْدَادُ فعل ضمیر ممیز اَهَمِّیَّۃً تمیز فاعل جملہ فعلیہ خبر۔ فَیَجِبُ فعل هُوَ ضمیر فاعل حَتْمًا باعتبار موصوف مفعول مطلق ای وجوبًا حتمًا کَوُجُوْبِ الزَّکٰوۃِ متعلق جملہ فعلیہ۔ اَلَا حرف تنبیہ

یا ہمزہ استفہام لاتری فعل با فاعل اِنَّ النَّاسَ اسم اَنْ تُحِیطَہُمُ الفَاقَۃُ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ تَعَمُّہُمْ فعل مفعول بہ ھُم فاعل الجماعۃ اور متعلق حَتّٰی تبلغ الفَسْمَہُم سے ملکر جملہ فعلیہ معطوف معطوف علیہ معطوف خبر۔ جملہ اسمیہ بتاویل مفرد مفعول بہ لاتری کا جملہ فعلیہ انشائیہ۔ یجب فعل عَلٰی کُلِّ مُسْتَطِیْعٍ متعلق اِنْفَاقٍ مضاف مَا اسم موصول اِسْتَطَاعَ جملہ فعلیہ صلہ مضاف الیہ۔ مضاف مضاف الیہ فاعل جملہ فعلیہ جواب استفہام وَلَوْ حَبَّاتٍ الخ ای ولو کانت الانفاق حبات کائنۃ من شعیر جملہ فعلیہ۔ والا ای وان لم تنفق ما استطاع تحیطہ النار الا شرط و جزا۔ کما احاطتہم المجاعۃ متعلق تحیط کے ہے۔ مثلہ یا مثالہ مبتدا محذوف قال رسول اللہ اپنے مقولہ اِتَّقُوا تا تمرۃ سے ملکر صلہ۔ موصول وصلہ کاف بمعنی مثل کا مضاف الیہ خبر۔ ھذا الوجوب مبتدا۔ لایختص بصاحب نصاب جملہ فعلیہ خبر۔ آگے ترکیب بالکل ظاہر ہے۔

(۴۶) لَیْسَ فعل ناقص یَشْبَعُ فعل اپنے فاعل (وجارہ جائع مبتدا و خبر۔ جملہ اسمیہ فاعل سے ملکر حال) جملہ صلہ۔ موصول وصلہ اسم لَیْسَ بِالْمُؤْمِنِ خبر لَیْسَ۔ واللہ اعلم

تشریح بیان سابق اور ترجمہ سے مقصود مؤلف بالکل ظاہر ہے۔ لیس بالمؤمن میں نفی کمال ایمان کی ہے۔ کہ ایسی سنگدلی مؤمن کی شایانِ شان نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس عبارت میں دو باتیں ارشاد فرمائی ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ نفقات سابقہ پر چونکہ زکوٰۃ کا عطف ہے۔ اور معطوف و معطوف علیہ میں تغایر ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مالی حقوق ہیں۔ دوسرے زکوٰۃ کے علاوہ حقوق کو گاہے گاہے زبردست اہمیت حاصل ہوجاتی ہے۔ جیسے کہ لوگوں پر جان لیوا فاقہ کی مصیبت آگئی۔ اور کسی کے پاس مال ہے۔ تو اگر خرچ کرکے مسلمانوں کی جان نہ بچائے گا تو سخت گنہگار ہوگا۔ کیونکہ ایسی قساوتِ قلب تعلیماتِ اسلامی و تقاضائے ایمانی کے خلاف ہے۔ قلب مؤمن کا حال تو یہ ہوتا ہے کہ ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے

(۴۷) وَقَالَ عَدِیُّ بْنُ حَاتِمٍ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

اور عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں

لَیَقِفَنَّ اَحَدُکُمْ بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَہٗ حِجَابٌ

سے ہر شخص اللہ کے سامنے اس طرح کھڑا ہوگا کہ اللہ کے اور اسکے درمیان کوئی پردہ ہوگا

وَلَا تُرْجُمَانٌ يُتَرْجِمُ لَهٗ ثُمَّ لَيَقُوْلَنَّ لَهٗ اَلَمْ اُوْتِكَ مَالًا فَلَيَقُوْلَنَّ
اور نہ ترجمان جو اس کا ترجمہ کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے، میں نے تجھ کو مال نہیں دیا تھا وہ کہیگا

بَلٰى ثُمَّ لَيَقُوْلَنَّ اَلَمْ اُرْسِلْ اِلَيْكَ رَسُوْلًا فَلَيَقُوْلَنَّ بَلٰى فَيَنْظُرُ عَنْ
کیوں نہیں۔ پھر پوچھیں گے کیا میں نے تیرے پاس رسول نہیں بھیجا تھا وہ کہیگا کیوں نہیں۔ پھر اپنی داہنی جانب نظر

يَّمِيْنِهٖ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ ثُمَّ يَنْظُرُ عَنْ شِمَالِهٖ فَلَا يَرٰى اِلَّا النَّارَ
کریگا تو آگ ہی دیکھے گا۔ پھر اپنی بائیں جانب دیکھے گا تو آگ ہی دیکھے گا۔

فَلْيَتَّقِيَنَّ اَحَدُكُمُ النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَاِنْ لَّمْ يَجِدْ فَبِكَلِمَةٍ
تو تم میں سے ہر ایک کو چاہیئے کہ آگ سے بچے اگرچہ چھوارے کے ایک ٹکڑے کے ذریعہ ہی کیوں نہ ہو اور اگر نہ

طَيِّبَةٍ۔ (بخاری شریف ص ۱۹ ج ۱ مشکوٰۃ ص ۴۸۵)
پائے تو اچھی بات ہی سے سہی۔

لغات لَيَقِفَنَّ (ض) کھڑا ہونا، چپ چاپ کھڑا ہونا۔ ٹھہرنا، واقف ہونا۔ مطلع ہونا۔ سمجھنا۔ کھڑا کرنا۔ ٹھہرانا۔ منع کرنا۔ وقف کرنا وغیرہ۔ حِجَابٌ پردہ، ہر وہ چیز جو دو چیزوں کے درمیان حائل ہو۔ تعویذ۔ حِجَاب الشمس آفتاب کی روشنی ج حُجُبٌ۔ حَجَبَ حَجْبًا حِجَابًا (ن) چھپانا۔ اندر آنے سے روکنا۔ حائل ہونا۔ تنگ ہونا۔ دربان ہونا۔ حَاجِب دربان۔ کنارہ ج حُجَّابٌ وحَجَبَةٌ حِجَابَةٌ دربانی۔ مَحْجُوْبٌ اندھا۔ تُرْجُمَانٌ بفتح التاء وضمها وبضم الجیم وضاحت وتفسیر کرنیوالا۔ تَرْجَمَ بروزن بَعْثَرَ اخلاق وعادات بیان کرنا۔ دوسری زبان میں کلام کی تفسیر کرنا۔ تَرْجُمَان کی جمع تَرَاجِم وتَرَاجِمَة۔ ترجمہ سوانح عمری۔ ترجمۃ الکتاب کتاب کا دیباچہ۔ طَيِّبَةٌ۔ طَيِّب کی مؤنث پاکیزہ۔ اچھا۔ حلال۔ كَلِمَةٌ طَيِّبَةٌ پاکیزہ کلمہ جسمیں کوئی مکروہ وناگوار خاطر بات نہ ہو۔ عمدہ بات۔ میٹھا بول۔ بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ مامون شہر جس میں برکت زیادہ ہو۔ جمع طَيِّبَاتٌ۔ وطُوْبٰى (ض) لذیذ ہونا۔ میٹھا ہونا۔ اچھا اور عمدہ ہونا۔ خوش ہونا۔

ترکیب لَيَقِفَنَّ فعل اَحَدُكُمْ فاعل بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ ظرف لَيْسَ اپنے اسم وخبر سے مل کر اَحَدُكُمْ سے حال۔ جملہ۔ اَلَمْ اُوْتِكَ مَالًا فعل با فاعل دونوں مفعولوں سے ملکر جملہ۔

ـه ترجمان هو بفتح التاء المثناة وقد تضم مع ضم الجيم وقد يفتحان وهو مفسر اللسان بلسان آخر الفعل يدل على اصالة التاء وفى التهذيب التاء اصلية وليست بزائدة وهو كزعفران اى مفسر للكلام بلغة عن لغة ۱۲

اسی طرح اگلا جملہ بَلیٰ ای اٰتیتنی مالاً وارسلتنی الیَّ رسولاً۔ فَلْیَتَّقِیَنَّ یہ اذا عن فلعم ذلک شرط محذوف کی جزا ہے اور عَنْ یَمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ کی ضمیر یا تو موقف کی طرف راجع ہے یا احد کی طرف۔ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَۃٍ ای ولا تظلموا احدًا ولو بشق تمرۃٍ او اتقوھا ولو بتصدق شق تمرۃٍ۔ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا شرط فَاتَّقُوا النَّارَ بِکَلِمَۃٍ طَیِّبَۃٍ جزا۔

تشریح قیامت کے دن تم سب اللہ جلَّ شانہٗ کی جلال وعظمت والی بارگاہ میں اس طرح کھڑے ہوگے کہ تمہارے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کوئی پردہ نہوگا۔ اور کوئی ترجمان بھی نہوگا کہ ایک دوسرے کے درمیان واسطہ بنجائے۔ بلکہ بلا واسطہ سوال وجواب ہوں گے۔ حق تعالیٰ انعامات کا ذکر فرمائیں گے۔ بندے اقرار واعتراف کریں گے۔ مثلاً یہ کہ میں نے کیا تجھ کو مال نہیں دیا تھا؟ بندہ اعتراف کریگا۔ فرمایا جائیگا کہ میں نے تیرے پاس رسول وہادی نہیں بھیجا تھا؟ (جو تجھ کو جانی ومالی حقوق وغیرہ کے بارے میں ہدایت کردے) بندہ اقرار کریگا۔ بندہ اپنے داہنے بائیں نظر ڈالیگا کہ کوئی نجات کا راستہ ملجائے۔ کوئی مددگار مہیا ہوجائے۔ مگر وہاں تو ہر طرف ہلاکت ہی ہلاکت اور اعمالِ بد کے نتائج دوزخ کی شکل میں رونما ہوں گے۔ اخیر میں دوزخ سے بچنے کا ایک اکسیر عمل تعلیم فرمایا وہ ہے صدقہ، خواہ تھوڑا ہی کیوں نہو۔ اسلئے کہ صدقہ اللہ کے غصہ (دوزخ) کی آگ کو اس طرح بجھا دیتا ہے جس طرح پانی اس دنیاوی آگ کو بجھا دیتا ہے۔ لیکن اگر صدقہ کرنے کے لئے کسی مسکین کو کوئی چیز دستیاب نہ ہوسکے تو عمدہ بات کہکر، میٹھا بول بولکر خلقِ خدا سے خوش اخلاقی کا برتاؤ کرکے ہی جہنم سے بچ جائے اور سب سے اچھی بات دین کی دعوت وتبلیغ ہے۔ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ (اس سے اچھی بات کسی کی بھی نہیں جو اللہ کے بندوں کو اللہ کی طرف بلائے)۔

حضرتِ عَدِیّ بن حَاتِم رضی اللہ عنہ یہ مشہور جواد حاتم طائی کے بیٹے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں شعبان ۹ھ میں حاضر ہوکر مشرف باسلام ہوئے۔ بعد میں کوفہ میں رہنے لگے تھے۔ جنگِ جمل میں حضرتِ علیؓ کے ساتھ تھے۔ اسی جنگ میں ایک آنکھ پھوٹ گئی تھی۔ جنگ صفین ونہروان میں شریک رہے۔ کوفہ میں ۶۷ھ میں بعمر ایکسو بیس ۱۲۰ سال وفات پائی۔ بعض نے کہا کہ قرقیسیا میں انتقال ہوا۔ وروی عنہ جماعۃ۔ واللہ اعلم

(۴۸) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَیَسْئَلُوْنَکَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ط قُلِ الْعَفْوَ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ
اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ کتنا خرچ کیا کریں آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو۔
اللّٰہُ لَکُمُ الْاٰیٰتِ لَعَلَّکُمْ تَتَفَکَّرُوْنَ o فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ۔ (پ ۲ ع ۱۱)
اللہ تعالیٰ اسی طرح احکام صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم دنیا وآخرت کے معاملات میں سوچ لیا کرو۔

لُغات

اَلْعَفْوُ مصدر، فضل و حروف۔ خرچ سے زائد جس کا دینا دشوار نہ ہو (۲) درگذر کرنا۔ معاف کرنا۔ بھیک مانگنا۔ مرنا، ہلاک ہونا۔ مٹنا اور چھوڑ دینا، مٹا دینا۔ تَتَفَكَّرُوْنَ سوچنا۔ غور کرنا اصل سے فکر، سوچ بچار کرنا ہے۔ اَفْكَار، فِكْرِيٌّ، فِكِّيْرٌ بہت سوچ بچار کرنے والا۔

ترکیب

يَسْـَٔلُوْنَكَ فعل فاعل مفعول بہ۔ مَا استفہامیہ بمعنی اَيُّ قَدْرٍ مبتدا۔ ذَا اسم موصول يُنْفِقُوْنَ جملہ فعلیہ صلہ، خبر، جملہ اسمیہ يَسْـَٔلُوْنَكَ کے مفعول ثانی کے قائم مقام ہے یا مَاذَا بمعنی اَيُّ قَدْرٍ مفعول بہ مقدم يُنْفِقُوْنَ کا جملہ فعلیہ قائم مقام مفعول ثانی۔ قُلِ الْعَفْوَ ای قُلْ اَنْفِقُوا الْعَفْوَ جملہ فعلیہ انشائیہ مقولہ مفعول بہ۔ كَذٰلِكَ ای کما ذکر۔ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ فعل فاعل متعلق۔ الْاٰيٰتِ مفعول بہ۔ نیز كَذٰلِكَ متعلق مقدم سے ملکر جملہ فعلیہ۔ لَعَلَّكُمْ كُمْ اسم لَعَلَّ تَتَفَكَّرُوْنَ فعل فاعل فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ متعلق جملہ خبر لعل۔

تشریح

حضرت عبد اللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ میں نے کوئی جماعت حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے بہتر نہیں دیکھی (کہ دین کے ساتھ انتہائی شغف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی محبت کے باوجود) انہوں نے سوالات بہت کم کیے۔ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کل تیرہ مسائل میں سوال کیا ہے۔ جن کا جواب قرآن میں دیا گیا۔ کیونکہ حضرات بلاضرورت سوال ذکر تے تھے۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ الخ بھی صحابہ کرامؓ کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔ اس سے پہلے رکوع میں بھی ایک آیت انہی الفاظ سے شروع ہے۔ لیکن پہلے رکوع والی آیت میں مصارفِ انفاق کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اور اِس (مذکرہ بالا) آیت میں مقدارِ مال کا تذکرہ ہے۔ دونوں جگہ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ۔ کے جواب میں اختلافِ جواب دراصل نوعیتِ سوالات کے اختلاف پر مبنی ہے۔ کیونکہ پہلی آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ حضرت عمرو بن جموحؓ نے جو ایک متمول صحابی تھے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کیا تھا مَا نُنْفِقُ مِنْ اَمْوَالِنَا وَاَيْنَ نَضَعُهَا (ہم اپنے مالوں میں سے کیا خرچ کریں اور کہاں خرچ کریں) ابن جریرؒ کی روایت کے موافق یہ سوال صرف حضرت عمرو بن جموحؓ کا نہ تھا بلکہ عام مسلمانوں کا تھا۔ تو سوال کے پہلے جزء یعنی ، کہاں خرچ کریں ، کے متعلق فرمایا گیا۔ مَا اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ الخ جو کچھ تمہیں رضائے حق کے لئے خرچ کرنا ہو تو اس کے مستحق والدین ، رشتہ دار ، یتیم ، مسکین اور مسافر ہیں۔ اور دوسرے جزء یعنی ، کیا خرچ کریں ، کے متعلق ضمناً ارشاد فرمایا گیا۔ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ۔

یعنی تم جو کچھ بھلائی کروگے اللہ کو خوب معلوم ہے۔ یعنی اللہ کی طرف سے مقدار پر پابندی نہیں بلکہ حسب استطاعت جو خرچ کروگے اس کا اجر و ثواب پاؤ گے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس میں شاید سائلین کے پیش نظر مصارف کی زیادہ اہمیت تھی جس کو وضاحت سے بالاصالۃ اور مقدار کو ضمناً بیان کر دیا گیا۔

اور مذکورہ بالا آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ جب قرآن میں مسلمانوں کو یہ حکم ہوا کہ وہ اپنے مالوں کو راہِ خدا میں صرف کریں۔ تو چند صحابہؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر اس حکم کی وضاحت چاہی کہ کیا مال اور کونسی چیز اللہ کی راہ میں خرچ کیا کریں۔ تو اس سوال میں صرف یہی بات ہے کہ کیا خرچ کریں، اس لئے اس آیت میں اس کا جواب یہ ارشاد فرمایا گیا قُلِ الْعَفْوَ یعنی آپ فرما دیجئے کہ جو کچھ تمہاری ضروریات سے زائد ہو وہ خرچ کرو۔ ان دونوں آیتوں کے متعلق چند مختصر باتیں یاد رکھئے اور تفصیلات تفاسیر میں دیکھئے۔

(۱) یہ دونوں آیتیں زکوٰۃ کے متعلق نہیں ہیں۔ زکوٰۃ کے لئے کیونکہ نصاب مال و مقدار وغیرہ سب چیزیں متعین ہیں۔ اور ان آیتوں میں نصاب و مقدار وغیرہ کی تعیین نہیں۔ ان میں نفلی صدقات کا ذکر ہے۔ جو والدین وغیرہ سب ہی پر خرچ کر سکتے ہیں۔

(۲) معلوم ہوا کہ والدین و اقرباء پر خرچ کرنا بشرطیکہ خوشنودیٔ حق کی نیت ہو باعث اجر و ثواب ہے۔

(۳) جو آیت یہاں مذکور ہے اس سے معلوم ہوا کہ نفلی صدقات میں وہی مال خرچ کرنا چاہئے جو ضروریات سے زائد ہو۔ اپنے اہل و عیال کو تنگی میں ڈال کر ان کی حق تلفی کر کے نفلی صدقات میں مال خرچ کرنا موجبِ ثواب نہیں۔ اسی طرح مقروض اگر اپنے قرض کی ادائیگی کی بجائے نفلی صدقات دیتا ہے۔ تو یہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ اور بعض دوسرے زہاد نے اس حکم کو وجوبی قرار دیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ زکوٰۃ اور تمام حقوق ادا کرنے کے بعد اپنی ملکیت میں مال جمع رکھنا جائز نہیں۔ جمہور صحابہؓ و تابعینؒ اور ائمہ دینؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ راہِ خدا میں خرچ کرنا ہو وہ ضروریات سے زائد ہونا چاہئے۔ یہ نہیں کہ ضرورت سے زائد جو کچھ ہو اس کو صدقہ کر دینا ضروری یا واجب ہے۔ صحابہ کرامؓ کے تعامل سے یہی ثابت ہے۔

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ o فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ میں اسی طرف اشارہ ہے کہ دنیا و آخرت دونوں کی مصالح پیشِ نظر رکھو۔ اور خوب سوچ سمجھ کر اسلامی احکام پر عمل درآمد کرو۔ اسلام ہرگز یہ نہیں چاہتا کہ میرے ماننے والوں کی دنیا بگڑ جائے یا آخرت خراب ہو جائے۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہمارے پاس مال نہ ہو تو دنیا کے لوگ ہمیں (ناک پونچھنے کا) رومال بنالیں۔ (مشکوٰۃ) یعنی جس طرح چاہیں ہم کو اچھے برے کاموں میں استعمال کرلیں۔ اہلِ علم کے لئے حضرت سفیانؒ کا یہ قول بہت عبرتناک ہے۔ جب سے ہماری جماعت میں اہلِ ثروت کی احتیاج داخل ہوگئی اسوقت

سے وہ مفاسد اور فتنے رونما ہو رہے ہیں جن کو ہم سب خوب جانتے ہیں۔ الامان والحفیظ۔
یہ واضح رہے کہ تحصیلِ مال جائز طریقہ پر ہونا چاہیئے۔ ورنہ ایسا مال جو حرام طریقہ پر جمع کیا گیا ہو افلاس سے زیادہ خطرناک ہے۔ خصوصًا جہنم کی اس ہولناک راہ سے بالکل ہی احتیاط کیجیئے۔ جس راہ پر اس دور کے اکثر اربابِ اہتمام بڑی دلیری سے دوڑ رہے ہیں۔ اور مدرسین و ملازمین کا گلا گھونٹ کر یا مدارس کی رقمیں گول کر کر کے وہ متمول، موٹے اور گول ہو رہے ہیں۔ درحقیقت ان کو نہ خوفِ خدا ہے نہ آخرت کا یقین۔ ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی۔
بہرحال مذہبِ اسلام نے ایسے زریں اصول اپنے ماننے والوں کو دیئے ہیں جن پر کاربند ہونے میں دارین کی فلاح و بہبود کی ضمانت ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مدعیانِ اسلام ہی آج اصولِ اسلام کے قدرداں نہ رہے۔ اور فریبِ نفس کے سبب دامِ غفلت میں پھنس گئے۔ اس کا علاج فکرِ آخرت اور انجام پر توجہ ہے۔ اور یہ مایۂ اصحابِ فکر و اہلِ توجہ کے یہاں ملتی ہے۔ پھر اگر جنسِ یقین اور فکرِ انجام کا سرمایہ آپ کے پاس ہے۔ تو آپ مالدار ہوں یا نادار ہر حال اچھا ہے۔

---

(۴۹) وَقَدْ حَدَّثَ الْمُنْذِرُ بْنُ الْجَرِيرِ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ
اور بیان کیا منذر بن جریرؓ نے اپنے والد سے نقل کر کے وہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِىْ صَدْرِ النَّهَارِ فَجَآءَ قَوْمٌ عُرَاةٌ حُفَاةٌ مُتَقَلِّدِى
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے دن کے شروع حصے میں تو کچھ لوگ آئے ننگے بدن ننگے پیروں تلواریں
السُّيُوْفِ عَامَّتُهُمْ مِنْ مُضَرَ بَلْ كُلُّهُمْ مِنْ مُضَرَ فَتَغَيَّرَ وَجْهُ رَسُوْلِ
لٹکائے ہوئے تھے، ان میں اکثر قبیلۂ مضر کے لوگ تھے بلکہ سب ہی قبیلۂ مضر کے تھے۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ متغیر ہو گیا۔
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَا رَاٰى بِهِمْ مِّنَ الْفَاقَةِ فَدَخَلَ ثُمَّ خَرَجَ
اس وجہ سے کہ ان پر فقر و فاقہ کے آثار ملاحظہ فرمائے تو آپ اندر تشریف لے گئے پھر باہر تشریف لائے
فَاَمَرَ بِلَالًا فَاَذَّنَ فَاَقَامَ الصَّلٰوةَ فَصَلّٰى ثُمَّ خَطَبَ فَقَالَ يٰاَيُّهَا النَّاسُ عہ
اور حضرت بلالؓ کو اذان دینے کا حکم دیا انہوں نے اذان دی اور اقامت کہی پھر آپ نے نماز کے بعد خطبہ دیا اور فرمایا اے لوگو!
اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ عہ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا
تم اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا اور اس سے اس کا جوڑا بنایا۔

عہ قال علی القاریؒ یاایھا النّاس ای المومنون فما قال بعض السّلف ان کل ما فی القراٰن من قولہ یایھا النّاس خطاب للکفّار غالبی ۱۲ ن عہ نفس واحدۃ المرکب التوصیفی فی موضع النصب من خلقکم ومن لابتداء الغایۃ وکذا منھما۔ فافھم۔ ۱۲ ن

وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَّنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهٖ

اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں (دنیا میں) پھیلا دیئے۔ اور تم اللہ سے ڈرو جس کے واسطے سے تم ایک دوسرے

وَالْاَرْحَامَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ○ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ

(اپنے حقوق کا) سوال کرتے ہو۔ اور رشتہ داری توڑنے سے ڈرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ تمہارا نگراں ہے۔ اور اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو

مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ تَصَدَّقَ رَجُلٌ مِّنْ دِيْنَارِهٖ مِنْ دِرْهَمِهٖ مِنْ ثَوْبِهٖ

دیکھنا چاہیئے کہ اس نے کل کے لئے آگے کیا بڑھایا ہے۔ تو ہر شخص نے اپنے دینار اپنے درہم اپنے کپڑے

مِنْ صَاعِ بُرِّهٖ مِنْ صَاعِ تَمْرِهٖ حَتّٰى قَالَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَجَاءَ رَجُلٌ

اپنے گندم کی صاع اور اپنے چھواروں کی صاع سے صدقہ دیا یہاں تک کہ آپ نے ارشاد فرمایا کہ گو ایک کھجور کا ٹکڑا ہی کیوں نہو

مِّنَ الْاَنْصَارِ بِصُرَّةٍ كَادَتْ كَفُّهٗ تَعْجِزُ عَنْهَا بَلْ قَدْ عَجَزَتْ ثُمَّ

تو ایک انصاری صحابی ایک تھیلی لائے کہ اس کو اٹھانے سے ان کا ہاتھ تھکا جاتا تھا بلکہ تھک ہی گیا تھا۔ پھر لوگوں نے

تَتَابَعَ النَّاسُ حَتّٰى رَاَيْتُ كَوْمَيْنِ مِنْ طَعَامٍ وَّثِيَابٍ حَتّٰى رَاَيْتُ

پے بہ پے صدقہ دیا یہاں تک کہ میں نے دو ڈھیر غلے اور کپڑوں کے دیکھے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ

وَجْهَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَهَلَّلُ كَاَنَّهٗ مُذْهَبَةٌ فَقَالَ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور ایسا چمکنے لگا گویا کہ وہ سونے سے لپا ہوا ہے۔ پھر

رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً حَسَنَةً

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے اسلام میں اچھا طریقہ جاری کیا تو

فَلَهٗ اَجْرُهَا وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يَّنْقُصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَيْءٌ

اس کو اس کا ثواب ملیگا۔ اور اس کا ثواب بھی ملیگا جس نے اسپر عمل کیا بغیر اسکے کہ عمل کرنیوالوں کے ثوابوں میں سے

وَمَنْ سَنَّ فِي الْاِسْلَامِ سُنَّةً سَيِّئَةً فَلَهٗ وِزْرُهَا وَوِزْرُ مَنْ عَمِلَ

کچھ کم کیا جائے اور جو شخص اسلام میں کوئی بُرا طریقہ جاری کریگا تو اس کو اس کا گناہ ہوگا۔ اور اسپر عمل کرنیوالوں

بِهَا مِنْ غَيْرِ اَنْ يُّنْقَصَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَيْءٌ

کا بھی گناہ ہوگا۔ بغیر اس کے کہ ان لوگوں کے گناہوں میں سے کچھ کم کیا جائے۔

(نسائی شریف ص ۳۵۵/۱ و مسلم شریف ص ۳۲۷/۱ ترمذی شریف ص ۱۱۹/۲ و مشکوٰۃ شریف کتاب العلم ص ۳۳)

سے کثیرًا صفۃ لرجالًا والقیاس کثیرۃ لان الجمع یکون فی حکم المؤنث لکن المذکر فی صفۃ الجمع کثیر فی کلام الفصحاء کما یطرد اسناد الفعل المذکر الی جمع المؤنث نحو قال نسوۃ والارحام منصوب لانہ معطوف علی اللّٰہ فی واتقوا اللّٰہ ۱۲ ن

لغات

صَدْرُ النہار ای اوّلہ۔ صَدر ہر چیز کا سامنے سے اُوپر کا حصّہ، سینہ، ہر چیز کا ابتدائی حصّہ، مطلق حصّہ۔ الصّدر الاعظم وزیرِ اعظم ج صُدُوْر (ن ض) واپس ہونا، متوجہ ہونا، پیدا ہونا۔ حاصل ہونا۔ ظاہر ہونا۔ مَصْدَر جائے صدور۔ اصل مشتقات۔ ج مَصَادِر۔ مُتَقَلِّدِی جمع المذکر سقط نونہ لاجل الاضافۃ الی السّیوف والتقلّد قِلادہ ساختن قَلَدَ قَلْدًا (ض) رسی بٹنا، موڑنا۔ قَلَّدَ ہار پہنانا۔ سپرد کرنا۔ پیروی کرنا۔ السّیوف سیف کی جمع تلوار، نیز ج سُیُوْف اَسْیُف۔ مَسِیْفَۃٌ (ض) تلوار سے مارنا۔ مُقَاعلۃ سے باہم تلوار بازی کرنا۔ سَیَّافٌ شمشیر زن۔ مُضَرَ علی وزنِ عُمَرَ قبیلۃ عظیمۃ من العرب، فتغیّر وفی روایۃ فتمعّر معناھما واحد۔ فَاقَۃٌ محتاجی فَاقَاتٌ جمع (ن) بلند ہونا۔ خَطَبَ خُطْبَۃً (ن) وعظ کہنا، خطبہ دینا۔ خِطْبَۃٌ پیغامِ نکاح دینا۔ بَثَّ (ن ض) پھیلانا، بکھیرنا، اڑانا۔ رَقِیْبًا نگراں۔ محافظ۔ نگہبان ج رُقَبَاء (ن) نگہبانی کرنا۔ اِنتظار کرنا۔ ڈرانا۔ غَدٌ آئندہ کل۔ غَدَا یَغْدُوْ غُدُوًّا (ن) صبح کے وقت جانا، سویرے آنا۔ غَدًا صبح۔ طلوعِ صبحِ صادق سے طلوعِ آفتاب تک کا وقت۔ غَدَاء صبح کا کھانا۔ ناشتہ ج اَغْذِیَۃ۔ صُرَّۃٌ تھیلی، بٹوا، ہمیانی۔ ج صُرَرٌ۔ تَعِبَ (س) تھکنا۔ عاجز ہونا۔ موٹا ہونا۔ بڑے پیٹ والا ہونا، سخت ہونا۔ (ن)، گردن موڑنا۔ پھاڑنا۔ کَوْمَیْن مثنیٰ کَوْمَۃٌ بفتح الکاف ڈھیر یَتَهَلَّلُ دمکتے ہوئے چہرے والا ہونا، چمک اٹھنا۔ هَلَّ هَلًّا (ن) زور سے برسنا۔ نیا چاند نکلنا۔ تَهْلِیْل لا الٰہ الّا اللہ کہنا۔ مُذْهَبَۃ باب اِفعال سے اسمِ مفعول۔ سونے کا پانی پھرا ہوا۔ ذَھَبٌ سونا (ف)، جانا۔ گذرنا۔ مرنا۔ (س) سونے کی کان میں بہت سا سونا پاکر حیران ہونا۔ مَذْهَبٌ روش۔ طریقہ۔ اعتقاد۔ اصل، ج مَذَاهِب۔ سَنَّ (ن) جاری کرنا۔ تیز کرنا۔ سُنَّۃٌ طریقہ مسلوکہ فی الدین۔ یَنْقُصُ (ن)، گھٹانا۔ کم کرنا، وِزْر گناہ۔ گرانی۔ بھاری بوجھ۔ ج اَوْزَارٌ (ض)، بھاری بوجھ اُٹھانا۔ گنہگار ہونا۔

ترکیب

حَدَّثَ فعل فاعل ومتعلق جملہ فعلیہ۔ عَنْ اَبِیْہِ کو حال بھی بنا سکتے ہیں ای رَاوِیًا عَنْ اَبِیْہِ۔ کُنَّا اسم ضمیر متکلم مع الغیر ومتعلق جملہ فعلیہ۔ جَاءَ فعل قَوْمٌ ذوالحال عُرَاۃً۔ حُفَاۃً۔ مُتَقَلِّدِی السُّیُوْفِ تینوں حال۔ ذوالحال وحال مبدل منہ۔ عَامَّتُهُمْ مبتدا اپنی خبر سے ملکر معطوف علیہ۔ اپنے معطوف سے مل کر بدل۔ مبدل منہ وبدل فاعل جَاءَ جملہ فعلیہ (عَامَّتُهُمْ اور اس سے اگلے جملے کی ترکیب الگ بھی کر سکتے ہیں) فَتَغَیَّرَ فعل۔ مرکب اضافی فاعل۔ جار مجرور سے ملکر جملہ فعلیہ۔ فَدَخَلَ وَخَرَجَ ہر اک جملہ فعلیہ۔ فَاَمَرَ بِلَالًا جملہ فعلیہ۔ اس سے آگے ہر اک جملہ فعلیہ فَقَالَ یَاَیُّهَا النَّاسُ جملہ ندا۔ اتَّقُوْا فعل با فاعل۔ رَبَّكُمْ مرکب اضافی موصوف۔ خَلَقَكُمْ فعل فاعل مفعول بہ متعلق جملہ فعلیہ۔ اگلے جملے بھی دونوں اسی طرح۔ یہ سب

اَلَّذِیْ کے لئے صلہ۔ موصول وصلہ صفت اتَّقُوْا کا مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف علیہ وَاتَّقُوْا
فعل با فاعل اللّٰہَ موصوف اَلَّذِیْ اپنے صلہ جملہ فعلیہ تَسَاءَلُوْنَ بِہٖ سے مل کر صلہ۔ موصول وصلہ
صفت۔ موصوف وصفت مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف۔ اِتَّقُوْا فعل با فاعل محذوف،
اَلْاَرْحَامَ مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ معطوف ثانی۔ اِنَّ اللّٰہَ اسم۔ کَانَ فعل ضمیر ھو اسم رَقِیْبًا
اپنے متعلق عَلَیْکُمْ سے مل کر خبر۔ جملہ خبر اِنَّ۔ جملہ اسمیہ۔ وَاتَّقُوْا اللّٰہَ جملہ فعلیہ انشائیہ۔ وَلْتَنْظُرْ
فعل امر نَفْسٌ فاعل مَا موصولہ قَدَّمَتْ لِغَدٍ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ صلہ مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ
انشائیہ۔ تَصَدَّقَ رَجُلٌ فاعل (رجل نکرۃ وضعت موضع الجمع ومن کرر فی الحدیث
مرارًا بلا عطفٍ لتستقلّ کل جملۃ ولا یتوھّم انہ کان صاعًا واحدًا من کلِ جنسٍ
بل علیٰحدۃٍ علیٰحدۃٍ۔ فافہم وتفکر فی الترکیب)، مِنْ دِیْنَارِہٖ متعلق جملہ فعلیہ۔ وکذلک
تصدق رجل من درھمہ الخ فَجَاءَ فعل رَجُلٌ کائنًا مِنَ الْاَنْصَارِ ذوالحال وحال فاعل
کَادَتْ اپنے اسم وخبر ومتعلق سے مل کر جملہ معطوف علیہ۔ بَلْ قَدْ عَجَزَتْ جملہ فعلیہ معطوف، دونوں
جملے صفت صُرَّۃٍ اپنی صفت سے مل کر مجرور متعلق فعل جملہ فعلیہ۔ ثُمَّ تَتَابَعَ فعل النَّاسُ فاعل
رَاَیْتُ فعل با فاعل مفعول بہ کَوْمَیْنِ اور متعلق مِنْ طَعَامٍ وَثِیَابٍ سے مل کر مجرور متعلق جملہ فعلیہ۔
ولعل الاقتصار علیھما من غیر ذکر النقود لغلبتھما۔ واللہ اعلم۔ حَتّٰی رَاَیْتُ
فعل با فاعل وَجْہَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ذوالحال یَتَھَلَّلُ جملہ فعلیہ حال مفعول بہ۔ جملہ مجرور۔ یہ حتیٰ پہلے حتیٰ سے
بدل ہے۔ کَاَنَّ حرف تشبیہ ہٗ اسم مُذْھَبَۃٌ خبر جملہ اسمیہ وفی روایۃ مُدْھَنَۃٌ بالدال المھملۃ
ای المطلی بالدھن والصحیح المشھور ھو الاول والمراد بہ علی الوجھین الصفاء والاستنارۃ
بالسرور الحاصل باعانۃ المساکین الذین جاءُوا من مضر۔ سَنَّ فعل ضمیر ھو فاعل
فی الاسلامِ متعلق سُنَّۃً حَسَنَۃً مفعول مطلق۔ جملہ فعلیہ شرط۔ فَلَہٗ خبر مقدم اَجْرُھَا معطوف علیہ
وَاَجْرُ مَنْ عَمِلَ بِھَا الخ بترکیب معہود معطوف مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ جزا وکذا الجملۃ التالیۃ بعینھا۔

تشریح منذر کے والد حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم دوپہر کے وقت
حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ قبیلۂ مُضَر کے نہایت شکستہ حال
لوگ آئے۔ اُن کے فقر وفاقہ اور محتاجی کو دیکھ کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت ملال ہوا۔
اور رنج وغم کے آثار چہرۂ انور پر ظاہر ہوگئے۔ آپ فوراً ہی اندر تشریف لے گئے اور باہر تشریف
لائے۔ ممکن ہے کہ آپ دولتکدہ میں اسلئے تشریف لے گئے ہوں کہ شاید ان کی فوری اعانت کیلئے
کچھ کھانا کپڑا خرچہ دستیاب ہوجائے۔ یا تجدیدِ طہارت اور نماز و وعظ کی تیاری کیلئے تشریف

لے گئے ہوں۔ انتہائی تاثر بھی اس کا باعث ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم۔ بہرحال آپ نے حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔ اذان ہوئی، لوگ جمع ہوگئے۔ اقامت کہی گئی۔ اور نماز سے فراغت کے بعد آپؐ نے مسلمانوں کو مال خرچ کرنے کی ترغیب دی۔ اذان واقامت سے معلوم ہوا کہ فرض نماز تھی — اور فِي صَدْرِ النَّهَارِ کے لفظ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ نمازِ ظہر یا نمازِ جمعہ تھی۔ آپ نے اس خطبہ میں سورۂ نساء کی پہلی آیت اور سورۂ حشر کی ایک آیت کا ٹکڑا موقع کے مناسب تلاوت فرمایا۔ اول میں اس طرف اشارہ ہے کہ سب آدمی مرد اور عورتیں چونکہ ایک باپ اور ایک ماں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسلئے سب آپس میں انسانی رشتہ سے بھائی بہنیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ بھائی بہنوں میں آپس میں ایک دوسرے سے ہمدردی ہونی چاہیئے۔ اور سورۂ حشر کی آیت میں اس ہمدردی کے تقاضے کے ساتھ اس کے نتیجہ کو بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ کہ آج جو کچھ بوؤگے کاٹوگے کل یعنی آخرت کے لئے ہر شخص کو انتظام کرنا ضروری ہے۔ اس ترغیب پر جاں نثار صحابہؓ نے دل کھول کر ہر قسم کے صدقات پیش کردیئے۔ کپڑوں اور غلوں کے ڈھیر لگ گئے۔ آپ نے یہ بھی تنبیہ فرمائی کہ معمولی اور تھوڑی سی چیز بھی اگر کسی کے پاس ہو تو دینے میں پس وپیش نہ کریں۔ بلکہ کھجور کا ایک ٹکڑا بھی (حاجت سے زائد) ہو تو خرچ کرکے دوزخ کی آگ سے بچو۔ ایک انصاری صحابیؓ توڑوں سے بھری ہوئی پوری ہمیانی ہی اٹھالائے، اور ہانپتے کانپتے وہ وزنی تھیلی سرکار کے قدموں پر نثار کردی۔ آقائے نامدار نے اپنے غلاموں اور سچے جاں نثاروں کی اس مسابقت واطاعت کا مظاہرہ ملاحظہ فرمایا، اور آنیوالے محتاجوں کی ضروریات کا چشم زدن میں انتظام ہوتے دیکھا تو آپ کا قلب اطہر خوشی سے باغ باغ ہوگیا۔ اور چہرۂ انور پر اس کے آثار نمایاں ہوگئے۔ چہرۂ مبارک اس طرح کھل گیا کہ گویا اس پر سونے کا پانی پھیر دیا گیا ہے۔ صَلَوَاتُ اللّٰهِ وَسَلَامُهٗ عَلَيْهِ بَعْدَدِ كُلِّ ذَرَّةٍ مِائَةَ أَلْفِ مَرَّةٍ۔ پھر حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مَنْ سَنَّ الخ میں اس شخص کی حوصلہ افزائی فرمائی جس نے تصدّق میں سبقت کی۔ بلکہ اجتماعی اُمورِ خیر ورفاہی کاموں کے اہتمام اور اُن کی دعوت کی ترغیب بھی دی۔ اور منکرات اور برائیوں سے بچنے بچانے کی طرف بھی متوجہ فرمایا۔ اور ہر دو قسم کے کاموں پر نفع ونقصان کے مرتب ہونے والے نتائج سے بھی آگاہ فرمادیا۔ کہ جو شخص کسی طریقۂ خیر کو رائج کریگا اور خود بھی اسپر کاربند ہوگا تو اپنے عمل کے ثواب کے علاوہ تمام عاملین کے عمل کی برابر اس کو اجر وثواب کا استحقاق ہوگا۔ اور بُری رسوم جاری کرنے والا اپنے عملِ بد کے نتائج کے ساتھ ساتھ ان رسومِ بد پر تمام عمل درآمد کرنیوالوں کے برابر سزا کا مستحق مجرم قرار پائیگا۔ اس میں حضرات صحابہؓ کی زبردست فضیلت وعظمت کا بیان بھی ضمناً آگیا۔ کیونکہ نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے جملہ طرقِ خیر کو حضرات صحابہؓ ہی نے رواج دیا ہے۔ اسلئے وہ حضرات اپنے ذاتی اعمال اور صحبت رسول وغیرہ خصوصیات کے علاوہ تاقیامت پوری امتِ محمدیہ کے اُجور کے برابر اجر وثواب کے مزید مستحق قرار پائے۔

حضرات صحابہؓ کی خوش نصیبی کا اندازہ کیجئے۔ سبحان اللہ۔ یاد رکھیئے کہ اُن علمائے حق کو بھی ان حضرات کی میراث میں سے زبردست دولت ملتی ہے۔ جن کا نصب العین سُنن خیر کا اجراء، اور دینِ اسلام کا احیاء ہوتا ہے۔

آیت پاک: یٰاَیُّھَا النَّاسُ۔ یہ خطاب تمام انسانوں کو عام ہے۔ وہ مرد ہوں یا عورتیں۔ قرآن نازل ہونے کے وقت موجود ہوں یا آئندہ قیامت تک پیدا ہوں۔ اِتَّقُوْا رَبَّکُمْ۔ اپنے رب سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرنے کے یہ معنی نہیں کہ (معاذ اللہ) وہ ہوّا ہے یا ستمگر ہے یا کوئی ایسی مکروہ و خوفناک چیز ہے جس سے طبعًا لوگ بچتے ہیں۔ کیونکہ اللہ جل شانہ تو سب محبوبوں سے زیادہ محبوب اور سب پیاروں سے زیادہ پیارا ہے۔ بلکہ یہ معنی ہیں کہ اس کی نافرمانی و مخالفتِ امر سے بچو۔ اور نافرمانی کے ثمرۂ بد سے ڈرو۔ اور رب کے لفظ سے تقویٰ کی علت و حکمت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ کہ اس کی شانِ ربوبیت کا مشاہدہ کرتے ہوئے بھی اس کی نافرمانی کس قدر خطرناک ہوگی۔ نیز جب تم کو ایک ذات پالنے والی ہے تو بخل اور کنجوسی نہ کرو۔ بلکہ دریا دل سخی ہوکر یتامیٰ و مساکین وغیرہ کی پرورش کرو۔ اور انسانوں کے حقوق متعلقہ کی ادائیگی کرتے رہو۔ آگے اسی صفتِ ربوبیت کی ایک خاص شان کو ذکر فرمایا۔ اَلَّذِیْ خَلَقَکُمْ الخ انسانوں کو پیدا کرنے کی مختلف صورتیں ہو سکتی تھیں، مگر ایک خاص صورت متعین فرما کر سب انسانوں کو ایک ہی انسان (حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا فرمایا۔ اور سب کو اخوت و برادری کے ایک مضبوط رشتہ میں باندھ دیا۔ علاوہ خوفِ خدا، خوفِ آخرت کے اس رشتۂ اخوت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کہ باہمی ہمدردی و خیر خواہی کے حقوق پورے طور پر ادا کیے جائیں۔ اور انسان انسان میں ذات پات، اونچ نیچ، رنگ و نسل، زبان و وطن جیسے امتیازات کو شرافت و رذالت کا معیار نہ بنایا جائے۔ اسی لئے فرمایا کہ تم اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک ہی ذات (آدم) سے اس طرح پیدا کیا کہ پہلے ان کی بیوی (حضرت حوّا) کو ان سے پیدا کیا۔ پھر اس جوڑے سے تمام مردوں اور عورتوں کو دنیا میں پھیلا دیا۔ پھر دوبارہ حکم تقویٰ کا اس کی اہمیت اور اصل الاصول ہونے کی وجہ سے اعادہ فرمایا وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْ الخ یعنی اللہ سے ڈرو جس کے نام کا واسطہ دیکر تم دوسروں سے اپنے حقوق طلب کرتے ہو۔ اور رشتہ داری و قرابت کی نگہداشت اور ادائیگی کرتے ہو۔ حقوقِ قرابت میں کوتاہی سے بچو۔ آیت گرامی کے مضمون کی مذکورہ بالا ہمہ گیر اہمیت کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خطبۂ نکاح میں بھی پڑھا کرتے تھے۔ اس لئے خطبۂ نکاح میں اس کا پڑھنا مسنون بھی ہے۔

(ف) خلقت حوّاء من ضلع آدم علیہ السّلام کما ورد فی الحدیث الصحیح

ولا یلزم عدم المادۃ والا لعدم التراب الذی خلق منه آدم. وقال ابن عباس رضی الله عنه وُلِدَ لآدم اربعون ولدا عشرون غلاما وعشرون جاریۃ. رجالا کثیرا ونساء (فی عشرین بطنا)، فاکتفیٰ بوصف الرجال بالکثرۃ عن وصف النساء بها اذ الحکمۃ تقتضی ان یکن اکثر من الرجال وتذکیر الکثیر حمل علی الجمع دون الجماعۃ ولان الفعیل یستوی فیه التذکیر والتانیث کذا قاله علی القاری فی المرقاۃ ۱۲

وَلَا یَذْهَلْ عَنْكَ اَنَّ حَاجَاتِنَا كَثِیْرَةٌ وَالْحَقُّ اَنَّ اَغْنِیَاءَنَا لِاَجْلِهَا

اور یہ بات یاد رکھئے کہ ہماری ضروریات بہت ہیں۔ اور سچ تو یہ ہے کہ ہمارے دولتمند ان کے لئے

فُقَرَاءُ فَالتَّعْلِیْمُ وَالتَّرْبِیَةُ وَاِقَامَةُ اِدَارَةٍ عِلْمِیَّةٍ وَصِنَاعِیَّةٍ وَ

تنگدست ہیں چنانچہ تعلیم و تربیت (کا مسئلہ) اور علمی و صنعتی اداروں کا قائم کرنا، اور

اِعْدَادُ كُلِّ قُوَّةٍ نُكَافِحُ بِهَا اَعْدَاءَنَا فِیْ مَیَادِیْنِ الْحَیٰوةِ السِّیَاسِیَّةِ

ایسی ہر قسم کی قوت مہیا کرنا جس کیذریعہ ہم سیاسی و اقتصادی، انفرادی و اجتماعی زندگی کے

وَالْاِقْتِصَادِیَّةِ وَالشَّخْصِیَّةِ وَالْاِجْتِمَاعِیَّةِ كُلُّهَا حَاجَاتُنَا وَنَحْنُ

میدانوں میں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کر سکیں۔ یہ سب ہماری ضروریات ہیں اور ہم محتاج ہیں

فُقَرَاءُ لِاَجْلِهَا فَالْاِنْفَاقُ فِیْ كُلِّهَا وَاجِبٌ عَلَیْنَا وَالْاِمْسَاكُ هُوَ هَلَكَةٌ

ان کے لئے تو ان تمام (ضروریات) میں خرچ کرنا ہم پر واجب ہے۔ اور کنجوسی کرنا ہلاکت ہے۔

وَقَدْ نَبَّهَنَا اللّٰهُ وَاَنْذَرَنَا اَنْ نُلْقِیَ اَنْفُسَنَا فِی الْهَلَكَةِ حَیْثُ قَالَ:

اور ہم کو حق تعالیٰ نے اس سے خبردار کیا اور ڈرایا ہے کہ ہم اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالدیں کیونکہ ارشاد فرمایا ہے۔

(۵۰) وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَی التَّهْلُكَةِ وَ

اور تم راہ خدا میں خرچ کرتے رہو اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالدو۔ اور (ہر کام)

اَحْسِنُوْا. اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ۝

اچھی طرح کرو۔ بیشک اچھی طرح کام کرنیوالوں سے اللہ تعالیٰ محبت فرماتے ہیں۔

لغات وَلَا یَذْهَلْ۔ ذَهْلًا ذُهُوْلًا (ف) بھول جانا۔ غافل ہوجانا۔ (س) ہکا بکا ہونا۔ بے ہوش ہونا۔ اَذْهَلَ غافل کردینا۔ حَاجَاتٌ حَاجَةٌ کی جمع ضرورت، سوال، نیز جمع حَاجٌ وحِوَجٌ وحَوَائِجُ۔ حَوْجًا (ن) محتاج ہونا۔ حُوْجٌ فقر و فاقہ۔ صِنَاعِیَّةٌ منسوبٌ

اِلَی الصِّنَاعَۃِ۔ کاریگری، پیشہ۔ وہ علم جو مزاولت عمل سے حاصل ہو۔ جیسے درزی کا کام وغیرہ۔ اور وہ علم جس کا تعلق کیفیت عمل سے ہو جیسے منطق۔ وقیل بفتح الصّاد تستعمل فی المحسوسات وبالکسر فی المعانی۔ ج صِنَاعَات وصَنَائِع۔ صَنَعَ صُنْعًا (ف) بنانا۔ احسان کرنا۔ اچھی تربیت کرنا۔ مُصَانَعَۃ نرمی کرنا۔ مدارات کرنا۔ رشوت دینا۔ رفیق بنانا۔ تَصَنُّعٌ بناوٹ کرنا۔ تکلف کرنا۔ اِعْدَادٌ باب اِفعال کا مصدر مجرد میں نصر سے شمار کرنا۔ تیار کرنا۔ مُکَافَحَۃ مقابلہ پڑنا۔ مقابلہ کرنا (ف) آمنے سامنے ہونا۔ اَلْمَرْأَۃَ عورت کا اچانک بوسہ لینا۔ (س) شرمندہ ہونا۔ کَفِیْحٌ نظیر کفو۔ شہیر۔ اچانک آنیوالا مہمان۔ اَکْفَح کالا۔ کَفْحَۃٌ چھوٹی سی جماعت۔ کِفَاح مقابلہ کرنا۔ آمنے سامنے ہو کر ملاقات کرنا۔ اَعْدَاءٌ۔ عَدُوّ کی جمع ج اَعَادِی دشمن مَیَادِیْن۔ مَیْدَانٌ کی جمع کشادہ جگہ۔ مَادَ یَمِیْدُ مَیْدًا ومَیَدَانًا (ض) ہلنا۔ جھکنا۔ گھومنا۔ بہتر سلوک کرنا۔ زیارت کرنا۔ مَائِدَۃٌ دسترخوان جس پر کھانا ہو۔ ج مَوَائِد۔ مَائِدَاتٌ۔ اَلسِّیَاسَۃُ سَاسَ یَسُوْسُ سِیَاسَۃً (ن) دیکھ بھال رکھنا۔ تدبیر و انتظام کرنا۔ سَائِسٌ اسم فاعل سَاسَۃٌ۔ سُوَّاسٌ سیاست۔ پالٹیکس۔ ملکی تدبیر و انتظام ـــ اَلسِّیَاسَۃُ الْمَدَنِیَّۃُ شہری انتظام (عدل و استقامت کیساتھ اس طرح انتظام کرنا کہ سب کی معاشی حالت درست ہو جائے) سَاسَ یَسَاسُ۔ سَوِسَ یَسْوَسُ (س) گھن پڑنا۔ جوئیں ہونا۔ سَاسٌ مقتظم۔ دانت کی جڑ جس کو کیڑوں نے کھا لیا ہو۔ (اس کی اصل سَائِسٌ ہے جیسے ھَارٍ وھَائِرٌ وصَافٍ وصَائِفٌ) وَالْاِقْتِصَادِیَۃُ منسوب الی الاقتصاد۔ میانہ روی۔ مستقیم ہونا۔ آمد و صرف میں توسط و یکسانیت وہ علم جس سے آمدنی کے ذرائع اور اخراجات کے صحیح طرق کا شعور و سلیقہ پیدا ہو۔ مجرد میں (ض) سے گذرا۔ اَلْاِمْسَاکُ بخل۔ کنجوسی۔ روکنا۔ چمٹنا۔ حفاظت کرنا۔ رکنا۔ باز رہنا (ن ض) چمٹنا۔ متعلق ہونا۔ مُسْکَۃٌ مِسَاکٌ۔ مِسَاکَۃٌ بخل مُسْکَۃٌ۔ مُسُکٌ۔ مَسَاکٌ۔ مُمْسِکٌ بخیل مُسْکَان بیعانہ ج مَسَاکِیْن۔ ھَلَکَۃٌ ہلاکت ج ھَلَکٌ ھَلَکَاتٌ۔ ھَلَکَ ھَلَاکًا ھُلْکًا ھُلُوْکًا تُھْلُوْکًا مَھْلَکًا تَھْلُکَۃً بتثلیث اللام فی الاخیرین (ض) فنا ہونا۔ مرنا۔ نیست و نابود ہونا۔ لالچی ہونا۔ بہت خواہش مند ہونا۔ ھَالُوْکٌ سنکھیا۔ تَھْلُکَۃٌ ہر وہ چیز جس کا انجام ہلاکت ہو۔ نَبَّھَنَا اللّٰہُ ـــ تنبیہ بیدار کرنا۔ واقف کرنا۔ جتلانا۔ مشہور کرنا۔ گمنامی سے نکالنا۔ (س) سمجھ جانا۔ بیدار ہونا (ن ک) نَبَاھَۃٌ شریف ہونا۔ مشہور ہونا۔ نَبَاھَۃ شرافت۔ سمجھ، شہرت۔ لَا تُلْقُوْا از باب اِفعال ڈالنا (س) ملاقات کرنا۔ ملنا۔

ترکیب	لَا یَذْھَلُ فعل عَنْکَ متعلق اَنَّ اپنے اسم حَاجَاتِنَا اور خبر کَثِیْرَۃٌ سے ملکر جملہ اسمیہ

بتاویل مفرد فاعل۔ جملہ فعلیہ۔ وَالْحَقُّ مبتدا اَغْنِیَاءُ نَا اپنے متعلق لِاَجْلِهَا سے مل کر اسم اَنَّ۔ فُقَرَاءُ خبر۔ جملہ اسمیہ بتاویل مفرد مجرور خبر۔ جملہ اسمیہ۔ فَالتَّعْلِيْمُ اپنے چاروں معطوفات سے مل کر موصوف نکافح فعل بافاعل اپنے ہر دو متعلق بِهَا اور فِیْ مَیَادِیْنَ الخ اور مفعول اَعْدَاءَ نَا سے مل کر جملہ فعلیہ صفت، مرکب توصیفی مبتدا۔ کُلُّهَا مبتدا حَاجَاتُنَا خبر۔ جملہ اسمیہ معطوف علیہ۔ وَنَحْنُ فُقَرَاءُ لِاَجْلِهَا جملہ اسمیہ معطوف۔ معطوفین مل کر خبر فَالْاِنْفَاقُ كَائِنًا فِیْ كُلِّهَا ذوالحال وحال مبتدا وَاجِبٌ عَلَيْنَا خبر۔ اَلْاِمْسَاكُ مبتدا هُوَ ضمیر فصل هَلَكَةٌ خبر۔ جملہ اسمیہ۔ وَقَدْ نَبَّهَنَا اللّٰهُ جملہ فعلیہ معطوف علیہ اَنَّهٗ نَا فعل ضمیر هُوَ فاعل نَا مفعول بہ اول۔ اَنْ نُلْقِیَ فعل بافاعل اَنْفُسَنَا مفعول بہ فِی الْهَلَكَةِ متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مفعول بہ ثانی۔ جملہ فعلیہ معطوف۔ وَاَنْفِقُوْا فعل بافاعل فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ متعلق جملہ فعلیہ۔ وَلَا تُلْقُوْا فعل بافاعل دونوں متعلقوں سے ملکر جملہ فعلیہ اَحْسِنُوْا فعل بافاعل جملہ فعلیہ تینوں معطوفات ہوئے۔ اِنَّ اپنے اسم اللّٰهَ اور يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ جملہ فعلیہ خبر سے ملکر جملہ اسمیہ۔

تشریح اس دور میں ہماری دینی، دنیوی، علمی، شخصی اور اجتماعی ہر نوع کی ضروریات اس بات کی متقاضی ہیں کہ ہم حضرات صحابہؓ کی طرح اپنے اموال کو خرچ کر کے اِن ملی ضروریات کو پورا کریں اور کسی میدان میں اغیار سے پیچھے نہ رہیں۔ ورنہ زندگی کے کسی شعبہ میں مات کھا جانا اور علمی یا سیاسی اعتبار سے شکست خوردہ ہوجانا ہلاکت کے مرادف ہے۔ جس کا سبب بخل اور کنجوسی ہوگی۔ ہمارے مالدار یقیناً اس کا احساس نہ کرنے کی وجہ سے اس سلسلہ میں بخیل واقع ہوئے ہیں۔ بلکہ ایسے بنیادی مواقع پر خرچ کرنے کے لئے ان کے پاس مال ہی نہیں۔ گویا وہ خود فقراء و مساکین ہیں۔ مؤلفؒ اغنیاء کی بے حسی پر افسوس فرما رہے ہیں۔ یقیناً کسی قوم کے مالداروں کا بخیل اور رہنماؤں کا بزدل اور مداہن ہوجانا اس قوم کے لئے پیغام موت ہے۔ دورِ رواں میں ہم لوگوں کی پستی و زوال کے تمام اسباب میں سے یہ دونوں سبب سرِ فہرست ہیں۔ بخل کی وجہ سے مال کو خرچ نہ کرنا ہلاکت کا پیش خیمہ ہے۔ اس کی دلیل صریح قرآنِ پاک کی یہ آیت وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الخ ہے۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ راہِ خدا میں خرچ کرتے رہو۔ اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔ اس میں مسلمانوں پر لازم کیا گیا ہے کہ جہاد وغیرہ کے لئے بقدرِ ضرورت اپنے مال راہِ خدا میں خرچ کریں۔ اس آیت سے فقہاء نے یہ حکم بھی نکالا ہے کہ مسلمانوں پر زکوٰۃ فرض کے علاوہ بھی کچھ اور حقوق فرض ہیں۔ مگر وہ نہ دائمی ہیں اور نہ ان کے لئے کوئی نصاب و مقدار متعین ہے۔ بلکہ جتنی ضرورت ہو مسلمانوں پر اسی کا انتظام کرنا فرض ہے ضرورت نہ ہو تو فرض نہیں۔ وَلَا تُلْقُوْا الخ اس کے مطلب میں مفسرین کے اقوال مختلف ہیں۔

امام جصاصؒ فرماتے ہیں کہ ان سب اقوال میں تضاد نہیں، ہاں تعبیرات مختلف ہیں۔ حضرت ابوایوب انصاریؓ نے فرمایا کہ یہ آیت ہمارے بارے میں اتری ہے۔ ہم اس کی تفسیر خوب جانتے ہیں۔ بات یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت و غلبہ عطاء فرمادیا تو ہم میں گفتگو ہوئی کہ اب جہاد کی ضرورت نہیں رہی۔ اب تو ہم وطن میں ٹھہر کر اپنے مال و جائیداد کی خبرگیری کریں۔ تو اس پر یہ آیت اتری۔ اس میں فرمایا گیا ہے کہ ترک جہاد ہلاکت ہے۔ معلوم ہوا کہ جہاد چھوڑ دینا مسلمانوں کی ہلاکت و بربادی کا سبب ہے۔ حضرت ابن عباسؓ، حذیفہؓ، قتادہؒ، مجاہدؒ، ضحاکؒ جیسے ائمہ تفسیر سے یہی مضمون منقول ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے میں حد سے بڑھنا کہ بیوی بچوں کے حقوق ضائع ہوجائیں یہ خود کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ اور دیگر مطالب بھی بیان کیے گئے ہیں۔

وَاَحْسِنُوْا الخ اس جملہ میں ہر کام کو اچھی طرح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے۔ عبادت میں احسان یہ ہے کہ عبادت اس طرح کی جائے کہ گویا ہم خدا کو دیکھ رہے ہیں۔ یا کم از کم پورا پورا یہ دھیان ہو کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔ اور معاملات و معاشرت میں احسان کی تفسیر مسند احمدؒ میں بروایت حضرت معاذؓ ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب لوگوں کے لئے وہی پسند کرو جو اپنے لئے پسند کرتے ہو۔ اور جس چیز کو تم اپنے لئے برا سمجھتے ہو اس کو دوسروں کے لئے بھی برا سمجھو۔ (از معارف القرآن)

---

(۵۱) وَقَالَ اللّٰهُ رَبُّنَا الْمُتَعَالُ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ
اور ہمارے پروردگار عالیشان نے فرمایا۔ ہاں تم ہی تو وہ لوگ ہو کہ تمکو راہ خدا میں خرچ کرنیکی دعوت دیجاتی ہے
اللّٰهِ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ وَمَنْ يَّبْخَلْ فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاللّٰهُ الْغَنِيُّ
پھر تم میں سے بعض کنجوسی کرتے ہیں اور جو بخل کریگا تو وہ اپنے آپ سے بخل کریگا۔ اور اللہ کسی کے محتاج نہیں
وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا
اور تم سب محتاج ہو۔ اور اگر تم منہ موڑ لوگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسرے لوگ لے آئیں گے۔ پھر وہ
اَمْثَالَكُمْ۔ (سورۃ محمد آخری آیت)
تم جیسے نہوں گے۔

لغات

يَبْخَلُ (س ک) بخیل ہونا۔ کنجوس ہونا۔ صفت بَخِيْل ج بُخَلَاءُ نیز بَاخِلٌ ج بَاخِلُوْن بُخْلٌ۔ بَخَلٌ۔ مُبْخَلٌ۔ بَخَّالٌ۔ بَخَالٌ کنجوس مَبْخَلَةٌ باعث بخل يَسْتَبْدِلُ بدل دینا بَدَلَ بَدْلًا (ن)، وَاَبْدَلَ وَبَدَّلَ بدلنا۔ بدلہ دینا۔ اَمْثَالٌ۔ مِثْلٌ کی جمع مثل۔ نظیر۔ مشابہ (ن ص)

مُثلہ کرنا۔ ناک کان کاٹنا (ن لـ) کسی کے سامنے کھڑا ہونا۔ (لـ) افضل ہونا مَثَّلَ مشابہت دینا۔ نمونہ بنانا۔ مثلہ کرنا وغیرہ۔ مَثَلٌ نظیر۔ مشابہ۔ کہاوت؛ بات۔ صفت۔ عبرت۔ دلیل ج اَمْثَالٌ۔ اَمْثَلُ افضل۔

ترکیب رَبُّنَا الْمُتَعَالُ موصوف صفت فاعل قَالَ جملہ فعلیہ هَا حرف تنبیہ اَنْتُمْ مبتدا یا حرف نداء محذوف قائم مقام اَدْعُوْا ھٰؤُلَآءِ منادیٰ جملہ ندائیہ معترضہ۔ تُدْعَوْنَ فعل ضمیر اَنْتُمْ نائب فاعل۔ لِتُنْفِقُوْا فعل با فاعل فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ متعلق مَا فَرَضَ عَلَیْکُمْ موصول صلہ مفعول بہ محذوف جملہ فعلیہ بتأویل مفرد مجرور لام متعلق تُدْعَوْنَ جملہ فعلیہ اَنْتُمْ مبتدا کی خبر۔ جملہ اسمیہ۔ فَمِنْکُمْ متعلق محذوف خبر مقدم۔ مَنْ یَّبْخَلُ موصول صلہ مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ۔ وَمَنْ یَّبْخَلْ شرط فَاِنَّمَا یَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِہٖ جملہ فعلیہ جزا۔ وَاللّٰہُ الْغَنِیُّ مبتدا وخبر۔ وَکَذَا وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ۔ وَاِنْ تَتَوَلَّوْا شرط یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَکُمْ مبدل منہ بدل مفعول بہ۔ فعل فاعل مفعول جملہ فعلیہ جزا۔ ثُمَّ لَا یَکُوْنُوْٓا اَمْثَالَکُمْ فعل ناقص با اسم وخبر جملہ (اَیْ فِی التَّوَلِّیْ عَنْ طَاعَتِہٖ بَلْ مُطِیْعِیْنَ لَہٗ عَزَّ وَجَلَّ۔)

تشریح آیت شریفہ میں اِنفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب اور بخل کے وبال کا بیان ہے۔ فرمایا گیا ہے کہ راہِ خدا میں مال کو خرچ نہ کرنا خود اپنا ہی نقصان کرنا ہے۔ کیونکہ بخل کا وبال دنیا و آخرت میں بخیل ہی پر پڑتا ہے۔ کہ وہ صدقہ کے اجر و ثواب سے بھی محروم رہتا ہے۔ اور حقوقِ واجبہ ضائع کرنے کی وجہ سے فاسق و مجرم بھی ہو جاتا ہے۔ یاد رکھیئے کہ حقوقِ مالیہ واجبہ کو ادا نہ کرنا شرعًا بخل ہے۔ اسی لئے بخل حرام اور اس پر سخت وعیدیں نصوصِ قرآنیہ وحدیثیہ میں مذکور ہیں۔ امورِ مستحبہ میں مال خرچ نہ کرنا شرعًا بخل نہیں۔ عرفًا وہ بھی بخل کہلاتا ہے۔ اس قسم کا بخل حرام نہیں۔ مگر خلافِ اولیٰ اور منافی مروّت ہے ؎

یَقُوْلُ الْمَرْءُ فَائِدَتِیْ وَمَالِیْ ٭ وَتَقْوَی اللّٰہِ اَفْضَلُ مَا اسْتَفَادَا

(لوگ اپنے فائدہ اور مال کے پیچھے پڑے رہتے ہیں۔ حالانکہ تقویٰ سب سے بہتر سرمایہ ہے)

آگے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب سے بے نیاز ہیں۔ وہ کسی کے محتاج نہیں۔ اور تم سب محتاج اور اُن کے در کے بھکاری ہو۔ جس طرح غنا حق تعالیٰ کا وصف لازم ہے۔ احتیاج بھی مخلوق کی صفتِ لازمہ ہے ؎

سَراپا عاجزی ہونے نے بندہ کر دیا مجھکو = وگرنہ میں خدا ہوتا جو دل بے آرزو ہوتا

وَاِنْ تَتَوَلَّوْا۔ یہ خطاب اگر صحابہؓ و مؤمنین کو ہے تو تخویفًا (ڈرانے کے لیے) ہے ورنہ بعض مفسرین کے قول پر منافقین کو یہ خطاب ہے۔ حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ابن جریرؒ و ابن ابی حاتمؒ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ آیت تلاوت فرمائی تو صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کون لوگ ہیں۔

جو ہمارے بدلہ میں لائے جاتے۔ آپ نے حضرت سلمان فارسیؓ کے شانے پر دست مبارک رکھ کر فرمایا: یہ اور ان کی قوم، دین اگر ثریا پر بھی ہوتا تو اس کو فارس کے لوگ لے آتے۔

اَلْقَرْضُ الْحَسَنُ

وَسَمَّى اللّٰهُ تَعَالَى الْإِعْطَاءَ فِي أَمْثَالِ هٰذِهِ الْحَاجَاتِ الْقَرْضَ فِي سَبِيلِ

اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کی (مذکورہ) ضروریات میں خرچ کرنے کو قرض فی سبیل اللہ کا نام دیا ہے۔

اللّٰهِ وَرُبَّمَا عَبَّرَهُ بِالْإِنْفَاقِ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَفِي كَثِيرٍ مِنَ الْآيَاتِ

اور بسا اوقات اس کو انفاق فی سبیل اللہ سے تعبیر کیا ہے۔ اور بہت سی آیات میں قرض کا حکم زکوٰۃ

أَتْبَعَ أَمْرَ الْقَرْضِ أَمْرَ الزَّكٰوةِ كَمَا قَالَ أَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا

کے حکم کے بعد ذکر فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے " تم نماز کے پابند رہو اور زکوٰۃ

الزَّكٰوةَ وَأَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا۔

دیتے رہو۔ اور اللہ کو اچھا (مخلصانہ) قرض دو۔

لغات قَرَضَ (ض) بدلہ دینا۔ قرض دینا۔ قَرَضَ الشعر شعر کہنا۔ قطع کرنا۔ کاٹنا۔ المِقراض قینچی کا ایک پھل۔ اور اگر دونوں پھل ہوں تو قرضتہ بالمقراض نہیں کہتے۔ بلکہ قرضتہ بالمقراضین کہتے ہیں۔ نقیض شاعری قَرِیض شعر۔ کاٹا ہوا اِنقراض ختم ہونا، کٹنا، ہلاک ہوجانا۔ (س) مرنا۔ الإِعْطَاء دینا۔ عَطْوًا (ن) لینا۔ بلند کرنا۔ عطا عَطَاء جو چیز دیجائے ج أَعْطِيَة جج أَعْطِيَات۔ عَطِيَّةٌ بمعنی عطا ج عَطَايَا۔ عَطِيَّاتٌ۔ عَبَّرَهٗ تعبیر کرنا۔ دل کی بات ظاہر کرنا۔ خواب کی تعبیر بیان کرنا۔ پار کرانا۔ (س) آنسو بہانا۔ عبرت حاصل کرنا (ن)، غمگین ہونا۔ طے کرنا۔ گذرنا۔ پار کرنا۔ خواب کی تعبیر بیان کرنا۔ اِعْتِبَار آزمانا۔ غور کرنا۔ نصیحت حاصل کرنا۔ عِبْرَةٌ نصیحت۔ عِبَارَةٌ دلالت کرنیوالے الفاظ۔ بیان۔ عَبْرَةٌ آنسو ج عِبَرٌ۔ وعَبَرَاتٌ۔ قرض حسن جو مارا نہ جائے۔ باحسن وجوہ ادا کیا جائے۔

ترکیب سَمّٰی فعل لفظ اللّٰهُ فاعل اَلْإِعْطَاءَ مفعول اول فِي أَمْثَالِ هٰذِهِ الْحَاجَاتِ متعلق اَلْقَرْضَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ موصوف صفت مفعول ثانی جملہ فعلیہ عَبَّرَ فعل ضمیر فاعل ہٗ مفعول بہ بِالْإِنْفَاقِ اور فِي سَبِيلِ اللّٰهِ دونوں متعلق جملہ فعلیہ فِي كَثِيرٍ مِنَ الْآيَاتِ۔ أَتْبَعَ کے متعلق

اَمرُ القرض۔ اَمرُ الزکوٰۃ۔ ہر دو مفعول بہ جملہ فعلیہ۔ فی کَثِیْرٍ مِّنَ الآیَاتِ سے پہلے اَتْبَعَ فعل محذوف بھی مان سکتے ہیں جس کی تفسیر اَتْبَعَہٗ فعلِ مذکور کر رہا ہے۔ اَقِیْمُوا الصَّلوٰۃَ جملہ فعلیہ معطوف علیہ اپنے اگلے دونوں معطوفوں سے ملکر مقولہ مفعول بہ قَالَ کا۔ پھر مَا اسم موصول کا صلہ۔ موصول صلہ مجرور۔ مبتدا محذوف مِثَالُہٗ کی خبر۔ جملہ اسمیہ۔

تشریح

عبارتِ مذکورہ میں دو باتیں ارشاد فرمائیں (۱) مذکورہ حاجات میں قرض کے دو نام قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ ایک قرض فی سبیل اللہ جس پر دلیل وَاَقْرِضُوا اللہَ لائے ہیں اللہ کو قرض کی ضرورت نہیں۔ اَقْرِضُوا اللہَ سے مراد اَقْرِضُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ ہے۔ مبالغۃً بلا واسطہ حرف جر۔ اللہ کی طرف قرض کی نسبت کی گئی ہے۔ گویا ایسی ذات کو قرض دو جس کے خزانے بے انتہاء ہیں۔ اور قرض کے مارے جانے کا شبہ بھی اس کی جناب میں ناممکن ہے۔ اس کا دوسرا نام انفاق فی سبیل اللہ ہے۔ کیونکہ وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللہِ آیت ابھی گذر چکی ہے۔ اس کو لانے کی ضرورت نہ تھی۔ نیز ان حاجات میں خرچ کرنے کو قرضِ حسن کا نام بھی دیا ہے۔ جیسا کہ وَاَقْرِضُوا اللہَ قَرْضًا حَسَنًا سے معلوم ہوتا ہے۔

(۲) دوسری بات یہ ارشاد فرمائی کہ قرض فی سبیل اللہ یا قرضِ حسن یا انفاق فی سبیل اللہ سے مراد زکوٰۃ نہیں، بلکہ زکوٰۃ کے علاوہ حاجاتِ مذکورہ پر نفقات کے یہ نام ہیں۔ اسلئے کہ قرضِ حسن کو اَقِیْمُوا الصَّلوٰۃَ وَاٰتُوا الزَّکوٰۃَ وَاَقْرِضُوا اللہَ وغیرہ آیات میں زکوٰۃ کا معطوف بنایا گیا ہے۔ اور عطف تغایر کی دلیل ہے۔ چونکہ یہ استدلال لَیْسَ الْبِرَّ کے تحت گذر چکا ہے۔ اسلئے یہاں پر اجمالی استدلال کو مؤلف نے کافی خیال فرما کر تفصیل و تکمیل کو نظر انداز کر دیا ہے۔ وَاللہُ اَعْلَمُ۔

(۵۲) وَقَالَ اللہُ تَعَالٰی اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ بِاللَّیْلِ وَالنَّھَارِ سِرًّا

اور اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا جو لوگ اپنے مالوں کو رات اور دن میں چھپا کر اور ظاہر کر کے (ہر طرح

وَّعَلَانِیَۃً فَلَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ ○

خرچ کرتے ہیں تو ان کو ان کے پروردگار کے پاس ان کا ثواب ملیگا۔ اور نہ ان پر کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ وہ ملال کرینگے۔

(۵۳) وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

الْمُکْثِرِیْنَ ھُمُ الْمُقِلُّوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ اِلَّا مَنْ اَعْطَاہُ اللہُ خَیْرًا فَنَفَحَ

مالدار ہی نادار ہوں گے قیامت کے دن مگر وہ شخص کہ جس کو اللہ نے مال عطاء فرمایا ہو اور وہ

فِيهِ بِمِينِهٖ وَشِمَالِهٖ وَبَيْنَ يَدَيْهِ وَوَرَائَهٗ وَعَمِلَ فِيهِ خَيْرًا۔ (بخاری ۱۹۵/۱، ۲۲)

اس میں سے اپنے داہنے اپنے بائیں اپنے آگے اور اپنے پیچھے (ہر طرف کو دے) اور اس میں اچھا عمل کرے۔

لغات سِرًّا بھید۔ راز۔ پوشیدہ ج اَسْرَار یقال صدور الاحرار قبور الاسرار (شریفوں کے سینے بھیدوں کے لئے قبر ہوتے ہیں) (بابہ نصر) عَلَانِيَةً کعلم کملًا رجل عَلَانِيَةٌ یعنی اس کا امر ظاہر ہے۔ ج عَلَانُوْنَ۔ عَلَانِیْ وہ شخص جس کا معاملہ ظاہر ہو ج عَلَانِيُّوْنَ (ن ض س ك) ظاہر ہونا۔ فَنَفَحَ نَفَحَ نَفْحًا نَفَحَانًا نُفُوْحًا نَفَاحًا (ف) دفع کرنا۔ ہٹانا۔ دیدینا۔ پھیلنا۔ مارنا۔

ترکیب (۵۲) يُنْفِقُوْنَ اپنے فاعل ضمیر و مفعول بہ اَمْوَالَهُمْ متعلق بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ اور ظرف سے ملکر جملہ فعلیہ صلہ۔ اسم موصول صلہ بمنزلہ شرط۔ اگلے تینوں جملے معطوفات بمنزلہ جزا۔
(۵۳) الْمُكْثِرِيْنَ اسم اِنَّ۔ هُمْ مبتدا الْمُقِلُّوْنَ اپنے ظرف يَوْمَ الْقِيٰمَةِ سے مل کر خبر۔ جملہ اسمیہ خبر اِنَّ جملہ اسمیہ مقولہ مفعول بہ قَالَ کا۔ پھر جملہ فعلیہ خبر اَنَّ کی جملہ اسمیہ۔ مَنْ اَعْطَاهُ الخ جملہ شرط فَنَفَحَ فعل فاعل ضمیر ھو۔ فِيْهِ متعلق يَمِيْنَهٗ تینوں معطوفوں سے ملکر ظرف۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَعَمِلَ فِيْهِ خَيْرًا جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین جزا۔ شرط و جزا مل کر اِنَّ الْمُكْثِرِيْنَ هُمُ الْمُقِلُّوْنَ کا مستثنیٰ۔

تشریح (۵۲) آیت مبارکہ میں اُن لوگوں کے اجرِ عظیم کا ذکر ہے جو راہِ خدا میں تمام حالات و اوقات میں مال خرچ کرنیکے عادی ہیں۔ اس کے ضمن میں یہ بھی بتلادیا گیا کہ صدقہ و خیرات کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں۔ دن ہو یا رات جب ضرورت ہو خرچ کریں۔ اسی طرح خفیہ اور علانیہ ہر طرح پر خرچ کرنا موجبِ اجر و ثواب ہے۔ بشرطیکہ اخلاص کیساتھ خرچ کیا جائے۔ نام و نمود مقصود نہو۔ خفیہ خرچ کرنے کی فضیلت بھی اُسی وقت ہے کہ علانیہ خرچ کرنے کی کوئی ضرورت، ترغیب یا دفعِ تہمت وغیرہ داعی نہو۔ ورنہ علانیہ خرچ کرنا افضل ہوگا۔ مرّ تفصیلہٗ فی السابق۔ روح المعانی میں بحوالہ ابن عساکر نقل کیا گیا ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے چالیس ہزار دینار اللہ کی راہ میں اس طرح خرچ کیے کہ دس ہزار دن میں، دس ہزار رات میں، دس ہزار خفیہ اور دس ہزار علانیہ۔ بعض حضرات مفسرین نے اسی واقعہ کو اس آیت کا شانِ نزول قرار دیا ہے۔ بعض نے لکھا ہے کہ حضرت علیؓ کا واقعہ اس کا شانِ نزول ہے۔ کہ

اُن کے پاس صرف چار درہم تھے، اور کچھ نہ تھا تو انہوں نے ایک درہم دن میں، ایک رات میں، ایک خفیہ اور ایک علانیہ خرچ کیا۔ اور بھی واقعات ذکر کیے گئے ہیں۔ ولکن العبرۃ بعموم اللفظ لا بخصوص السّبب فالمراد بیان اجر ما انفق فی جمیع الاوقات والاحوال فلا خصوصیۃ لابی بکرؓ ولا لعلیؓ ولا لاحد فی ذلک۔ واللہ اعلم۔

(۵۳) یہ طویل حدیث کا ایک ٹکڑا ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ دنیا میں جو اہلِ ثروت ہیں وہ قیامت کے دن محتاج و نادار ہوں گے۔ کیونکہ اُن کو جو دولت ملی تھی انہوں نے اُس کو دارِ آخرت میں منتقل نہیں کیا۔ ہاں جس دولت مند نے تمام ابوابِ خیر اور ہر نوع کے مصارفِ خیر میں اپنی دولت خرچ کرکے اللہ کے خزانہ میں جمع کردی، وہ دولتیں اجر و ثواب کی شکل میں اُن کے لئے اسباب و سامانِ آخرت بنکر سامنے آجائیں گی۔ اور صرف دینے ہی میں منحصر نہیں، بلکہ اُس کا بھی اجر ہوگا جو بھی اُس نے دولت سے کارِ خیر کیا۔ مثلاً اچھی نیت سے اپنے نفس و اہل و عیال پر خرچ کیا۔ یا نیک نیتی سے اہلِ قرابت و وارثین کے لئے چھوڑ گیا۔ اخیر جملہ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ اسم گرامی جندب بن جنادہؓ ہے۔ کبارِ صحابہؓ میں سے ہیں۔ زہد میں ممتاز شان تھی۔ ان کا مسلک تھا کہ روپیہ پیسہ رکھنا بالکل حرام ہے۔ ابتدا میں مکہ مکرمہ ہی میں مسلمان ہوگئے تھے۔ آپ خامس فی الاسلام ہیں۔ آپ سے پہلے صرف چار آدمی مسلمان ہوئے تھے۔ اسلام لاتے ہی کھُل کر دعوت دی، اور تکالیف برداشت کیں۔ اپنی قوم میں مقیم رہکر دعوت دیتے رہے۔ پھر غزوۂ خندق کے بعد مدینۂ منورہ کی ہجرت فرمائی۔ حضرت عثمانؓ کے دورِ خلافت میں حضرتِ عثمانؓ کے حکم سے ربذہ گاؤں میں سکونت اختیار فرمائی۔ اور وہیں خلافتِ عثمان میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ کثیر الروایۃ صحابی ہیں۔ آپ سے بہت سے صحابہؓ و تابعینؒ نے روایت کی ہے۔ آپ کے حالات پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں مولانا مناظر احسن گیلانی نے بھی ایک ضخیم کتاب "ابوذر غفاری" آپ کے حالات پر تصنیف فرمائی ہے جو ہندوستان میں ملتی ہے۔

---

(۵۴) وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ

حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وَسَلَّمَ اِذَا اَمَرَنَا بِالصَّدَقَۃِ انْطَلَقَ اَحَدُنَا اِلَی السُّوْقِ فَیُحَامِلُ

جب ہم کو صدقہ کرنے کا حکم دیتے، تھے تو ہم میں سے بعض آدمی بازار جاتے اور بوجھ اُٹھا کر ایک مُد

فَيُصِيبُ الْمُدَّ وَإِنَّ لِبَعْضِهِمُ الْيَوْمَ لَمِائَةَ أَلْفٍ۔

حاصل کرلاتے تھے اور (اب تو) ان میں سے بعض کے پاس ایک لاکھ ہیں۔ (بخاری ص۱۹۱ ج۱)

لغات اِنْطَلَقَ چلنا (ض)، کھولنا۔ دینا۔ (ن) چھوڑ دینا۔ جدا ہونا۔ (س) بعید ہونا۔ (ك) فصیح و خوش بیان ہونا۔ ہنس مکھ ہونا۔ السُّوق بازار (مؤنث ومذکر) ج اَسْوَاق ماخوذ مِنَ السَّاق لانّ فی السُّوق یلصق السَّاق بالسَّاق او من السَّوق لانّ کلّ رجل یسوق صاحبهٗ فی السّوق (ن) پیچھے سے ہانکنا۔ پیچھے سے چلانا۔ بیان کرنا۔ پنڈلی پر مارنا۔ (س) پنڈلی کا پُرگوشت ہونا۔ سَاق پنڈلی۔ ج اَسْوَاقٌ۔ سُوقٌ۔ سِيقَانٌ۔ المُدّ ایک خاص وزن، یعنی صاع کا چوتھائی حصہ (۲ رطل)

ترکیب اِذَا اَمَرَنَا بِالصَّدَقَةِ فعل فاعل (ہو ضمیر) مفعول بہ (نَا) اور بالصَّدَقَة متعلق جملہ فعلیہ شرط۔ انطَلَقَ فعل اَحَدُنَا فاعل اِلَی السُّوقِ متعلق جملہ فعلیہ معطوف علیہ فَيُحَامِلُ فعل فاعل جملہ فعلیہ معطوف۔ فیصیبُ المُدَّ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف تینوں معطوفات جزا۔ شرط و جزا کَانَ کی خبر جملہ فعلیہ۔ لَمِائَةَ الفٍ اسم اِنَّ لِبَعْضِهِمْ متعلق محذوف ثَابِتٌ یا حَاصِلٌ اَلْيَوْمَ ظرف خبر جملہ اسمیہ۔

تشریح یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب صحابہؓ کو صدقہ کا حکم فرماتے تو نادار و غریب صحابہؓ بازار جاکر پلّہ داری اور مزدوری کر کرکے صدقہ کرتے تھے۔ حضرت ابو مسعودؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں حضرات صحابہؓ پر اتنی تنگدستی تھی، اور صدقہ دینے اور اطاعتِ رسولؐ کے اِس قدر شوقین و دل دادہ تھے کہ محنت و مشقت اور مزدوری کرکے بھی صدقہ خیرات دیتے تھے۔ لیکن جب اللہ جل شانہٗ نے مسلمانوں کو فتوحات سے نوازا ہے، تو انہیں تنگدست صحابہؓ میں سے جو حضرات دنیا میں موجود ہیں، اب ان میں سے بعض بعض لکھ پتی ہیں۔

مائۃ الف کی تمیز محذوف ہے دینار یا درہم یا مُدّ۔ یعنی آج بفضلہ تعالیٰ وہ صحابہؓ لاکھوں دراہم لاکھوں دیناروں کے مالک ہیں۔ اور جو مزدوری کرکے بہ مشکل ایک مُد حاصل کرکے صدقہ کرتے تھے۔ آج وہ لاکھوں مُدوں کے مالک ہیں۔ حدیث میں اِس طرف بھی اِشارہ معلوم ہوتا ہے۔ جیساکہ دوسری روایات میں صراحۃً بھی موجود ہے کہ صدقہ سے مال کم نہیں ہوتا، بلکہ زیادہ ہوتا ہے۔ چنانچہ حضرات صحابہؓ خرچ کرتے کرتے مالدار ہوگئے تھے۔ اور اِس دور میں ہم لوگ جمع کرتے کرتے فقیر و محتاج بن گئے۔ ع

به بیں تفاوتِ راہ از کجاست تا بکجا

ذَوِی الْقُرْبٰی

(۵۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کرتے ہیں آپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
خَلَقَ الْخَلْقَ حَتّٰی اِذَا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهٖ قَالَتِ الرَّحِمُ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ
مخلوق کو پیدا فرمایا یہانتک کہ جب مخلوق کو پیدا فرما چکے تو رحم (رشتہ داری) نے کہا یہ آپکی پناہ لینے والیکا کھڑا ہونا
بِكَ مِنَ الْقَطِیْعَةِ قَالَ نَعَمْ اَمَا تَرْضَیْنَ اَنْ اَصِلَ مَنْ وَصَلَكِ وَ
ہے بدسلوکی کے ڈر سے۔ فرمایا ہاں کیا تو اس بات سے راضی نہیں کہ میں اس کو ملاؤنگا جو تجھ کو ملائیگا۔ اور
اَقْطَعَ مَنْ قَطَعَكِ قَالَتْ بَلٰی یَا رَبِّ قَالَ فَهُوَ لَكِ۔ (بخاری ج۲ ص۸۸۵ و مشکوٰۃ باب البر والصلۃ ص۴۱۹)
میں اس کو کاٹ دونگا جو تجھے توڑیگا رحم نے کہا کیوں نہیں اے میرے پروردگار فرمایا تو یہ تیرے لئے ہے۔

(۵۶) وَعَنْهُ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الرَّحِمُ شُجْنَةٌ
انہی سے مروی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپنے فرمایا کہ رحم "رحمن" کی ایک
مِنَ الرَّحْمٰنِ فَقَالَ اللّٰهُ مَنْ وَصَلَكِ وَصَلْتُهٗ وَمَنْ قَطَعَكِ قَطَعْتُهٗ۔
شاخ ہے۔ اسلئے حق تعالیٰ نے فرمایا جو تجھ کو ملائیگا میں اس کو ملاؤنگا۔ اور جو تجھ کو توڑیگا میں اس کو توڑونگا۔

(۵۷) وَعَنْهُ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ
حضرت ابو ہریرہؓ ہی سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا
اَحَبَّ اَنْ یُّبْسَطَ فِیْ رِزْقِهٖ وَیُنْسَاَ لَهٗ فِیْ اَثَرِهٖ فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ۔
کہ جو یہ چاہتا ہو کہ اس کے رزق میں وسعت کر دیجائے اور اسکی موت میں تاخیر کر دیجائے تو اس کو صلہ رحمی کرنی چاہیئے۔

(متفق علیہ) (بخاری شریف ص۸۸۵ و مشکوٰۃ شریف ص۴۱۹)

لغات فَرَغَ۔ فَرَاغًا۔ فُرُوْغًا (ف ن س) تمام کرنا، پورا کرنا، کام سے خالی ہونا، گرانا، برتن کا خالی ہونا۔ (ك) رنجیدہ ہونا۔ الرَّحِمِ۔ رَحِمٌ رِحْمٌ۔ بچہ دانی۔ قرابت۔ رشتہ داری ــ ج اَرْحَامٌ وتحقیقہٗ مرّ فی التسمیۃ۔ اَلْعَائِذِ۔ صیغہ اسم فاعل (ن) پناہ لینا۔ شُجْنَةٌ مثلث الشین الجھی ہوئی پیچیدہ ٹہنی۔ ہر چیز کی شاخ۔ بیل۔ نسبہ۔ ج شُجَنٌ، شُجُنَاتٌ۔ (س ك) غمگین ہونا۔ (ن) غمگین کرنا۔ یُبْسَطُ (ن) پھیلانا۔ وسیع ہونا۔ کرنا۔ (ك) بسیط ہونا۔ پُر مذاق ہونا۔ بَاسِطٌ اسمائے حسنٰی میں سے ہے۔ رِزْقُهٗ روزی ج اَرْزَاقٌ (ن) روزی پہونچانا۔ وَیُنْسَاءُ نَسَاءٌ (ف) مؤخر کرنا۔ ڈانٹنا، ہانکنا، ہٹانا، مہلت دینا، عمر دراز کرنا۔ حفاظت کرنا۔ اَثَرٌ اِثْرٌ نشان

حدیث۔ سنّت۔ موت۔ مدت عمر ج آثارٌ و اُثُورٌ (ن ض) نقل کرنا۔ ترجیح دینا۔ اکرام و تعظیم کرنا وغیرہ

ترکیب (۵۵) رُوِیَ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَؓ حال کونہ راوٍ عن النبیؐ الخ اللہ اسم اِنَّ خَلَقَ فعل ضمیر هو فاعل الخلق مفعول بہ فَرَغَ مِنْ خَلْقِهٖ جملہ فعلیہ شرط۔ قَالَتِ الرَّحِمُ فعل و فاعل هٰذَا مبتدا مَقَامُ مضاف الْعَائِذِ دونوں متعلقوں سے ملکر مضاف الیہ خبر۔ جملہ اسمیہ مقولہ مفعول بہ جملہ فعلیہ جزا۔ شرط و جزا مجرور حتیٰ متعلق خَلَقَ جملہ فعلیہ خبر اِنَّ۔ مقولہ۔ قَالَ نَعَمْ ای هٰذا مقام العائذ نعم قائم مقام جملہ اسمیہ۔ اَمَا تَرْضَیْنَ فعل ضمیر ہی فاعل اَنْ اَصِلَ فعل یا فاعل مَنْ موصولہ۔ وَصَلَكِ جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول و صلہ مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ اسی طرح اگلا جملہ معطوف۔ معطوفین بتأویل مفرد مفعول بہ یا مجرور با مقدرہ ہوکر متعلق مَا تَرْضَیْنَ کے جملہ فعلیہ۔ قَالَتْ بَلٰی یَارَبِّ ای ارضی بذاك یا ربّ۔ قَالَ فَهُوَ لَكِ۔ هو مبتدا ثابت لكِ خبر۔ جملہ جزائے شرط محذوف۔ ان کنتِ ترضین بذالكِ فهو لكِ ای اَفْعَلُ مَا وَعَدْتُكِ۔

(۵۶) الرَّحِمُ مبتدا شجنۃ من الرحمٰن خبر۔ مَنْ وَصَلَكِ شرط وَصَلْتُهٗ جزا۔ وکذا من قطعك قطعتہٗ۔ دونوں جملوں میں موصول و صلہ مفعول مقدم بھی ہو سکتا ہے۔

(۵۷) اَحَبَّ فعل ضمیر هو فاعل اَنْ یُبْسَطَ فِیْ رِزْقِهٖ جملہ فعلیہ معطوف وَیُنْسَأَ فِیْ اِثْرِهٖ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین بتأویل مفرد مفعول اَحَبَّ جملہ فعلیہ شرط فَلْیَصِلْ رَحِمَهٗ فعل فاعل مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ جزا۔ شرط و جزا مل کر مقولہ مفعول بہ یَقُوْلُ کا۔ وہ جملہ حال رَسُوْلَ اللہ سے۔ ذوالحال وحال سَمِعْتُ کا مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ مقولہ قال کا۔

تشریح (۵۵) خَلَقَ اللہُ الْخَلْقَ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوقات کی پیدائش اور اُن کے وجود کو اپنے علم میں طے فرما دیا۔ فَلَمَّا فَرَغَ مِنْ خَلْقِهٖ الخ مؤلفؒ نے یہ بخاری کے الفاظ نقل فرمائے ہیں۔ مشکوٰۃ میں یہ روایت بلفظ مسلم اس طرح ہے فلمّا فرغ منہ قَامَتِ الرَّحِمُ فَاَخَذَتْ بِحَقْوَی الرَّحْمٰنِ فَقَالَ مَہ قَالَتْ هٰذَا مَقَامُ الْعَائِذِ بِكَ مِنَ الْقَطِیْعَةِ۔ فَلَمَّا فَرَغَ کے معنیٰ یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ مخلوقات کی پیدائش کا فیصلہ فرما چکے اور تکمیل قضاء ہو چکی۔ اسلئے کہ فراغ کا اطلاق حقیقی معنیٰ میں ذات باری پر نہیں ہو سکتا۔ فانہٗ سبحانہٗ وتعالیٰ لایشغلہ شئ عن شئ حتیٰ یطلق علیہ الفراغ الذی هو ضدّ الشغل تَعَالَی اللہُ عَنْ ذٰلِكَ عُلُوًّا كَبِیْرًا۔ فافهم واستقم۔

قَامَتِ الرَّحِمُ. رشتہ ناطہ کھڑا ہو گیا۔ اس میں دو احتمال ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے رحم کو کوئی صورت عطاء فرمائی اور اس کو مجسم کرکے کھڑا کیا۔ دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ بغیر صورت و تجسم معنوی قیام ہوا۔ واللہ اعلم۔

فَاَخَذَتْ بِحَقْوَی الرَّحْمٰنِ۔ حَقْوٌ (بفتح الحاء وسکون القاف) کے لغت میں تین معنی آتے ہیں۔ اِزار۔ کوکھ۔ اِزار باندھنے کی جگہ۔ ظاہر ہے کہ اس کے حقیقی معنیٰ یہاں مراد نہیں ہو سکتے۔ بلکہ یہاں استغاثہ اور فریاد یا استعانت سے کنایہ ہے۔ چنانچہ محاورہ میں بولتے ہیں اخذت بذیل الملک حتی انصفنی (میں نے بادشاہ کا دامن پکڑ لیا یہاں تک کہ اس نے میرا انصاف کر دیا) مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں نے بادشاہ سے فریاد کی اور مدد چاہی تو مجھے انصاف مل گیا۔ نیز پناہ پکڑنے والا آدمی جس کی پناہ پکڑتا ہے اُس کے حقوین یعنی جانبین (ایمن والیسر) کو پکڑتا ہے۔ پھر حقوین پکڑنے کا اِطلاق مطلقاً پناہ پکڑنے پر ہو گیا۔ گو وہ مستجار بہ کی جانبین کو پکڑے یا نہ پکڑے۔ چنانچہ اہلِ عرب کہتے ہیں۔ عذت بحقوی فلانٍ یعنی میں نے فلاں کی پناہ لی، اور اس کے سہارے میں محفوظ رہا۔ لہٰذا فاخذت بحقوی الرحمٰن کا مطلب یہ ہوا کہ رحم نے زبانِ قال سے یا بیانِ حال سے اللہ کی حقوین یعنی عزت وعظمت یا رحمتِ عامہ وخاصہ سے التجاء واستعانت اور فریاد کی۔ اور اس بات سے پناہ چاہی کہ کوئی اسکو توڑے (قطع رحمی وبدسلوکی کرے) اور رحم و رحمٰن میں مناسبت بالکل ظاہر ہے۔ کیونکہ دونوں کا مادۂ اشتقاق ایک ہی ہے۔ بعض شراح نے مضاف مقدر مانا ہے۔ اور اس جملہ کی تقدیر یہ بیان فرمائی ہے فاخذت بحقوی عرشِ الرحمٰن یعنی رحم نے عرش رحمٰن کی طرفین کو پکڑا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت سے اِس کی تائید ہوتی ہے۔ اس میں اَلرَّحِمُ مُعَلَّقَةٌ بِالْعَرْشِ تَقُوْلُ مَنْ وَصَلَنِیْ وَصَلَہُ اللّٰہُ وَمَنْ قَطَعَنِیْ قَطَعَہُ اللّٰہُ ہے۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۱۹) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے لمعات میں ارشاد فرمایا ہے کہ روایات میں تین قسم کے الفاظ ہیں۔ (۱) فاخذت بحقوی الرحمٰن جیسا کہ (۵۵) میں ہے۔ (۲) الرحم شجنۃ من الرحمٰن جیسا کہ (۵۶) میں ہے۔ (۳) الرحم معلقۃ بالعرش جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی روایت مذکورہ میں ہے۔ ان میں قرب وبعد کے لحاظ سے رحم کے تین درجات کا بیان ہے اوّل میں اخص الارحام کا بیان ہے۔ اور اخص الارحام وہ تعلق ہے جو بواسطۂ ولادت ہو جیسے والدین و اولاد کے درمیان ہوتا ہے۔ دوسرے نمبر میں نمبر ۲ یعنی اوسط الارحام کی طرف اشارہ ہے۔ جیسے اخوۃ واعمام کا رشتہ ہے۔ تیسرے میں تیسرا نمبر اور ادنیٰ درجہ کی قرابت کا ذکر ہے۔ کیونکہ تعلق بالعرش کا تعلق بالرحمٰن اور تعلق بحقوی الرحمٰن سے ادنیٰ ہونا ظاہر ہے۔

فَتَاَمَّلُوْا اَیُّھَا الْاَذْکِیَاءُ وَاِلَّا فَاسْئَلُوْا اَسَاتِذَتَکُمُ النُّبَلَاءَ فَاسْئَلُوْا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فَقَالَ مَہْ۔ مہ بفتح المیم وسکون الہاء یا تو اسم فعل بمعنی اکفف وانتہ ہے یعنی اے رحم ٹھہر جا۔

تیری درخواست منظور ہوگی۔ اور تیری حاجت پوری کیجائیگی۔ یا مہ استفہامیہ ہے۔ دراصل مَا ہما تھا۔ الف ہاءِ سکتہ سے بدل گیا۔ اور مطلب یہ ہے کہ اے رحم تو کیا کہہ رہا ہے کہہ اور اظہارِ حاجت کر ہم تیری حاجت کو پورا کرنیکی طرف متوجہ ہیں۔ اور استفہام سے حقیقتِ استفہام اور استعلام مقصود نہیں۔ بلکہ اعتناء وعنایت کا اظہار مقصود ہے۔ لان الله تعالیٰ یعلم السّر واخفیٰ۔

هٰذا مقام العائذ بك من القطيعة ای مقامی هٰذا مقام المستعيذ بك من قطيعتي یعنی میرے اس قیام کا مقصد اور آپ کے دامانِ رحمت سے چمٹ کر پناہ مانگنے کا سبب یہ ہے کہ کوئی مجھ کو قطع کرکے آپ کے غصہ میں گرفتار نہو جائے۔ قال الا ترضين ان اصل من وصلك واقطع من قطعك۔ یعنی کیا تجھ کو یہ بات پسند نہیں کہ جو تجھ کو ملائیگا (صلہ رحمی کریگا) میں اس کو اپنی رحمت سے ملاؤنگا۔ (اور اپنی رحمت کو اس کی طرف متوجہ کرونگا) اور جو تجھ کو توڑیگا (قطع رحمی اور بدسلوکی کریگا) میں اس کو اپنی رحمت سے قطع کردونگا کہ خصوصی رحمت سے اس کا تعلق نہ رہیگا) قالت بلیٰ۔ رحم نے کہا کیوں نہیں۔ میں آپ کے فیصلہ پر راضی ہوں۔ کیونکہ آپ مالک و مختار اور پروردگارِ بااختیار ہیں۔ آپ جس کی جس طرح چاہیں تربیت کریں۔ اور جس کو جو چاہیں دیں، میں راضی ہوں۔ قال فهو لك۔ والمعنى افعل ما قلت من الوصل والقطع۔ یعنی جو فیصلہ سنایا گیا وہ تیرے لئے طے ہوچکا۔ (وفی مشكوة المصابيح فذاك فخبره محذوف ای فذالك لك) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ رحم (رشتہ ناطہ) جو توڑا اور جوڑا جاتا ہے، ایک معنوی چیز ہے۔ جس سے قیام کا تحقق ہو سکتا ہے، نہ کلام کا حصول۔ اسلئے حدیثِ شریف کا مقصد صرف رحم (رشتہ ناطہ) کی فضیلت و اہمیت اور اس کو توڑنے اور بدسلوکی کرنیوالے کی زبردست گنہگاری کو بیان کرنا ہے۔ اور اسپر تمام علماء کا اجماع ہے کہ صلہ رحمی اور قرابت داروں کے ساتھ احسان و سلوک واجب اور ضروری ہے۔ اور قطع رحمی و بدسلوکی معصیتِ کبیرہ ہے۔ لیکن صلہ رحمی کے مختلف و متفاوت درجات ہیں۔ بعض درجات بعض سے اعلیٰ وارفع ہیں۔ اور بعض دوسروں سے ادنیٰ اور کمتر۔ ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ مہاجرت یعنی چھوٹ چھٹاؤ اور اَن بن نہ کرے۔ اور بات چیت، سلام و کلام جاری رکھے۔ پھر قدرت و حاجت کے اعتبار سے بھی بعض حقوق واجب و مستحب ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر والدین محتاج ہیں اور اولاد غنی، تو اُن کا نان و نفقہ اولاد پر واجب ہوگا۔ اور اگر والدین و اولاد دونوں غنی ہیں تو اولاد پر والدین کی مالی خدمت واجب نہ ہوگی۔ صرف مستحب ہوگی۔ اسی طرح اگر اولاد یا بھائی بہن محتاج ہیں تو بشرطِ وسعت ان کا نان و نفقہ اور ضروریات کا تکفل صاحبِ وسعت والدین اور بھائی بہنوں پر واجب ہوگا۔ اگر کسی شخص نے صلہ رحمی کے بعض حقوق کو ادا کیا اور بعض کو ادا نہیں کیا تو اُس کو قطع رحمی کرنیوالا نہ کہیں گے۔ اسی طرح قدرت کے باوجود حقوقِ صلہ رحمی میں کوتاہی کرنے والے کو

صلہ رحمی کرنے والا کہا جائیگا۔

(۵۶) الرَّحِمُ قال السیوطی ای رحم الاقارب کیف ما کانوا شِجْنَةٌ مُثَلَّثُ الشِّین وسکون الجیم هی فی الاصل عروق الشجر المشتبکة والمراد ههنا انها مشتقة من الرحمٰن ای الرحم المشتق من اسم الرحمٰن فکانها مشتبکة اشتباك العروق من الشجرة۔ بعض نے فرمایا ہے کہ رحم کے حروف اسم رحمٰن میں موجود ہیں۔ تو گویا رحم اور رحمٰن دونوں حروف کے اعتبار سے اس طرح متداخل ہیں جس طرح درخت کی شاخیں یا بیلیں ایک دوسرے میں متداخل ہوتی ہیں۔ اور سب کا ایک ہی جڑ سے تعلق ہوتا ہے۔ اسی طرح ان دونوں کی اصل اور مادہ ایک ہی ہے۔ اور مطلب الفاظ حدیث کا یہ ہے کہ اسم رحمٰن ورحم کے الفاظ میں جس طرح تعلق ہے اسی طرح ان میں معنوی اور حقیقی تعلق بھی ہے۔ گویا رحم رحمٰن کی رحمت کے خصوصی آثار میں سے ہے۔ اور اس کی رحمت کا عظیم مظہر ہے۔ جو شخص اس کو جوڑیگا تو وہ اپنے آپ کو رحمٰن کی رحمت سے جوڑ لیگا۔ اور جو اس کو قطع کریگا وہ اپنا تعلق رحمت رحمٰن سے منقطع کر لیگا۔ آپ اگر غور فرمائیں تو یہ حقیقت خوب سمجھ میں آجائیگی کہ ماں کی مامتا، باپ کی شفقت، بھائی بہنوں کی محبت اور رشتہ داروں کا تعلق یہ سب رحمت خداوندی ہی کے مظاہر و آثار ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں موجود ہے کہ اللہ کی سو رحمتیں ہیں، ان میں سے ایک رحمت کو مخلوق پر ڈالدیا گیا ہے۔ اسی رحمت کی وجہ سے ماں اولاد سے محبت کرتی ہے، اور گھوڑی اپنے بچھیرے کو دودھ پلانے کے لئے ٹانگ اٹھا لیتی ہے۔ اور ننانوے رحمتیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خزانہ میں جمع فرمادی ہیں۔ جو کل قیامت کے دن اہل ایمان کی جانب ان کو بخشنے کے لئے متوجہ فرمائیں گے۔ (اسرار بسم اللہ) بہرحال جو اس رحمت والے تعلق کی قدر کرکے اس کو باقی رکھنے کے لئے صلہ رحمی کرتا ہے تو وہ درحقیقت رحمت رحمٰن سے اپنا تعلق قائم رکھتا ہے۔ اور جو اس تعلق کو توڑتا ہے وہ خود اپنا تعلق رحمت رحمٰن سے منقطع کرتا ہے۔ اسی حقیقت کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخری جملہ میں بیان فرمایا ہے۔ فقال اللہ من وصلكِ ایتها الرحم بالصلة وصلتهٗ ای بالرحمة ومن قطعكِ قطعتهٗ عنها۔

(۵۷) اَنْ یُبْسَطَ۔ صیغة مضارع مجهول۔ ای یُوَسَّعَ فی رزقه یعنی جس کی خواہش یہ ہو کہ اس کی روزی میں دنیا یا آخرت میں فراخی کردی جائے۔ اور یہ تعمیم اسوجہ سے کی گئی کہ حدیث کے ان الفاظ میں تقیید نہیں۔ ویُنْسَأُ بضم الیاء وسکون النون صیغة مضارع مجهول ای یؤخر لهٗ فی اثرہٖ بفتحتین ای فی اجله۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ جس کی خواہش یہ ہو کہ اس کی روزی میں وسعت و فراخی اور عمر میں برکت وترقی ہو (ظاہر ہے کہ یہ خواہش ہر شخص کی ہوتی ہے) تو اس کو

چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔ کیونکہ صلہ رحمی سے رزق میں برکت و فراخی اور عمر میں ترقی ہوتی ہے۔

سوال:۔ نصوصِ قطعیہ سے یہ ثابت ہے کہ آجال و ارزاق مقدر ہو چکے ہیں۔ اُن میں کمی زیادتی ممکن نہیں۔ اور اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رزق و اجل میں کمی زیادتی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ صلہ رحمی سے ان دونوں چیزوں کا زیادہ ہونا اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

جواب:۔ علماء نے اس سوالِ مشہور کے مختلف جوابات دیئے ہیں۔ جو حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) رزق میں زیادتی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں برکت ہوتی ہے۔ اور اس کو جو روزی ملتی ہے بے جا مقدمات، معالجات، لایعنی فضولیات اور اقسام و انواع کے نقصانات و آفات سے اس کی حفاظت منجانب اللہ ہوتی ہے۔ نیز تھوڑی روزی میں معنوی برکت بھی اللہ کی رحمت سے ایسی ہوتی ہے کہ بہت سی روزی میں وہ برکت نہیں ہو سکتی۔ جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وجوہِ مذکورہ کی وجہ سے جو تنگی و پریشانی لاحق ہو جاتی ہے اس سے حفاظت رہتی ہے۔ اور عمر میں زیادتی کا مطلب بھی برکت ہی ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ صلہ رحمی کرنیوالے کو طاعات کی ایسی توفیق دیتا ہے کہ اس کی زندگی کے تمام قیمتی لمحات فائدہ مند کاموں اور آخرت کے انتظامات میں اس طرح گذرتے ہیں کہ بے فائدہ اور لایعنی کاموں میں اس کے اوقات ضائع اور برباد نہیں ہوتے۔ حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص نظرِ عنایت و رحمت سے اُس کی زندگی کے اوقات کامیاب اور کارآمد ہوتے ہیں۔ اور معنوی برکت بھی عطاء کی جاتی ہے۔ کہ وہ تھوڑی مدت میں ایسے بڑے بڑے کام انجام دے لیتا ہے جو دوسر لوگ بڑے بڑے اوقات میں انجام نہیں دے سکتے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس کے مقدر میں اگر دو سو روپے ہیں تو صلہ رحمی کرنیسے چار سو روپے ہو جائیں گے۔ یا ساٹھ سال کی عمر ہے تو ستر سال کی ہو جائے گی۔

(۲) بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حقیقۃً رزق اور عمر میں زیادتی ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ زیادتی باعتبار مخلوق کے ہوتی ہے۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوحِ محفوظ میں یا اور کسی طرح فرشتوں پر اس بات کا اظہار فرمایا کہ فلاں شخص کے لئے اتنا رزق مقدر ہے، یا اُس کی عمر ساٹھ سال ہے۔ لیکن اگر وہ صلہ رحمی کریگا تو اس کو اتنا رزق اور مثلاً چالیس سال عمر زیادہ دیجائے گی۔ اور اللہ تعالیٰ کو خوب معلوم ہے کہ وہ صلہ رحمی کریگا یا نہیں کریگا۔ اس کا علم فرشتوں کو نہیں دیا گیا۔ تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو صلہ رحمی کرنے والے کے لئے یہ بات بلا تردد موجود ہے کہ اس کی عمر سو سال ہے۔ اور وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ شخص صلہ رحمی کریگا۔ لہٰذا جب اس شخصِ معین نے صلہ رحمی کی اور عالمِ مشاہدہ میں آجانے پر فرشتوں کے علم میں آیا کہ صلہ رحمی اُس نے کی ہے۔ اور اسی وجہ سے اس کی عمر ساٹھ کی بجائے سو سال قرار پا گئی، اور رزق میں اتنی ترقی ہو گئی۔ تو فرشتوں

کے علم کے اعتبار سے رزق میں بھی حقیقۃً زیادتی ہوئی اور عمر میں بھی۔ اللہ جل شانہٗ کے علم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ اور نہ اس کے حقیقی فیصلہ میں کوئی تغیر ہوا کیونکہ علم و فیصلہ میں اس طرح تبدیلی لازمۂ جہل ہے۔ جس سے ذاتِ باری مُبرّا اور پاک ہے۔ اور یہی مطلب ہے قرآن مقدس کی آیت یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ (اللہ جو چاہے مٹادے اور جو چاہے باقی رکھے۔) کا فافہم ولا تکن من الھالکین۔

بعض علماء نے اسی کو اس طرح تعبیر کردیا ہے کہ تقدیر کی دو قسمیں ہیں۔ تقدیر معلق اور تقدیر مبرم۔ تقدیر معلق میں تبدیلی ہوسکتی ہے، تقدیر مبرم میں نہیں ہوسکتی۔ اور اس حدیث کا تعلق تقدیر معلق سے ہے یعنی مخلوق کے علم کے اعتبار سے نہ کہ خالق کے علم کے اعتبار سے۔ واما بالنسبۃ الی علم اللہ فکل تقدیر مبرم وتقسیمہٗ باطل۔

یہ بھی یاد رکھیے کہ اس تعلیق ظاہری میں (یعنی باظہار اللہ لملائکتہ ان عمرہٗ ستون سنۃ الا ان یصل رحمہ فان وصلھا زید لہٗ اربعون سنۃ فی عمرہ) حکمتیں ہیں۔ لان اللہ تعالیٰ حکیم و فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ۔ ان میں سے ایک حکمت صلہ رحمی کی فضیلت واہمیت کو عیاں کرنا ہے کہ اصل عمر تو ساٹھ۶۰ سال ہی ہے لیکن صلہ رحمی کے انعام میں مزید چالیس۴۰ سال مل گئے۔ اس طرح عمر سو۱۰۰ سال ہوگئی۔ تو اصل عمر میں زیادتی نہیں ہوئی، بلکہ انعامی عمر مل کر زیادہ ہوگئی۔ جیسے کسی مزدور کی مزدوری دس۱۰ روپیہ یومیہ۔ اور عمدہ کارکردگی پر بطور انعام مزید پانچ روپیہ دیدیئے گئے۔ تو مزدوری تو دس۱۰ ہی روپے رہی مگر انعامی رقم مل کر پندرہ۱۵ ہوگئے۔ اس کو زیادتی سے بھی تعبیر کرسکتے ہیں۔ غور کیجئے کہ اس بیانِ حکمت میں ایک مستقل جواب جو سابق سے ممتاز ہے پیدا ہوگیا۔ ھٰذا من فضلِ ربّی والحمد للہ اولاً و اٰخراً۔

(۳) تیسرا جواب یہ ہے کہ رزق و عمر اور تمام مقدرات میں زیادۃ ونقص ناممکن ہے۔ اور حدیث پاک کا مطلب یہ ہے کہ واصلِ رحم کا ذکرِ جمیل اور اچھی یادگار اُسکے مرنے کے بعد دیر تک باقی رہتی ہے۔ گویا اس کا نام زندہ رہنا خود اسی کا زندہ رہنا ہے۔ اور قاطعِ رحم کا نام ونشان دیرپا نہیں ہوتا۔

(۴) واصلِ رحم کے اعمال کا ثواب اس کے مرنے کے بعد بھی جاری رہتا ہے۔ کیونکہ اس کے حسنِ سلوک سے یقیناً معاشرے کے لوگ اصلاح پذیر ہوتے۔ اور اس کے اس عملِ خیر کی برکت سے تاثرات کا سلسلہ جبتک باقی رہیگا، ظاہر ہے کہ اس کے نامۂ عمل میں اُن کے برابر ثواب لکھا جاتا رہیگا۔ مَن سَنَّ سُنَّۃً حَسَنَۃً فلہٗ اجرُھا واجرُ مَن عَمِلَ بھا ولا ینقص من اجورھم شیئ۔

ع یہ بھی ممکن ہے بلکہ غالباً یہی ہے کہ آیت گرامی سے اپنی قدرت کا اثبات مقصود ہے کہ ہم مالک مختار ہیں۔ جو کچھ ہم نے طے کیا اور لوحِ محفوظ میں لکھدیا ہے اسکے محو و اثبات پر ہمکو پوری قدرت و اختیار ہے اور اتنی بات محو کو لازم نہیں۔ واللہ اعلم ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری

(۵) اللہ جل شانہٗ صلہ رحمی کرنیوالوں کی نسلوں میں برکت عطاء کرتے ہیں۔ اور زمانۂ دراز تک اس کی نسلوں کا سلسلہ جاری رہتا ہے۔ جس کی وجہ سے اُس مورثِ اعلیٰ کا نام دنیا میں روشن اور زندۂ وتابندہ رہتا ہے۔ بخلاف قطع رحمی کرنے والے کے کہ اُس کی نسلیں دیر تک نہیں چلتیں جسکے سبب اس کی یادگار کا چراغ جلد بجھ جاتا ہے۔ ان جوابات میں سے کونسا جواب پسندیدہ تر ہے۔ شُرّاحِ حدیث کا اس بارے میں اختلاف ہے۔ امام نوویؒ نے جواب نمبر دُو کو زیادہ پسند کیا۔ اور اسی کو مرادِ حدیث بتلایا ہے۔ اور وہی دل کو زیادہ چیکتا ہے۔

وللناس فیما یعشقون مذاھب۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

رحم کی تعریف اخیر میں یہ بھی سمجھ لینا ضروری ہے کہ جس رحم (رشتہ) کے بلانے پر رحمٰن کی رحمتِ خاصہ سے تعلق وابستہ ہوتا اور بندہ کمالِ عنایتِ خداوندی کا مظہر ومرکز بنتا ہے۔ اور اس کے توڑنے سے رحمتِ رحمٰن سے رشتہ ٹوٹ کر بندہ غضب واعراضِ خداوندی کا نشانہ بن جاتا ہے۔ اس کی حقیقت کیا ہے؟ امامِ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس رحم کی تعریف میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ جن میں دو قول حسب ذیل ہیں۔

بعض کہتے ہیں کہ وہ رشتہ مراد ہے کہ طرفین میں سے کسی بھی ایک کو لڑکا اور دوسرے کو لڑکی فرض کر لیا جائے تو انمیں آپس میں نکاح جائز نہو۔ اس تعریف کی بناپر اَولادِ اَعمام (چچا زاد بھائی بہن) اور اولادِ اَخوال (ماموں زاد بھائی بہن) اسی طرح اولادِ عمات (پھوپھی زاد بھائی بہن) اور اولادِ خالات (خالہ زاد بھائی بہن) کی قرابت اِس رشتۂ وقرابت میں داخل نہوگی۔ جس کا صلہ واجب ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ رحم تمام میراث والے ذَوِی الاَرحام کو عام ہے۔ خواہ وہ مُناکحت کے اعتبار سے محرم ہوں یا غیر محرم۔ ملا علی قاریؒ نے فرمایا کہ یہ دوسرا قول ہی صحیح ہے۔ کیونکہ باری تعالیٰ نے فرمایا ہے وَأُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ (اور رشتہ دار اللہ کے حکم میں ایک دوسرے سے تعلق رکھتے ہیں۔) اور اول قول میں ذی رحم محرم کی تعریف ہے مطلق رحم کی نہیں۔ اس قولِ ثانی پر (جو راجح ہے) مذکورہ بالا قرابتیں بھی رحم میں داخل رہیں گی۔

بِرُّ الْوَالِدَیْنِ

(۵۸) وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے انھوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ

صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اُمُّكَ قَالَ ثُمَّ مَنْ قَالَ اَبُوْكَ.

وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر سوال کیا اے اللہ کے رسول زندگی بسر کرنے میں میرے احسان کا کون زیادہ مستحق ہے۔ فرمایا تیری ماں اس نے کہا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں اسنے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیری ماں۔ اسنے پوچھا پھر کون؟ فرمایا تیرا باپ۔

(بخاری شریف ص۸۸۳ ج۲ ومشکوٰۃ شریف ص۴۱۸)

(۵۹) وَعَنْهُ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنْ اَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ قَالَ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ اَدْنَاكَ۔

انہی سے روایت ہے فرمایا کہ ایک آدمی نے کہا اے اللہ کے رسول انسانوں میں اس دنیوی زندگی میں احسان کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے فرمایا تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیری ماں پھر تیرا باپ پھر جو تیرے زیادہ قریب ہو اور تیرے زیادہ قریب ہو۔

(مسلم شریف باب برّ الوالدین ص۳۱۲ ج۲ ومشکوٰۃ شریف ص۴۱۸)

لغات | بحسن صحابتی۔ الصحابۃ بمعنی الصحبۃ بابہ سمع ساتھی ہونا۔ دوستی کرنا۔ ایک ساتھ زندگی بسر کرنا۔ امّ ماں واصل الشئ ج اُمّھاتٌ واُمّاتٌ۔ اور بقول بعض اُمّھات انسانوں کے لئے اور اُمّات بہائم کے لئے ہے۔

ترکیب | جاءَ فعل رَجُلٌ فاعل اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ متعلق جملہ فعلیہ مقولہ۔ مَنْ مبتدا۔ اَحَقُّ اپنے متعلق بِحُسْنِ صَحَابَتِيْ سے مل کر خبر۔ جملہ جواب ندا۔ قَالَ اُمُّكَ بالرفع ولا یجوز فیہ النصب فی ھٰذہ الرّوایۃ والدلیل قولہ ؑ قال ابوك ومن قرأ فیہ النصب فقد اَخطأَ۔ ای امّك احق بحسن صحابتك مبتدا خبر۔ وکذا الی اٰخر الحدیث۔

(۵۹) قال امّك بالنصب علی الاغراء ای الزم امّك ای احسن صحبتھا اومنصوب علی نزع الخافض ای احسن الی امّك اوعلی المفعول بہ والتقدیر برّ امّك وھوَ الاظھر والنصب متعیّن فی ھٰذہ الرّوایۃ لقولہ علیہ السّلام فی اٰخرھا ثمّ اباك ثمّ ادناك۔ کما فی الرّوایۃ الاولی الرفع متعین لقولہ ؑ ابوك فغلط بخلط الرّوایتین بعضُ الشراح وقالوا بجواز الرفع والنصب فی الرّوایتین وایاك ان تخلط الرّوایۃ فتحرم الدرایۃ ثمّ ادناك ادناك بحذف العاطف او اعید للتاکید۔ والترکیب ظاھر۔

تشریح امام نوویؒ شارحِ مسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں روایتوں میں اَقارب اور رشتہ داروں کے حقوق کی آدائیگی اور اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کرنے پر اُبھارا گیا ہے۔ اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ احسان و سلوک کی سب اقرباء سے زیادہ مستحق ماں ہے۔ اس کے بعد باپ ہے۔ ماں باپ کے بعد الاقرب فالاقرب دوسرے رشتہ دار ہیں۔ اور والدہ کو سب سے زیادہ مستحق سلوک اس لئے قرار دیا گیا ہے کہ اُس نے اولاد کی خدمت، دیکھ بھال اور پرورش میں سب سے زیادہ مشقت برداشت کی ہے۔ اور سب سے زیادہ محبت و شفقت بھی ماں ہی کو ہوتی ہے۔ غور کیجئے کہ حمل کی مشقت، جننے کی مصیبت پھر دودھ پلانے کی محنت اور اس کی تربیت و پرورش و خدمت و علاج معالجہ وغیرہ یہ تمام بے مثال محنتیں اور مشقتیں ہیں جو ماں نے بڑی خندہ پیشانی سے برداشت کیں۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ تمام علماء کا اس پر اجماع ہے کہ ماں، باپ سے زیادہ احسان و سلوک کی مستحق ہے۔ قاضی عیاضؒ نے اختلاف بھی بیان کیا ہے۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ جمہور تو ماں کو باپ پر فضیلت دیتے ہیں۔ اور بعض کا قول ہے کہ دونوں کے ساتھ برابر احسان و سلوک کرنا چاہیئے۔ یہ قول امام مالکؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ اِن دونوں میں سے زیادہ ٹھیک بات پہلی ہی ہے۔ اور اِن مذکورہ احادیث سے بھی یہی معلوم ہوا۔ لیکن قولِ محقق یہ ہے کہ برّ و صلہ یعنی احسان و سلوک اور مالی ہمدردی و خدمت کی والدہ، والد سے زیادہ مستحق ہے۔ اور تعظیم و تکریم کے اعتبار سے والد، والدہ سے احق و اقدم ہے۔

سوال:۔ والدہ کیساتھ احسان و سلوک کی ترغیب و تاکید تین بار فرمائی گئی۔ پھر والد کے ساتھ حسنِ سلوک کا ایک بار حکم ہوا اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ کثرتِ تعب و مشقت اور کمالِ شفقت و خدمت ہی تین بار تاکید کی علّت ہے۔ نیز والدہ کی تین مشقتیں ایسی ہیں جن میں اس کا کوئی شریکِ حال نہیں۔ اور وہ باری تعالیٰ کے اس قول میں مذکور ہیں۔

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَّوَضَعَتْهُ كُرْهًا وَحَمْلُهُ وَفِصٰلُهُ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا ط	انسان کو اس کی ماں نے پیٹ میں مشقت سے اٹھایا اور اس کو مصیبت سے جَنا۔ اور اسکو پیٹ میں اٹھانے اور دودھ چھڑانے کی کل مدت تیس ماہ ہیں

فالتثليث في مقابلة ثلثة اشياء مختصّة بالامّ وهي تعب الحمل ومشقة الوضع ومحنة الرضاع۔ (مرقاۃ)

(ف) امام نوویؒ نے حقوقِ صلہ رحمی کی ترتیب اس طرح بیان کی ہے۔ والدہ پھر والد پھر اولاد پھر اجداد پھر جدات پھر اخوۃ اور اخوات پھر دوسرے محارم جیسے اعمام و عمات، اخوال و خالات۔ ان میں بھی جو والدین کے زیادہ قریب تر ہو۔ وہ اس سے مقدم ہے جو احد ہما سے قریب تر ہو۔ پھر ذی رحم غیر محرم جیسے اولاد العم والعمات اور اولاد الاخوال والخالات۔ پھر قرابت مصاہرت والے

جس میں سسرالی اور دامادی ہر دو رشتے داخل ہیں۔ پھر موالاتِ اعلیٰ اور موالاتِ اسفل، پھر بڑوسی بالترتیب۔ جن کی تفصیل آئندہ آئیگی۔ اور زوج وزوجہ محارم میں داخل ہیں۔ واللہ اعلم

(۶۰) قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ وَاِنْ جَاھَدَاكَ عَلٰٓی اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا وَّاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ فَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اور اگر وہ دونوں (ماں باپ) تجھ پر پورا دباؤ ڈالیں کہ تو میرے ساتھ اس چیز کو شریک ٹھہرائے جسکی تیرے پاس کوئی دلیل نہیں تو تو انکا کہنا نہ ماننا۔ اور دنیا میں ان دونوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے زندگی بسر کرنا۔ اور اس شخص کی راہ پر چلنا جس کا رُخ میری جانب ہو۔ پھر میری جانب تم سب لوٹنا ہوگا تو میں تمکو جتلا دونگا جو کچھ تم کرتے ہو۔ (سورۂ لقمان پ۲۱ ع۸)

لغات جَاھَدَاكَ پوری طاقت صرف کرنا۔ پوری کوشش کرنا۔ (ف) بہت کوشش کرنا۔ امتحان کرنا۔ جہاد دین کی حفاظت اور اللہ کا بول بولا کرنے کے لئے جنگ کرنا۔ تُشْرِكَ شریک ٹھہرانا۔ شریک کرنا۔ (س) شریک ہونا۔ مَعْرُوْف الذی عرف فی الشرع ای البرّ والصلۃ بحسب امر اللہ سُبْحَانَہٗ وتعالیٰ۔ اَنَابَ ای رَجَعَ وتوجّہ (ن) نوبت بہ نوبت آنا۔ جانشین ہونا۔

ترکیب وَاِنْ جَاھَدَاكَ فعل فاعل مفعول بہ عَلٰی حرف جر اَنْ تُشْرِكَ فعل با فاعل بِیْ متعلق مَا موصولہ لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فعل ناقص اسم مؤخر وخبر مقدم ومتعلق سے ملکر جملہ صلہ۔ موصول وصلہ مفعول بہ اَنْ تُشْرِكَ جملہ بتاویل مفرد مجرور عَلٰی متعلق وَاِنْ جٰھَدٰكَ کے۔ جملہ فعلیہ شرط۔ فَلَا تُطِعْهُمَا فعل فاعل مفعول بہ۔ جملہ معطوف علیہ۔ وَصَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا۔ فعل با فاعل مفعول بہ ہر دو متعلق (معروفا ای بالمعروف) جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین جزا۔ وَاتَّبِعْ فعل با فاعل سَبِیْلَ مضاف مَنْ موصولہ اَنَابَ اِلَیَّ جملہ فعلیہ صلہ سے ملکر مضاف الیہ۔ مفعول بہ جملہ فعلیہ۔ ثُمَّ اِلَیَّ مَرْجِعُكُمْ خبر مقدم ومبتدا مؤخر جملہ اسمیہ فَاُنَبِّئُكُمْ فعل با فاعل مفعول بہ كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ فعل با فاعل جملہ فعلیہ صلہ۔ مَا موصولہ صلہ سے مل کر مجرور متعلق اُنَبِّئُكُمْ کے۔ جملہ فعلیہ ہوا۔

تشریح اس آیت میں بھی والدین کے حقوق کا بیان ہے۔ گو اس آیت کے نیز اسی مضمون کی سورۃ

عنکبوت کے پہلے رکوع میں جو آیت ہے، اس کے شانِ نزول میں مفسرین نے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور ان کی والدہ حمنہ بنت ابی سفیان بن امیہ کا واقعہ ذکر کیا ہے۔ کہ جب حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے اِسلام قبول کیا تو اُن کی والدہ خفا ہوئیں، اور انہوں نے قسم کھالی کہ جب تک اسلام سے دست بردار نہ ہو جاؤ گے نہ کھاؤں گی نہ پیوں گی۔ حضرت سعدؓ اسلام پر ثابت قدم رہے، اور ماں کی خوشامد کرتے رہے، مگر وہ بھی نہ مانیں تو حضرت سعدؓ نے فرمادیا کہ میں اِسلام کو نہ چھوڑوں گا چاہے تم زندہ رہو یا بھوکی پیاسی مرجاؤ۔ لیکن اعتبار عمومِ الفاظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوصِ سبب کا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں جابجا اپنے حقوق کے بعد والدین کے حقوق کو بیان فرمایا ہے۔ سورۂ لقمان میں بھی ایسا ہی ہے کیونکہ حق تعالیٰ کے احسانات و انعامات کے بعد اس دنیا کے اندر ظاہری اسباب کے اعتبار سے انسان پر سب سے زیادہ احسانات اُس کے والدین کے ہوتے ہیں۔ کیونکہ وہی اُس کے وجود اور بقاء و ارتقاء کے سبب اور اس کی تربیت ونشوونما کے ضامن ہوتے ہیں۔ اِس سے پہلی آیت وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ سے والدین کے حقوق کو بیان فرمایا گیا۔ وَصِیَّت نہایت تاکیدی حکم کو کہتے ہیں۔ اور انسان سے مُراد صرف حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نہیں، بلکہ جنسِ انسان مراد ہے۔ یعنی ہم نے انسان کو نہایت تاکیدی حکم دیا ہے کہ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ احسان وسلوک کا برتاؤ کرے۔ آگے حَمَلَتْهُ أُمُّهُ سے والدہ کے احق بالاحسان ہونے کا بیان کرکے فرمایا ہے أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيرُ (میرا شکر ادا کرو۔ اور اپنے ماں باپ کا شکر ادا کرو۔ یعنی رب و محسن حقیقی کا بھی شکر ادا کرو۔ (اور منعم و محسنِ مجازی کا بھی) حضرت سفیان بن عُیینہؒ نے اس آیت کے بارے میں فرمایا کہ جس نے پنجگانہ نمازوں کا اہتمام اور اُن کے بعد والدین کے لئے دعاء کا التزام رکھا تو اُسنے اللہ تعا کا بھی شکر ادا کردیا اور والدین کا بھی۔ إِلَيَّ الْمَصِيرُ میں اشارہ ہے جزا کی جانب یعنی اطاعتِ والدین یا نافرمانیِ والدین، جیسا عمل لیکر ہماری بارگاہ میں آؤگے ویسا ہی پھل پاؤ گے۔

وَإِنْ جَاهَدَاكَ میں بیان فرمایا کہ والدین کا حق مخلوق میں سب سے بڑھکر ہے۔ لیکن خالق کا حق والدین سے بھی مقدم ہے۔ اس لئے اگر والدین اللہ کی نافرمانی مثلاً شرک کا حکم دیں۔ اور اسکو منوانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاویں تب بھی خالق کے حق کو فراموش نہ کرنا۔ حدیث میں ہے لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ (مشکوٰۃ ص۳۲۱) خالق کی نافرمانی میں کسی بھی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ (طاعۃ۔ مخلوق۔ معصیۃ تینوں میں عموم ملحوظ رہے۔ لان النکرۃ تحت النفی تفید العموم) آیت میں خصوصیت سے شرک کا ذکر اہمیت اور سببِ نزول کیوجہ سے ہے۔ ورنہ ہر معصیت کا یہی حکم ہے۔

مَالَیْسَ لَکَ بِہٖ عِلْمٌ قید اتفاقی ہے۔ کیونکہ شرک پر کوئی معقول دلیل نہیں۔ بلکہ شرک دلیل کے خلاف ہے۔ گویا یہ نفی بمعنی عدمِ شئی ہے۔ پھر فرمایا کہ والدین کے مشرک ہونے یا شرک کے داعی ہونے کی وجہ سے اُن کے احسانات کو فراموش کر دینے کی اجازت نہیں۔ دنیا میں اُصولِ اسلام کے موافق بہ صلہ اور احسان وسلوک کا برتاؤ اُن کے ساتھ کرنا ضروری ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دنیوی جائز اُمور میں اُن کی اطاعت کرو۔ دینی اُمور میں اُن کی اطاعت معصیتِ خالق ہو جائیگی۔ ملاحظہ کیجئے قرآنِ مقدس کا بیان، کس قدر حُدود و قیود اور ہمہ گیر احتیاط سے لبریز ہوتا ہے۔ اب دل میں کھٹک پیدا ہوتی ہے کہ دنیاوی امور میں بشرطیکہ خالق کی معصیت نہو اطاعتِ والدین کریں گے، تو دین کے معاملہ میں کسکی اطاعت کریں؟ اسی لئے آگے ارشاد ہے وَاتَّبِعْ سَبِیْلَ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ۔ اُن کی پیروی کرو جو ہماری طرف متوجہ ہیں۔ اور یہ ایسا ہمہ گیر اُصول اور زبردست معیار ارشاد فرمایا گیا کہ زندگی کا ہر قدم منیبین کے نقشِ قدم پر پڑے۔ اِس میں دنیوی و دینی تمام امور حتیٰ کہ اطاعتِ والدین بھی آگئی۔ پھر اتباع کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں طوعاً ہو یا کرہاً بہرحال اُن کی پیروی کرو۔ جو میری جانب رُخ کر چکے ہیں پھر مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ کا مصداق کون ہیں؟ جمہور علماء کا قول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی اور صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔ کیونکہ حضرات صحابہؓ تمام کے تمام ہی پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے متبع اور معیارِ حق ہیں۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ کا مصداق ہیں۔ حضرتِ عبد اللہ بن عباسؓ نے اس کی وجہ یہ بیان کی کہ صدیقِ اکبرؓ نے جب اسلام قبول کیا تو اُن کے پاس حضرتِ عثمانؓ، حضرتِ طلحہ، حضرتِ زبیر، حضرتِ عبد الرحمن بن عوف، حضرتِ سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم آئے اور پوچھا کہ آپ نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کر دی اور اُنپر ایمان لے آئے۔ فرمایا۔ ہاں۔ اور (میں ایمان کیوں نہ لاتا جبکہ) وہ سچے ہیں۔ تو یہ پانچوں حضرات بھی ایمان لے آئے۔ پھر اُن کو حضرتِ صدیقِ اکبرؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے، اور اُن سب حضرات نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر اپنے ایمان و اسلام کا اظہار کر دیا۔ تو یہ سب لوگ صدیقِ اکبرؓ کے ارشاد و تبلیغ پر مسلمان ہوئے۔ اب آیت کے شانِ نزول میں غور کیجئے کہ حضرتِ سعد بن ابی وقاصؓ کا واقعہ ہے تو یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ اس کا مصداق صدیقِ اکبرؓ ہیں۔ لیکن اس میں غیر صدیق اکبرؓ کی نفی نہیں ہے۔ بلکہ الفاظ میں تعمیم ہے۔ پھر جبکہ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اعتبار عمومِ الفاظ کا ہے نہ کہ خصوصِ سببِ نزول کا۔ اسلئے جمہور کا قول راجح ہے۔ کہ اصل مصداق مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ کا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی ہے۔ اور تمام صحابہؓ کیونکہ اتباعِ رسول پر حریص اور بارگاہِ رسالت سے معیارِ حق ہونے کے سند یافتہ ہیں۔ (بِاَیِّهِمُ اقْتَدَیْتُمُ اهْتَدَیْتُمْ) صحابہؓ میں سے جس کی بھی تم اتباع کرلوگے ہدایت پا جاؤگے۔

اسلئے آپ کے صحابہؓ بھی آپ کے تابع ہوکر مَنْ اَنَابَ اِلَیَّ کے مصداق اور معیارِ حق ہیں۔

(۶۱) عَنْ اَسْمَاءَ بِنْتِ اَبِیْ بَکْرٍؓ قَالَتْ اَتَتْنِیْ اُمِّیْ وَهِیَ رَاغِبَةٌ فِیْ عَهْدِ النَّبِیِّ
حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے فرماتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس توقع لیکر آئیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم
صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَصِلُهَا
کے عہد میں۔ تو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ میں ان کے ساتھ صلہ رحمی کروں؟
قَالَ نَعَمْ۔
(بخاری شریف ص۳۵۶ ج۲ و مشکوٰۃ شریف ص۴۱۸)
فرمایا۔ ہاں۔

(۶۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَغِمَ
حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ناک خاک آلود
اَنْفُهٗ رَغِمَ اَنْفُهٗ قِیْلَ مَنْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَیْهِ عِنْدَهٗ
ہوجیو اسکی ناک خاک آلود ہوجیو۔ پوچھا گیا کون ہے وہ یارسول اللہ؟ ارشاد فرمایا وہ شخص جس کے ماں باپ نے یا دونوں
الْکِبَرُ اَحَدُهُمَا اَوْ کِلَیْهِمَا ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔
میں سے ایک نے اسکے سامنے بڑھاپے کو پایا ہو پھر وہ (اُن کی خدمت کرکے) جنت میں داخل (ہونیکا مستحق) نہوا ہو۔
(مسلم شریف ص۳۱۴ ج۲ و مشکوٰۃ شریف ص۴۱۸)

لغات

رَاغِبَةٌ (س) صلہ فی ہو تو چاہنا، خواہش کرنا، عن ہو تو اعراض کرنا، منہ پھیرنا، بے التفاتی کرنا، چھوڑ دینا، اِلٰی ہو تو خواری و عاجزی ظاہر کرنا۔ خواری و ذلت سے مانگنا۔ (ک) بہت کھاؤ ہونا، کشادہ ہونا۔ عهد (س) پہچاننا، حفاظت کرنا، دیکھ بھال کرنا، ملاقات کرنا، وصیت کرنا، شرط لگانا۔ عَهْدٌ زمانہ، وفا، ضمان، امان، ذمہ، دوستی، وصیت، میثاق، قسم، شاہی فرمان ج عُهُوْدٌ۔ رَغِمَ (ن س) ذلیل ہونا، فروتنی کرنا، ناپسند کرنا (ف) مغلوب و مجبور کرنا — ناپسند کرنا۔ رَغَّمَ خاک آلود کرنا، ذلیل کرنا۔ اَنْفٌ ناک ج آنَافٌ، اُنُوْفٌ۔

ترکیب

اَتَتْنِیْ فعل هِیَ ضمیر مستتر فاعل ی مفعول بہ فِیْ عَهْدِ النَّبِیِّ متعلق جملہ فعلیہ۔ وَهِیَ رَاغِبَةٌ جملہ اسمیہ حالیہ۔ فَسَاَلْتُ النَّبِیَّ فعل با فاعل مفعول بہ اَصِلُهَا ای اَنْ اَصِلَهَا جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ قَالَ نَعَمْ ای صِلِیْهَا فعل با فاعل مفعول بہ۔

جملہ فعلیہ انشائیہ۔ رَغِمَ اَنْفُہٗ جملہ فعلیہ أعیدت للتاکید۔ قِیْلَ مَنْ ای من ھو اَوْھو من مبتدا خبر۔ جملہ اسمیہ۔ او رغم انف من۔ فالحاصل ان مَن مبتدأ محذوف الخبر او الخبر محذوف المبتداء او المضاف الیہ محذوف المضاف ثلٰث احتمالات۔ جملۃ دالۃ علی جواب النداء۔ مَنْ مبتداء۔ اَدْرَكَ فعل وَالِدَیْہِ مفعول بہ عِنْدَہٗ ظرف اَلْکِبَرُ فاعل اَحَدَھُمَا خبر مبتداء محذوف ای مدرکہٗ احدھما او کلاھما (فان من ادرك شیئاً فقد ادرکہٗ) وھٰذہ الجملۃ بیان لقولہ مَنْ اَدْرَكَ وَالِدَیْہِ۔ وفی ھٰذہ الروایۃ الفاظ مختلفۃ وتراکیب شتیٰ۔ ثُمَّ لَمْ یَدْخُلِ الْجَنَّۃَ بصیغۃ المعلوم ای لم یدخلھا بسبب العقوق والتقصیر فی الحقوق۔ وفی الترمذی فلم یُدْخِلَاہُ الْجَنَّۃَ۔ فتفکر۔ کِلَیْھِمَا بِالْیَاءِ حالتِ نصبی پر ہے۔ تو اَحَدَھُمَا اور کِلَیْھِمَا وَالِدَیْہِ سے بدل یا اَعْنِی کا مفعول بہ ہوگا۔

تشریح (۶۱) حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی حضرت اسماءؓ فرماتی ہیں کہ میری والدہ میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ قریش میں یا آپ کے زمانہ میں آئیں۔ والاول اصح۔ مشکوٰۃ شریف میں بالفاظِ مسلم یہ عبارت ہے قالت قَدِمَتْ عَلَیَّ اُمِّی وھی مشرکۃ فی عھدِ قریش فقلت یا رسول اللہ ان اُمِّی قَدِمَتْ عَلَیَّ وھی راغبۃ أفَاَصِلُھَا قال نعم صِلِیْھَا۔ یعنی وہ کہتی ہیں کہ میری والدہ (مکہ سے مدینہ) میرے پاس آئیں (جیسا کہ قَدِمَتْ کے لفظ سے معلوم ہوا۔ قدوم سفر سے آنا) درانحالیکہ وہ مشرکہ تھیں۔ ابھی مشرف باسلام نہ ہوئی تھیں۔ اور یہ آنا اس مدت میں ہوا کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اور قریش کے درمیان صلح اور ترکِ قتال پر عہد تھا۔ (یعنی صلح حدیبیہ کے بعد) فرماتی ہیں کہ میں نے آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پوچھا کہ میری والدہ میرے پاس آئی ہیں۔ وھی راغبۃ ای راغبۃ عن الاسلام او مائلۃ الی الاسلام او راغبۃ فی صِلَتِی او راغبۃ فی الاشراك او عنہٗ (وہ اسلام سے متنفر ہیں یا اسلام کی جانب مائل ہیں یا مجھ سے صلہ رحمی کی متوقع اور داد و دہش کی امیدوار ہیں، یا شرک کی جانب متوجہ ہیں یا شرک سے بیزار ہیں) اس جملہ کے اندر یہ سب احتمالات ہیں۔ اور سب ہی یہاں درست ہو سکتے ہیں۔

اور مشکوٰۃ کے بعض صحیح نسخوں میں رَاغِمَۃٌ بالمیم ہے۔ اس میں بھی مختلف احتمالات ہیں۔ (۱) کارھۃ اسلامی وھجرتی (وہ میرے اسلام لانے اور ہجرت کرنے کو ناپسند کرتی ہیں)۔ (۲) اَوْھَارِبَۃً من قومھا (وہ اپنی قوم سے بھاگ کر آئی ہیں)، علامہ تورپشتیؒ نے اسی (راغمۃ بالمیم) کو ترجیح دی ہے۔

(٣) اوذلیلۃ محتاجۃ الی عطائی (میری عطار کی سخت محتاج اور ضرورتمند ہیں)
قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ (راغبۃ) بالباء بلاشک درست ہے۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ راغبۃ مطلق بولا گیا ہے۔ اسلئے مُعْرِضَۃٌ عَنِ الْاِسْلَامِ ہی معنی زیادہ صحیح ہیں۔ اور اس معنی کی تعیین پر قرینہ وَہِیَ مُشْرِکَۃٌ اَوْفِیْ عَہْدِ قُرَیْشٍ ہے۔ واللہ اعلم
اس روایت سے آیتِ سابقہ کے مضمون کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ حضرت اسمارؓ کی والدہ باوجودیکہ مشرکہ تھیں، آپ نے حضرت اسمار کو صلہ رحمی اور حسن سلوک کی اجازت مرحمت فرمائی۔

حضرت اسمار رضی اللہ عنہا

حضرت اسمارؓ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کی ہمشیرہ بزرگ اور حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی والدہ محترمہ ہیں۔ ان کا مشہور لقب ذات النطاقین (دو کمربند والی) تھا۔ کیونکہ جس رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی انہوں نے کمربند کے دو ٹکڑے کرکے ایک سے آپکا توشہ دان اور دوسرے سے مشکیزہ باندھ دیا تھا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ آدھا اپنی ضرورت میں استعمال کیا تھا۔ وہ شروع ہی میں مکہ مکرمہ میں مسلمان ہوگئی تھیں۔ بعض لوگوں نے کہاہے کہ سترہ آدمیوں کے بعد یہ مسلمان ہوئی تھیں حضرت عائشہؓ سے دس سال عمر میں بڑی تھیں۔ اپنے بیٹے عبداللہ بن زبیرؓ کی شہادت اور اُن کی نعش کے سولی پر سے اُتارے جانے کے دس یا بیس دن بعد ٧٣ھ میں مکہ مکرمہ میں وفات پائی۔ کل عمر شریف سو سال ہوئی۔ روی عنہا خلق کثیر رضی اللہ عنہا۔ حضرت اسمارؓ سے منقول احادیث کی کل تعداد ٥٦ ہے۔ جنمیں سے ١٤ احادیث پر شیخین متفق ہیں۔ اور ٤ میں امام بخاریؒ اور ٤ میں امام مسلمؒ منفرد ہیں حضرت اسمارؓ سے روایت کرنیوالے اُن کے دونوں بیٹے عبداللہؓ اور عروۃؒ ہیں۔ اور اُن کے غلام عبداللہ بن کیسانؒ نیز ابن عباسؓ وغیرہ بہت سے حضرات ہیں۔

(٦٢) رَغِمَ اَنْفُہٗ ای لَصِقَ اَنْفُہٗ بِالرَّغَامِ وھو التراب المختلط بالرمل۔ یعنی اس کی ناک خاک آلود ہو۔ اور اس سے مُراد ذلت ہے۔ یہ خبر ہے تو معنیٰ یہ ہوں گے کہ وہ ذلیل ہوا۔ یقینی ہونے کے سبب مستقبل کو ماضی سے تعبیر کیا گیا۔ اور اگر بددعار ہے تو معنی یہ ہیں کہ وہ شخص ذلیل ہوجائے۔ پھر اس میں اہمیت کے پیشِ نظر دو قسم کی تاکیدیں فرمائی گئی ہیں۔ ایک یہ کہ اولاً مبہم لایا گیا۔ پھر سوال پر واضح بیان کیا گیا۔ کہ یہ خبر یا بددعار اس کے لئے ہے جو والدین کا نافرمان ہو۔ دوسرے رَغِمَ اَنْفُہٗ کو مکرر لایا گیا۔ اور مقصد دونوں تاکیدوں کا سامع کے ذہن میں اس امر مذکور کی اہمیت کو راسخ کردینا ہے یہ بھی یاد رکھیئے کہ بوڑھے والدین کی خدمت ہی ضروری نہیں بلکہ وہ کمزور بوڑھے ہوں یا جوان و تنومند

بہرحال ان کی خدمت ضروری اور نافرمانی خطرناک ہے۔ لیکن پھر بھی کِبَر یعنی بڑھاپے کی قید اسلئے لگائی گئی کہ بڑھاپے میں والدین کو خدمت و نفقہ کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ اور عموماً والدین کی ذات سے ظاہری منافع منقطع ہوجانے اور والدین کے سٹھیا جانے کی وجہ سے اولاد اُن سے اُکتا جاتی ہے۔ اسلئے بڑھاپے کو خصوصًا ذکر فرمایا گیا۔ حدیثِ پاک میں باری تعالیٰ کے اس قول کی طرف اشارہ ہے کہ اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَا اَوْ كِلَاهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْهَرْهُمَا وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا ۝ وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِيْ صَغِيْرًا ۝ (پ۱۵ ع ۳) (تیرے پاس ان دونوں میں سے ایک یا دونوں بڑھاپے کو پہونچ جائیں تو اُن کو کبھی اُف بھی نہ کہنا، اور نہ انکو جھڑکنا بلکہ ان سے خوب نرمی وادب سے بات کرنا، اور ان کے سامنے شفقت سے جھکے رہنا۔ اور اُن کے لئے دعاء کرتے رہنا۔ کہ اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے۔ جیساکہ انہوں نے مجھ کو بچپن میں (پیار محبت سے) پالا ہے) ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ کا مطلب یہ ہے کہ اُن کی خدمت وعظمت اور خبر گیری کرکے وہ جنت کا مستحق نہ ہوسکا۔ کیونکہ ماں کے پاؤں کے نیچے جنت ہے۔ اور باپ جنت کا عظیم الشان دروازہ ہے۔ فرماں بردار اولاد کو اُن کی خدمت اور دعاؤں کی بدولت جنت حاصل ہوسکتی ہے۔

---

(۶۳) عَنْ اَبِى الطُّفَيْلِ قَالَ رَاَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لَحْمًا بِالْجِعِرَّانَةِ اِذْ اَقْبَلَتْ اِمْرَاَةٌ حَتّٰى دَنَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَبَسَطَ لَهَا رِدَاءَهٗ فَجَلَسَتْ فَقُلْتُ مَنْ هِيَ فَقَالُوا اُمُّهُ الَّتِيْ اَرْضَعَتْهُ۔

حضرت ابوطفیل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے کہا کہ میں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ مقام جعرانہ میں گوشت تقسیم فرمارہے ہیں کہ اچانک ایک عورت آئی یہانتک کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوگئی تو آپ نے اس کیلئے اپنی چادر بچھادی میں نے کہا کہ یہ کون ہے؟ لوگوں نے بتلایا کہ آپ کی رضاعی ماں ہیں۔

(ابوداؤد شریف ص۳۵۳ ج۲ وترمذی شریف ص۱۳ ج۱ ومشکوٰۃ شریف ص۴۲۰)

لُغات

يَقْسِمُ (ض) قَسْمٌ بانٹنا، تقسیم کرنا، تفریق کرنا۔ (ك) قَسَامَةٌ خوبصورت ہونا۔ جِعِرَّانَة ایک مقام کا نام ہے۔ بَسَطَ (ن) پھیلانا۔ رِدَاءٌ چادر ج اَرْدِيَةٌ۔ اَرْضَعَتْهُ (ض س ف) ماں کا دودھ پینا۔ (ک) لئیم ہونا، کمینہ ہونا۔ اِرْضَاع دودھ پلانا۔ رَاضِعٌ، رَضِيْعٌ دودھ پینے والا بچہ۔ مُرْضِعَةٌ دودھ پلانے والی عورت۔

ترکیب

رَاَیْتُ فعل بافاعل النبیَّ ذوالحال یَقْسِمُ لحمًا بالجعرانۃ جملہ فعلیہ حال۔ ذوالحال و حال مفعول بہ۔ اِذْ اَقْبَلَتِ امْرَاَۃٌ جملہ فعلیہ حتّٰی دَنَتِ النّبیّ جملہ فعلیہ مجرور حتّٰی (بتاویل مصدر) متعلق۔ اَقْبَلَتْ معطوف علیہ فَبَسَطَ فعل ضمیر مستتر ھُوَ فاعل لَھَا متعلق رِدَاءَہٗ مفعول جملہ فعلیہ معطوف فَجَلَسَتْ فعل فاعل جملہ معطوف۔ معطوفات ملکر مضاف الیہ۔ اِذْ ظرفیہ بمعنی وقت مفعول ثانی۔ مَنْ ھِیَ مبتدا خبر جملہ اسمیہ۔ فَقَالُوْا اُمُّہٗ موصوف الّتِیْ اپنے صلہ اَرْضَعَتْہُ سے مل کر صفت۔ موصوف وصفت۔ مبتدا محذوف ہی کی خبر۔ جملہ اسمیہ مقولہ۔

تشریح

حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ اپنی آنکھوں دیکھا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم مقام جعرانہ میں گوشت تقسیم فرمارہے تھے (جعرانہ جیم کے کسرہ عین کے سکون اور تخفیفِ راکے ساتھ ہے۔ نیز عین کے کسرہ اور تشدید راکے ساتھ بھی بولا جاتا ہے۔ ایک جگہ کا نام ہے) تو ایک عورت آئی (یہ عورت حضرت حلیمہ سعدیہ تھیں) جب قریب آگئی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کے احترام میں اپنی مبارک چادر بچھادی (یا تو عرب کی بے تکلفی کی عادت کے موافق یا اور کسی وجہ سے) وہ اِس چادر پر بیٹھ گئی۔ پھر معلوم کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ آپ کی رضاعی ماں ہے۔ اس واقعہ سے ایک خاص بات یہ معلوم ہوئی کہ پرانے حقوق اور احسانات سابقہ کی رعایت اور اپنے قدیم محسنوں کا اکرام واحترام کرنا چاہیے۔ جیساکہ آپ نے اپنی رضاعی ماں کے ساتھ اکرام کا برتاؤ فرمایا۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مواہب لدنیہ میں ہے کہ آپ کی رضاعی ماں حلیمہ بنتِ ابی ذُویب قبیلہ ہوازن میں سے تھیں۔ اُنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پوری مدتِ رضاعت دودھ پلایا ہے۔

غزوۂ حُنین کے دِن وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں، تو آپ اُن کے احترام میں کھڑے ہوگئے اور اپنی چادر اُن کے لئے بچھادی، اور وہ بے تکلف اس چادر پر بیٹھ گئیں۔ اسی طرح ثُوَیبہ ابولہب کی باندی نے بھی آپ کو دودھ پلایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرتِ خدیجہؓ سے شادی کرلی تھی اسکے بعد بھی گاہ بگاہ ثُویبہ آتیں تو آپ انکا اکرام واحترام فرماتے۔ جب آپ ہجرت فرماکر مدینہ تشریف لے آئے تو آپ ثُویبہ کے لئے کپڑے اور ہدایا بھیجتے رہے۔ فتح خیبر کے بعد ثُویبہ کا انتقال ہوگیا تھا۔ یہ وہی ثویبہ ہیں جن کو ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وِلادت مبارکہ کی خوشخبری دینے پر آپ کی خدمت کے لئے آزاد کردیا تھا۔ لیکن حلیمہ اور اُن کے شوہر اور ثُویبہ تینوں کے اسلام لانے میں علماء کی تحقیقات مختلف ہیں۔

واللہ ربنا المتعال اعلم بحقیقۃ الحال۔

حضرتِ ابو الطفیل رضی اللہ عنہ

حضرتِ ابو الطفیلؓ کا اسمِ گرامی عامر بن واثلۃ اللیثی الکنانی تھا۔ لیکن نام کے مقابلہ میں کنیت زیادہ مشہور ہوئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ ظاہری کے اخیر کے آٹھ سال انہوں نے پائے۔ ۱۰۲ھ میں مکہ معظمہ میں وفات پائی۔ تمام صحابہ میں سب سے آخر میں آپ کی وفات ہوئی۔ رضی اللہ عنہ۔

(۶۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا نبی محترم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشک

مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ أَنْ يَّلْعَنَ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَ

بڑے گناہوں میں سے ایک بہت بڑا گناہ یہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ کو گالی دے۔ عرض کیا گیا اے اللہ کے رسول

كَيْفَ يَلْعَنُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ قَالَ يَسُبُّ أَبَا الرَّجُلِ فَيَسُبُّ أَبَاهُ وَ

کوئی اپنے ماں باپ کو کس طرح گالی دے سکتا ہے فرمایا (اس طرح) کہ وہ کسی کے باپ کو گالی دے اور وہ اسکے باپ کو

يَسُبُّ أُمَّهُ فَيَسُبُّ أُمَّهُ۔

(جواباً) گالی دے (اسی طرح) یہ کسی کی ماں کو گالی دے اور (جواباً) وہ اسکی ماں کو گالی دے۔

(بخاری شریف ص۸۸۴ ج۲ مسلم شریف ص۶۴ ج۱ ومشکوٰۃ شریف باب البر والصلۃ ص۴۱۹)

لغات

يَلْعَنُ (ف) لعنت کرنا، گالی دینا۔ رسوا کرنا۔ خیر سے دور کرنا۔ دھتکارنا۔ يَسُبُّ (ن) سخت گالی دینا۔ مقعد میں نیزہ مارنا۔

ترکیب

مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ۔ ثابتٌ سے مل کر خبر اِنَّ۔ اَنْ يَّلْعَنَ اپنے فاعل الرَّجُلُ اور مفعول بہ وَالِدَيْهِ سے مل کر جملہ بتاویلِ مفرد اسم اِنَّ جملہ اسمیہ۔ اگلے پانچوں جملے فعلیے ہیں۔ ترکیب ظاہر ہے۔

تشریح

مسلم شریف میں یہ الفاظ ہیں اِنَّ مِنْ أَكْبَرِ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ الخ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ اپنے ماں باپ کو گالی دینا، برا بھلا کہنا سخت ترین گناہ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی اپنے ماں باپ کو کس طرح گالی دیسکتا ہے (اس بات سے صحابہ کرامؓ کی اس پاک جماعت کو حیرت ہوئی۔ کیونکہ اس دور میں تو عرب کے جاہل بھی والدین کو ایذاء پہونچاتے اور گالی گلوچ کرنے کو عیب سمجھتے تھے۔

جیساکہ اس دور کے کلامِ شعراء اور تاریخِ جاہلیت سے معلوم ہوتا ہے۔ تو اصحابِ رسولؐ کو اس پر حیرت کیوں نہ ہوتی (ہاں ہمارے اِس دور میں والدین کے ساتھ کوئی نازیبا سے نازیبا تر حرکت قابلِ حیرت نہیں) چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی صورت یہی نہیں کہ خود ہی ماں باپ کو گالی دے۔ اس کو تو سب ہی معیوب سمجھتے ہیں۔ اس کی صورت یہ ہے کہ آدمی والدین کو گالی دیئے جانے کا سبب بنجائے۔ مثلاً ایک شخص کسی کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے، اسکے جواب میں وہ شخص اس گالی دینے والے کے ماں باپ کو گالی دیتا ہے۔ تو گویا اول گالی دینے والے شخص نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دی۔ کیونکہ وہ ابتداءً گالی نہ دیتا تو اس کے والدین کو جواباً گالی نہ دی جاتی۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں بعض علماء نے فرمایا ہے کہ وہی گالی کبیرہ گناہ ہوسکتی ہے جس سے حد واجب ہوتی ہے۔ مثلاً یوں کہے "تیرا باپ زانی ہے یا کافر ہے" یا اس جیسے الفاظ کہے۔ اور اس کے جواب میں دوسرا اسی قسم کے الفاظ کہدے۔ لیکن اگر اس سے کم درجہ کے ہلکے الفاظ سے گالی دے۔ مثلاً جاہل یا احمق وغیرہ کہدے تو یہ کبائر میں سے نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ میری رائے یہ ہے کہ جب اس کے بعض افراد کبائر میں داخل ہیں تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ شتم الرجل من الکبائر۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ہلکے الفاظ (احمق وجاہل) کی گالی کو مطلقاً کبائر میں داخل مانا جاسکتا ہے۔ لانّ سببَ السّبِّ سبٌّ (کیونکہ گالی کا سبب بننا بھی گالی ہے) اگرچہ دوسرا اس کے ماں باپ کو گالی دے رہا ہے۔ مگر کیونکہ یہ خود اس گالی کا سبب بنا ہے۔ تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو کہا اَنْتَ جَاھِلٌ وَاَنْتَ اَحْمَقُ۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ والدین کو ایسی بات کہنے سے سخت اذیت ہوگی جس کا حرام اور گناہِ کبیرہ ہونا نصِ قطعی سے ثابت ہے۔ قَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ فَلَا تَقُلْ لَّھُمَا اُفٍّ وَّلَا تَنْھَرْھُمَا اسی طرح باری تعالیٰ کا ارشاد وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ فَیَسُبُّوا اللّٰہَ عَدْوًا بِغَیْرِ عِلْمٍ ہے (یعنی تم لوگ بُرا نہ کہو ان کو جن کی وہ اللہ کے سوا پوجا کرتے ہیں کہ وہ لوگ جہالت سے اللہ کو بُرا کہنے لگیں) اس آیت میں اللہ کی جناب میں گستاخی کا سبب بننے سے منع فرمایا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ گناہ کا سبب بھی گناہ ہوگا۔ اور گالی کا سبب بننا گالی دینے کے مرادف ہوگا۔ لیکن علامہ طیبیؒ کا یہ منطقی قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ ہم کو یہ بات تسلیم نہیں کہ کسی کو گالی دینا یا بُرا کہنا مطلقاً گناہ کبیرہ ہے۔ خصوصاً جبکہ بلا قصد ہو۔ غور کیجئے کہ ایک شخص کسی رافضی یا خارجی یا کافر کو بُرا کہتا ہے، یا گالی دیتا ہے۔ اس کے جواب میں رافضی، خارجی حضرات صحابہؓ پر سبّ وشتم کرتا ہے، یا کافر جنابِ باری میں گستاخی کرتا ہے، تو علمائے حق کا اس بات پر اتفاق ہے کہ ابتداء کرنیوالا مرتکب کبیرہ یا کافر نہیں ہے۔ حالانکہ رافضی یا خارجی اور کافر کا یہ سبّ وشتم سخت ترین کبیرہ بلکہ کفر ہے۔ ہاں یہ بات تسلیم ہے کہ جو چیز بالقصد اور جان بوجھ کر ذریعہ حرام ہو وہ حرام ہوگی۔ فتأمّل (مرقاۃ)

کسی گناہ کا سبب بننا بھی گناہ ہے

حدیث مذکور میں والدین کے حقوق کی طرف نہایت بلیغ انداز میں متوجہ فرمایا گیا ہے۔ اور اُن کی توہین و اذیت کو خواہ وہ بالواسطہ اور بطور تسبّب ہی کیوں نہو سخت ترین گناہ قرار دیا گیا ہے۔ یہ بالکل ظاہر ہے۔ لیکن اس حدیث سے ایک نہایت ہمہ گیر و عظیم الشان اصول بھی نکلتا ہے۔ (نیز قرآن مقدس کی آیت وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ الخ سے بھی یہ اصول مستنبط ہوتا ہے) وہ یہ ہے کہ کوئی کام اپنی ذات کے اعتبار سے جائز و محمود ہی کیوں نہو، لیکن اس کے کرنے سے اگر کوئی فساد لازم آتا ہو، یا لوگ اس سے مبتلائے معصیت ہوتے ہوں، تو وہ کام ممنوع ہو جاتا ہے۔ مثلاً معبوداتِ باطلہ (بتوں) کو برا کہنا کم از کم جائز تو ضرور ہے۔ اور ایمانی غیرت کے تقاضے سے کہا جائے تو اپنی ذات میں محمود و موجب ثواب بھی ہوگا۔ مگر چونکہ اس کے نتیجہ میں یہ اندیشہ ہے کہ لوگ اللہ جلّ شانہٗ کی جناب میں گستاخی کریں گے۔ تو بتوں کو برا کہنے والے اس برائی کا سبب بنجائیں گے۔ اسلئے یہ جائز کام بھی ممنوع ہوگا۔ حدیث مذکور میں بھی اسی قسم کی صورت مذکور ہے۔

روح المعانی میں اسپر ایک قوی اشکال ابو منصورؒ سے منقول ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر جہاد و قتال لازم فرمایا ہے۔ حالانکہ کافروں کے قتل کرنے کا لازمی نتیجہ مسلمانوں کا قتل ہے۔ اور مسلمان کا قتل حرام ہے۔ تو اس اصول پر جہاد بھی ممنوع ہو جانا چاہیئے۔ ایسے ہی تبلیغ اسلام، تلاوتِ قرآن نماز و اذان کا بہت سے کفار مذاق اڑاتے ہیں۔ اور ان چیزوں کا مضحکہ کفر ہے۔ جسکا سبب ان کاموں کا کرنا ہے۔ تو کیا مسلمان ان تمام عبادات سے دست بردار ہو جائیں۔؟

اس کا جواب خود ابو منصورؒ نے یہ دیا ہے کہ یہ اشکال ایک ضروری شرط کے نظر انداز کر دینے سے پیدا ہوا ہے۔ شرط یہ ہے کہ وہ جائز کام جس کو مفسدہ کا سبب بننے کی وجہ سے منع کر دیا گیا ہے۔ اسلام کے مقاصد اور ضروری کاموں میں سے نہو۔ جیسے اوپر کی مثال یعنی بتوں کو برا کہنا ہے۔ کہ اس سے اسلام کے کسی مقصد کا تعلق نہیں، اور جو کام مقاصدِ اسلام اور فرائض و واجبات یا ضروریات دین ہیں۔ اگر ان کے کرنے سے کچھ لوگ غلط فہمی یا غلط کاری کا شکار ہوتے ہوں تو ان کاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائیگا ہاں جو اسلامی مقاصد میں داخل نہیں اور ان کے ترک کر دینے سے کوئی دینی مقصد فوت نہیں ہوتا۔ تو ایسے کاموں کو غلط فہمی و غلط کاری کے اندیشہ سے چھوڑ دیا جائیگا۔ اسی لئے جب ابو جہل وغیرہ رؤسائے قریش نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر صلح کرنا چاہی کہ آپ توحید کی تبلیغ اور بتوں کو کچھ کہنے سے رک جائیں۔ تو آپنے فرمایا کہ میں یہ شرط ہرگز منظور نہ کرونگا۔ اگرچہ تم آفتاب و مہتاب بھی میرے ہاتھ پر لاکر رکھدو۔ یہی وجہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت حسن بصریؒ و امام ابن سیرینؒ دونوں حضرات ایک جنازہ کی نماز میں شرکت کے لئے چلے۔ وہاں دیکھا کہ مردوں کے ساتھ عورتوں کا بھی اجتماع ہے:

یہ دیکھکر ابن سیرینؒ واپس ہوگئے۔ اور حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ لوگوں کی غلط روش کیوجہ سے ہم اپنے ضروری کام کیسے چھوڑدیں۔ نمازِ جنازہ فرض ہے۔ اس کو کسی مفسدہ کیوجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا۔ ہاں اس کی کوشش تا بمقدور کیجائے گی۔ کہ یہ مفسدہ مٹ جائے۔

اس اصول سے فقہائے امّت نے ہزاروں احکام و مسائل مستنبط فرمائے ہیں۔ مثلاً فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کسی کا بیٹا نافرمان ہو، اور باپ جانتا ہے کہ اگر وہ اس کو کسی کام کا حکم دیگا تو وہ انکار کر کے نافرمان و سخت گنہگار ہوگا، تو باپ کو چاہیئے کہ اس کو کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے کا حکم دینے سے احتیاط رکھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو حکم دیا کہ اس سونے والے کو نماز کیلئے جگادو۔ انہوں نے جگا تو دیا۔ لیکن سوال کیا کہ یا رسول اللہ آپ تو خیر کی طرف سب سے زیادہ سبقت کرنے والے ہیں آپ نے خود یہ عمل کیوں نہ کیا۔ ارشاد فرمایا ممکن ہے کہ نیند کی غفلت کی وجہ سے وہ اٹھنے سے انکار کردیتا۔ اگر میرے حکم پر انکار کرتا تو کافر ہوجاتا۔ یہ بات بھی یاد رہے کہ اولاد کے نافرمان ہوجانے کی وجہ سے تعلقات قطعی ترک نہ کردے، کہ اس طرح وہ آزاد ہوجائیں گے۔ بلکہ حکم کی بجائے نصیحت کا انداز اور مشورہ کا طرز اختیار کرے۔ مثلاً اس طرح کہے کہ فلاں کام کرلیا جائے تو بہت اچھا ہو۔ تاکہ انکار کی صورت میں نافرمانی کا گناہ نہو۔ اسی طرح کسی کو وعظ و نصیحت کرنے میں بھی اگر قرائن سے معلوم ہوجائے کہ وہ نصیحت قبول کرنے کے بجائے کوئی ایسا غلط انداز اختیار کریگا جس سے وہ اور زیادہ گناہ میں مبتلا ہوجائیگا تو اس صورت میں نصیحت ترک کردینا بہتر ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں اس موضوع پر ایک مستقل باب قائم فرمایا ہے "باب من ترك بعض الاختيار مخافة ان يقصر فهم بعض الناس فيقعوا فى اشد منه"۔

علامہ نوویؒ حدیث مذکور کی شرح میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں (محرمات) کے وسائل و ذرائع کو (اختیار کرنے سے) منع کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس شخص کے ہاتھوں شیرہ بیچنا بھی ممنوع قرار پائیگا جس کے متعلق یہ معلوم ہے کہ وہ اس سے شراب تیار کریگا۔ اور اس شخص کے ہاتھوں ہتھیار بیچنا بھی ناجائز ہوگا جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ ڈاکہ زنی کریگا۔ یا ان کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کریگا۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے احکام کی اصل تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔ بھی ہے۔ اور میں کہتا ہوں کہ اس کلیہ مذکورہ کی اصل سینکڑوں آیاتِ قرآنیہ اور نصوصِ حدیثیہ بن سکتی ہیں۔ جن کی کسی قدر تفصیل کی بھی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ نسیم احمد غازی مظاہری

سوال:- بہت سی آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ میں "بتوں" کا تذکرہ سخت الفاظ میں آیا ہے۔ اور وہ آیات منسوخ بھی نہیں ہیں۔ ان کی تلاوت اب بھی ہوتی ہے۔ حالانکہ وہ مقاصدِ اسلام

میں سے نہیں۔ جیساکہ بیانِ سابق سے معلوم ہوا۔

جواب:۔ آیات ونصوص میں جہاں کہیں ایسے الفاظ آئے ہیں وہ بطور مناظرہ وتحقیق برائے تنقیحِ حقیقت اور مسئلہ توحید کی وضاحت کے لئے وارد ہوئے ہیں۔ ان میں کسی پر طعن وتشنیع اور دشنام ودل آزاری مقصود نہیں۔ اور نہ کوئی سمجھدار آدمی ان سے یہ نتیجہ نکال سکتا ہے کہ ان میں بتوں کو بُرا کہنا یا مشرکین کو چڑانا منظور ہے۔ اور توحید بہرحال اہم مقاصد میں سے ایک اہم ترین مقصود ہے۔ اگر لزومًا کوئی چڑتا ہے تو چڑے۔ ڈاکٹروں اور حکیموں کو دیکھیے کہ مریضوں کے ایسے امراض وعیوب کو شب وروز بیان کرتے ہیں کہ اگر ان کو کوئی دوسرا شخص بیان کردے تو ان کو عیب جوئی، دل آزاری اور گالی سمجھا جائیگا۔ لیکن بغرضِ علاج ان کے بیان کرنے کو کوئی بھی گالی یا چڑانیوالی بات نہیں سمجھتا۔ قرآنِ مقدس نے بھی جو کچھ اس سلسلہ میں بیان فرمایا ہے وہ سب بغرضِ علاج ہی بیان فرمایا ہے۔

(۶۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ دِيْنَارٍ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا مِّنَ الْاَعْرَابِ

حضرت عبداللہ بن دینارؒ سے مروی ہے وہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک گاؤں کا آدمی ان کو مکہ کے

لَقِيَهٗ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ فَسَلَّمَ عَلَيْهِ عَبْدُ اللّٰهِ وَحَمَلَهٗ عَلٰى حِمَارٍ كَانَ يَرْكَبُهٗ

راستہ میں ملا تو حضرت عبداللہؓ نے اس کو سلام کیا اور اس کو سواری کے لئے وہ گدھا دیدیا جس پر (گاہے گاہے)

وَاَعْطَاهُ عِمَامَةً كَانَ عَلٰى رَاْسِهٖ فَقَالَ ابْنُ دِيْنَارٍ فَقُلْنَا لَهٗ اَصْلَحَكَ

وہ خود سوار ہوتے تھے اور اپنا وہ عمامہ بھی دیدیا جو ان کے سر پر تھا۔ عبداللہ بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ ہمنے عرض کیا اللہ آپکو

اللّٰهُ اِنَّهُمُ الْاَعْرَابُ اِنَّهُمْ يَرْضَوْنَ بِالْيَسِيْرِ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا هٰذَا

سلامت رکھے یہ لوگ گاؤں والے ہیں تھوڑی چیزوں سے خوش ہو جاتے ہیں حضرت عبداللہ نے فرمایا کہ اس کا باپ (میرے

كَانَ وُدًّا لِعُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ وَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

والد محترم) حضرت عمر بن خطابؓ کا دوست تھا۔ اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ

يَقُوْلُ اِنَّ اَبَرَّ الْبِرِّ صِلَةُ الْوَلَدِ اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ۔

اعلیٰ درجہ کا حسن سلوک (والد کے ساتھ) لڑکے کا اپنے باپ کے دوستوں سے تعلق نبھانا ہے۔

(مسلم شریف ص۳۱۴ ج۲ ومشکوٰۃ شریف ص۴۱۹)

؎ وفی روایۃ لمسلم کان لہ حمار تروح علیہ ای اذا مل عن رکوب الراحلۃ۔ قال النووی معناہ کان یستصحب حمارًا یستریح علیہ اذا ضجر عن رکوب البعیر۔ واللہ اعلم ۱۲ ن

لغات

حِمَارٌ گدھا۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اہلی اور جنگلی۔ ثانی کو الحمار الوحش اور الحمار الوحشی کہتے ہیں ج حَمِيْرٌ، اَحْمِرَةٌ، حُمُرٌ، حُمُوْرٌ، حُمُرَاتٌ مؤنث حِمَارَةٌ ج حَمَائِرُ حَمِرَ حَمَرًا (س) بدہضمی والا ہونا۔ یا بدبودار منہ والا ہونا۔ حَمِرَ الرَّجُلُ غصّہ سے بھڑک اٹھنا۔ يَرْكَبُهُ (س) رُكُوْبًا، مَرْكَبًا سوار ہونا، دریائی سفر کرنا، سوار ہونا، راستہ پر چلنا، پیچھا کرنا وغیرہ۔ رَكَبًا بڑے زانو والا ہونا۔ (ن) رَكْبًا زانو پر مارنا۔ مَرْكُوْبٌ سواری ج مَرَاكِيْبُ۔ عِمَامَةٌ پگڑی ج عَمَائِمُ۔ اَصْلَحَكَ اللهُ اللہ تعالیٰ آپ کی اصلاح کرے، آپ کو ٹھیک ٹھاک اور بخیر و عافیت رکھے۔ (ك ف ن) درست ہونا۔ فساد زائل ہونا، نیک ہونا۔ اَصْلَحَ متعدی۔ اَلْاَعْرَابُ عرب دیہات کے باشندے۔ واحد اَعْرَابِیٌّ۔ يَسِيْرٌ تھوڑا، آسان، ہلکا، کم (ن ك ض) وُدًّا۔ بتثلیث الواو۔ دراصل یہ اسم جمع بمعنی محبین ہے۔ کہتے ہیں قَوْمٌ وُدٌّ یہاں واحد کے لئے مستعمل ہے۔ (س) محبت کرنا۔ دوستی کرنا۔ تمنا کرنا۔

ترکیب

اصل عبارت یوں ہوگی روی یزید عن عبد اللہ بن دینار و روی عبد اللہ بن دینار عن عبد اللہ بن عمر۔ اور ہر دو جملے فعلیہ ہوں گے۔ اَنَّ اپنے اسم رجلاً کائنا من الاعراب (مرکب توصیفی) اور لَقِيَهُ بِطَرِيْقِ مَكَّةَ جملہ فعلیہ خبر سے مل کر جملہ اسمیہ اپنے آئندہ معطوفات سے ملکر روی محذوف کا مفعول بہ ہوگا۔ فَسَلَّمَ فعل عَلَيْهِ متعلق عَبْدُ اللهِ فاعل جملہ فعلیہ۔ حَمَلَ فعل ضمیر هُوَ فاعل ہٗ مفعول بہ۔ عَلٰى جار حِمَارٍ موصوف كَانَ فعل هُوَ ضمیر اسم يَرْكَبُهُ جملہ فعلیہ خبر۔ پھر جملہ فعلیہ صفت حمار۔ موصوف و صفت مجرور متعلق جملہ فعلیہ۔ اسی طرح آگے کا جملہ وَاَعْطَاهُ الخ ہے۔ اَصْلَحَكَ اللهُ جملہ فعلیہ دعائیہ۔ اِنَّهُمُ الْاَعْرَابُ اِنَّ اپنے اسم (هم) و خبر (الاعراب) سے ملکر جملہ اسمیہ مبدل منہ۔ اِنَّهُمْ يَرْضَوْنَ الخ بدل اَبَاهٰذَا مرکب اضافی اسم اِنَّ۔ كَانَ اپنے اسم ضمیر ھو اور خبر (وُدًّا معہ اپنے متعلق) سے مل کر جملہ اسمیہ۔ سَمِعْتُ جملہ فعلیہ خبر اِنَّ۔ يقول اپنے مقولہ سے مل کر رَسُوْلَ اللهِ سے حال۔ ذوالحال و حال سَمِعْتُ کا مفعول بہ ہے۔ اِنَّ حرف مشبہ بفعل۔ اَبَرَّ الْبِرِّ مرکب اضافی اسم۔ صِلَةَ مصدر مضاف اپنے فاعل مضاف الیہ اَلْوَلَدِ اور مفعول بہ مرکب اضافی اَهْلَ وُدِّ اَبِيْهِ سے مل کر اِنَّ کی خبر۔ جملہ اسمیہ۔

تشریح

سلوک و احسان کی دو قسمیں ہیں۔ اصلی و فضلی۔ پہلی نصوص میں اول قسم کا بیان ہو چکا۔ اس حدیث میں قسمِ ثانی کا بیان ہے۔ اس میں حضرت عبد اللہ بن دینارؒ اولاً تو صاحبِ روایت حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کا واقعہ نقل کرتے ہیں۔ کہ ان کے والد حضرت عمرؓ کے

کسی گاؤں والے دوست کا لڑکا مکہ کے کسی راستہ میں مل گیا تو حضرت عبداللہؓ نے باوجود علم وفضل کی عظمت کے اُس گاؤں کے آدمی کو خود سلام کیا۔ دوسرا احسان یہ کیا کہ جس گدھے پر گاہے گاہے تفریحاً سوار ہوجاتے تھے وہ اُس کو دیدیا۔ تیسرا احسان ان دونوں سے بڑھ کر یہ کیا کہ اپنا عمامہ سر سے اُتار کر اُس کو دیدیا۔ عبداللہ بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ ان پے بہ پے احسانات پر ہم خدّام نے عرض کیا کہ گاؤں کے لوگ تو بیچارے تھوڑی سی چیز میں راضی ہوجاتے ہیں۔ اَصْلَحَكَ اللّٰہُ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صحت وسلامتی کے ساتھ قائم رکھے۔ یہ معنی نہیں کہ اللہ آپ کی اِصلاح کرے۔ کیونکہ شاگرد کا اپنے استاذ کو ایسا لفظ کہنا بے ادبی ہے۔ بہرحال حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے ان احسانات کی وجہ یہ ارشاد فرمائی کہ یہ میرے والد محترم کے دوست کے بیٹے ہیں۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے بڑا حسن سلوک اپنے باپ کے ساتھ یہ ہے کہ ان کے دوستوں اور ملنے والوں کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کرے۔ واضح رہے کہ جو والد کے دوستوں کے ساتھ احسان وسلوک کریگا تو والد کے ساتھ بدرجۂ اولیٰ احسان وسلوک کریگا۔ کیونکہ اوروں کے ساتھ جو اچھا سلوک کر رہا ہے وہ باپ کے تعلق ہی کی بنا پر کر رہا ہے۔ مسلم ومشکوٰۃ وغیرہ کی روایات میں بَعْدَ اَنْ یُّوَلِّیَ کا لفظ بھی ہے۔ یعنی باپ کے چلے جانے کے بعد اس کے اَحِبّہ کے ساتھ احسان وسلوک کا برتاؤ کرتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ والد سفر میں ہوں یا مرگئے ہوں۔ اور ثانی احتمال اقویٰ ہے۔ اس قید کا فائدہ یہ ہے کہ باپ کی موجودگی میں باپ کے دباؤ، ڈر، خوف اور ریاء کی وجہ سے اچھا سلوک کرنیکا احتمال بھی ہے۔ لیکن مرنے کے بعد ریاؤ نمود کا احتمال کم اور اخلاص کا پہلو زیادہ ظاہر ہے۔ بہرحال یہ برّ و احسان اصلی تو نہیں۔ کیونکہ وہ تو والد واہل قرابت کیساتھ ہوتا ہے۔ یہ برِّ فضلی کہلائیگا۔ علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ فضلی صلہ (باپ کے دوستوں پر احسان اور ان کا اکرام) باپ کے ساتھ حسنِ سلوک میں داخل ہے کیونکہ یہ اُسی کے سبب وتعلق کیوجہ سے ہوتا ہے۔ اور اسی حکم میں ماں کی سہیلیاں اور اس سے محبت کرنے والے ہیں۔ اور اجداد وجدّات، مشائخ واساتذہ نیز زوج وزوجہ کے اَحِبّہ اور اَصدِقاء کا بھی یہی حکم ہے۔ یعنی برِّ فضلی کے وہ بھی مستحق ہیں۔ چنانچہ احادیث میں موجود ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرتِ خدیجۃ الکبریٰؓ کی سہیلیوں کے پاس ہدایا بھیجتے۔ اور اُن کا اکرام کرتے تھے۔

---

(۶۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرتِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

رِضَى الرَّبِّ فِي رِضَى الْوَالِدِ وَسَخَطُ الرَّبِّ فِي سَخَطِ الْوَالِدِ۔

پروردگار کی خوشنودی والد کی خوشنودی میں ہے، اور پروردگار کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔

(ترمذی شریف ج۲ ص۱۲ ومشکوٰۃ شریف ص۴۱۹)

(۶۷) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے

اَلْوَالِدُ أَوْسَطُ أَبْوَابِ الْجَنَّةِ فَأَضِعْ ذٰلِكَ الْبَابَ أَوِ احْفَظْهُ۔

سنا کہ باپ جنت کے دروازوں میں سے بیچ کا دروازہ ہے۔ لہٰذا تو اس دروازہ کو ضائع کردے یا اسکی حفاظت کرلے۔

(ترمذی شریف ج۲ ص۱۲ ابن ماجہ شریف ص۲۶۹ ومشکوٰۃ شریف ص۴۱۹)

لغات

سخط (س) ناراض ہونا۔ اس میں سَخَطٌ سُخْطٌ دونوں لغات ہیں بمعنی ناراضگی۔ فَأَضِعْ باب افعال سے صیغہ امر حاضر ہے۔ اور مجرد میں باب (ض) سے برباد کرنا۔ ضائع کرنا۔

ترکیب

(۶۶) رِضَى الرَّبِّ مرکب اضافی مبتدا۔ فِي رِضَى الْوَالِدِ کسی محذوف کے متعلق ہوکر خبر۔ جملہ اسمیہ اسی طرح جملہ ثانیہ بھی ہے۔

(۶۷) الوالد مبتدا۔ اوسط ابواب الجنۃ مرکب اضافی خبر جملہ معطوف علیہ۔ فا تعقیبیہ برائے تفریع۔ اضع فعل بافاعل۔ ذٰلِكَ الْبَابَ مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ وھٰکذا أَوِ احْفَظْهُ دونوں معطوفات یقول کا مقولہ مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ رَسُوْلَ اللّٰهِ سے حال الخ۔

تشریح

(۶۶) والد کی خوشنودی میں اللہ کی خوشنودی مضمر ہے، بشرطیکہ باپ مؤمن ہو۔ کیونکہ اگر فاسق یا کافر ہے اور نیک کاموں پر بیٹے سے ناراض ہوتا ہے تو اس کی ناراضگی معتبر نہیں۔ جب والد کے بارے میں یہ ہے تو والدہ کی رضا میں رضائے رب بدرجۂ اولیٰ ہے۔ کیونکہ والدہ کے حقوق کی زیادہ تاکیدات نصوص میں وارد ہوئی ہیں۔ اور شرط مذکور دونوں میں ملحوظ رہے گی۔ لانہ لاطاعۃ لمخلوق فی معصیۃ الخالق۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ والد سے بطورِ فاعل ذی کذا۔ مَنْ لَہُ الْوَلَدُ مراد لیں۔ اس طرح لفظ والد ہی والدین کو عام اور شامل ہوجائیگا۔

(۶۷) باپ کو جنت کا درمیانی دروازہ فرمایا گیا۔ قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ مکان کا درمیانی دروازہ دوسرے دروازوں سے شاندار اور زیادہ بلند ہوتا ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جنت اور اُس کے درجاتِ عالیہ کے حاصل کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ والدین کی خدمت ہے۔ دوسرے شرّاح فرماتے ہیں کہ جنت کے بہت سے دروازے ہیں، مگر سب سے عمدہ درمیان کا دروازہ ہے۔ اور اس سے داخلہ والدین کی خدمت و اطاعت ہی سے ہو سکتا ہے۔ فاضع ذلك الباب ای بترك المحافظة علی حقوق الوالد او احفظه ای بخدمته وطاعته فی الدُّنیا۔

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ ان کا اسم گرامی عویمر بن عامر انصاری خزرجیؓ ہے۔ لیکن کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ درداء آپ کی صاحبزادی کا نام ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ آپ کے نام و نسب میں بہت اختلاف ہے۔ کچھ تاخیر سے بلکہ اپنے گھر والوں میں سب کے بعد مسلمان ہوئے تھے۔ بہت بڑے فقیہ و عالم اور حکیم تھے۔ ملکِ شام میں رہے اور دمشق میں ۳۲ھ میں وفات پائی۔ ان سے روایات کے ناقل ان کے بیٹے بلال اور ان کی بیوی حضرتِ ام الدرداءؓ نیز ابوادریس خولانی، علقمہ اور جبیر بن نفیرؒ ہیں۔

(۶۸) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ

حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے منقول ہے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سُنا کہ

لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ۔ (بخاری شریف ص۸۸۵ ج۲ مشکوٰۃ ص۴۱۹)

رشتہ توڑنے والا جنت میں نہ جائے گا۔

(۶۹) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا ہے کہ صلہ رحمی

الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِئِ وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِيْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا۔

کرنے والا، بدلا چکانے والا نہیں ہے۔ ہاں رشتہ جوڑنے والا تو وہ شخص ہے کہ جب اس سے رشتہ توڑا جائے تو وہ رشتہ جوڑے

(بخاری شریف ص۸۸۵ ج۲ و مشکوٰۃ شریف ص۴۱۹)

لغات مکافی صیغہ اسم فاعل از مکافاۃ، بدلہ دینا۔ کفی یکفی کفایۃ (ض) کافی ہونا۔

ترکیب (۶۸) لا یدخل الجنۃ قاطع۔ ای قاطع الرحم فعل فاعل مفعول فیہ جملہ فعلیہ یقول کا مقولہ

مفعول بہ۔ النّبیؐ سمع کے مفعول بہ سے حال جملہ خبر انّ الخ۔

(۶۹) لَیْسَ اپنے اسم الواصل اور خبر بالمکافی سے ملکر جملہ۔ لٰکنّ اپنے اسم الوَاصِل اور خبر الَّذِی (موصول وصلہ) سے مل کر جملہ .... قطعت صیغہ واحد مؤنث مجہول۔ رَحِمُہٗ نائب فاعل۔ جملہ فعلیہ شرط۔ وَصَلَھَا فعل فاعل (ضمیر) ھا مفعول بہ جملہ فعلیہ جزا۔ شرط و جزا الَّذِی کا صلہ۔

تشریح (۶۸) قاطع سے مراد قاطع طریق (ڈاکو) بھی ہو سکتا ہے۔ اور قاطع الرحم یعنی رشتہ ناطہ توڑنے والا بھی ہو سکتا ہے۔ اسی معنی ثانی کی بنا پر محدثین نے برّ و صلہ کے ابواب میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔ اور اسی معنی کا لحاظ کر کے حضرتِ مؤلف ؒ نے بھی "برّ الوالدین" میں اس کو ذکر کیا ہے۔ اگر اس بات کا علم ہوتے ہوئے بھی کہ قطع رحمی یا قطع طریق حرام ہے قطعیۃً کو حلال سمجھتا ہے تو ایسا شخص کافر ہو جائیگا۔ اور جنت میں کبھی نہ جائیگا۔ اور حدیث کے یہی معنی ہوں گے۔ اور اگر اس کو حرام اور گناہ اعتقاد کرتے ہوئے پھر قطع رحمی کا مرتکب ہوتا ہے تو ایسا شخص گنہگار ہے کافر نہیں کیونکہ گناہ کبیرہ کا مرتکب اہل السنت والجماعت کے نزدیک کافر نہیں ہوتا۔ اس صورت میں لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ قَاطِعٌ کا مطلب یہ ہوگا کہ اس گناہ کے مرتکب کو دخولِ اوّلی بغیر سزا کے نصیب نہ ہوگا۔ یہ عدل کا بیان ہے۔ اور فضل اس سے بالاتر ہے۔ ارشاد باری ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (یعنی شرک سے کم درجہ کے گناہ صغائر و کبائر مشیتِ خداوندی کے تحت ہیں۔ وہ چاہیگا سزا دیکر جنت میں داخل کر دیگا۔ اور چاہیگا تو بغیر سزا دیئے محض اپنے فضل و کرم سے دخولِ اوّلی سے سرفراز فرما دیگا۔)

(۶۹) یہ حدیث، مکارمِ اخلاق پر ترغیب کے باب سے ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد ہے اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ الآیۃ۔ یعنی اعلیٰ درجہ کی بات یہ ہے کہ آدمی برائی کا بدلہ بھلائی سے دے۔ اور قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا برتاؤ کرے۔ ایسے ہی بخاری شریف میں حضرت علیؓ کی روایت ہے۔ صِلْ مَنْ قَطَعَکَ وَاَحْسِنْ اِلٰی مَنْ اَسَآءَ اِلَیْکَ۔ الحدیث (یعنی جو تجھ سے توڑے تو اس سے جوڑ اور تو اس کے ساتھ احسان کا معاملہ کر جو تیرے ساتھ برا سلوک کرے۔ قال بعض الشعراء ؎

وَاِنَّ الَّذِیْ بَیْنِیْ وَبَیْنَ بَنِیْ اَبِیْ ۔ وَبَیْنَ بَنِیْ عَمِّیْ لَمُخْتَلِفٌ جِدًّا

اِذَا اَکَلُوْا لَحْمِیْ وَفَرْتُ لُحُوْمَھُمْ ۔ وَاِنْ ھَدَمُوْا مَجْدِیْ بَنَیْتُ لَھُمْ مَجْدًا

(یعنی میرا اور میرے حقیقی اور چچا زاد بھائیوں کا معاملہ بہت مختلف ہے۔ جب وہ میرا گوشت کھاتے ہیں تو

میں ان کو موٹا بنانے کی کوشش کرتا ہوں اور وہ میری بے عزتی کرتے ہیں تو میں اُن کے لئے عزتوں کے قلعے تعمیر کرتا ہوں)

حضرت جُبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ ان کی کنیت ابو محمد اور نسباً قریشی نوفلی تھے۔ فتح مکہ سے پہلے مسلمان ہوئے، اور مدینہ منورہ آکر رہے۔ مدینہ ہی میں ۵۴ھ میں وفات پائی۔ روی عنہ جماعۃ رضی اللہ عنہ۔

(۷۰) عَنْ اَبِی بَکْرَۃَ قَالَ مَا مِنْ ذَنْبٍ اَحْرٰی اَنْ یُّعَجِّلَ اللّٰہُ لِصَاحِبِہٖ
حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ کوئی بھی گناہ ایسا نہیں جو اس بات کا زیادہ مستحق ہو کہ اسکے مرتکب

الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا مَعَ مَا یُدَخِّرُ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ مِنَ الْبَغْیِ وَقَطِیْعَۃِ الرَّحِمِ
کو جلد سزا دیجائے دنیا میں اس عذاب کے باوجود جو اس کے لئے آخرت میں جمع ہو رہا ہے ظلم اور قطع رحمی سے۔

(ابوداؤد شریف ۳۳۲/۲۷ ومشکوٰۃ شریف ۴۱۲)

لغات اَحْرٰی زیادہ لائق۔ زیادہ مناسب۔ زیادہ بہتر۔ حَرِیٌّ لائق۔ مناسب ج حَرِیُّوْنَ، اَحْرِیَاءُ مؤنث حَرِیَّۃٌ ج حَرِیَّاتٌ، حَرَایَا (ض) گھٹنا، کم ہونا، گھٹانا، کم کرنا (س) لائق ہونا۔ تَعْجِیْل جلدی کرنا (س) جلدی کرنا۔

ترکیب مَا برائے نفی جنس مِنْ زائدہ برائے استغراق۔ ذنب اسم اَحْرٰی خبر اَنْ یُّعَجِّلَ اللّٰہُ فعل فاعل لِصَاحِبِہٖ متعلق اَلْعُقُوْبَۃَ مفعول بہ فِی الدُّنْیَا متعلق ثانی مع مضاف مَا موصولہ یُدَخِّرُ لَہٗ فِی الْاٰخِرَۃِ فعل فاعل (ھو مستتر) اور دونوں متعلقوں سے ملکر جملہ فعلیہ صلہ موصول وصلہ مضاف الیہ۔ مع مرکب اضافی سے مل کر ظرف۔ یُعَجِّلَ فاعل ومفعول بہ ہر دو متعلقوں اور ظرف سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور بائے محذوف ہو کر اَحْرٰی کے متعلق مِنَ الْبَغْیِ وَ قَطِیْعَۃِ الرَّحِمِ متعلق ثانی خبر مَا جملہ اسمیہ۔

تشریح بغی سے مراد ظلم وکبر نیز خروج علی السلطان العادل ہے۔ حضرت ابوبکرہؓ کی روایت طبرانی میں اور زیادہ تفصیل سے اس طرح مذکور ہے۔

مَامِنْ ذَنْبٍ اَجْدَرُ اَنْ يُعَجِّلَ اللّٰهُ تَعَالٰى لِصَاحِبِهِ الْعُقُوْبَةَ فِي الدُّنْيَا مَعَ مَا يُدَّخَرُ لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ وَالْخِيَانَةِ وَالْكَذِبِ وَاِنَّ اَعْجَلَ الطَّاعَةِ ثَوَابًا صِلَةُ الرَّحِمِ حَتّٰى اَنَّ اَهْلَ الْبَيْتِ لَيَكُوْنُوْا فَجَرَةً فَتَنْمُوْا اَمْوَالُهُمْ وَيَكْثُرُ عَدَدُهُمْ اِذَا تَوَاصَلُوْا۔ (مرقاۃ ص ۶۷ ج ۹)

کوئی گناہ اس کا زیادہ مستحق نہیں کہ اللہ تعالیٰ اسکے مرتکب کو دنیا میں جلد سزا دیدے۔ اور آخرت میں بھی اسکے لیے عذاب مہیا رکھے، رشتہ ناطہ توڑنے، خیانت کرنے اور جھوٹ بولنے سے۔ اور نیکیوں میں سب سے زیادہ جلدی صلہ رحمی ہی کا ثواب ملتا ہے۔ یہانتک کہ بعض خاندان باوجودیکہ بہت گنہگار ہوتے ہیں مگر وہ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ اسوجہ سے انکے مالوں میں ترقی اور انکی تعداد میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں بھی صلہ رحمی کی زبردست تاکید اور قطع رحمی پر سخت وعید مذکور ہے۔ احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جس گناہ پر دنیا میں سزا ملجاتی ہے آخرت میں اس گناہ کی سزا نہوگی دنیا ہی میں اس کی تلافی ہوجاتی ہے لیکن بعض گناہوں کی سزا دنیا میں بھی ملتی ہے اور آخرت میں بھی۔ ان میں سے یہاں چار گناہ مذکور ہیں جن میں سے دو کا ذکر روایت متن میں ہے۔ اور دو کا اضافہ شرح والی حدیث میں ہے۔ اور وہ چار گناہ ظلم، قطع رحمی، خیانت، کذب ہیں۔ یہ وہ گناہ ہیں جنپر اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی سزا دیتے ہیں اور آخرت میں بھی اُن پر پکڑ فرماتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ آپ کا اسمِ گرامی نُفَیع بن الحارث ہے (نفیع بضم النون وفتح الفاء وسکون الیاء) حارث بن کلدہ ثقفی کے غلام تھے۔ اسی لئے ان کو ابوبکرہ ثقفی کہتے ہیں۔ کنیت سے زیادہ مشہور ہوئے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ غزوۂ طائف میں مسلمان ہوئے۔ انکی کنیت ابوبکرہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رکھی۔ قال الشیخ ولی الدین ان ابا بکرۃ تدلی یوم الطائف ببکرۃ واسلم فکناہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم بابی بکرۃ فاعتقہ فھو من موالیہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ آپ بصرہ میں رہے۔ اور وہیں ۴۹ھ میں وفات پائی۔ رضی اللہ عنہ۔

وَالْيَتَامٰى [1]

(۷۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَبَضَ يَتِيْمًا

حضرت عبداللہ بن عباس سے مروی ہے نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم کو

---

[1] ابن کثیر ص ۲۸۱ ج ۱ تحت قولہ تعالیٰ ویعفو عن کثیر ۱۲ ان۔ [2] یتامیٰ جمع یتیم کی اصطلاحِ شرع میں اس نابالغ بچہ کو یتیم کہتے ہیں جس کا باپ مرگیا ہو۔ اور جانوروں میں اس کو یتیم کہا جاتا ہے جس کی ماں مرگئی ہو۔ بلوغ کے بعد شرعاً اسپر یتیم کا اطلاق نہوگا۔ حدیث میں تصریح ہے کہ لَا يُتْمَ بَعْدَ اِحْتِلَامٍ یعنی بلوغ کے بعد یتیمی باقی نہیں رہتی۔ (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۴) ۱۲ ان

مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ اَلْبَتَّةَ
اپنے کھانے پینے کی طرف سمیٹ لیا۔ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل فرمائیں گے۔
اِلَّا اَنْ يَّعْمَلَ ذَنْبًا لَا يُغْفَرُ۔ (ترمذی شریف ص۲۲ ج۲ ومشکوٰۃ شریف ص۴۲۳)
مگر یہ کہ کوئی ایسا گناہ کرے جو معاف نہ کیا جائے۔ (تو اور بات ہے)

لغات قَبَضَ (ض) ہاتھ سے پکڑنا۔ پنجہ سے پکڑنا، سمیٹنا، قبضہ کرنا۔ تنگ کرنا۔ عَنْ صلہ آئے تو باز رہنا، ہٹانا، دور کرنا۔ شَرَابٌ ہر پینے کی چیز ج اَشْرِبَةٌ (س) پینا، سیراب ہونا۔ گھونٹ لینا، پیاسا ہونا، سیراب اونٹوں والا ہونا۔ (ن) سمجھنا۔ شَرَّبَ پلانا۔ البتّۃ بتّ کا اسم مرّہ ہے البتّۃ وبتّۃ وبتاتًا یقینًا (ن ض) کاٹنا، نافذ کرنا، پختہ ارادہ کرنا، مشقت میں ڈالنا، پختہ وعدہ کرنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا، توشہ دینا۔ بَتَاتٌ توشہ، سامان خانہ ج اَبِتَّۃٌ۔

ترکیب اَنَّ کا اسم النَّبِیّ مَنْ شرطیہ قَبَضَ يَتِيْمًا فعل فاعل مفعول بہ مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ متعلق اول اِلٰى طَعَامِهٖ وَشَرَابِهٖ متعلق ثانی جملہ فعلیہ شرط۔ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ فعل فاعل مفعول بہ ومفعول فیہ جملہ فعلیہ مستثنیٰ منہ اِلَّا اَنْ يَّعْمَلَ فعل فاعل ذَنْبًا اپنی صفت جملہ فعلیہ سے ملکر مفعول بہ جملہ فعلیہ مستثنیٰ جزا۔ جملہ شرطیہ جزائیہ مقولہ مفعول بہ قَالَ کا۔ قَالَ اپنے فاعل ومفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ خبر اَنَّ جملہ بتأویل مفرد مبتدا مؤخر۔ مروی عن ابن عباسؓ خبر مقدم۔ بَتَّۃَ البتّۃَ فعل فاعل (ضمیر ہو مستتر راجع لسوئے اللہ) مفعول بہ ومفعول مطلق۔ جملہ فعلیہ معترضہ۔

تشریح مشکوٰۃ میں یہی روایت شرح السُّنّہ سے ماخوذ ہے۔ اس میں الفاظ اس سے کچھ مختلف ہیں۔ اور یہاں مذکور اس کا تہائی حصّہ ہے۔ البتہ ترمذی میں یہی الفاظ اور اتنی ہی روایت ہے۔ مَنْ قَبَضَ يَتِيْمًا کا مطلب یہ ہے کہ اُس کو اپنے کھانے پینے میں شریک کرلے، اور شفقت سے اُس کی پرورش اور دیکھ بھال کرے۔ يَتِيْمًا نکرہ مطلقہ ہے جس سے تعمیم سمجھ میں آتی ہے۔ یعنی وہ یتیم اپنا عزیز قریب ہو یا بیگانہ ہو۔ مِنْ بَيْنِ الْمُسْلِمِيْنَ کی قید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتیم مسلم کی پرورش میں یہ فضیلت ہے۔ علاوہ ازیں اس کی اہمیت کا اظہار بھی مقصود ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس تعمیم کی تاکید مقصود ہو۔ یعنی مسلمانوں میں سے کوئی بھی یتیم ہو قریب ہو یا بعید۔ واللہ اعلم۔ پھر حدیث میں یتیم کا ذکر ہے جس سے یتیمہ کی پرورش کا حال خود بخود واضح ہوگیا۔ بلکہ اس کی تربیت میں اور زیادہ اجر ہوگا۔ کیونکہ اس کی تربیت میں زیادہ مشقت بھی ہے۔ اور مؤنث بہ نسبت مذکر

کے ضعیف اور احسان وسلوک کی زیادہ محتاج بھی ہوتی ہے۔

اِلٰی طَعَامِہٖ وَشَرَابِہٖ کی ضمیریں مَن کی جانب لوٹ رہی ہیں۔ یہ بھی احتمال ہے کہ دونوں ضمیریں یتیم کی جانب راجع ہوں۔ اور الیٰ بمعنی مع ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ یتیم کی پرورش کے ساتھ اُن کے مال وسروسامان کھانے پینے کی چیزوں کی نگرانی کی ذمہ داری بھی اپنے سر لے لی۔ یہ ثانی معنیٰ ابلغ ہوں گے۔ اور اول معنیٰ اس سے خود بخود سمجھ میں آجائیں گے۔ اِلَّا اَنْ یَّعْمَلَ ذَنْبًا لَا یُغْفَرُ کا مطلب یہ ہے کہ یتیم کی خدمت سے تمام وہ گناہ معاف ہوجائیں گے جو حقوق اللہ کے قبیل سے ہیں۔ ہاں شرک معاف نہ ہوگا۔ کیونکہ ارشادِ باری اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ سے معلوم ہوتا ہے کہ شرک معاف نہیں ہوگا۔ باقی صغائر وکبائر تحت المشیت ہیں وہ چاہیں گے تو معاف کردیں گے۔ اسی طرح حقوق العباد بھی یتیم کی خدمت وپرورش سے معاف نہوں گے۔ کیونکہ بندوں کے حقوق کو اللہ تعالیٰ معاف نہ فرمائیں گے شرک وحقوق العباد کے علاوہ تمام گناہ خدمتِ یتیم کے سبب معاف ہوجائیں گے۔ (ان شاء اللہ)

لَا یُغْفَرُ روایۃً ودرایۃً مجہول ہی اصح ہے۔ معروف کا احتمال بھی درست ہے۔

(۷۲) عَنْ سَھْلِ بْنِ سَعْدٍ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہما حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا

قَالَ اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ فِی الْجَنَّۃِ ھٰکَذَا وَقَالَ بِاِصْبَعَیْہِ السَّبَّابَۃِ وَ

کہ میں اور یتیم کی کفالت کرنیوالا (دونوں) جنت میں اس طرح ہوں گے۔ اور آپنے اپنی شہادت کی اور بیچ کی دونوں

الْوُسْطٰی۔ (بخاری شریف ص۸۸۸ ومشکوٰۃ شریف ص۴۲۲)

انگلیوں سے اشارہ فرمایا۔

(۷۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَیْرُ بَیْتٍ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپنے ارشاد فرمایا

فِی الْمُسْلِمِیْنَ بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیْہِ وَشَرُّ بَیْتٍ فِی الْمُسْلِمِیْنَ

کہ سب سے اچھا گھر مسلمانوں میں وہ گھر ہے جس میں کوئی ایسا یتیم ہو کہ اسکے ساتھ اچھا سلوک کیا جارہا ہو۔ اور سب سے برا گھر

بَیْتٌ فِیْہِ یَتِیْمٌ یُسَاءُ اِلَیْہِ۔ (ابن ماجہ ص۲۷۱ ومشکوٰۃ ص۴۲۳)

مسلمانوں میں وہ گھر ہے جس میں کوئی ایسا یتیم ہو جس کے ساتھ بدسلوکی کیجارہی ہو۔

لغات کَافِلٌ ضامن۔ یتیم کا متولی۔ پے بہ پے روزے رکھنے والا۔ ج کَافِلُوْنَ وکُفَّلٌ (باب ن س) سَبَّابَۃٌ انگشتِ شہادت کا جاہلی نام ہے۔ کیونکہ اس کے اشارہ سے گالی دیجاتی تھی۔

اسلام نے اس کا مُسَبِّحَہ (تسبیح والی انگلی) نام رکھدیا۔ شَرٌّ دراصل اَشَرُّ صیغۂ اسمِ تفضیل ہے۔ ہمزہ کو کثرتِ استعمال کیوجہ سے حذف کردیتے ہیں۔ جیسے لفظ خَیر میں گذرا۔ (ض ن س) شریر ہونا۔ شرارت کرنا (ن) بُرائی کی طرف نسبت کرنا۔

ترکیب اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ معطوف علیہ و معطوف مبتدا۔ فِی الْجَنَّۃِ خبر جملہ اسمیہ۔ ھا برائے تنبیہ کذا متعلق فعل محذوف نُقَرِّبُ وغیرہ جملہ فعلیہ۔ وَقَالَ ای اَشَارَ فعل ضمیر ھُوَ فاعل اِصْبَعَیہِ مبدل منہ السَّبَّابَۃَ وَالْوُسْطٰی بدل مجرور متعلق قَالَ جملہ فعلیہ یا بِاِصْبَعَیہِ کو متعلق کردیں اور السَّبَّابَۃَ وَالْوُسْطٰی کو اَعْنِیْ فعل بافاعل محذوف کے متعلق کرکے جملہ الگ بنالیں۔ او ھٰکذا منصوب علی المصدریۃ من متعلق الخبر۔ خَیْرُ بَیْتٍ موصوف فی المسلمین صفت خبر مقدم بیت موصوف کائن فیہ یَتِیْمٌ یُحْسَنُ اِلَیہِ یتیم موصوف جملہ فعلیہ صفت سے مل کر مبتدا۔ کائن فیہ خبر مقدم۔ جملہ صفت بیت کی موصوف وصفت مبتدا مؤخر۔ اسی طرح اگلے جملے کی ترکیب ہے۔ معطوف علیہ و معطوف مقولہ۔

تشریح (۷۲) مشکوٰۃ میں اَنَا وَکَافِلُ الْیَتِیْمِ کے بعد لَہٗ وَلِغَیْرِہٖ بھی ہے۔ یعنی اپنے عزیز قریب یتیم کی کفالت کرتا ہو، یا اجنبی کی۔ اور السَّبَّابَۃَ وَالْوُسْطٰی کے بعد مشکوٰۃ شریف میں وفرج بینہما شیئًا بھی ہے۔ یعنی سبابہ و وسطٰی سے اشارہ فرماتے ہوئے دونوں کے درمیان تھوڑی سی کشادگی رکھی۔ مطلب یہ ہے کہ میں اور یتیم کا متولی جنت میں اس طرح ایک دوسرے کے قریب اور پڑوسی ہوں گے جس طرح یہ دونوں انگلیاں برابر برابر ہیں۔ درمیان میں تھوڑا سا فاصلہ ہوگا۔ یا طول کا اعتبار کیا جائے۔ کہ ایک دوسرے سے قریب ہوں گے۔ لیکن نبوت کیوجہ سے میرا مقام اسی طرح بلند ہوگا۔ جس طرح بیچ کی انگلی شہادت کی انگلی سے بلند ہے۔ اور یہ فرق یا فاصلہ درجۂ نبوت کا ہوگا۔

(۷۳) فی المسلمین ای فیما بین بیوت المسلمین۔ مسلمانوں کے گھروں میں بہترین گھر وہ ہے کہ جس میں کوئی یتیم موجود ہو۔ اور اس کے ساتھ احسان و سلوک کا معاملہ کیا جاتا ہو۔ اور بدترین گھر وہ ہے کہ جس میں یتیم ہو اور اس کو ستایا جارہا ہو۔ یاد رکھیئے کہ یتیم پر ظلم و زیادتی اور زدوکوب بہت ہی خطرناک جرم ہے۔ لیکن اگر مناسب زدوکوب تادیب و تعلیم قرآن کے لئے کیجائے تو وہ جائز ہے۔ بلکہ بعض اوقات ضروری ہے۔ یہ حسنِ سلوک میں داخل ہے۔ اور اس کو ترک کرنے سے اگر تعلیم علم دین اور ادب سے محروم رہجانے کا اندیشہ ہے۔ تو ترکِ ضرب اس پر ظلم و زیادتی ہوگی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچازاد بھائی تھے۔ والد کا نام عباسؓ اور والدہ کا نام لبابہ بنت الحارث تھا

ام المؤمنین حضرتِ میمونہؓ، لبابہ کی بہن (حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی سگی خالہ) تھیں۔ یہ ہجرتِ مدینہ سے تین سال قبل پیدا ہوئے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اُن کی عمر دس ۱۰ سال یا تیرہ ۱۳ سال یا پندرہ ۱۵ سال تھی۔ آپ کو حبر الامۃ (اس امت کے عالم) کہا جاتا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لئے ایک موقع پر حکمت، فقہ اور تاویل (تفسیر) کی دعاء فرمائی تھی۔ انہوں نے دوبار حضرتِ جبرئیل کو بھی دیکھا ہے۔ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ کو دیکھ کر کہا کہ آپ اجمل الامۃ ہیں اور آپنے کلام فرمایا تو میں نے کہا کہ آپ افصح الامۃ ہیں اور گفتگو کے بعد فیصلہ کیا تو میں نے کہا کہ آپ اعلم الناس ہیں حضرتِ عمرؓ ان کو اپنے بہت قریب رکھتے، اور امورِ خلافت میں اُن سے مشورے لیتے تھے۔ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے ایام میں اکہتر ۷۱ سال کی عمر پاکر ۶۸ھ میں طائف میں رحلت فرمائی۔ صحابہؓ و تابعینؒ کی ایک بڑی جماعت نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ وکان ابیض طویلاً مشوبًا بالصفرۃ جسیمًا وسیمًا صبیح الوجہ لہ وفرۃ یخضب بالحنّاء رضی اللہ عنہ۔

حضرتِ سہل بن سعد رضی اللہ عنہ

اسم مبارک سہل بن سعد السّاعدی الانصاریؓ اور کنیت ابوالعباس تھی۔ پہلے ان کا نام حزن تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدلکر انکا نام سہل رکھدیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت اُن کی عمر پندرہ ۱۵ سال تھی۔ مدینہ منورہ میں ۹۱ھ میں بعض نے کہا ۸۸ھ میں وفات پائی۔ مدینہ منورہ میں وہاں کے تمام صحابہؓ کے بعد آپکی وفات ہوئی۔ آپ سے احادیث نقل کرنے والے آپ کے صاحبزادے حضرتِ عباس اور امام زہری اور امام ابوحازم رحمہم اللہ ہیں۔

---

(۷۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ مَّسَحَ رَأْسَ
حضرتِ ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں کہ جس نے کسی یتیم کے سر پر ہاتھ
یَتِیْمٍ لَمْ یَمْسَحْہُ اِلَّا لِلّٰہِ کَانَ لَہٗ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ تَمُرُّ عَلَیْھَا یَدُہٗ حَسَنَاتٌ۔
پھیرا، درانحالیکہ اللہ کی رضا کے لئے ہی اسکے سر پر ہاتھ پھیرا ہو تو اس کو ان تمام بالوں (کی تعداد) کے مقابلہ میں جن پر اس کا ہاتھ گذرا ہے نیکیاں ملیں گی۔ (مشکوٰۃ شریف ص۴۲۳)

(۷۵) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ
حضرتِ عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ
وَسَلَّمَ اَنَا وَامْرَاَۃٌ سَعْفَاءُ الْخَدَّیْنِ کَھَاتَیْنِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ وَاَوْمَاَ
میں اور جھائیں والے سیاہ رخساروں والی عورت قیامت کے دن اس طرح ہوں گے۔ اور (راوی حدیث) یزیدؒ نے

يَزِيدُ بْنُ زُرَيْعٍ إِلَى الْوُسْطَى وَالسَّبَّابَةِ اِمْرَأَةٌ آمَتْ مِنْ زَوْجِهَا ذَاتُ
(اپنی دونوں انگلیوں) وسطٰی اور سبابہ کی طرف اشارہ کیا۔ یعنی وہ مرتبہ اور حسن وجمال والی عورت جو بیوہ ہو گئی
مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ حَبَسَتْ نَفْسَهَا عَلَى يَتَامَاهَا حَتَّى بَانُوْا أَوْ مَاتُوْا۔
(اور) اس نے خود کو یتیموں پر روک لیا۔ یہاں تک کہ وہ یتیم بڑے ہو گئے یا مر گئے۔

(ابوداؤد شریف ص ۳۵۴ ج ۲ ومشکوٰۃ شریف ص ۴۲۳)

لغات

مَسَحَ (ف) پونچھنا، ملنا۔ مَسْحًا ومَسَاحَةً پیمائش کرنا۔ تَمَرَّ (ن) گذرنا، جانا، رسی باندھنا۔ (ن س) مَرَارَۃً کڑوا ہونا۔ سَعْفَاءُ سُعْفَۃٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی سرخی مائل سیاہی کے آتے ہیں۔ امرأۃ سعفاء الخدین، وہ عورت کہ پریشانیوں اور فقر وفاقہ کی وجہ سے اسکے رخساروں پر کالی جھائیاں پڑ گئی ہوں اور اس کے سرخ رخسار سیاہ ہو گئے ہوں۔ سَعَفًا (س) ناخن کے اردگرد پھٹی ہوئی انگلیوں والا ہونا۔ سُعِفَ الوَجْہُ پھنسیوں والا ہونا۔ سَعْفًا (ف) کسی کی حاجت پوری کرنا۔ سَعْفَۃٌ وہ پھنسیاں جو منہ یا سر میں نکلتی ہیں۔ الخَدَّیْنِ تثنیہ خد کی رخسار ج خُدُوْدٌ (ن) بدھی پڑنا کھودنا۔ اَوْمَأَ افعال سے اشارہ کرنا۔ اٰمَتْ (ض) رانڈ بیوہ ہونا۔ اَیِّمٌ صفت (مذکر ومونث) ج اَیَائِمُ اَیَامٰی۔ اَیِّمُوْنَ۔ اَیِّمَاتٌ۔ اَیِّمَۃٌ رانڈ بیوہ کرنا تَاَیَّمَ بے نکاح رہنا حَبَسَتْ (ض) قید کرنا، روکنا۔ پورے طور پر حفاظت کرنا۔ ڈھانپنا۔ احاطہ کرنا۔ وقف کرنا۔ حَبْسٌ قید۔ ج حُبُوْسٌ۔ مَحْبِسٌ قیدخانہ۔ ج مَحَابِسُ۔ بَانُوْا (ض) جدا ہونا۔ مَاتُوْا (ن س) مرنا۔

ترکیب

(۷۴) مَنْ شرطیہ مَسَحَ فعل ضمیر ھو ذوالحال لَمْ یَمْسَحْہُ اِلَّا لِلّٰہِ جملہ فعلیہ حال، ذوالحال و حال فاعل رَأْسَ یَتِیْمٍ مفعول بہ، جملہ فعلیہ شرط۔ کَانَ فعل ناقص حَسَنَاتٌ اسم لَہٗ حَاصِلًا کا متعلق اول۔ کُلِّ شَعْرَۃٍ مرکب اضافی موصوف تَمُرُّ صیغہ مذکر ومونث فعل یَدُہٗ فاعل عَلَیْھَا متعلق جملہ فعلیہ صفت۔ مرکب توصیفی مجرور متعلق ثانی حاصلًا کا۔ خبر کان۔ جملہ جزا۔

(۷۵) اَنَا معطوف علیہ اِمْرَأَۃٌ موصوف سَعْفَاءُ الخَدَّیْنِ صفت۔ مرکب توصیفی مبتدا۔ یَکُوْنَانِ محذوف۔ ضمیر ھُمَا اسم کَھَاتَیْنِ جار مجرور بمعنی مثل ھَاتَیْنِ یا متعلق محذوف خبر۔ یَوْمَ القِیٰمَۃِ ظرف۔ جملہ خبر اَوْمَأَ فعل یَزِیْدُ بْنُ زُرَیْعٍ فاعل۔ اِلَی الوُسْطٰی وَالسَّبَّابَۃِ متعلق جملہ فعلیہ۔ اِمْرَأَۃٌ موصوف اٰمَتْ بتخفیف المیم فعل ھی ضمیر پوشیدہ فاعل مِنْ زَوْجِھَا متعلق جملہ فعلیہ اِمْرَأَۃ کی صفت اول ذَاتُ مَنْصِبٍ وَجَمَالٍ صفت ثانی حَبَسَتْ نَفْسَھَا فعل فاعل مفعول بہ۔ عَلٰی یَتَامَاھَا متعلق اول حَتّٰی بَانُوْا اَوْ مَاتُوْا دونوں جملے فعلیے مجرور حتی متعلق ثانی جملہ فعلیہ صفت ثالث۔ اِمْرَأَۃ اپنی تمام

صفات سے مل کر خبر مبتدا محذوف ہی کی، یا یہ مبتدا خبر محذوف کا۔ ذات منصب وجمال کو امت کی ضمیر ھی سے حال بھی مان سکتے ہیں۔ اور حَبَسَتْ الخ کو جملہ مستانفہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ علامہ طیبیؒ کہتے ہیں کہ امْرَأَةٌ میں تنوین برائے تعظیم ہے۔ اور سَعْفَاءُ الْخَدَّيْنِ منصوب یا مرفوع علی المدح جملہ معترضہ بین المبتداء والخبر ہے۔ واللہ اعلم۔

تشریح (۷۴) جو شخص کسی یتیم یا یتیمہ کے سر پر محبت وشفقت سے کسی غرض دنیاوی یا نفسانی خواہش سے نہیں، بلکہ صرف اللہ کی رضا کے لئے ہاتھ پھیر دے تو جتنے بالوں پر اسکا ہاتھ گذرے گا اتنی ہی تعداد میں اس کو نیکیاں ملیں گی۔ یہ حدیث مختصر ہے۔ اس میں آگے یہ بھی ہے وَمَنْ اَحْسَنَ اِلٰی يتيمةٍ اَوْ يتيمٍ عندهٗ كنتُ انا وهو فی الجنةِ كهاتينِ وقرنَ بَيْنَ اِصْبَعَيْهِ (اور جو اس یتیم لڑکی یا یتیم لڑکے کے ساتھ اچھا سلوک کرے جو اس کے پاس یعنی اس کی کفالت میں ہے تو میں اور وہ جنت میں اس طرح ایک دوسرے سے قریب ہوں گے۔ اور آپنے اپنی دو انگلیوں کو ملا کر اشارہ فرمایا) اس جملہ میں یتیمہ کو یتیم پر اسلئے مقدم کیا کہ وہ حسنِ سلوک اور شفقت ومہربانی کی زیادہ مستحق ہے۔ مشکوٰۃ الآثار کے نسخوں میں اس جگہ بھی عبارت غلط ہے۔ صحیح وہ ہے جو ہم نے لکھی۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حسنات کمیت وکیفیت میں نیتوں کے اعتبار سے مختلف اور کم وزیادہ ہوں گی۔ واللہ اعلم

(۷۵) عوف بن مالک اشجعیؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو انگلیاں کھڑی کرکے ارشاد فرمایا کہ یتیموں کی (جس بیوہ ماں کے رخساروں پر جھائیاں پڑ گئیں یتیموں کی خدمت کی وجہ سے اس نے زیب وزینت چھوڑ دی۔ اور نکاح ثانی کی طرف توجہ نہ کی حتیٰ کہ مشقتوں اور پریشانیوں کی وجہ سے اس کا جوبن ڈھل گیا۔ حسن وجمال جاتا رہا۔ چہرہ سیاہ ہوگیا۔ تو اس کے مجاہدوں کی اللہ کے نزدیک ایسی قدر ومقبولیت ہے۔ اور یتیموں کی پرورش کے لئے مصائب برداشت کرنیکا اتنا عظیم اجر ہے کہ وہ عورت قیامت کے دن مرتبہ وبلندی میں میرے قریب ہوگی۔ یزید بن زریعؒ نے جو اس حدیث کے راوی ہیں اپنی دونوں انگلیاں وسطیٰ وسبابہ سے اشارہ کرکے حدیث نقل کی۔ اور امْرَأَةٌ سَعْفَاءُ الْخَدَّيْنِ کی بھی تفسیر اس طرح بیان کی کہ مرتبہ اور حسن وجمال والی جواں عمر عورت بیوہ ہوگئی۔ لیکن اپنے چھوٹے چھوٹے یتیم بچوں کی پرورش بگڑ جانے کے اندیشہ سے اپنی تمام توجہات اس نے اپنے ننھے منے بچوں پر مرکوز کردیں۔ اور ان کی اسوقت تک خدمت کرتی رہی کہ وہ بڑے ہوکر ماں کی دیکھ ریکھ کے محتاج نہ رہے یا وہ مرگئے۔ بہرحال اس عورت نے یتیموں پر رحم کھا کر ایسا عظیم مجاہدہ کیا تو وہ ارحم الراحمین بھی اس کو آخرت میں رحمۃ للعالمین کے قدموں میں مقام ومرتبہ نصیب فرمائیگا۔

حضرت عوف بن مالک اشجعی رضی اللہ عنہ حضرت عوف سب سے پہلے غزوۂ خیبر میں شریک ہوئے۔ فتح مکہ کے دن قبیلۂ اشجع کا جھنڈا انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ ملک شام میں رہے۔ اور وہیں ۷۳ھ میں وفات پائی۔ اُن سے حضرات صحابہؓ و تابعینؒ کی بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔ رضی اللہ عنہ۔

حضرت یزید بن زریع رحمہ اللہ حضرت یزید بن زُریع (بضم الزّاء المعجمۃ وفتح الرّاء المھملۃ وسکون الیاء) کی کنیت ابو معاویہ ہے۔ آپ حافظ الحدیث تھے۔ ایوبؒ و یونسؒ سے نقل کرتے ہیں۔ اور ان سے علی بن المدینی اور مسدّد روایت کرتے ہیں۔ باب الشفقۃ والرّحمۃ۔ مشکوٰۃ شریف (حدیث بالا) میں ان کا ذکر آیا ہے۔ ماہِ شوال ۱۸۲ھ میں بعمر اکیاسی سال بصرہ میں وفات پائی۔ رحمہ اللہ۔

والمساکین

(۷۶) عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَؓ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ السَّاعِی عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمَسَاکِینِ کَالْمُجَاهِدِ فِی سَبِیلِ اللهِ۔

حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے: بیوہ اور محتاجوں کے لئے کوشش کرنیوالا راہ خدا میں جہاد کرنے والے کے مثل ہے۔ (بخاری شریف ج۲ ص۸۸۸ و مشکوٰۃ شریف ص۴۲۲)

(۷۷) عَنْ أَبِی هُرَیْرَةَؓ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ الْمِسْکِینُ الَّذِی یَطُوفُ عَلَى النَّاسِ تَرُدُّهُ اللُّقْمَةُ وَاللُّقْمَتَانِ وَالتَّمْرَةُ وَالتَّمْرَتَانِ وَلٰکِنَّ الْمِسْکِینَ الَّذِی لَا یَجِدُ غِنًى یُغْنِیهِ وَلَا یُفْطَنُ بِهٖ فَیُتَصَدَّقُ عَلَیْهِ وَلَا یَقُومُ فَیَسْأَلُ النَّاسَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسکین وہ نہیں ہے جو لوگوں پر (مانگنے کے لئے) گھومتا پھرتا ہے۔ جس کو ایک دو لقمے یا ایک دو چھوارے ٹال دیتے ہیں۔ لیکن مسکین تو وہ شخص ہے جو اتنی وسعت نہ پائے جو اسکو کافی ہوسکے۔ اور نہ اس کے حال سے باخبر ہوا جائے۔ کہ اسپر صدقہ کیا جائے اور نہ وہ کھڑے ہوکر لوگوں سے مانگتا ہے۔

(بخاری شریف ج۱ ص۲۰۰ و مشکوٰۃ شریف ص۱۶۱)

(۷۸) وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى لِلْفُقَرَآءِ الَّذِینَ أُحْصِرُوا فِی سَبِیلِ اللهِ لَا

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا (خیرات اصل حق) اُن حاجتمندوں کا ہے جو مقید ہوگئے ہوں راہِ خدا (خدمت دین) میں

يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ

کر وہ (کمانے کے لئے) دنیا میں چل پھر نہ سکتے ہوں۔ ناواقف اُن کو مالدار خیال کرتا ہے سوال نہ کرنیکی وجہ سے۔

تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا (پ ۳ ع ۵)

تم اُن کو پہچان سکتے ہو اُن کے چہرہ کے نشان سے وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے۔

(۷۹) عَنْ أَبِي مُلَيْكَةَ قَالَ رُبَّمَا سَقَطَ الْخِطَامُ مِنْ يَدِ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ

حضرت ابو ملیکہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے نکیل چھوٹ جاتی تھی

فَضَرَبَ بِذِرَاعِ نَاقَتِهِ فَيُنِيخُهَا فَيَأْخُذُهُ فَقَالُوا لَهُ فَلَا أَمَرْتَنَا نَتَنَاوَلُهُ

تو آپ اپنی اونٹنی کے اگلے پیر پر مار کر اُس کو بٹھلا دیتے پھر نکیل کو پکڑ لیتے تھے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمکو کیوں

فَقَالَ إِنَّ حَبِيبِي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَمَرَنِي أَنْ لَا أَسْأَلَ شَيْئًا۔

حکم نہیں فرما دیتے کہ ہم نکیل آپ کو پکڑا دیا کریں۔ تو آپنے فرمایا میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو حکم دیا تھا کہ کسی سے کچھ نہ مانگوں۔ (منظہری)

لغات السَّاعِی (ف) کوشش کرنا، عمل کرنا، چلنا، قصد کرنا، حاجت پوری کرنے کی کوشش کرنا، کمائی کرنا، چغلخوری کرنا، زنا کرنا، ساعی محصل، خراج وصدقات وصول کرنیوالا۔ ڈاکیہ ج سُعَاۃ

الاَرْمَلَۃ ضعیف ومحتاج لوگ، بیوہ۔ قال القاری الارملۃ بفتح المیم التی لازوج لھا سواء کانت غنیۃ اوفقیرۃ۔ الارمل مسکین، وہ مرد جس کی بیوی نہو۔ رنڈوا ج اَرَامِل، آرامِلَۃ مؤنث اَرْمَلۃ۔ رَمْلًا (ن) آلودہ کرنا، ریت میں ملانا، کندھوں کو ہلاتے ہوئے چلنا۔ (س) ریت میں ملنا۔ رَمْلٌ ریت، ج رِمَالٌ رَمَّالٌ ریت بیچنے والا۔ تَرُدُّہٗ (ن) لوٹانا، واپس کرنا، جواب دینا۔ اَللُّقْمَۃ ایک مرتبہ جتنا نگلا جائے۔ لُقْمَتَانِ تثنیہ لُقَمٌ ج (ن) راستہ کا دہانہ بند کرنا۔ (س) جلدی کھانا، ہڑپ کرنا۔ لَقَّمَ لقمہ لقمہ کھلانا۔ وَلَا یُفْطَنُ (ن س ك) سمجھنا، ادراک کرنا، ماہر ہونا۔ اُحْصِرُوْا انفعال سے روکنا (ن ض) تنگی میں ڈالنا، گھیرنا، پورا لے لینا، باندھنا، روکنا۔ (س) بخل کرنا، گفتگو کرنے میں عاجز ہونا، تنگدل ہونا۔ ضَرْبًا یہاں زمین میں چلنے پھرنے کے معنی ہیں۔ بِسِیمَاھُمْ۔ سِیمَۃٌ، سُوْمَۃٌ۔ سِیمَا، سِیْمیٰ علامت، ہیئت اِلْحَافًا اصرار سے مانگنا، کپڑا پہنانا، دوسرے کے لئے لحاف بنانا لَحْفًا (ف) لحاف اوڑھنا کپڑا پہنانا وغیرہ۔ لِحَاف رزائی ج لُحُفٌ۔ خِطَامٌ مہار نکیل، کمان کی تانت ج خُطُمٌ خَطْمًا (ض) و تَخْطِیمًا نکیل لگانا، خاموش کرنا، مغلوب کرنا، ناک پر مارنا۔ اَخْطَمُ لمبی ناک والا۔ ذِرَاعٌ اونٹ کی پنڈلی کے پتلے حصہ سے اوپر کا حصہ۔ کہنی سے بیچ کی انگلی تک کا حصہ ج اَذْرُعٌ، ذُرْعَانٌ (ف) ذراع

سے ناپنا، غالب آنا، خود بخود آنا۔ (ک) کشادہ قدم ہونا۔ نَاقَۃٌ اونٹنی ج نَاقٌ، نُوْقٌ، اَنْوُقٌ، اَنْؤُقٌ، اَوْنُقٌ، اَیْنُقٌ، نِیَاقٌ، نِیَاقَاتٌ، اَنْوَاقٌ جج اَیَانِقُ، نِیَاقَاتٌ۔ نَاقَ یَنُوْقُ نَوْقًا (ن) گوشت سے چربی اتارنا۔ فَیُنِیْخُھَا بابِ اِفعال سے اونٹ بٹھانا۔ مجرد میں مستعمل نہیں۔

ترکیب

(۷۶) السَّاعِی اپنے متعلق سے مل کر مبتدا۔ کَالْمُجَاھِدِ الخ کائن سے مل کر خبر۔ جملہ اسمیہ مقولہ۔

(۷۷) لَیْسَ فعل ناقص اَلَّذِیْ اسم موصول یَطُوْفُ فعل ضمیر فاعل عَلَی النَّاسِ متعلق۔ تَرُدُّ فعل ہٗ مفعول بہ اللقمۃ واللقمتانِ والتمرۃ والتمرتانِ معطوفات فاعل۔ جملہ فعلیہ حال از ضمیر یَطُوْفُ جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول وصلہ خبر لَیْسَ جملہ فعلیہ۔ لٰکِنَّ کا اسم اَلْمِسْکِیْنَ۔ لَایَجِدُ فعل ضمیر فاعل، غِنًی اپنی صفت جملہ فعلیہ یُغْنِیْہِ سے مل کر مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ یہ اور اگلے تینوں جملے معطوفات صلہ۔ موصول وصلہ خبر۔ جملہ استدراکیہ۔

(۷۸) اَلصَّدَقَاتُ مبتدا محذوف اَلْفُقَرَاءِ موصوف اَلَّذِیْنَ اسم موصول اُحْصِرُوْا فعل مجہول، نائب فاعل محذوف (ہم) اور متعلق فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ سے مل کر جملہ فعلیہ صفت۔ فُقَرَاء اپنی صفت سے مل کر ذوالحال۔ لَایَسْتَطِیْعُوْنَ فعل ضمیر فاعل ضَرْبًا ای سفرًا کائنًا فِی الْاَرْضِ موصوف صفت مفعول بہ جملہ فعلیہ حال اول یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَاءَ فعل اپنے فاعل دونوں مفعولوں اور متعلق مِنَ التَّعَفُّفِ سے مل کر جملہ فعلیہ حالِ ثانی تَعْرِفُھُمْ بِسِیْمٰھُمْ فعل فاعل مفعول متعلق جملہ فعلیہ حالِ ثالث لَایَسْئَلُوْنَ فعل ضمیر فاعل النَّاسَ مفعول بہ۔ اِلْحَافًا ای سُؤَالَ اِلْحَافٍ مفعول مطلق یا یلحفون الحافًا۔ جملہ حالِ رابع۔ ذوالحال چاروں حالوں سے مل کر مجرور متعلق کائنۃٌ خبر۔ (یہ چاروں حال معنوی اعتبار سے اَلْفُقَرَاءِ کی صفات ہیں۔ گویا فقراء کی پانچ صفات ہیں۔ ایک بصورتِ صفت اور چار بشکلِ حال)۔

(۷۹) سَقَطَ فعل اَلْخِطَامُ فاعل مِنْ یَدِ الخ متعلق جملہ فعلیہ۔ فَضَرَبَ الخ فعل فاعل متعلق جملہ فعلیہ۔ فَیُنِیْخُھَا جملہ فعلیہ۔ فَیَاْخُذُہٗ جملہ فعلیہ۔ فَلَا اَمَرْتَنَا جملہ فعلیہ استفہامیہ نَتَنَاوَلُ فعل با فاعل اپنے دونوں مفعولوں (لکَ ہٗ) سے مل کر جملہ فعلیہ۔ حَبِیْبِیْ اسم اِنَّ۔ اَمَرَنِیْ فعل فاعل مفعول بہ۔ اَنْ لَا اَسْاَلَ شَیْئًا جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور حرفِ جر (ب) محذوف متعلق اَمَرَ کے۔ جملہ فعلیہ۔

تشریح

(۷۶) یعنی بیواؤں اور محتاجوں کے لئے محنت، ان کی کفالت اور ان کے کام بنانے کی جدوجہد میں ایسا ثواب ملتا ہے جیسا مجاہد فی سبیل اللہ کو ملتا ہے، کیونکہ غازی و مجاہد کا مقصد بھی اللہ کے کلمہ کو بلند اور اس کے احکام کو نافذ کرکے اللہ کی سرزمین میں عدل و

انصاف قائم کرنا ہے۔ جس کا نتیجہ خلق اللہ کا راحت و آرام اور امن و اطمینان سے مالا مال ہونا ہے۔ اور بیواؤں، غریبوں اور محتاجوں کے لئے کوشش کرنیوالے کا مقصد بھی اللہ کی مخلوق کو آرام و راحت پہونچانا ہے۔ تو دونوں کا مقصد یکساں ہونے کی وجہ سے فضیلت بھی یکساں ہوگی۔

(۲) مال اور جان گویا دو سگے بھائی ہیں۔ حدیث میں بھی جان و مال کو ایک ہی درجہ دیا گیا ہے۔ حُرْمَةُ مَالِهِ كَحُرْمَةِ دَمِهِ (مؤمن کے مال کی حرمت اُس کے خون کی حرمت کے مثل ہے) پھر ایک شخص اگر محتاجوں پر مال خرچ کرتا ہے، اور دوسرا راہِ خدا میں جان دیتا ہے تو دونوں ایک دوسرے کے مثل ہوئے۔ لہٰذا فضیلت و ثواب میں بھی مماثل ہوں گے۔ مشکوٰۃ شریف و بخاری شریف میں آگے یہ الفاظ بھی ہیں وَاَحْسِبُهُ قَالَ كَالْقَائِمِ لَا يَفْتُرُ وَكَالصَّائِمِ لَا يُفْطِرُ (یعنی میں گمان کرتا ہوں کہ فرمایا وہ اُس شب خیز عابد کے مثل ہے جو سست نہیں ہوتا، اور اُس روزہ دار کے مثل ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہے) اس جملۂ مذکورہ کے قائل کون ہیں؟ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ایک قول کے مطابق اس کے قائل امام مالکؒ کے شاگرد اور امام بخاریؒ و امام مسلم کے استاذ عبد اللہ بن مسلمہ قعنبیؒ ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ قعنبیؒ فرماتے ہیں میں گمان کرتا ہوں کہ امام مالکؒ نے یہ فرمایا کالقائم الخ امام بخاریؒ نے صراحۃً یہی بیان کیا ہے۔ لیکن مشکوٰۃ کے الفاظ سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قائل حضرت ابوہریرہؓ ہیں۔ اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے قال ابوهريرةؓ أَحْسِبُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ أَيْضًا كَالْقَائِمِ الخ حدیث کی کتابوں (ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، بخاری و مسلم) سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ واللہ اعلم

(۱،۲) مسکین کی دو قسمیں ہیں۔ مسکین شرعی، مسکین عرفی۔ شریعت نے جس پر مسکین ہونے کا حکم لگایا ہے وہ تو مسکین شرعی ہے۔ اور عرف عام میں جس کو مسکین خیال کیا جاتا ہے وہ مسکین عرفی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں اسی حقیقت کو بیان فرمایا ہے۔ کہ شرعاً وہ شخص مسکین نہیں جس کو عرفاً مسکین کہتے ہیں۔ جو ایک ایک دو دو لقمے، ایک ایک دو دو چھوارے دربدر مانگت پھرتا ہو۔ بلکہ شرعی مسکین اور اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ میں مذکور مسکین کا مصداق وہ غیرت مند اور خود دار محتاج ہے۔ جو اپنی محتاجی کو دوسروں سے اس طرح چھپاتا ہے کہ ہر کس و ناکس کو اس کی مسکینیت و حاجت کا اندازہ بھی نہیں ہو پاتا۔ ہاں ان کے چہروں کی پژمردگی، ان کے رنگ کی زردی اور ان کی ناتوانی سے تم ان کی پوشیدہ خستہ حالی کا پتہ لگا سکتے ہو۔ حدیث پاک کا مطلب سمجھنے کے بعد اس میں چند باتوں کی طرف اور توجہ کیجئے۔ (۱) لَيْسَ الْمِسْكِيْنُ الَّذِيْ يَطُوْفُ عَلَى النَّاسِ یعنی اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاكِيْنِ میں جو مسکین کا تذکرہ ہے اس کا مصداق یہ پیشہ ور بھک منگے نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ روزی حاصل کرنے پر قدرت رکھتے ہیں، اور بھیک مانگ کر (گو یہ طریق مذموم ہی کیوں نہو) روزی حاصل کر لیتے ہیں۔ شرعاً مسکین تو وہی کہلاتا ہے جس کے پاس کچھ نہو۔ اور اس بھک منگے

کی جھولی میں تو بھیک کے ٹکڑے اور دوسری چیزیں موجود ہیں۔ یہ کیسے مسکین ہو سکتا ہے۔
(۲) احنافؒ کے نزدیک مسکین اسی شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہو۔ اور فقیر اس کو کہتے ہیں جو مالکِ نصاب نہو۔ شوافعؒ اس کے برعکس کہتے ہیں۔ اِس حدیثِ پاک سے حضراتِ احنافؒ کے قول کی تائید ہوتی ہے
(۳) حدیثِ پاک سے بھیک مانگنے کی مذمت بھی مفہوم ہوتی ہے۔ اور یہ پیشہ ہے بھی ذلیل ترین پیشہ۔ اسی وجہ سے پیشہ ور بھکاریوں کو بھیک دینا ناجائز ہے۔ کیونکہ بھیک مانگنا ذلت ہے۔ اور مسلمان کو ذلت کا کام کرنا حرام ہے۔ اور بھیک دینا اس ذلیل وحرام کام پر اعانت ہے۔ اور اعانت علی الحرام حرام ہے۔ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ط (نافرمانی وظلم پر ایک دوسرے کی مدد نہ کرو) ہاں اگر کوئی ایسا مجبور ہے کہ ایک وقت کا کھانا بھی اُس کو میسر نہیں تو اس کو سوال کرنا اور اسکی مدد کرنا بالکل جائز اور کارِ ثواب ہے۔
(۴) اس حدیث میں مسکین کا دو بار تذکرہ ہے۔ لیس المسکین اور ولکنّ المسکین اول الذکر سے صرف مسکینیت شرعی کی نفی اور ثانی الذکر کے لئے اس کا اثبات مقصود ہے۔ اول سے استحقاقِ زکوٰۃ کی نفی نہیں کی گئی۔ جیساکہ علامہ طیبیؒ نے سمجھ لیا ہے۔ بلکہ زکوٰۃ کے مصرف دونوں ہیں۔ اول الذکر بھی (بشرطیکہ وہ صاحبِ نصاب نہو)۔ اور ثانی بھی۔ ہاں ثانی افضل اور استحقاق میں اکمل ہے۔
(۵) اَلَّذِیْ لَا یَجِدُ غِنًی ای شیئًا او مالًا یُغْنِیْهِ ای عن غیرہ ویکفیہ وَلَا یُفْطَنُ بِهٖ بصیغۃ المجھول ای لایعلم باحتیاجہ۔ فَیُتَصَدَّقَ بالرفع والنصب مجھولًا۔ وَلَا یَقُوْمُ ای لایتعرض فَیَسْأَلُ مرفوعًا ومنصوبًا۔
(۶) اس حدیث میں اس آیت پاک کی جانب اشارہ ہے جسکا ذکر اُس کے بعد (۷،۸) میں آرہا ہے۔
(۷،۸) اس آیت میں فقراء سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو دینی مصروفیات کی بنا پر دوسرا کوئی کام نہیں کرسکتے وہ دینی مصروفیات کسی بھی قسم کی ہوں۔ مثلاً تعلیم وتعلم، انہماکِ دعوت وتبلیغ، جہاد، تصنیف و تالیف وغیرہ وغیرہ۔ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ط سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی فقیر قیمتی لباس پہنے ہوتے ہو۔ تو اس کی وجہ سے اُس کو غنی نہ کہا جائیگا، بلکہ اُس کو فقیر ہی کہا جائیگا۔ اور ایسے آدمی کو زکوٰۃ دینا بھی صحیح ہوگا۔ جیساکہ اِس زمانہ میں مدارسِ عربیہ کے طلبہ کا ظاہری حُلیہ اغنیاء جیسا

۱ے قال ابوحنیفۃ ومالک ومن تبعھما ان المسکین ھو الذی لایملک شیئًا فھو اسوء حالًا من الفقیر لانہ یملک مالًا یکفیہ ۱۲ ان

۲ے اگر لوگ بھکاریوں کو دینا چھوڑ دیں تو یقینًا یہ لوگ اس ذلیل پیشہ کو چھوڑ دیں گے۔ مگر سہولت سے اچھی خاصی آمدنی ہوجاتی ہے اسلئے وہ بے غیرت اسی کو اختیار کرتے ہیں۔ اگر آپ ان کو آسان اور معقول آمدنی کے کام پر لگانا چاہیں تو اپنا یہ پیشہ ہرگز نہیں چھوڑ سکتے۔ کیونکہ بھیک کی بھیک اور ماییوں کا دیدار اور کسی کام میں کہاں نصیب ہو سکتا ہے۔ ۱۲ ان

ہوتا ہے۔ حالانکہ وہ واقعۃً عموماً فقراء ہوتے ہیں۔ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمَاهُمْ سے معلوم ہوا کہ علامات کو دیکھ کر حکم لگانا صحیح ہے۔ چنانچہ اگر کہیں کوئی مُردہ اس قسم کا پایا جائے کہ اس پر زُنّار (جنیو) ہے اور وہ مُردہ غیر مختون بھی ہے تو اس کو مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں کیا جائیگا۔

لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَافًا سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ وہ لوگ لپٹ کر اور باصرار نہیں مانگتے۔ جس سے مطلقاً مانگنے کی نفی نہیں ہوتی۔ چنانچہ بعض حضرات یہی کہتے ہیں۔ لیکن جمہور مفسرینؒ کہتے ہیں کہ آیت کا مطلب یہ ہے کہ وہ بالکل ہی سوال نہیں کرتے۔ یعنی مطلقاً سوال کی نفی ہے۔ لانهم متعففون عن المسئلة عفة تامة۔ اور الحافاً کی قید بیانِ واقعہ ہے۔ کہ سائلین کی عادت ہی لپٹ کر مانگنے کی ہوتی ہے۔

بہرحال آیتِ گرامی نے مسلمانوں کو یہ ہدایت کی ہے کہ تمہارے صدقات وخیرات کے سب سے زیادہ مستحق وہ فقراء ہیں (۱) جو راہِ خدا میں محصور ہیں۔ جنکا مشغلہ تعلیم وتبلیغ اور یادِ الٰہی ہے۔ ان طلباء علماء اور خادمانِ دین کی خدمت مسلمانوں کے ذمہ ضروری ہے۔ (۲) وہ لوگ ان مبارک مصروفیات کی وجہ سے پا شکستہ ہو کر بیٹھ گئے ہیں۔ کہیں تجارت یا سوال کرنے نہیں جاتے۔ (۳) وہ فقر وفاقہ کے باوجود ایسی ہنسی خوشی سے زندگی گذارتے ہیں کہ ناواقف لوگ ان کو اس بے اعتنائی وخودداری کے سبب غنی سمجھتے ہیں۔ (۴) ان کے چہروں پر فقر کی علامات کے ساتھ ساتھ ایسے انوارِ تقدس چمکتے ہیں کہ ہر ایک صاحبِ بصیرت پہچان لیتا ہے۔ یہ خاصانِ خدا ومحبوبانِ کبریا کن حالات سے دوچار ہیں۔

(۵) ان حضرات میں صفتِ توکل غالب ہے۔ وہ عام سائلوں کی طرح دربدر بھیک مانگتے اور راستوں میں لوگوں سے لپٹتے نہیں پھرتے۔ (جیسا کہ آجکل چرس اور بھنگ پی کر گدائی کرنا احمقوں میں کمالِ ولایت وفقر سمجھا جاتا ہے۔) ان پانچ مذکورہ اوصاف والے حضرات پر مال خرچ کرنا اعلیٰ درجہ کا ثواب بھی ہے اور دینِ اسلام کی تائید وتقویت بھی۔ وَلٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ۔

(۷۹) اس روایت میں سوال نہ کرنے (تعفف عن المسئلۃ) کی ترغیب اور اس امر کا بیان ہے کہ غیر معمولی ہستیاں معمولی چیزوں کے سوال سے بھی گریزاں رہتی ہیں۔ اور یہی عادت اُن حضرات کی ہے جنکا اتباع ضامنِ فلاح ونجات ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ولعنۃ اللہ علی اعدائہ سوال سے اس قدر اجتناب واحتیاط فرماتے کہ سانڈنی کی نکیل ہاتھوں سے چھوٹ گئی تو اونٹنی کو بٹھلا کر اُترتے اور اسکو ہاتھ میں لیکر پھر سوار ہو جاتے تھے۔ اور اگر عرض کیا گیا کہ اتنے معمولی کام کے لئے آپنے اتنی مشقت اٹھائی حکم فرماتے تو ہم خدام یہ خدمت انجام دیدیتے۔ تو فرمایا کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حکم ہے کہ میں کسی سے کچھ نہ مانگوں۔ سبحان اللہ یہی شان ہوتی ہے ایک عاشقِ صادق کی ؎

کون کہتا ہے چاہ مشکل ہے ۔ چاہ کرکے نباہ مشکل ہے

حضراتِ صحابۂ کرامؓ نباہ کا حق ادا کر گئے۔ کاش اُن کے جذباتِ نورانی کی کوئی شعاع ہمارے

تاریک قلوب پر بھی پڑ جائے۔

وَابْنِ السَّبِيْلِ

(۸۰) عَنْ اَبِيْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ جَآءَ رَجُلٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّهٗ اُبْدِعَ بِيْ فَاحْمِلْنِيْ فَقَالَ مَا عِنْدِيْ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنَا اَدُلُّهٗ عَلٰى مَنْ يَّحْمِلُهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ دَلَّ عَلٰى خَيْرٍ فَلَهٗ مِثْلُ اَجْرِهٖ۔

حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ میری سواری عاجز ہوگئی یا ہلاک ہوگئی لہذا مجھے ایک سواری عنایت فرما دیجئے۔ آپنے ارشاد فرمایا میرے پاس موجود نہیں (دوسرے) ایک آدمی نے عرض کیا یا رسول اللہ میں اس کو ایسے شخص کا پتہ بتلا دوں جو اسکو سوار کردے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو کسی اچھے کام کی رہنمائی کریگا تو اس کو اچھا کام کرنیوالے کی برابر ثواب ہوگا۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب العلم ص۳۲ ترمذی شریف ص۹۶ ج۲ و ص۹۲ ج۲ وابوداؤد شریف ص۳۵۱ و ۳۵۲ ج۲)

لغات اُبْدِعَ بِيْ یہ مجہول پڑھا جاتا ہے اُبْدِعَتِ الرَّاحِلَةُ اَيِ انْقَطَعَتْ عَنِ السَّيْرِ لِكَلَالٍ۔ ابداع کے اصل معنی ایجاد کرنا بغیر کسی نمونہ کے پیدا کرنا ہیں۔ یہاں تھک کر چلنا چھوڑ دینے کے معنی میں مستعمل ہے۔ کیونکہ اونٹنی کی عادت مستمرہ چلنا تھی۔ چلنا چھوڑ دینا گویا ایک ایسے امر کی ایجاد ہے جو اس کی عادت کے خلاف ہے۔ اور اُبْدِعَ بِيْ کے معنی انْقَطَعَتْ بِيْ رَاحِلَتِيْ (میری سواری چل نہیں سکتی تھک گئی یا ہلاک ہوگئی) بَدُعَ (ک) سے بے مثال ہونا، انوکھا ہونا۔

ترکیب جَآءَ فعل اپنے فاعل رَجُلٌ اور متعلق اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوا۔ اُبْدِعَ فعل مجہول بِيْ جار مجرور نائب فاعل جملہ فعلیہ فَاحْمِلْنِيْ جملہ فعلیہ انشائیہ مَا عِنْدِيْ ای لَا اَجِدُ مَا اَحْمِلُكَ عَلَيْهِ۔ مَا اَحْمِلُكَ موصول وصلہ مبتدا موخر۔ مَا عِنْدِيْ بمعنی لَا اَجِدُ جملہ خبر مقدم۔ فَقَالَ رَجُلٌ جملہ فعلیہ قول يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ندا۔ اَنَا مبتدا اَدُلُّ فعل بافاعل ہٗ مفعول بہ عَلٰى حرف جر مَنْ يَحْمِلُهٗ موصول وصلہ مل کر مجرور متعلق جملہ فعلیہ خبر۔ مبتدا اَنَا کی۔ جملہ اسمیہ جواب ندا۔ ندا، وجواب ندا مقولہ مفعول بہ۔ مَنْ شرطیہ۔ دَلَّ فعل ضمیر هُوَ فاعل عَلٰى خَيْرٍ متعلق جملہ شرط۔ فَلَهٗ خبر مقدم مِثْلُ اَجْرِهٖ مبتدا موخر۔ جملہ اسمیہ جزا۔ جملہ شرطیہ مقولہ مفعول بہ۔

تشریح ایک مسافر آدمی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا، یا رسول اللہ میری سواری کا جانور تھک کر چلنے سے عاجز ہوگیا ہے۔ مجھے سواری کے لئے ایک جانور عطا فرما دیجئے۔ ارشاد فرمایا کہ میرے پاس کوئی سواری کا جانور موجود نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ نہ ہونے کی وجہ سے عذر کر رہا ہوں، ورنہ تمہاری ضرور مدد کرتا، حاضرین میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ میں اس شخص کو ایسے لوگوں کے پاس پہونچا دوں جو اس کی مدد کریں، اور اس کو سواری کے لئے جانور ملجائے۔ مثلاً حضرت عثمان غنیؓ و حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ وغیرہ۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ جو (قول فعل، اشارہ تحریر غرض کسی طرح بھی) کسی کارِ خیر (علم، عمل، صدقہ خیرات وغیرہ) کی طرف رہنمائی کرتا ہے تو اس رہنمائی کرنیوالے کو کارِ خیر کرنیوالے کی برابر ثواب ملتا ہے۔ مَنْ سَنَّ سُنَّۃً الخ میں اس کی پوری وضاحت گذر چکی ہے۔ اس میں یہ بھی ہے۔ مِنْ غَیْرِ اَنْ ینقص من اجورھم شیئٌ، یہ رہنمائی اور دلالت کا ثواب اللہ کی جانب سے انعام ہوتا ہے۔ عملِ خیر کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ دوسرے بعض صحابہؓ سے حدیث کے یہ الفاظ منقول ہیں۔ اَلدَّالُّ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ وَاللّٰہُ یُحِبُّ اِغَاثَۃَ اللَّھْفَانِ (کارِ خیر پر رہنمائی کرنے والا اجر و ثواب میں اس کے کرنے والے کے مثل ہے۔ اور اللہ تعالیٰ غمزدوں اور پریشان حالوں کی مدد کرنے والوں سے محبت فرماتے ہیں۔)

وَالسَّآئِلِیْنَ

---

(۸۱) عَنْ اُمِّ بُجَیْدٍ وَکَانَتْ مِمَّنْ بَایَعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

حضرت ام بجید رضی اللہ عنہا سے مروی ہے (اور یہ ان میں سے تھیں جنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دست حق پرست

اَنَّھَا قَالَتْ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمِسْکِیْنَ لَیَقُوْمُ عَلٰی

پر بیعت کی تھی) انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مسکین میرے دروازہ پر کھڑا ہوتا ہے اور مجھ کو

بَابِیْ فَمَا اَجِدُ شَیْئًا اُعْطِیْہِ اِیَّاہُ فَقَالَ لَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

کوئی ایسی چیز دستیاب نہیں ہوتی جو اس کو دیدوں تو ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنْ لَّمْ تَجِدْ لَہٗ شَیْئًا تُعْطِیْہِ اِیَّاہُ اِلَّا ظِلْفًا مُّحْرَقًا

اگر تم کو کوئی ایسی عمدہ چیز نہ مل سکے جو اس کو دو سوائے جلی ہوئی کھری کے تو وہی

فَادْفَعِیْہِ اِلَیْہِ فِیْ یَدِہٖ۔

اس کے ہاتھ میں دیدیا کرو۔

(ترمذی شریف صہ۸۴ و ابوداؤد شریف صہ۲۳۲ و مشکوٰۃ شریف صہ۱۶۶)

لغات ظِلْفًا پھٹا ہوا کھر، جیسے بیل، بھینس، بکری وغیرہ کا ج ظُلُوْفٌ، اَظْلَافٌ (ن ض) نشانِ قدم پر چلنا۔ (س) سخت ہونا، رُک جانا۔ مُحْرَقًا اِفعال سے، اسم مفعول کا صیغہ، جلا ہوا۔ (ن ض) دانت پیسنا، غصّہ ہونا۔ (س) کٹ جانا، گر جانا، جلنا۔ حَرَّقَ جلانا۔

ترکیب كَانَتْ فعل ناقص ضمیر هِیَ اسم مِنْ اپنے مجرور (موصول وصلہ) سے مل کر محذوف کے متعلق ہوکر خبر۔ جملہ فعلیہ معترضہ۔ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ، قَالَتْ کے متعلق۔ اِنَّ اپنے اسم اَلْمِسْكِيْنَ اور خبر جملہ فعلیہ لَيَقُوْمُ عَلٰى بَابِیْ سے مل کر جملہ اسمیہ معطوف علیہ۔ فَمَا اَجِدُ فعل با فاعل شَيْئًا موصوف اپنی صفت اُعْطِيْهِ اِيَّاهُ جملہ فعلیہ سے مل کر مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین خبر اِنَّهَا کی جملہ اسمیہ مقولہ مفعول بہ قَالَتْ کا جملہ فعلیہ خبر اَنَّ۔ پھر جملہ اسمیہ بتاویل مفرد مبتدا مؤخر۔ عَنْ اُمِّ بُجَيْدٍ متعلق سے مل کر خبر۔ فَقَالَ فعل۔ رَسُوْلُ اللّٰہِ فاعل لَهَا متعلق۔ اِنْ لَّمْ تَجِدْ شَيْئًا جملہ فعلیہ شرط تُعْطِيْهِ اِيَّاهُ جملہ فعلیہ جزا مستثنیٰ منہ اِلَّا ظِلْفًا ای ان لم تجد شیئًا سوی الظِّلْفِ الْمُحْرَقِ۔ فَادْفَعِيْهِ اِلَيْهِ فِیْ يَدِهٖ شرط وجزا مستثنیٰ۔ مقولہ مفعول بہ۔

تشریح حضرت ام بجیدؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ یا رسول اللہؐ میرے دروازہ پر کوئی مسکین کھڑا ہوکر سوال کرتا ہے۔ اور میں اپنی ناداری کے سبب اسکے سوال کو پورا نہیں کر سکتی، مجھے شرم آتی ہے کہ وہ محروم واپس جائے۔ مشکوٰۃ شریف میں یہ الفاظ ہیں۔ اِنَّ الْمِسْكِيْنَ لَيَقِفُ عَلٰى بَابِیْ حَتّٰى اَسْتَحْيِیْ فَلَا اَجِدُ فِیْ بَيْتِیْ مَا اَدْفَعُ فِیْ يَدِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِدْفَعِیْ فِیْ يَدِهٖ وَلَوْ ظِلْفًا مُحْرَقًا۔

ملا علی قاریؒ حَتّٰى اَسْتَحْيِیْ پر لکھتے ہیں۔

ولِاَجْلِ اَنَّ الوقوفَ عَلَى البابِ يفتح بابَ الحَيَاءِ وبسيف الحياءِ يحرم اخذ العطاءِ وكان بعضُ اَصْحَابِنا مِنَ الفقراءِ يَسْأَلُ على الاَبْوَابِ ويقول يَا فتَّاح يَا رَزَّاق من غيران يقف البَاب۔

اور اسوجہ سے کہ دروازوں پر کھڑا ہونا حیاء کا دروازہ کھولدیتا ہے۔ اور حیاء کی تلوار سے عطاء کا لینا حرام ہوجاتا ہے۔ اور بعض فقراء تو دروازوں پر کھڑے ہوکر مانگتے اور یا فتّاح یا رزّاق کا نعرہ لگاتے ہیں اور ربُّ الارباب کے دروازے سے گریزاں رہتے ہیں۔

(گویا مخلوق کو یا فتّاح یا رزّاق کہتے ہیں وهل هٰذا الا شرك وظلم عظيم)

اِنْ لَّمْ تَجِدْ لَہٗ الخ یعنی اگر کوئی اچھی اور معقول مقدار میں چیز نہ مل سکے تو معمولی چیز ہی دیدینی چاہیے۔ کیونکہ سائل کا حق ہے۔ اور کچھ بھی نہ ہو تو اچھی بات کہدینا بھی صدقہ ہے جیساکہ دوسری حدیث

میں آیا ہے لیکن یہ یاد رہے کہ اس سے پیشہ ور بھکاری بھنگ، گانجہ، اور حرص کے وصتی، بھیک اور مائیوں کے دیدار کے متمنی حریص مراد نہیں ہیں۔ ان ذلیلوں کو دینا تو حرام ہے، جیساکہ پہلے لکھا جا چکا۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ معمولی چیز صدقہ کرنے میں بھی کوئی حرج نہیں بلکہ ثواب ہے۔ ہاں اچھی اور حلال چیز ہوتے ہوئے قصداً گھٹیا نکمی اور دل سے اتری ہوئی یا حرام چیز صدقہ کرنا سخت گستاخی ہے۔ بلکہ حرام چیز کا صدقہ کرنے میں کفر کا اندیشہ ہے۔ اَعَاذَنَا اللهُ مِنْهُ۔

حضرت امّ بجید رضی اللہ عنہا بضمِّ الموحدۃ وفتحِ الجیم مُصَغَّرًا۔ ان کا نام حوّا بنت یزید بن السکن انصاریہؓ ہے۔ یہ مشہور صحابیہ حضرت اسماء بنت یزید انصاریہؓ کی بہن تھیں اپنی کنیت کے ساتھ زیادہ مشہور ہوئیں۔ ان سے حضرت عبدالرحمٰن بن بجید نے احادیث روایت کی ہیں (بجید بجد کا مصغر ہے۔ بجد کے معنی اصلیت، حقیقت اور جماعت کے آتے ہیں۔)

(۸۲) عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ حُسَيْنٍ عَنْ حُسَيْنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ
حضرت فاطمہ بنت حسین اپنے والد حضرت حسین بن علیؓ سے نقل کرتی ہیں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ارشاد فرمایا
صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلسَّائِلِ حَقٌّ وَإِنْ جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ۔
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار ہو کر آئے۔ (ابوداؤد شریف ص ۲۴۲ ج ۱)

ترکیب لِلسَّائِلِ خبر مقدم حَقٌّ مبتدا مؤخر۔ اِنْ وصلیہ جَاءَ عَلٰى فَرَسٍ جملہ فعلیہ۔

تشریح لِلسَّائِلِ حَقٌّ ای ان کان سؤالہ حقًّا کالمضطر والمسکین الذی لا یجد شیئًا یغنیہ عن السؤال ویکفیہ عنہ ولا یملک قوت یوم فسؤالہ حق وعلی من سواہ لہ حق والا فسؤالہ باطل وحرام والاعانۃ علی الحرام حرام، نعم حقہ حینئذ ان یمنع ویزجر عن ذلک السؤال ویؤمر بالاکتفاء والقناعۃ علی ما اعطاہ الرب المتعال وما قلت ذلک الا لجمع النصوص الواردۃ علی حل السؤال وتحریمہ وتحت کلیۃ مقررۃ ومسلمۃ عند ارباب العلم والعقل اذا ثبت الشیٔ ثبت بجمیع لوازمہ ورفع موانعہ فتنبّہوا علی ھٰذہ المسئلۃ الطلبۃ ایہا الاساتذۃ الکرام لئلا یقعوا فی الملام باکرام اللئام۔ فقط۔ نسیم احمد غازی مظاہری

حضرت فاطمہ رحمہا اللہ ان کو فاطمۃ الصغریٰ اور ان کی دادی صاحبہ حضرت فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فاطمۃ الکبریٰ کہتے ہیں۔ یہ حضرت

علی کرم اللہ وجہہٗ کے چھوٹے صاحبزادے حضرت حسینؓ شہید کربلا کی بیٹی ہیں۔ حضرت علیؓ کے بڑے صاحبزادے حضرت حسن بن علیؓ کے فرزند ارجمند حسنؓ بن حسنؓ سے ان کی شادی ہوئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد حضرت عبد اللہ بن عمرو بن عثمان بن عفان سے نکاح ہوگیا تھا۔

حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ تھی۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے نواسے حضرت فاطمہ و حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے لخت جگر اور جنتی جوانوں کے سردار ہیں۔ ۵ یا ۱۰ شعبان ۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اپنے بڑے بھائی حضرت حسن بن علیؓ کی ولادت کے پچاس دن بعد شکم مادر میں تشریف لائے، اور ۱۰ محرم الحرام جمعہ کے دن ۶۱ھ میں سرزمین عراق کے میدانِ کربلا میں جام شہادت نوش فرمایا۔ بدبخت سنان بن انس نخعی (جسکو سنان بن ابی سنان بھی کہتے تھے) نے آپ کو شہید کیا۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ شمر بن ذی الجوشن نے آپکو شہید کیا۔ اور خولی بن یزید اصبحی حمیری نے آپ کا سر مبارک تنِ پاک سے جدا کیا۔ اور عبد اللہ بن زیاد والی عراق کے سامنے یہ اشعار پڑھتے ہوئے پیش کیا ؎

اوقر رکابی فضۃ و ذھبا ؛ انی قتلت الملک المحجبا

قتلت خیر الناس امًّا و ابًا ؛ و خیرھم اذ ینسبون نسبًا

ایک قول کے مطابق ان کے ساتھ ان کی اولاد و اخوان و اہل بیت میں سے تیئیس ۲۳ حضرات شہید ہوئے۔ آپ کی عمر شریف شہادت کے وقت اٹھاون ۵۸ سال تھی۔ اللہ کی قدرت دیکھئے کہ ۱۰ محرم ۶۷ھ کو عبد اللہ بن زیاد، ابراہیم بن مالک الاشتر النخعی کے ہاتھوں قتل ہوا۔ اور مختار کے سامنے اس کا سر پیش ہوا۔ مختار نے اس کو عبد اللہ بن زبیر کے پاس اور انہوں نے علی اصغر (زین العابدین علی بن الحسین) کے پاس بھیجدیا۔ حضرت حسین رضی اللہ عنہ سے روایت کرنیوالے حضرت ابو ہریرہ، حضرت علی اصغر، فاطمۃ الصغریٰ و سکینہ ہیں۔

(ف) خولی بفتح الخاء المعجمۃ وسکون الواو وکسر اللام وتشدید الیاء و سُکَیْنَۃ بضم السین المھملۃ وفتح الکاف وسکون الیاء والنون المفتوحۃ۔

حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ

آپ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب القرشی الہاشمیؓ ہیں۔ کنیت ابو الحسن اور ابو تراب ہے۔ آپ بچوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے۔ قبولِ اسلام کے وقت آپ کی عمر شریف آٹھ ۸ یا دس ۱۰ یا پندرہ ۱۵ یا سولہ ۱۶ سال تھی۔ آپ غزوۂ تبوک کے سوا تمام غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ شریک رہے۔ غزوۂ تبوک کے موقع پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو گھر چھوڑ دیا تھا، اور ارشاد فرمایا تھا "الا ترضی ان تکون منی بمنزلۃ ھارون من موسٰی" آپ کا رنگ گندمی تھا، اور آنکھیں بڑی بڑی، آپ

درازقد نہ تھے، شکم مبارک بڑا تھا، کثیر الشعر وعظیم اللحیہ تھے، سرِ مبارک کے اگلے حصہ پر بال نہ تھے، آپکے سر اور ڈاڑھی کے بال سفید تھے، حضرت عثمان بن عفانؓ کی شہادت کے دن (۱۸ ذوالحجہ ۳۵ھ روز جمعہ) آپ مسندِ خلافت پر جلوہ افروز ہوئے۔ کوفہ میں ۱۸ ارمضان ۴۰ھ جمعہ کے دن صبح کی نماز کو تشریف لیجاتے ہوئے عبد الرحمٰن بن ملجم مُرادی نے آپ پر خنجر سے حملہ کرکے شدید زخمی کیا، تین راتیں گذرنے کے بعد دنیا سے رخصت ہوگئے۔ حضرات حسنینؓ وعبد اللہ بن جعفرؓ نے غسل دیا۔ اور حضرت حسنؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ کوفہ میں بمقام نجف مدفون ہوئے۔ آپ کی کل عمر مبارک تریسٹھ ۶۳ یا پینسٹھ ۶۵ یا سَتتر یا ستتر یا اٹھاون سال ہوئی۔ مختلف اقوال ہیں۔ آپ کی مدتِ خلافت چار سال نو ماہ اور چند دن ہیں۔ روی عنہ بنوہ حسن و حسین ومحمد وفاطمۃ الصغریٰ وعمر بن عثمان وابن عباس وخلائق من الصحابۃ والتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ حضرت علیؓ کی کل مرویات کی تعداد پانچسو چھیاسی ۵۸۶ ہے۔ بخاری ومسلم دونوں نے ان میں سے بیس احادیث کو مشترکہ طور پر لیا ہے۔ اور نو ۹ میں امام بخاریؒ اور پندرہ ۱۵ میں امام مسلمؒ متفرد ہیں۔ واللہ اعلم۔

---

(۸۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَؓ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَسْأَلُ النَّاسَ حَتّٰى يَاْتِيَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ لَيْسَ فِيْ وَجْهِهٖ مُزْعَةُ لَحْمٍ۔ (بخاری شریف ۱۹۹/۱ ومشکوٰۃ شریف ص۱۶۲)

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدمی ہمیشہ لوگوں سے مانگتا رہتا ہے یہانتک کہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئیگا کہ اُس کے چہرہ میں گوشت کا ذرا سا ٹکڑا بھی نہ ہوگا۔

(۸۴) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَدِيِّ بْنِ الْخِيَارِ قَالَ اَخْبَرَنِيْ رَجُلَانِ اَنَّهُمَا اَتَيَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِيْ حَجَّةِ الْوَدَاعِ وَهُوَ يَقْسِمُ الصَّدَقَةَ فَسَأَلَاهُ مِنْهَا فَرَفَعَ فِيْنَا الْبَصَرَ وَخَفَضَهٗ فَرَاٰنَا جَلْدَيْنِ فَقَالَ اِنْ شِئْتُمَا اَعْطَيْتُكُمَا وَلَا حَظَّ فِيْهَا لِغَنِيٍّ وَّلَا لِقَوِيٍّ مُّكْتَسِبٍ۔ (ابوداؤد شریف ۲۳۸/۱ ومشکوٰۃ شریف ص۱۶۱)

حضرت عبید اللہ بن عدی بن خیار فرماتے ہیں کہ مجھ کو دو آدمیوں نے خبر دی کہ وہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حجۃ الوداع کے موقع پر ایسے وقت حاضر ہوئے کہ آپ صدقہ تقسیم فرما رہے تھے تو ان دونوں نے آپ سے صدقہ مانگا۔ (وہ کہتے ہیں) کہ آپ نے ہم کو اوپر سے نیچے تک دیکھا کہ ہم تندرست ہیں تو ارشاد فرمایا کہ اگر تم چاہو تو میں تمہیں دیدوں۔ اور صدقہ میں مالدار اور کمانے والے طاقتور آدمی کا حصّہ نہیں۔

لغات مزعۃ بضم المیم وکسرہا مع سکون الزاء بعدھا عین مھملۃ وحکی فتح المیم ایضًا والضم ھو المحفوظ عند المحدثین ای قطعۃ یسیرۃ من اللحم او من الشحم او من القطن۔ (گوشت، چربی، یا روئی کا چھوٹا سا ٹکڑا) مَزَعَ مَزْعًا (ف) ٹوٹنا، متفرق کرنا، خَفَّضَ آسان کرنا، نرم کرنا، پست کرنا۔ (ض) پست کرنا، زیر دینا۔ (ک) آسودہ و خوشحال ہونا۔ خافض اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں سے ہے، باوقار، متحمل، پست کرنے والا۔ خافضۃ لڑکیوں کی ختنہ کرنیوالی عورت، جَلْدَیْنِ جَلْد کی تثنیہ منصوب بر بنائے حال۔ جَلَدَ (ض) کوڑے مارنا، مجبور کرنا پچھاڑنا، ڈسنا، جَلَدًا جَلَادَۃً جُلُوْدَۃً مَجْلُوْدًا (ک) صبر و استقلال و قوت دکھلانا (س) پالا پڑنا۔ الکتاب جلد باندھنا۔ اَلْجَلْدُ مضبوط، قوی، تندرست، چھریرہ ج اَجْلَادٌ، جَلْدٌ آسمان، یا نیلا گنبد۔ کھال۔ جِلْدٌ کھال ج اَجْلَادٌ وجُلُوْدٌ۔ حَظٌّ حصہ، نصیبہ، دولتمندی، فضل، نیکبختی، ج حُظُوْظٌ۔ (س) نصیب والا ہونا۔ مُکْتَسِبٌ کمانیوالا۔ (ض) کمانا۔

ترکیب (۸۳) یَزَالُ فعل ناقص اَلرَّجُلُ اسم یَسْاَلُ النَّاسَ فعل فاعل و مفعول بہ یَاْتِیْ فعل ضمیر فاعل ذوالحال یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ظرف لَیْسَ اپنے اسم مُزْعَۃُ لَحْمٍ اور خبر کائنًا فِیْ وَجْھِہٖ سے مل کر جملہ حال۔ یَسْاَلُ الخ جملہ فعلیہ خبر لَا یَزَالُ کی جملہ فعلیہ مقولہ مفعول بہ۔

(۸۴) اخبر فعل نون وقایہ یائے متکلم مفعول بہ اول۔ رَجُلَانِ فاعل اَنَّھُمَا ضمیر اسم اَنَّ اَتَیَا فعل ضمیر فاعل اَلنَّبِیَّ ذوالحال وَھُوَ فِیْ حَجَّۃِ الْوَدَاعِ جملہ اسمیہ حال وَھُوَ یَقْسِمُ الصَّدَقَۃَ جملہ اسمیہ حال ثانی ذوالحال دونوں حالوں سے مل کر مفعول بہ۔ اَتَیَا جملہ فعلیہ خبر اَنَّ جملہ اسمیہ بتاویل مفرد قائم مقام دو مفعولوں کے۔ فَسَاَلَاہُ مِنْھَا جملہ فعلیہ اَتَیَا پر معطوف۔ فَرَفَعَ فعل ضمیر ہو فاعل۔ فِیْنَا متعلق اَلْبَصَرَ مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ خَفَّضَہٗ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف فَرَاٰی فعل ضمیر ہو فاعل، نَا ذوالحال جَلْدَیْنِ حال۔ ذوالحال و حال مفعول بہ جملہ فعلیہ۔ اِنْ شِئْتُمَا فعل با فاعل جملہ فعلیہ شرط، اعطیتکما فعل با فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ جزا۔ لَا نفی جنس حَظَّ ذوالحال فِیْھَا کائنًا وغیرہ کے متعلق ہو کر حال۔ اسم لَا۔ لِغَنِیٍّ معطوف لِقَوِیٍّ مُکْتَسِبٍ موصوف صفت مجرور معطوف، معطوفین مل کر ثابتٌ کے متعلق خبر لَا۔ جملہ اسمیہ ہوا۔

تشریح (۸۳) مَا یَزَالُ الرَّجُلُ یَسْاَلُ النَّاسَ یعنی جو آدمی بلا ضرورت و استحقاق سوال کرنیکا عادی ہوتا ہے۔ (سوال زبانِ قال سے ہو یا زبانِ حال سے یعنی محتاجوں کی سی صورت بنا کر لوگوں کے سامنے آئے) تو قیامت کے دن وہ بارگاہِ الٰہی میں ایسی حالت میں حاضر ہوگا کہ اس کے

چہرہ میں گوشت کا نام ونشان نہ ہوگا۔ یعنی قیامت کے دن خدا تعالیٰ اس کو ایسی ذلیل صورت میں اٹھائیں گے کہ قدر ومنزلت اور عزت وآبرو سے وہ قطعاً محروم ہوگا۔ یہ اس کو بھیک مانگنے کی سزا ملیگی۔ اور یہی بھیک منگوں کا اُسدن نشان ہوگا کہ اس علامت سے سب لوگ ان کو پہچانیں گے کہ یہ بھک منگے ذلیل انسان ہیں، جس سے ان کی زبردست تذلیل اور ذلیل انجام کی خوب تشہیر ہوگی۔ ہر سزا کیونکہ عمل کے مطابق ومناسب ہوگی۔ یہ سزا بھی اس کے عمل کے مطابق ہی ہے۔ کیونکہ دنیا میں اس نے خود کو ذلیل کیا۔ اور حیا وآبرو کو طمع اور لالچ کی بھینٹ چڑھا دیا تھا۔ اسلئے سزا بھی ایسی ہی ہے۔ کہ وہ چہرہ کی رونق وشادابی سے محروم کردیا جائیگا۔ حضرت امام احمدؒ دعار فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰھُمَّ کَمَا صُنْتَ وَجْھِی عَنْ سُجُوْدِ غَیْرِکَ فَصُنْ وَجْھِی عَنْ مَسْئَلَۃِ غَیْرِکَ۔ (اے اللہ جس طرح آپنے اپنے غیر کے آگے جھکنے سے میرے چہرہ کی حفاظت فرمائی اسی طرح میرے چہرہ کو اپنے غیر کے آگے سوال کرنے سے بھی بچا لیجئے۔)

(۸۴) حدیث پاک کا مطلب تو واضح ہے، عبید اللہ بن عدی الخیار، اور مشکوٰۃ شریف کے بعض نسخوں میں عبید اللہ بن عدی بن الخیار ہے۔ ولہٰذا ہو الاصح۔ کہتے ہیں کہ مجھ کو دو آدمیوں نے اپنی یہ سرگذشت سُنائی۔ کہ ہم لوگ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عین اس وقت حاضر ہوئے جبکہ آپ صدقہ تقسیم فرما رہے تھے۔ (الوِدَاع بِکسرِ الواوِ والفتحُ اَشْھَرُ) کہتے ہیں کہ ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہمیں بھی صدقات میں سے کچھ حصّہ عطاء فرمادیجئے۔ آپنے ہمکو اوپر سے نیچے تک دیکھا، ہم میں کوئی کمزوری یا معذوری نہ پاکر ارشاد فرمایا اگر تم چاہو تو میں تمکو دیدوں یعنی تمہاری بات پر اعتماد کرتے ہوئے، کہ تم صدقہ کے مستحق ہو، لیکن تمہارا ظاہر حال تو یہ بتا رہا ہے کہ تم صدقہ کے مستحق نہیں ہو۔ اچھے خاصے تنومند وتندرست ہو۔ اگر تم غنی وقوی ہو، تو تم کو صدقہ نہیں لینا چاہیئے۔ کیونکہ غنی اور ایسے قوی کو صدقہ مانگنے کا حق نہیں جو کما سکتا ہو۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ میں تمکو صدقہ نہ دونگا۔ کیونکہ صدقہ لینا ذِلّت ہے۔ لیکن تم ذلّت کو گوارا کرنے کے لئے تیار رہو تو میں تمکو دیدوں، یا یہ مطلب ہے کہ میں تمکو صدقہ نہ دونگا۔ کیونکہ غنی وقوی مکتسب کو صدقہ لینا حرام ہے۔ لیکن اگر تم حرام کھانے پر راضی ہو تو دیدوں۔ اور دونوں میں سے کوئی بھی مطلب لیا جائے آپنے یہ توبیخاً فرمایا، ورنہ تو اول صورت میں ذلّت اور دوسری صورت میں حرام پر اعانت لازم آتی ہے جسکا گناہ ہونا ظاہر ہے۔ اور اللہ کے نبی معصوم ہیں، لیکن بے غبار مطلب وہ ہے جو شیخ ابن ہمامؒ نے بیان فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اِعطار کی حِلّت وحُرمت سے حدیث میں بحث نہیں غرض سوال کی حِلّت وحُرمت سے ہے۔ یعنی بظاہر تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا سوال جائز نہیں کیونکہ تم غنی ہو۔ یا کم از کم تندرست اور کمائی پر قدرت رکھنے والے ہو۔ لیکن اگر تمہاری حقیقت حال ظاہر حال کے خلاف ہے۔ یعنی واقعی تم حاجتمند ہو اور تمہارا سوال جائز ہے تو میں دیدوں۔ بہرحال

اس سلسلہ میں تم امین ہو۔ ایمانداری سے اپنے متعلق فیصلہ کرلو۔ اس صورت میں اعانت علی الحرام والا اشکال پیش نہ آئیگا۔ بلکہ ایک اور اشکال بھی دفع ہوجائیگا۔ وہ یہ کہ قوی مکتسب کو سوال تو اکثر حالات میں ناجائز ہے۔ لیکن اگر کسب کے باوجود آمد ناکافی ہوتی ہے تو صدقہ دینا اور اس کو صدقہ لینا دونوں حلال ہیں۔ ان آخری جملوں کا آخری مطلب ہمیں پسند ہے۔ اور یہی متبادر الی الذہن بھی ہے۔ کیونکہ یہ مطلب بے غبار ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام غیوب کا علم نہ تھا جسپر ہزارہا قطعی دلائل موجود ہیں۔ اسلئے حقیقتِ حال سے واقف نہونا نبی علیہ السلام کے لئے کوئی عیب کی بات نہیں۔ یہ شان تو اللہ کی ہے کہ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہیں۔ بلکہ جو شخص حضور علیہ السلام کو اللہ کی اس صفتِ خاصہ میں شریک کریگا وہ یقیناً مشرک و گمراہ اور قرآن و حدیث کا منکر ہوگا۔ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔

حضرت عبید اللہ بن عدی بن الخیار رضی اللہ عنہ آپ قریشی نوفلی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں پیدا ہوئے صحابیت کا شرف حاصل نہو سکا۔ آپکا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ اور دیگر حضرات صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے روایت کرتے ہیں۔ ولید بن عبد الملک کے دورِ خلافت میں وفات پائی۔

---

(۸۵) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كُنَّا عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم سات یا آٹھ یا نو آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

سَبْعَةً اَوْ ثَمَانِيَةً اَوْ تِسْعَةً فَقَالَ اَلَا تُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ

کے پاس حاضر تھے۔ تو آپنے ارشاد فرمایا کہ تم اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے بیعت نہیں کرتے، اور عنقریب

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكُنَّا حَدِيْثَ عَهْدٍ بِبَيْعَةٍ فَقُلْنَا قَدْ بَايَعْنَاكَ قَالَهَا

ہی ہم لوگوں نے بیعت کی تھی۔ تو ہم نے عرض کیا کہ ہم تو بیعت کر چکے ہیں۔ آپنے تین بار یہی ارشاد

ثَلٰثًا فَبَسَطْنَا اَيْدِيَنَا فَبَايَعْنَا فَقَالَ قَائِلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا

فرمایا تو ہمنے اپنے ہاتھوں کو پھیلا دیا اور ہمنے بیعت کرلی تو ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ہم تو آپ سے

قَدْ بَايَعْنَاكَ فَعَلٰى مَا نُبَايِعُكَ قَالَ اَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ

بیعت کر چکے تھے تو آپ سے ہم اب کس چیز پر بیعت کریں؟ فرمایا اس بات پر کہ تم اللہ کی عبادت کروگے اور اسکے

شَيْئًا وَتُصَلُّوا الصَّلَوٰتِ الْخَمْسَ وَتَسْمَعُوْا وَتُطِيْعُوْا وَاَسَرَّ كَلِمَةً

ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروگے اور پنجگانہ نماز ادا کرتے رہوگے اور سنوگے اور اطاعت کروگے، اور ایک بات

خَفِيَّةً قَالَ وَلَا تَسْأَلُوا النَّاسَ شَيْئًا قَالَ فَلَقَدْ كَانَ بَعْضُ أُولٰئِكَ

چپکے سے فرمائی۔ فرمایا اور تم لوگوں سے کچھ نہ مانگو گے۔ حضرت عوف ؓ نے فرمایا کہ اس جماعت میں سے بعض لوگ

النَّفَرِ يَسْقُطُ سَوْطُهُ فَمَا يَسْأَلُ أَحَدًا أَنْ يُنَاوِلَهُ إِيَّاهُ۔ (ابوداؤد ص ۲۳۹ ج ۱)

ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان کا کوڑا اگر گرجاتا تب بھی وہ کسی سے نہ مانگتے تھے کہ وہ کوڑا ان کو پکڑا دے۔

لغات

نَفَر سارے لوگ، تین سے دس تک مردوں کی جماعت ج اَنْفَارٌ یقال ثَلٰثَةُ نَفَرٍ اَوْ اَنْفَارٍ یعنی تین شخص نَفَرُ الرَّجُلِ مرد کا قبیلہ۔ النَّفَرُ النَّافِرِ کی جمع بھاگنے والوں کا گروہ، جنگجو لوگوں کی جماعت، تین سے دس تک کی جماعت۔ وکذا النفرۃ (ض) نفرت کرنا، ناپسند کرنا۔ روگردانی کرنا، دوڑنا، متفرق ہونا، غالب آنا وغیرہ۔

ترکیب

کُنَّا فعل ناقص مع اسم عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ظرف سبعة نفرٍ او ثمانية نفرٍ او تسعة نفرٍ، معطوفات خبر جملہ فعلیہ۔ یا ان معطوفات کو کُنَّا کی ضمیر سے حال۔ اور عند رسول اللہ متعلق محذوف ہوکر خبر۔ اَلَا تُبَايِعُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ انشائیہ۔ کُنَّا فعل مع اسم حَدِيْثُ اپنے مضاف الیہ اور متعلق سے ملکر خبر۔ جملہ فعلیہ معترضہ۔ اگلے جملوں کی ترکیب ظاہر ہے۔ اور فائیں تعقیب و تفریع کے لئے ہیں۔ غور کرکے نکال لیجئے۔

تشریح

عوف بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ ہم سات یا آٹھ یا نو آدمی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ عالی میں حاضر تھے۔ آپنے ہمکو بیعت کرنیکا حکم دیا، حالانکہ ہمکو آپ کے دستِ مبارک پر بیعت کیئے ہوتے تھوڑا ہی عرصہ گذرا تھا۔ ہم نے عرض کیا، یا رسول اللہ ہم تو بیعت کرچکے ہیں۔ مگر آپنے اہتمام و تاکید کے لیے تین بار بھی ارشاد فرمایا کہ تم بیعت نہیں کرتے ہو؟ آپ کے تاکیدی حکم پر ہم نے اپنے ہاتھوں کو بیعت کے لئے آپ کی جانب بڑھا دیا۔ اور ہم میں سے کسی شخص نے جرأت کرکے یہ بھی عرض کردیا کہ حضور ہم کس بات پر بیعت کریں۔ آپنے فرمایا ان چند باتوں کا عہد کرو (۱) اللہ کی عبادت کرتے رہوگے۔ (۲) اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کروگے۔ یعنی کسی قسم کے شرک میں ملوث نہوگے۔ (۳) پنجگانہ نماز کے پابند رہوگے۔ (۴) اللہ اور اس کے رسول کے احکام کو بغور سنوگے۔ (۵) اور نہایت خوشی سے ان پر عمل کروگے۔ (۶) اور آہستہ سے یہ کلمہ ارشاد فرمایا کہ انسانوں سے کسی چیز کا سوال نہ کروگے۔ دراصل یہ غیرتِ ایمانی کا تقاضا اور ماقبل کے احکام کا ثمرہ ہے۔ پھر بھی آپ نے اس کی تاکید فرمائی کہ غیر اللہ سے کچھ نہ مانگوگے۔ مخلوق سے نفع حاصل کرنے کی توقع کو ختم کرکے اللہ کی

قدرت سے نفع حاصل کروگے۔ تبدیلِ طرز میں ایک تو اس امر کی تاکید اور امتیازی شان کو نمایاں کرنا ہے۔ دوسرے اس چھٹے مسئلہ کی حیثیت کو بیان کرنا ہے۔ کہ یہ اہم ترین ہونے کے باوجود ماقبل کے اوامر کا نتیجہ اور فرع ہے۔ پھر تو اُن سچے عاشقوں اور حقیقی جانثاروں نے جن کے پاکیزہ قلوب میں اطاعت اور "سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" کے علاوہ کوئی جذبہ ہی نہ تھا۔ ان احکام کا حق ادا کر دیا حتیٰ کہ بعض حضرات نے تو اس قدر اہتمام و پابندی اور کمالِ اطاعت کا مظاہرہ کیا کہ اگر کوڑا بھی اُن کے ہاتھ سے گر گیا (گو وہ سواری پر ہی سوار کیوں نہ ہوں، خواہ اُس کے اٹھانے میں کتنی ہی مشقت و وقت کیوں نہ ہو) کسی سے یہ کبھی نہیں کہا کہ میرا کوڑا مجھے دیدو۔ حالانکہ یہ سوال درحقیقت سوالِ ممنوع نہ تھا، مگر محبوب سے عہد کرکے صورتِ سوال سے بھی دل میں نفرت پیدا ہو چکی تھی۔ ؎

اِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مِنْهُمْ فَتَشَبَّهُوْا ⁂ اِنَّ التَّشَبُّهَ بِالْكِرَامِ فَلَاحٌ

اَللّٰهُمَّ يَا مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا اِلٰى طَاعَتِكَ وَطَاعَةِ رَسُوْلِكَ ۔ آمین

وَفِي الرِّقَابِ

(۸۶) عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ سَاَلْتُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَىُّ الْعَمَلِ

حضرتِ ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کون سا عمل

اَفْضَلُ قَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَجِهَادٌ فِىْ سَبِيْلِهٖ قَالَ قُلْتُ فَاَىُّ الرِّقَابِ

افضل ہے؟ فرمایا اللہ پر ایمان اور اس کے راستہ میں جہاد۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا (آزاد کرنے کے لئے)

اَفْضَلُ قَالَ اَغْلَاهَا ثَمَنًا وَاَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ

کونسا رقبہ بہتر ہے۔ فرمایا جو زیادہ قیمتی ہو اور زیادہ پسندیدہ ہو اسکے مالک کے نزدیک میں نے کہا کہ اگر میں نہ کرسکوں

قَالَ تُعِيْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ

فرمایا تو کسی کام کرنیوالے کی مدد کر دینا یا کسی ناتجربہ کار کا کام بنا دینا میں نے عرض کیا کہ اگر (یہ بھی) نہ کرسکوں فرمایا لوگوں

النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰى نَفْسِكَ۔

کو تکلیف نہ پہونچانا کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا صدقہ ہے، جس کو تم اپنے لئے کروگے۔

(بخاری شریف ص۳۴۲ ج۱ ومشکوٰۃ شریف کتاب العتق ص۲۹۳)

لغات اَغْلَاهَا صیغہ اسم تفضیل زیادہ گراں۔ غُلُوًّا (ن) زیادہ ہونا، بلند ہونا، جوشیلا ہونا، پختہ ہونا، بڑا ہونا۔ غَلْوًا وَغُلُوًّا۔ دور تک پھینکنا۔ غَلَاءٌ بھاؤ بڑھنا غَلٰى يَغْلِىْ غَلْيًا

وَغَلَيَانًا (ض) جوش مارنا۔ اَنْفَسُهَا مرغوب ترین، پسندیدہ تر۔ بابِ کَرُمَ۔ اَخْرَقُ بیوقوف، ناتجربہ کار۔ خَرْقًا (ن ض) پھاڑنا، جھوٹ گھڑنا، عادت کے خلاف کرنا۔ (س) خوف یا شرم سے دہشت زدہ ہونا۔ عاجز ہونا۔ (س ک) بیوقوف ہونا، ادھورا کام کرنا۔ صفت اَخْرَق مؤنث خَرْقَاءُ۔ خَارِقٌ جو مقتضائے عادت کے خلاف ہو۔ ج خَوَارِقُ۔

ترکیب سَأَلْتُ فعل با فاعل اَلنَّبِيَّ مفعول بہ اول۔ اَيُّ الْعَمَلِ مبتدا اَفْضَلُ خبر۔ جملہ اسمیہ دوسرا مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ ہوا۔ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ مبتدا محذوف اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ کی خبر۔ اور ایسے ہی جِهَادٌ فِيْ سَبِيْلِهٖ بھی فَاَيُّ الرِّقَابِ مبتدا اَفْضَلُ خبر جملہ اسمیہ۔ اَغْلَاهَا مرکب اضافی ممیز۔ ثَمَنًا تمیز معطوف علیہ وَاَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا ذوالحال وحال معطوف۔ معطوفین اَفْضَلُ الرِّقَابِ مبتدا محذوف کی خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ۔ فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ جملہ شرط فماذا افعل جزا محذوف۔ یا معنی یہ ہیں۔ فَاِنْ لَمْ اَفْعَلْ فَاَيُّ شَيْءٍ يَقُوْمُ مَقَامَهٗ۔ تُعِيْنُ مرفوع خبر بمعنی امر۔ ای اَعِنْ۔ یا بالنصب ہے۔ اور تقدیر عبارت یہ ہوگی فَقَالَ اَنْ تُعِيْنَ صَانِعًا جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مبتدائے خبر محذوف یقوم مقامہ۔ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ کی بھی یہ دونوں ترکیبیں ہوں گی۔ اور یہ بھی صیغہ خبر بمعنی امر ہے۔ اسی طرح اگلا جملہ ہے۔ صَدَقَةٌ موصوف تَصَدَّقُ فعل با فاعل بِهَا اور عَلٰى نَفْسِكَ دونوں متعلق جملہ فعلیہ صفت، موصوف صفت خبر اِنَّ جملہ اسمیہ۔

تشریح حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ عمل سے مراد عام ہے۔ ظاہری ہو یا باطنی۔ اسی وجہ سے جواب میں عمل باطنی ایمان، اور عمل ظاہری جہاد بیان فرمایا گیا۔ یا عمل سے مراد وہی ہے جس کا تعلق قالب اور ظاہر سے ہو جس کا جواب جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ مگر ایمان کے بغیر کوئی عمل معتبر نہیں۔ اسلئے اولاً ایمان کو بیان فرمایا۔ اور جہاد کو افضل الاعمال اسلئے قرار دیا کہ اس سے تمام اعمال زندہ ہوتے ہیں۔ جہاد کی دو قسمیں ہیں۔ ایک جہادِ اصغر جو کفار سے کیا جاتا ہے۔ جو نگاہوں کے سامنے کھلے ہوئے دشمن ہیں۔ دوسری قسم جہادِ اکبر ہے۔ جو چھپے ہوئے بدترین دشمن نفس کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ جس کو حدیث میں اَعْدٰى عَدُوِّكَ الَّذِيْ بَيْنَ جَنْبَيْكَ (تیرا سب سے بڑا دشمن تیرا نفس ہے) فرمایا گیا۔ اور اسی جہاد بالنفس کو جہادِ اکبر فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ ایک غزوہ سے واپسی پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ" ہم جہاد اصغر (جہاد بالکفار) سے جہاد اکبر (جہاد بالنفس) کی جانب واپس ہو رہے ہیں) یاد رکھیئے کہ اصلاحِ نفس کے تمام طرق جہادِ اکبر کہلائیں گے۔ ظاہر ہے کہ اس کی فضیلت بھی جہادِ اصغر کی فضیلت سے بڑھکر ہوگی۔ لہٰذا بعض اناڑی مُلّا جو بیچارے تبلیغ والوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ

انہوں نے اپنے کام پر جہاد کی تمام نصوص فٹ کرلیں۔ یہ اعتراض غلط ہے۔ اور معترضین احمق ہیں۔ کیونکہ دعوت و تبلیغ اصلاح نفس کا بہترین طریقہ ہے، جو جہاد سے افضل ہے۔ اور اس کے فضائل جہاد بالکفار سے بڑھکر ہیں۔ الحاصل کہ جِهَادٌ فِي سَبِيلِهٖ مطلق اور جہاد اصغر و اکبر دونوں کو مشتمل ہے۔ حضرت ابوذرؓ نے پوچھا کونسا غلام آزاد کرنا افضل ہے۔ فرمایا جو زیادہ قیمتی اور عمدہ و پسندیدہ ہو۔ کیونکہ لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ہ محبوب ترین اشیاء کو محبوب حقیقی کی رضا و محبت میں قربان کرنا ہی افضل ترین عمل ہو سکتا ہے۔ اَغْلَاهَا غین معجمہ کے ساتھ ہے جس کے معنی گراں تر کے ہیں۔ بعض روایات میں عین مہملہ کے ساتھ وارد ہوا ہے۔ اور معنی تقریبًا وہی ہیں۔ والمقصود انّ الاجر بقدر المشقّۃ کما روی اَفْضَلُ الْاَعْمَالِ اَحْمَزُهَا ای اشدّها علی النفس۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا کہ اگر یہ نہ کرسکوں تو کیا کروں؟ ارشاد فرمایا کسی کمزور و عاجز کی اس کے کام پر مدد کردو، بعض روایات میں صَانِعًا کی بجائے ضَائِعًا ہے جس سے مراد فقیر و عاجز صاحب عیال ہے۔ اَوْ تَصْنَعُ یا کسی بیوقوف و ناتجربہ کار کا کام بنادو یعنی جو اپنا کام درست نہیں کرسکتا اس کی مدد کرکے اس کا کام درست کردو۔ پوچھا کہ اگر اس کی قدرت نہ ہو تو کیا کروں۔ فرمایا کہ لوگوں کو اپنی جانب سے شر یعنی تکلیف اور برائی نہ پہنچاؤ۔ یہ آخری درجہ ہے۔ بعض شراح نے اس کے معنی یہ بیان کیے ہیں۔ تترك النّاس من اجل شرّهم۔ یعنی لوگوں کو ان کے شر کی وجہ سے چھوڑ کر خلوت اور تنہائی اختیار کرلو۔ یہ عمل بھی صدقہ کا کام دیگا۔ کیونکہ اذیت پہونچانا حرام، اور ترک حرام ثواب اور صدقہ شمار ہوتا ہے۔ اور دوسری توجیہ کی بنا یہ ہے کہ صدقہ سے حفاظت و ردِّ بلا ہوتی ہے۔ اور خلوت بھی حفاظت اور بلاؤں سے نجات کی ضامن ہے۔ والسّلامۃ فی الوحدۃ۔ واللہ اعلم

وَاَقَامَ الصَّلٰوۃَ

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يَّلْقَى اللّٰهَ غَدًا مُّسْلِمًا

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ کل (قیامت کے دن) مسلمان بنکر اللہ سے

فَلْيُحَافِظْ عَلٰى هٰذِهِ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ حَيْثُ يُنَادٰى بِهِنَّ فَاِنَّهُنَّ

ملاقات کرے تو اس کو چاہیئے کہ ان پنجگانہ نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہے۔ کیونکہ

مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى وَاِنَّ اللّٰهَ شَرَعَ لِنَبِيِّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُنَنَ

وہ نمازیں ہدایت کی راہیں ہیں۔ اور یقینًا اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں

الْهُدٰى وَلَعَمْرِيْ لَوْ اَنَّ كُلَّكُمْ صَلّٰى فِيْ بَيْتِهٖ لَتَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ

جو سراسر ہدایت ہیں۔ اور قسم ہے کہ اگر تم سب کے سب اپنے گھر میں نماز پڑھنے لگو گے تو تم اپنے نبی کی سنت کو

لَضَلَلْتُمْ وَلَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنْهَا إِلَّا مُنَافِقٌ مَعْلُومُ النِّفَاقِ

چھوڑ دو گے۔ اور اگر تم اپنے نبی کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔ اور ہم تو اپنا حال یہ دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق

وَلَقَدْ رَأَيْتُ الرَّجُلَ يُهَادَى بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ حَتَّى يُدْخَلَ فِي الصَّفِّ

ہوتا تھا وہی جماعت سے رہجا تا تھا۔ اور میں نے دیکھا کہ ایک شخص دو آدمیوں کے درمیان سہارے سے چلتا تھا

وَمَا مِنْ رَجُلٍ يَتَطَهَّرُ فَيُحْسِنُ الطُّهُورَ فَيَعْمِدُ إِلَى الْمَسْجِدِ فَيُصَلِّي

یہانتک کہ اسکو صف میں داخل کر دیا جاتا تھا۔ اور جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر مسجد جاکر نماز پڑھے تو وہ

فِيهِ فَمَا يَخْطُو خُطْوَةً إِلَّا رَفَعَ اللهُ بِهَا دَرَجَةً وَحَطَّ عَنْهُ بِهَا خَطِيئَةً۔

جو قدم بھی اٹھائیگا اللہ تعالیٰ اس کی وجہ سے ایک درجہ بلند فرمادیں گے اور اسکے ایک گناہ کو اس قدم کی بدولت معاف فرمادیں گے۔ (ابن ماجہ شریف ص۵۸ مشکوٰۃ شریف ص۹۶ بغیر ترتیب مذکور وکذا فی مسلم ص۲۳۲/ج۱)

لغات

لَضَلَلْتُمْ (س ض) گمراہ ہونا۔ اِضْلَال گمراہ کرنا۔ يَتَخَلَّفُ پیچھے رہنا۔ (ن) جانشین ہونا، جانشین بنانا۔ (س) بیوقوف ہونا، بھینگا ہونا، کھیڑا ہونا۔ يُهَادَى۔ يهادى بين اثنين فُلان۔ دو آدمیوں کے درمیان سہارا لیتا ہوا آیا۔ (معروف ومجہول) الصَّفُّ سیدھی قطار، کلاس صف بستہ قوم۔ ج صُفُوف (ن) صف بنانا۔ عَمَدَ (ض) قصد کرنا، چھت میں ستون لگانا (س) غضبناک ہونا۔ دردمند ہونا۔ تعجب کرنا۔ يَخْطُو (ن) چلنا، قدموں کو کشادہ کرکے چلنا۔ خُطْوَةٌ چلنے کے وقت دو قدموں کے درمیان کا فاصلہ۔ حَطَّ (ن) اترنا، نازل ہونا، سستا ہونا، چھوڑنا، معاف کرنا، اتارنا، المَحَطُّ والمَحَطَّةُ ریلوے اسٹیشن، اترنے کی جگہ، ٹھہرنے کی جگہ ج مَحَاطّ ومَحَطَّاتٌ۔

ترکیب

مَنْ شرطیہ۔ سَرَّ فعل ضمیر ھو فاعل ہٗ مفعول بہ اَنْ يَّلْقَى فعل ضمیر ھُوَ فاعل لفظ اللہ مفعول بہ۔ غَدًا مفعول فیہ مُسْلِمًا ضمیر فاعل سے حال، جملہ فعلیہ بتاویل مفرد سَرَّہٗ کا مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ شرط۔ فَلْيُحَافِظْ فعل ضمیر ھُوَ فاعل۔ عَلٰی اپنے مجرور سے ملکر متعلق حَيْثُ مضاف يُنَادٰى بِهِنَّ جملہ فعلیہ مضاف الیہ ظرف، جملہ فعلیہ جزا۔ فَاِنَّ اپنے اسم هُنَّ اور خبر کائنۃ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى سے ملکر جملہ اسمیہ معطوف علیہ۔ وَاِنَّ اپنے اسم اللّٰہ اور خبر شَرَعَ الخ جملہ فعلیہ سے ملکر جملہ اسمیہ معطوف۔ وَلَعَمْرِي مبتدا قسمی خبر محذوف کا۔ جملہ اسمیہ قسم۔ کُلُّکُمْ اسم اَنَّ۔ صَلّٰی فِي بَيْتِهٖ جملہ فعلیہ خبر۔ (ای لو صلّی کلّ واحدٍ منکم فی بیتہ) شرط لَتَرَكْتُمْ فعل با فاعل سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ مرکب اضافی مفعول بہ جملہ فعلیہ جزا معطوف علیہ۔ اسی طرح اگلا جملہ شرط وجزا معطوف۔ جواب قسم رَأَيْتُ بمعنی عَلِمْتُ فعل قلب با فاعل نَا مفعول اول دراصل رَأَيْنَا نا تھا۔ بوجہ تکرار رَأَيْتُنَا

استعمال ہوتا ہے نیز اتحادِ فاعل ومفعول کی افعالِ قلوب میں گنجائش ہے۔ اوالمعنی رَأَیْتُ حَالَنَا، مَا یَتَخَلَّفُ فعل عنھا متعلق مُنَافِقٌ موصوف مَعْلُوْمُ النِّفَاقِ صفت۔ موصوف وصفت فَاعِل، جملہ فعلیہ حال قائم مقام مفعولِ ثانی جملہ فعلیہ۔ لَقَدْ رَأَیْتُ فعل با فاعل الرَّجُلَ مفعولِ اول یُھَادٰی بَیْنَ الرَّجُلَیْنِ جملہ فعلیہ مفعولِ ثانی۔ حَتّٰی یُدْخَلَ فعل ضمیر ھو نائب فاعل فِی الصَّفِّ متعلق جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور متعلق رَأَیْتُ جملہ فعلیہ۔ مَا مشابہ بِلَیْسَ مِنْ زائدہ رَجُلٍ موصوف یَتَطَھَّرُ جملہ فعلیہ معطوف علیہ اپنے تینوں معطوفات سے (کہ ان میں سے ہر اک جملہ فعلیہ ہے) مل کر صفت اسم مَا۔ آگے جملہ فعلیہ مع معطوف خبر۔

تشریح ایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے۔ لَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ (تم ہرگز نہ مرو مگر ایسی حالت میں کہ تم مسلمان اور مکمل فرمانبردار ہو) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ جس کا جذبہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہ میں مسلمان اور کامل فرمانبردار ہو کر حاضر ہو تو وہ پنجگانہ نمازوں کی پوری پوری محافظت کرے۔ اور نمازوں کی محافظت ونگرانی یہی ہے کہ نمازیں جس طرح مشروع ہوئی ہیں اسی طرح پڑھی جائیں۔ اور نمازیں باجماعت مشروع ہوئی ہیں۔ چنانچہ حدیث میں وارد ہے کہ جب نمازیں فرض ہوئیں تو حضرت جبرئیلؑ دو دن تک حاضر ہوئے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نمازیں پڑھائیں۔ بہرحال نمازیں باجماعت ہی مشروع ہوئی ہیں۔ اور صرف نماز پڑھنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ اور حَافِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ اقامت ومحافظت کا حکم ہے۔ بلا جماعت نماز پڑھ لینے سے یہ حکم پورا نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں۔ جو شخص ان طریقوں کو چھوڑ دیگا ظاہر ہے کہ وہ راہِ ہدایت سے بیگانہ اور گمراہ ہو جائیگا۔ تو ہدایت نمازوں پر، اور نمازوں کی محافظت جماعت پر موقوف ہے۔ اسی لئے جو لوگ ہدایت سے محروم ہیں، گو وہ زبان سے ہدایت پر ہونے کا دعویٰ و اظہار ہی کرتے ہوں (جنکو منافقین کہتے ہیں) باجماعت نمازوں کی وہ پابندی نہیں کرپاتے۔ پھر حضرات صحابۂ کرامؓ کا جو ہدایت کے اعلیٰ مقامات پر فائز تھے، نماز باجماعت ادا کرنیکا شوق واہتمام بیان فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی مریض گھسٹ کر یا دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں آسکتا تو وہ ضرور آتا۔ اور نماز باجماعت ادا کرتا تھا اس اہتمام کی وجہ سے منافقین بھی اپنے نفاق کو چھپانے اور اپنی ہدایت کو ظاہر کرنے کے لئے نماز باجماعت کا اہتمام کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ ہاں جن کا منافق ہونا سب کو معلوم ہوتا تو اسکے اہتمام سے نفاق پر پردہ نہ پڑ سکتا تھا اسلئے وہ اہتمام بھی ترک کر دیتے تھے۔

اخیر میں اہتمامِ جماعت اور اس کے لئے مسجد میں آنے کی فضیلت بیان فرمائی گئی کہ جو شخص

اچھی طرح فرائض وسنن وآداب کی رعایت رکھتے ہوئے وضو کرکے نماز پڑھنے کے ارادہ سے مسجد کی جانب چلتا ہے تو ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بلند ہوتا اور ایک گناہ معاف کیا جاتا ہے۔ یہ بات یاد رکھیئے کہ عبادات وحسنات سے صغائر معاف ہوتے ہیں۔ کبائر کے لئے توبہ ضروری ہے۔ ہاں اگر کسی کے ذمہ صغائر نہیں ہیں۔ یا تھے مگر سب معاف ہوگئے تو کبائر میں خفت ہوجاتی ہے۔ اور اگر کسی خوش نصیب کے ذمہ نہ کبائر ہیں نہ صغائر، تو اس کے درجات بلند ہوجاتے ہیں۔

سوال:۔ اللہ کی بارگاہ میں مسلمان بنکر حاضر ہونے کو نماز پر موقوف بتلایا گیا۔ حالانکہ نماز اسلام کے فرائض میں سے ایک فریضہ ہے۔ زکوٰۃ، روزہ اور حج بھی نماز کی طرح فریضے ہیں۔ اور تمام فرائض و واجبات ادا کرنے ہی سے انسان مسلمان بنتا ہے نہ کہ صرف ایک فرض سے۔

جواب:۔ نماز ایسی اہم ترین واکمل ترین عبادت ہے جس کا تعلق قلب و قالب دونوں سے یکساں ہے۔ کیونکہ نماز تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالارکان تینوں پر بیک وقت مشتمل ہے۔ نیز یہ جملہ عبادات کو جامع اور حاوی ہے۔ اسلئے کہ زکوٰۃ کی حقیقت مال کو اللہ کی محبت پر قربان کرنا، اور روزہ کی حقیقت خواہشات نفسانی کو محبوب حقیقی کی مرضیات پر فنا کر دینا اور حج کی حقیقت تن من دھن سب کچھ در محبوب پر نثار کر دینا ہے۔ نماز میں یہ سب اقسام کی قربانیاں موجود ہیں۔ نمازی تمام مالی نقشوں کو اس طرح قربان کرکے حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ کہ ان چیزوں کی طرف نگاہ بھی نہیں اٹھا سکتا۔ زکوٰۃ میں ایسی مالی قربانی نہیں جیسی نماز میں ہے۔ اور نمازی نماز میں کھانا پینا، جماع اور دواعی جماع وغیرہ اس شان کیساتھ چھوڑ دیتا ہے کہ ماسوا اللہ کی طرف التفات بھی نماز میں قصور سمجھا جاتا ہے، زکوٰۃ کے برخلاف کہ اسمیں کھانے پینے کا نظم، نکاح اور بیوی سے بات چیت وغیرہ امور کی گنجائش ہے۔ اور نماز ان امور میں سے کسی ایک کی بھی متحمل نہیں۔ نیز نماز میں کعبۃ اللہ کی طرف توجہ اور حقیقت قبلہ کا از اوّل تا آخر پورا دھیان ضروری ہے۔ غور کیجیئے تو زکوٰۃ وصیام و حج میں اتنی ظاہر و باطن پر پابندیاں نہیں ہیں۔ اور نہ ہی اس انداز کی جانی ومالی قربانیاں ہیں جیسی نماز میں ہیں۔ اسی وجہ سے نماز بھاری اور مشکل چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے۔ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ (بیشک نماز بہت بھاری چیز ہے) الحاصل جس نے عمل نماز کو اہتمام سے زندہ رکھا اس نے اپنی زندگی میں تمام عبادات کو زندہ کرلیا چنانچہ قرآن پاک میں امر نماز کے بعد جابجا زکوٰۃ کا مطالبہ ہے اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ۔ اور احادیث میں نماز کو بہترین عمل، نور، دلیل وحجت، کفر وایمان کے درمیان حد فاصل وغیرہ قرار دیا گیا ہے، علاوہ ازیں نماز میں معاملات واخلاقیات وحقوق العباد وغیرہ پورے دین کی عملی مشق موجود ہے، بلکہ نماز ملائکہ، اجنہ، نباتات، جمادات غرض تمام مخلوقات کے مختلف الانواع طرق عبادات کا مجموعہ لب و لباب اور خلاصہ ہے۔ تفصیل کے لئے ہمارے رسالہ "نماز عقل ونقل کی روشنی میں"

کا مطالعہ فرمائیے۔ مذکورہ اجمالی بیان کا حاصل یہ ہے کہ نماز نہایت جامع اور ہمہ گیر عبادت ہے۔ اسلئے اسی کو مسلمان بنکر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہونیکا موقوف علیہ قرار دیا گیا ہے۔ اور اسی لئے قیامت کے دن سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، جو اس میں پورا اُتر جائیگا باقی چیزوں میں اس کے ساتھ سہولت کا برتاؤ ہوگا۔ اور جو نماز میں پورا نہ اُتریگا اس سے اور امور میں سختی سے حساب ہوگا جیساکہ حدیث میں بھی وارد ہے۔

روز محشر کہ جاں گداز بود ۞ اولیں پرسشِ نماز بود

(۸۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ بِحَطَبٍ لِيُحْطَبَ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوةِ فَيُؤَذَّنَ لَهَا ثُمَّ اٰمُرَ رَجُلًا فَيَؤُمَّ النَّاسَ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ عَلَيْهِمْ بُيُوْتَهُمْ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ اَحَدُهُمْ اَنَّهٗ يَجِدُ عَرْقًا سَمِيْنًا اَوْ مِرْمَاتَيْنِ حَسَنَتَيْنِ لَشَهِدَ الْعِشَاءَ۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بیشک میرا جی یہ چاہتا ہے کہ میں لکڑیاں اکھٹی کرنیکا حکم دوں پھر نماز کا حکم دوں کہ نماز کیلئے اذان دیجائے پھر ایک آدمی کو حکم دوں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے پھر بے نمازی لوگوں کے پاس جاکر ان کے اوپر انکے گھروں میں آگ لگا دوں۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ اگر انمیں سے کسی کو یہ معلوم ہوجائے کہ وہ کوئی گوشت دار چکنی ہڈی یا گوشت والے دو عمدہ کھر (یا تیر) پالیگا تو یقیناً نمازِ عشاء میں حاضر ہوجائیگا۔

(بخاری شریف ص۸۹ ج۱ مشکوٰۃ شریف ص۹۵)

لغات هَمَمْتُ (ن) ارادہ کرنا، چاہنا، پختہ ارادہ کرنا، رنجیدہ کرنا، غمگین کرنا، گھلا دینا، کھو کھلا کرنا، بہت بوڑھا ہونا۔ (ض) رینگنا۔ حَطَبَ (ض) لکڑی چننا۔ بِهٖ وعَلَيْهِ چغلی کھانا۔ تہمت لگانا۔ اَلْحَطَبُ ایندھن۔ ج اَحْطَابٌ۔ حَطَّابٌ لکڑی چننے والا۔ فَيُؤَذَّنُ باب تفعیل سے اذان دینا، (س) کان لگانا، سننا، اجازت دینا، مباح کرنا۔ فَيَؤُمَّ اِمَامَةً واِمَامًا (ن) امام بننا، اِئْتَمَّ اقتدا کرنا۔ اسْتَأَمَّ امام بنانا۔ اُخَالِفَ ارادہ کرنا۔ چلنا، جانا وغیرہ۔ اُحَرِّقَ۔ تحریق جلانا مَرَّ تحقیقہٗ۔ عَرْقًا بفتح العین وسکون الرّاء۔ عظم علیہ لحم وقال الطیبیؒ العرق بالسّکون ای العظم الذی اُخِذَ منہ اللحم ای معظمُہٗ واکثرہٗ وقال ابن الملک ھو مصدر عرقت العظم اذا اکلتہ او اخذت اکثر ما علیہ من اللحم و وصفہٗ بالسمین لانہ یجوز ان ینزع عنہ اکثر اللحم وھو یکون فی نفسہ سمینًا۔ عَرَقَ عَرْقًا ومَعْرَقًا (ن) ہڈی پر

سے سارا یا اکثر گوشت کھالینا۔ (س) پسینہ آنا۔ اَوْمِرْمَاتَیْنِ۔ بکسر المیم وفتحہا۔ بکری کا کُھر یا کُھر کے درمیان کا گوشت (لانہٗ مما یُرمٰی) وقیل ھی العظم الذی لالحم علیہ وقیل بکسر المیم السّھم الصغیر الذی یتعلم الرّمی بہٖ اَوْیُرمٰی بہٖ فی السّبق وھواحقر السّھام۔ حَسَنَتَیْنِ ای جیّدتین۔

ترکیب

اَلَّذِیْ اسم موصول نَفْسِیْ بِیَدِہٖ مبتدا خبر۔ جملہ صلہ مجرور متعلق اُقْسِمُ جملہ فعلیہ قسم۔ لَقَدْ ھَمَمْتُ فعل بافاعل اَنْ اٰمُرَ فعل بافاعل بِحَطَبٍ متعلق لِیُحْطَبَ جملہ فعلیہ بتاویل مفرد مجرور بلام متعلق ثانی۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوۃِ فعل فاعل متعلق جملہ معطوف علیہ فیؤذّن جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین ملکر پہلے ثُمَّ کا معطوف اول۔ اسی طرح اگلے دونوں ثُمَّ معطوف۔ بتمام معطوفات بتأویل مفرد ھَمَمْتُ کا مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ جواب قسم لَوْیَعْلَمُ اَحَدُھُمْ فعل فاعل اَنَّہٗ ضمیر شان اسم یَجِدُ فعل ھو ضمیر فاعل۔ عَرْقًا سَمِیْنًا موصوف صفت معطوف علیہ مِرْمَاتَیْنِ حَسَنَتَیْنِ مبدل منہ وبدل۔ اگر مِرْمَاتَیْنِ سے وہ ہڈی مُراد لی جائے جسپر گوشت نہو۔ اور چھوٹے تیر مُراد ہوں تو موصوف وصفت معطوف۔ معطوفین ملکر خبر اَنَّ جملہ اسمیہ بتأویل مفرد یَعْلَمُ مفعول بہ قائم مقام مفعولین کے جملہ شرط۔ لَشَھِدَ الْعِشَاءَ فعل فاعل ومفعول جملہ جزا۔ شرط وجزا جواب قسم۔

تشریح

وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ۔ نفس سے مراد ذاتِ اقدس وروحِ مطہر ہے۔ اور یَد سے مراد قبضۂ وقدرت اور ارادہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس ذات کی قسم کھاتا ہوں جسکے قبضۂ قدرت میں میری ذات اور روح کی ایجاد اور بقاء وفناء ہے۔ قسم کے یہ الفاظ بہت ہی اہمیت کے حامل ہیں۔ کیونکہ مخلوق میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والاصفات سے بڑھکر کوئی شئی نہیں۔ اور تمام کائنات آپ کے وجودِ گرامی کی گویا فرع ہے ؎

تو اصلِ وجود آمدی از نخست   دِگر ہر چہ موجود شد فرعِ تست

تو گویا مقسم بہ حق تعالیٰ کی عظمت وقدرت اور شانِ جبروت وملکوت ہے۔ ظاہر ہے کہ معنوی اعتبار سے اس سے عظیم ترین قسم کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

لَقَدْ ھَمَمْتُ اَنْ اٰمُرَ یعنی میں نے ارادہ کیا اور چاہا کہ اپنے خادموں کو حکم دوں۔ کیونکہ ایک روایت میں اَنْ اٰمُرَ فِتْیَتِیْ کے صاف الفاظ موجود ہیں۔ ثُمَّ اٰمُرَ بِالصَّلٰوۃِ۔ اَنْ کے تحت ہونے کے سبب منصوب ہے۔ صلوٰۃ سے مراد صلوٰۃِ عشاء ہے، جیساکہ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے نیز منافقین رات کی تاریکی میں نمازِ عشاء سے عمومًا جان چُرالیتے تھے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ عشاء کیساتھ مخصوص

نہ کیا جائے۔ عموم پر باقی رکھا جائے۔ یعنی خواہ کوئی نماز بھی ہو۔ فَيُؤَذِّنُ اس کو مرفوع و منصوب ہر دو طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ثُمَّ اٰمُرُ رَجُلًا فَيَؤُمُّ النَّاسَ سے یہ بات معلوم ہوئی کہ کسی اہم دینی کام یا کسی عذر کی وجہ سے امام کسی کو اپنا قائم مقام بنا سکتا ہے۔ ثُمَّ اُخَالِفَ اِلٰى رِجَالٍ فَاُحَرِّقَ الخ رجال سے مراد وہ لوگ ہیں جو بلا عذر مسجد میں با جماعت نماز پڑھنے نہیں آتے خواہ وہ گھر میں نماز ادا کرتے ہوں، یا نہ کرتے ہوں۔ معذورین دوسری روایات سے مستثنیٰ ہیں چنانچہ مشکوٰۃ شریف میں یہ الفاظ ہیں وفی روایۃ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ۔ یعنی یہ جملہ بعض روایات میں وارد ہوا ہے۔ جو رجال کی صفت ہے۔ بہر حال یہ وعید بلا عذر ترک جماعت پر ہے، نہ کہ ترک صلوٰۃ پر۔ جیسا کہ لَا يَشْهَدُوْنَ الصَّلٰوةَ کے الفاظ سے متبادر ہے۔ نیز بظاہر یہ وعید منافقین وغیر منافقین سب کو عام ہے۔ جو بھی بلا عذر تارک جماعت ہو۔ اور ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ارشاد منافقین ہی کے بارے میں ہے۔ کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کھلے منافقین ہی بلا عذر ترک جماعت کر دیتے تھے۔ مخلصین بلا عذر جماعت کو کبھی نہ چھوڑتے تھے۔ بلکہ مستور الحال منافقین بھی ترک جماعت کی جرأت نہ کر پاتے تھے۔

قال الامام النووی فیہ دلیل علی ان العقوبۃ کانت فی بدء الاسلام باحراق المال وقیل اجمع العلماء علی منع العقوبۃ بالتحریق فی غیر المتخلف عن الصلٰوۃ والغال والجمهور علی منع تحریق متاعهما وما ورد فی هذا الحديث تهديد فقط۔

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ لَوْ يَعْلَمُ الخ یعنی اگر ان لوگوں کو جو بلا عذر جماعت کو ترک کر دیتے ہیں، تھوڑے دنیوی نفع کی توقع ہو، مثلاً کوئی کھانے کی ادنیٰ شئ دستیاب ہونے کی امید ہو تو وہ لوگ اس تھوڑے سے نقد فائدہ کی خاطر عشاء میں حاضر ہو جائیں گے۔ لیکن فضیلت و ثواب کا یقین اور آخرت پر اعتقاد کامل نہ ہونے کے سبب جماعت کا اہتمام نہیں کرتے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں منافقین کا یہی حال تھا۔ لیکن اس زمانہ میں بزعم خود اسلام کے شیدائیوں اور سچے پکے ایمان والوں کا حال بھی اس سے متفاوت نظر نہیں آتا۔ غور کیجئے کہ رمضان میں جہاں ختم قرآن کے موقع پر لڈو یا بتاشے تقسیم کرنے کی رسم ہے، ایک لڈو یا چند بتاشوں کے لالچ میں اسقدر آدمی آجاتے ہیں کہ ان مسجدوں میں ختم قرآن کے وقت تل دھرنے کی بھی جگہ نہیں رہتی۔ دراصل نفس و شیطان نماز، روزہ یا کسی نیک کام سے منع نہیں کرتے، بلکہ وہ اللہ کی رضا اور آخرت کے یقین کی بنیاد پر کام کرنے کو ناپسند کرتے اور اس میں روڑے اٹکاتے ہیں۔

اس حدیث میں چند باتیں اور بھی یاد رکھنی چاہئیں۔

(۱) وہ رؤف، رحیم، رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم جو دشمنوں پر بھی رحم و کرم فرماتے اور اپنے خون کے پیاسوں کے لئے بھی دعائیں فرمایا کرتے تھے، تارک جماعت پر کس قدر ناراض اور خفا

ہیں کہ اُن کے سر و سامان اور گھر بار کو نذرِ آتش کردینے کا پختہ ارادہ فرماتے ہیں۔ اور اُن کے چھوٹے بچوں اور عورتوں پر رحم کھا کر اس ارادہ کو عملی صورت نہیں دیتے۔ (جیساکہ دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے) اس موقع پر ہم طلبا، وعلماء کو بھی اپنی پابندیٔ جماعت پر غور کرنا چاہیئے۔

(۲) جماعت سے نمازِ پنجگانہ ادا کرنے کی اسلام میں بہت ہی اہمیت ہے۔ اسپر اُمّت کے تمام علماء کا اجماع ہے۔ البتہ جماعت کے اس لزوم کا کیا حکم ہے؟ اس میں علمائے امت وائمہ دین کی تحقیقات مختلف ہیں۔ (۱) بعض ظاہریہ کا مسلک یہ ہے کہ جماعت فرضِ عین اور شرطِ صحت صلوٰۃ ہے یعنی بغیر جماعت کے نماز ہی نہیں ہوتی۔ (۲) حضرت امام احمدؒ و داؤد ظاہریؒ فرماتے ہیں کہ جماعت فرضِ عین ہے لیکن صحتِ صلوٰۃ کے لئے شرط نہیں۔ یعنی نماز تو بغیر جماعت درست ہوجائیگی، مگر ترکِ جماعت سے ترکِ فرض کا گناہ ہوگا۔ البتہ معذورین پر جماعت فرض نہیں ہے۔ حضرت عطاءؒ، حضرت ابو ثورؒ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہم سے بھی یہی منقول ہے۔ ان دونوں مذہبوں والوں کا استدلال حدیثِ مذکور اور اسی قسم کی حدیثوں کے ظاہری الفاظ سے ہے۔

(۳) تیسرا مذہب یہ ہے کہ جماعت فرضِ کفایہ ہے۔ یہی حضرت امام شافعیؒ سے منقول ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ جماعت سے مقصود شعارِ اسلام کا اظہار ہے۔ اور وہ تمام مسلمانوں کے فعل پر موقوف نہیں بعض کے عمل سے ہوجائیگا۔ لیکن یہ استدلال حدیثِ مذکور اور اکثر احادیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ اگر جماعت فرضِ کفایہ ہوتی تو آپ تارکینِ جماعت کے گھروں کو جلا دینے کا ارادہ نہ فرماتے۔ جبکہ آپ کی مسجد میں باقاعدہ پانچوں وقت اکثر مسلمان بلکہ تمام مخلصین پورے التزام کے ساتھ جماعت کا اہتمام کر رہے تھے۔ غور فرمائیے کہ نمازِ جنازہ فرضِ کفایہ ہے۔ اس کے تارکین کے لئے آپ نے کبھی بھی اس قسم کے ارادہ کا اظہار نہیں فرمایا۔ (۴) جماعت واجب یا سنتِ مؤکدہ قریب الی الواجب ہے۔ یہ مذہب حضرت امام ابو حنیفہؒ اور حضرت امام مالکؒ کا ہے۔ اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ اسی مذہب پر تمام احادیث ونصوص منطبق ہوجاتی ہیں۔ علاوہ ازیں تفصیلی دلائل ومباحث بڑی کتابوں میں آجائیں گے۔

عہ لانّ الجماعۃ لیست من افعال الصّلوٰۃ فیکون ترکہا مؤثمًا لا مفسدًا والفرضیۃ ایضًا لیست بثابتۃٍ بھٰذا الحدیث لانّ الفرضیۃ تثبت بنص قطعی الثبوت وقطعی الدلالۃ ولیس ھٰذا الحدیث بھٰذہ المثابۃ بل ھو ظنی الثبوت وان کان مشہورًا ویحتمل ان یکون قصد التحریق لاستہانتہم وعدم مبالاتہم بامر الجماعۃ لا بمجرد الترک وان کان لمجرد الترک فلمشابہتہم بالمنافقین ملعونین والشاکین فی الاسلام فافہم فان ھٰذا القلیل دلیل علی الکثیر وشاف للعلیل ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری

قال علی القاری وفی الغایۃ قال عامۃ مشائخنا انہا واجبۃ وفی المفید انہا واجبۃ وتسمیتہا سنۃ لوجوبہا بالسنۃ وفی البدائع تجب علی العقلاء البالغین الاحرار القادرین علی الجماعۃ من غیر حرج واذا فاتتہ لا یجب علیہ الطلب فی المساجد بلا خلاف بین اصحابنا بل ان اتی مسجدًا اٰخر للجماعۃ فحسنٌ وان صلّٰی فی مسجد حیّہٖ منفردًا فحسنٌ وذکر القدوری یجمع باھلہٖ احیانًا ھل ینال ثواب الجماعۃ فقال لا ویکون بدعۃً مکروھًا بلا عذرٍ فافہم۔

(۳) جماعت کے حکم میں اختلاف کے باوجود معذورین کے استثناء پر سب متفق ہیں۔ یعنی اگر کوئی شخص عذر پیش آنے پر جماعت چھوڑ دے، تو وہ کسی کے نزدیک بھی گنہگار نہ ہوگا۔ ترکِ جماعت کے اعذار مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) ایسی بیماری جو تیمم کو مباح کر دے، یا مسجد تک جانے میں اُس کی وجہ سے سخت دشواری ہو۔
(۲) داہنا ہاتھ اور بایاں پیر یا اس کے برعکس کٹا ہوا ہو (مقطوع الید والرجل من خلاف)
(۳) یا مفلوج ہے۔ (۴) یا کسی ظالم یا بادشاہ سے چھپا ہوا ہے، یا کوئی مقروض تنگدست کسی سخت مزاج قرض خواہ سے چھپا ہوا ہے۔ (۵) ایسا بوڑھا ہے جو چلنے پھرنے سے عاجز ہے۔ (۶) نابینا ہے، اس کو لیجانیوالا کوئی ہو یا نہو۔ (۷) سخت بارش ہو رہی ہے۔ (۸) سخت تاریکی ہے یا تیز آندھی چل رہی ہے۔
(۹) ایسی سخت سردی ہے کہ گھر سے نکلنا دشوار ہے۔ اور نکلنے کی صورت میں مرض کا سخت اندیشہ ہے۔ (۱۰) دشمن کا خوف ہے، کرفیو یا مارشلاء نافذ ہے۔ (۱۱) کوڑھ یا گندہ دہنی کا مرض ہے۔ جس سے نمازیوں کو اذیت ہوتی ہے۔ (۱۲) مریض کی خدمت میں ہے، اُس کے سوا کوئی دوسرا دیکھ بھال کیلئے موجود نہیں ہے۔ اور نماز کے لئے جانے میں مریض کو پریشانی و اذیت کا سخت اندیشہ ہے۔
(۱۳) تکرار و درسِ فقہ جس کے فوت ہو جانے اور پھر اس کی مکافات نہونے کا سخت اندیشہ ہے۔
(۱۴) سوتا رہگیا اور آنکھ نہیں کھلی، بشرطیکہ عشاء کی نماز نہو۔ کیونکہ عشاء سے پہلے سونا منع ہے۔ ہاں اگر بے اختیار نیند آگئی، یا کسی سے بیدار کرنے کے لئے کہکر سویا تھا اور وہ بھول گیا یا کہیں چلا گیا۔ تو ان صورتوں میں جماعت عشاء کے ترک میں بھی گناہ نہوگا۔ (۱۵) بھول گیا یا اتفاقی طور پر گھڑی پیچھے ہوگئی اور اذان کی آواز نہیں آئی۔ (۱۶) جماعت کے وقت پیشاب یا پائخانہ کا زور ہوا یا غسلِ جنابت یاد آیا اور فراغت تک جماعت نکل گئی وغیرہ وغیرہ۔

ان تمام اعذار کی بنا پر ترکِ جماعت کا گناہ نہ ہوگا۔ البتہ فضیلت و ثوابِ جماعت سے محروم رہیگا۔ گو بعض معذورین کو جماعت کے ثواب سے زیادہ ثواب ملجائے۔ مثلاً بیمار، نابینا، تیماردار وغیرہ۔ ممکن ہے کہ ان لوگوں کو اپنے اعذار پر صبر کا جماعت سے بہت زیادہ ثواب مل جائے۔

سوال:- حدیث مذکور میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں نے یہ ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کراؤں، اور جماعت کھڑی کرا کر اُن کے گھروں میں آگ لگانے چلا جاؤں جو جماعت سے نماز نہیں پڑھتے۔
سوال یہ ہے کہ جس عمل پر آپ اوروں کو سزا دینا چاہتے ہیں، تو اُن کو سزا دینے میں اسی عمل (ترک جماعت) کا ارتکاب لازم آرہا ہے۔

جواب:- اولاً تو آپ نے تہدیداً یہ ارشاد فرمایا اور ارادہ کا اظہار کیا تھا، اسپر عمل درآمد نہیں فرمایا۔ اگر آپ اس ارادہ کو عملی جامہ پہناتے، تو آپ پہلے یا بعد میں جماعت سے نماز پڑھتے۔ اور کسی ضرورت کی بنا پر ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ بہر حال اس سے تقدیم و تاخیرِ جماعت تو لازم آسکتی ہے ترکِ جماعت لازم نہیں آتا۔ واللہ اعلم

---

(۸۹) وَعَنْهُ يَقُوْلُ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلٰوةُ الرَّجُلِ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدمی کی
فِي الْجَمَاعَةِ تُضَعَّفُ عَلٰى صَلٰوتِهٖ فِيْ بَيْتِهٖ وَفِيْ سُوْقِهٖ خَمْسَةً وَّعِشْرِيْنَ
وہ نماز جو جماعت سے پڑھی گئی ہو اس نماز سے جو اس نے اپنے گھر یا بازار میں پڑھی ہو پچیس درجہ مضاعف ہو جاتی ہے۔
ضِعْفًا وَذٰلِكَ اَنَّهٗ اِذَا تَوَضَّاَ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ ثُمَّ خَرَجَ اِلَى الْمَسْجِدِ
اور یہ اس وجہ سے کہ جب وہ وضو کرتا ہے اور وضو کو کمال درجہ تک پہونچا دیتا ہے پھر مسجد کی طرف صرف نماز
لَا يُخْرِجُهٗ اِلَّا الصَّلٰوةُ لَمْ يَخْطُ خَطْوَةً اِلَّا رُفِعَتْ لَهٗ بِهَا دَرَجَةٌ وَّحُطَّ
کے ارادہ سے چلتا ہے اسکے سوا اور کوئی ارادہ نہیں ہوتا، تو وہ جو قدم بھی رکھتا ہے اسکی وجہ سے اسکا ایک درجہ بلند
عَنْهُ بِهَا خَطِيْئَةٌ فَاِذَا صَلّٰى لَمْ تَزَلِ الْمَلٰۤئِكَةُ تُصَلِّيْ عَلَيْهِ مَادَامَ
ہو جاتا ہے اور اسکی وجہ سے اسکی ایک خطا معاف ہو جاتی ہے، پھر جب نماز پڑھ لیتا ہے تو فرشتے اسکے لئے دعا کرتے رہتے ہیں
فِيْ مُصَلَّاهُ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلَيْهِ اَللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ وَلَا يَزَالُ اَحَدُكُمْ فِيْ
جبتک وہ اپنی جائے نماز پر بیٹھا رہتا ہے کہ اے اللہ اسکی مغفرت فرما، اے اللہ اسپر رحم فرما۔ اور آدمی اسوقت تک نماز کا
صَلٰوةٍ مَّا انْتَظَرَ الصَّلٰوةَ۔ (بخاری شریف ص۸۹ ج۱ وص۹۰ ج۱ ومشکوٰۃ شریف ص۶۸)
ثواب پاتا رہتا ہے جبتک کہ وہ نماز کا انتظار کرتا ہے۔

لغات تُضَعَّفُ (ف) زیادہ کرنا، دوچند کرنا۔ (ن ک) کمزور ہونا۔ ضَعَّفَ دوچند کرنا، کمزور کرنا۔

ترکیب صَلٰوةُ الرَّجُلِ موصوف یا ذوالحال فِي الْجَمَاعَةِ کائنۃ کے متعلق ہو کر صفت یا حال

مبتدا۔ تُضَعَّفُ بالتشدید ویجوز التخفیف فعل مجہول ضمیر ھِیَ نائب فاعل عَلٰی صَلٰوتِہٖ متعلق۔
فِی بَیْتِہٖ وَ فِی سُوْقِہٖ کائنۃً کے متعلق ہوکر صلوتہ کی صفت یا حال خَمْسًا وَعِشْرِیْنَ ممیز ضِعْفًا تمیز۔
مفعول مطلق بحذف مضاف ای تضعیف خمس وعشرین ضعفًا جملہ فعلیہ خبر مبتدا۔ جملہ اسمیہ ہوکر قَالَ کا مقولہ
ہوا۔ قَالَ فعل اپنے فاعل رَسُوْلُ اللّٰہِ اور مقولہ مفعول بہ سے ملکر جملہ فعلیہ ہوکر مقولہ ہوا یَقُوْلُ کا۔ اور
وہ جملہ فعلیہ عنہ کی ضمیر سے حال۔ ذوالحال وحال مجرور متعلق رُوِیَ فعل محذوف مجہول کے۔ جملہ فعلیہ ویحتمل
ترکیبًا آخر فتامل فیہ۔ ذٰلِکَ مبتدا اَنَّ حرف مشبہ بفعل ہٗ ضمیر اس کا اسم اِذَا تَوَضَّأَ جملہ فعلیہ
شرط۔ فَاَحْسَنَ الْوُضُوْءَ جملہ فعلیہ معطوف علیہ ثُمَّ خَرَجَ اِلَی الْمَسْجِدِ جملہ فعلیہ معطوف لَا یُخْرِجُہٗ اِلَّا الصَّلٰوۃُ جملہ فعلیہ
حالیہ۔ اسی طرح اگلا جملہ حالیہ ہے۔ معطوف علیہ ومعطوف جزا۔ فَاِذَا صَلّٰی جملہ فعلیہ شرط۔ لَمْ تَزَلْ فعل۔
الْمَلٰئِکَۃُ ذوالحال تُصَلِّیْ فعل ضمیر فاعل عَلَیْہِ متعلق۔ جملہ مَا دَامَ فِیْ مُصَلَّاہُ ظرف۔ جملہ فعلیہ حال۔
ذوالحال وحال فاعل۔ جملہ فعلیہ مبیَّن۔ اَللّٰھُمَّ ندا۔ صَلِّ عَلَیْہِ جملہ فعلیہ انشائیہ جواب ندا۔ وھٰکذا
اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ بیان۔ مبیَّن وبیان مل کر جزا۔ اَحَدُکُمْ لَا یَزَالُ کا فاعل فِیْ صَلٰوۃٍ متعلق۔ مَا بمعنٰی
مَادَامَ انْتَظَرَ الصَّلٰوۃَ جملہ فعلیہ خبر۔ مَادَامَ اپنے اسم وخبر سے ملکر ظرف۔ جملہ فعلیہ۔

تشریح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو نماز جماعت کیساتھ پڑھی جائے وہ فضیلت وثواب میں اس نماز پر جو بغیر جماعت پڑھی ہو پچیس ۲۵ گونہ بڑھ جاتی ہے۔ بغیر جماعت خواہ گھر میں پڑھی یا بازار اور دوکان میں یا مسجد میں (قال ابن حجر بل وفی المسجد ایضًا) یا اور کہیں فِی بَیْتِہٖ وَفِی سُوْقِہٖ کو بطور مثال بیان فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا عبارت کا مطلب یہ ہوا ثوابُ صلٰوۃِ الرَّجُلِ مَعَ الجماعۃِ علٰی ثوابِ صلٰوتِہٖ وَحْدَہٗ۔

اور بعض حضرات نے مطلب یہ بیان فرمایا ہے اِنَّ الصَّلٰوۃَ فِی المسجد جماعۃً تزید علی الصَّلٰوۃِ فِی البَیْتِ اَوْ فِی السُّوْقِ جماعۃً وفرادیٰ۔ گویا مسجد کی باجماعت نماز کا مقابلہ ہے غیر مسجد کی نماز سے جو باجماعت ہو یا بلا جماعت۔ لیکن اظہر واشہر اول ہی ہے۔ یعنی مسجد کی باجماعت نماز کا بلا جماعت نماز سے مقابلہ ہے، وہ بلا جماعت نماز کہیں بھی پڑھی جائے۔

سوال:۔ اس حدیث میں خمسۃ وعشرین درجۃ ہے۔ اور بخاری ومسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں ہے صلٰوۃ الجماعۃِ افضل من صلٰوۃ الفذ بسبع وعشرین درجۃ (جماعت کی نماز اکیلے کی نماز سے ۲۷ ستائیس درجہ افضل ہوتی ہے۔ (مشکوٰۃ شریف باب الجماعۃ وفضلھا ص۹۵) تو دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہے۔ کہ ایک سے جماعت کی نماز منفرد کی نماز سے پچیس ۲۵ درجہ افضل معلوم ہوتی ہے، اور دوسری سے ستائیس ۲۷ درجہ۔

جواب:۔ شراحِ حدیث نے اس اختلاف کے بہت سے جوابات تحریر فرماتے ہیں جنمیں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) علامہ تورپشتیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اُمت پر فضلِ خداوندی یوماً فیوماً بڑھتا ہی رہا۔ اور اُمّتِ مرحومہ اور اس کے نبی علیہ السّلام کی فضیلت و رفعت میں شب و روز ترقی ہی ہوتی چلی گئی ہے۔ لہٰذا خمسۃ وعشرین درجۃ والی روایات مقدم اور بسبع وعشرین درجۃ والی روایت بعد کی ہے۔ یعنی پہلے تو اللہ تعالیٰ نے نمازِ باجماعت کو پچیس ۲۵ درجہ فضیلت دی۔ پھر دو درجہ اور بڑھاکر ستائیس ۲۷ درجہ کر دی گئی۔

(۲) اولاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پچیس ۲۵ درجہ کا علم ہوا۔ آپنے اُمّت کو اس کی بشارت عطاء فرمائی۔ پھر ستائیس ۲۷ کا علم دیا گیا تو آپنے اس کی بشارت اُمّت کو دی۔ اس طرح مکرر بشارت باعثِ لذت و حلاوت ثابت ہوئی۔ اور نظرِ عنایت و کرم و رحمت پر دلیل بھی۔

(۳) دونوں میں تعارض و اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ ذکرِ قلیل سے نفیِ کثیر لازم نہیں آتی۔ قالہٗ الامام النوویؒ۔

(۴) یہ اختلاف نمازیوں کے حالات کے اختلاف پر مبنی ہے۔ کہ کسی کے لئے پچیس ۲۵ درجہ کی زیادتی ہوتی ہے۔ اور کسی کے لئے زیادتی اخلاص کے سبب ستائیس ۲۷ درجہ کی زیادتی ہوتی ہے۔ یا علماء و اولیاء کی نماز ستائیس ۲۷ درجہ اور ان کے علاوہ کی پچیس ۲۵ درجہ افضل ہوتی ہے۔

(۵) بعض نے نمازوں کے اختلاف پر محمول کیا ہے۔ کہ سِرّی نمازوں میں پچیس ۲۵ کی، اور جہری میں ستائیس ۲۷ کی زیادتی ہوتی ہے۔ بعض نے ستائیس ۲۷ کی فضیلت نمازِ عشاء و صبح کے لئے اور باقی نمازوں میں پچیس ۲۵ درجہ کی زیادتی۔ لانّ الفضیلۃ بقدر المشقۃ وفی العشاء والفجر مشقّۃ شدیدۃ۔ بعض نے اختلافِ اَمکنہ و اَزمنہ یا اختلافِ ائمہ پر محمول کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

لیکن ان سب میں سے اول توجیہ سب سے عمدہ ہے۔ ملّا علی قاریؒ نے بھی اسی کو پسند فرمایا ہے۔

وقال ابن الملک المراد الکثرۃ لا الحصر۔ بعض شراح نے ایک عجیب بات لکھی ہے کہ حضرتِ ابوہریرۃؓ والی اس حدیث کا ثواب حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی حدیث سے بہت زیادہ ہے۔ کیونکہ ابن عمرؓ کی حدیث میں ستائیس ۲۷ درجہ کا ذکر ہے۔ اور اس میں پچیس ۲۵ درجوں کا ذکر نہیں، بلکہ پچیس المُضَاعَف کا ذکر ہے۔ جس کا ترجمہ دو چند اور دو گونہ ہوتا ہے۔ یعنی ایک سے لیکر پچیس ۲۵ تک دو چند ہوتا چلا جائیگا۔ اس صورت میں جماعت کی ایک نماز کا ثواب تین کروڑ پینتیس لاکھ چون ہزار چار سو بتیس (۳۳۵۵۴۴۳۲) درجہ ہوا۔ اور اللہ کے نزدیک اِتنا ثواب دینا کوئی بڑی بات نہیں اور پھر جبکہ ایک نماز کے چھوڑ دینے پر ایک حقب یعنی دو کروڑ اٹھاسی لاکھ برس کا عذاب ہے تو اسکے اہتمام کے ساتھ باجماعت پڑھنے کا مذکور ثواب قرینِ قیاس اور بالکل برمحل ہے۔

وذلك انه اى لانه او بانه۔ اور ہ کا مرجع رجل ہے۔ یا یہ ضمیر شان ہے۔ یہاں سے ثواب کے المضاعف ہونیکی علت کی طرف اشارہ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ درجات فضیلت دو چیزوں پر موقوف ہیں۔ ایک حسن عمل پر، دوسرے حسن نیت پر۔ اول کی طرف اذا توضأ فاحسن الوضوء سے اشارہ ہے۔ اور ثانی کی طرف ثم خرج الى المسجد الخ سے۔ لم یخط بفتح الیاء وضم الطاء، خطوۃ بضم الخاء و یجوز فتحها ایضا قال الجوهری هو بالضم ما بین القدمین وبالفتح المرة الواحدة وجزم الیعمری انها هنا بالفتح۔ وقال القرطبی انها فی روایات مسلم بالضم۔ واللہ اعلم۔

اِلَّا رُفِعَت لَہٗ بِھَا دَرَجَۃٌ وَحُطَّ عَنْہُ بِھَا خَطِیْئَۃٌ۔ یعنی اگر اسکے ذمہ گناہ نہوں تو ہر قدم پر ایک درجہ بلند ہوگا۔ ورنہ تو ہر قدم پر ایک گناہ معاف ہوگا۔ اور ممکن ہے یہ مطلب ہو کہ ہر ایک قدم پر ایک درجہ بھی بلند ہوگا اور ایک گناہ بھی معاف ہوگا۔ والثانی الظاهر والفضل واسع۔

لَمْ تَزَلِ الْمَلٰئِکَۃُ تُصَلِّیْ عَلَیْہِ۔ یعنی فرشتے اسکے لئے دعائے مغفرت کرتے رہتے ہیں۔ یہاں صلوٰۃ سے مراد استغفار ہے۔ کیونکہ صلوٰۃ کی نسبت ملائکہ کی جانب ہوتی ہے تو استغفار مراد ہوتا ہے۔ اسی لئے اس کے بعد اَللّٰھُمَّ ارْحَمْہُ میں طلب رحمت کا ذکر ہے۔ کیونکہ ترتیب یہی ہے۔ مغفرت پھر رحمت، جیسا کہ قرآن پاک میں جابجا غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ وارد ہے۔ یعنی اولاً مغفرت اسکے بعد رحمت۔ بلکہ اسی ترتیب پر دعاء کا حکم ہے۔ وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ الخ وَلَا یَزَالُ اَحَدُکُمْ فِیْ صَلٰوۃٍ مَّا انْتَظَرَ الصَّلٰوۃَ۔ فان الاعمال بالنیات بل نیۃ المؤمن خیر من عمله۔ بعض روایات میں مَادَامَ فِیْ مُصَلَّاہُ کے بعد مَالَمْ یُحْدِثْ کی بھی زیادتی ہے۔ جس کا مطلب بظاہر یہ ہے کہ جبتک وہ دنیوی گفتگو نہ کرے۔ اور دنیوی گفتگو ہم نے اس لئے کہا کہ دینی گفتگو ذکر میں داخل ہے۔ یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ جبتک باوضو بیٹھا رہے۔ حدث لاحق ہوجانے کے بعد ملائکہ سے کیونکہ پوری مناسبت باقی نہیں رہتی۔ تو اُن کی دعا بھی موقوف ہوجاتی ہوگی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

(۹۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ اِذَا صَلّٰی یُنَاجِیْ رَبَّہٗ۔ (بخاری شریف ج۱ ص۷۶ مشکوٰۃ شریف ص۷۱ باختلاف اللفظ عن ابن عمر والبیاضی)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا بیشک تم میں سے جب کوئی نماز پڑھتا ہے تو وہ اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے۔

(۹۱) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ یَقُوْلُ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَتُسَوُّنَّ صُفُوْفَکُمْ اَوْلَیُخَالِفَنَّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ۔ (بخاری شریف ج۱ ص۱۰۰ مشکوٰۃ شریف ص۹۷)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنی صفوں کو سیدھا کرلیا کرو۔ ورنہ اللہ تعالیٰ تمہارے چہرے ایک دوسرے سے پھیر دیگا۔

لغات

یُنَاجِی۔ مُنَاجَاۃ ایک دوسرے سے سرگوشی کرنا، چپکے چپکے بات کرنا۔ النجویٰ اسم ہے مناجاۃ کا، بھید، سرگوشی کرنے والے۔ یہ وصف بالمصدر ہے۔ اس میں واحد و جمع سب برابر ہیں۔ (ن) نجات پانا، چھڑانا، پاخانہ کرنا، سرگوشی کرنا وغیرہ۔ لَتُسَوُّنَّ باب تفعیل سے، برابر کرنا۔ مجرد میں (س) برابر ہونا۔

ترکیب

(۹۰) اِذَا صَلّٰی جملہ فعلیہ شرط یُنَاجِی رَبَّهٗ جملہ فعلیہ جزا۔ شرط و جزا خبر۔ اِنَّ اَحَدَکُمْ اسم، جملہ اسمیہ ہو کر مقولہ مفعول بہ الخ۔

(۹۱) لَتُسَوُّنَّ فعل با فاعل صُفُوْفَکُمْ مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ اَوْ لَیُخَالِفَنَّ اللّٰہُ فعل و فاعل، بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ ظرف جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوفین مقولہ مفعول بہ قال کا۔ الخ

تشریح

(۹۰) مشکوۃ میں یہ الفاظ ہیں اِنَّ الْمُصَلِّیْ یُنَاجِیْ رَبَّهٗ فَلْیَنْظُرْ مَا یُنَاجِیْهِ الخ (نمازی اپنے پروردگار سے سرگوشی کرتا ہے، اس کو اس بات کا پورا دھیان رکھنا چاہیئے کہ وہ اپنے رب سے کیا سرگوشی کر رہا ہے) مطلب یہ ہے کہ نمازی کو اللہ جل شانہ کا قربِ معنوی بدرجۂ کمال حاصل ہوتا ہے۔ اسی کمالِ قرب کو الصلوۃ معراج المؤمنین سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ بہرحال جب بندہ اپنے مالک و پروردگار کے حضور میں حاضر ہو کر اس کی بارگاہ میں عرض معروض کر رہا ہے تو پورے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت غور و فکر، خشوع و خضوع اور اعلیٰ درجہ کی عاجزی و خشیت کیساتھ کرے۔ اور اپنے قلب و قالب سے غیر حق کی جانب قطعاً ملتفت نہ ہو۔

(۹۱) اس حدیث میں صفوں کو سیدھا کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو صفوں کے سیدھا کرنیکا بہت اہتمام تھا۔ جبتک صفوں کو درست نہ فرما دیتے، تکبیر تحریمہ نہ فرماتے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ درمیان میں بالکل جگہ نہ چھوڑو، مل مل کر کھڑے ہو جایا کرو۔ کیونکہ میں دیکھتا ہوں کہ شیطان گھس کر نمازیں خراب کرتا ہے۔ دوسرا آگے پیچھے نہ ہوں۔ بلکہ برابر کھڑے ہوں۔ اور اس کی ترکیب یہ ہے کہ ہر آدمی اپنے کاندھے دوسرے کے کاندھوں کے برابر اور اپنے ٹخنے دوسروں کے ٹخنوں کے مقابل کرلے۔ اَوْ لَیُخَالِفَنَّ اللّٰہُ بَیْنَ وُجُوْھِکُمْ یہ آپس میں دشمنی، ایک دوسرے سے چھوٹ چھٹاؤ اور ناراضی سے کنایہ ہے۔ یعنی امر تسویۂ صف کے چھوڑ دینے کا لازمی نتیجہ آپس میں عداوت و نفرت پیدا ہو جاتا ہے۔ کیونکہ فطرتِ انسانی ہے کہ اس کے ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے۔ پھر نماز کے ذریعہ انسان، انسان بنتا ہے، گویا نماز انسانیت میں ڈھلنے کا ایک سانچہ ہے۔ سیدھا یا ٹیڑھا جس طرح اس سانچہ میں ڈھل جائیگا، نماز سے باہر آدمی ویسا ہی رہیگا۔ اس اجمال کی تفصیلات پر خود ہی غور کرلیں۔

وقیل التقدیر بین وجوہ قلوبکم بان یرتفع التألف والتحابب۔ بعض اکابر کا ارشاد ہے کہ ادبِ ظاہر ادبِ باطن کی علامت ہے۔ اگر تم اللہ اور اس کے امر کی ظاہر میں اطاعت نہ کروگے تو نتیجہ میں دلوں میں اختلاف پیدا ہوجائیگا، کدورتیں پرورش پا جائیں گی۔ اور قلوب کے اثرات قوالب وظواہر پر آئیں گے تو عداوت ونفرت کی شکلیں رونما ہوں گی۔

وقیل معنی مخالفۃ الوجوہ تحولہا الی الادبار ومسخ صورہا الی صورٍ اخری من الحیوانات کالحمار فیکون محمولاً علی التہدید۔ واللہ اعلم

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ آپ کی کنیت ابو عبد اللہ ہے، آپ انصارِ مدینہ میں سے ہیں ہجرت کے بعد حضراتِ انصار میں سب سے اول پیدائش آپ ہی کی ہوئی تھی۔ ایک قول کے مطابق نبی پاک صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپکی عمر آٹھ سال سات ماہ تھی۔ آپ کے والدِ محترم حضرت بَشِیرؓ (اکبرا) بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی تھے حضرتِ نعمانؓ کوفہ میں رہے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے دورِ سلطنت میں کوفہ کے حاکم رہے۔ پھر حمص کے والی بنادیئے گئے۔ ایک موقع پر حضرت عبد اللہ بن الزبیرؓ کے لئے انہوں نے دعا فرمائی۔ اہلِ حمص میں سے جو اُن کے مخالف تھے انہوں نے اِس بات پر اُن کو ۶۵ھ میں شہید کردیا۔

روی عنہ جماعۃ منہم ابنہ محمّد والشعبی۔ رضی اللہ عنہم اجمعین۔

---

(۹۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ

حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد محمد سے روایت کرتے ہیں وہ اُن کے دادا عبد اللہ سے نقل کرتے ہیں انہوں نے فرمایا

عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْا اَوْلَادَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ وَھُمْ اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِیْنَ وَاضْرِبُوْھُمْ

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم اپنے بچوں کو نماز کا حکم دو جب وہ سات سال کے ہوجائیں۔ اور

عَلَیْھَا وَھُمْ اَبْنَاءُ عَشْرِ سِنِیْنَ وَفَرِّقُوْا بَیْنَھُمْ فِی الْمَضَاجِعِ۔

اُن کو نماز پر مارو جب وہ دس سال کے ہوجائیں اور اُن کو بستروں میں الگ الگ کردو۔

(ابوداؤد شریف ج۱ ومشکوٰۃ شریف ص۵۸)

لغات المَضَاجِع مَضْجَع کی جمع خوابگاہ، بستر۔ ضَجَعَ ضَجْعاً ضُجُوْعاً (ف) اِنْضَجَعَ واَضَّجَعَ واضْطَجَعَ۔ پہلو کے بل لیٹنا، باب افعال سے متعدی۔

ع مُرُوْا امر من الامر حذفت ھمزتہ للتخفیف ثم استغنی عن ھمزۃ الوصل فحذفت ثم حرکت المیم الذی فاؤہ لتعذر النطق بالساکن واولادکم یشتمل الذکور والاناث ۱۲ ن

ترکیب مُرُوْا فعل بافاعل اَوْلَادَكُمْ مفعول بہ بِالصَّلٰوةِ متعلق جملہ فعلیہ۔ وَهُمْ مبتدا اَبْنَاءُ سَبْعِ سِنِيْنَ مرکب اضافی خبر جملہ اسمیہ حالیہ (اَوْلَادَكُمْ ذوالحال) معطوف علیہ وَاضْرِبُوْا فعل بافاعل هُمْ مفعول بہ عَلَيْهَا متعلق جملہ فعلیہ وھم ابناء عشر سنین جملہ اسمیہ حال ھم سے۔ وَفَرِّقُوْا فعل بافاعل بَيْنَهُمْ ظرف فِي الْمَضَاجِعِ متعلق جملہ فعلیہ۔

تشریح مُرُوْا اَوْلَادَكُمْ بِالصَّلٰوةِ۔ اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کو سات برس کی عمر ہی سے اُن کو عادی بنانے کے لیے نماز کا حکم دو۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ والدین کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا بالکل بچپن ہی سے پورا پورا دھیان رکھیں۔ ماں باپ کی ذمہ داری ہے کہ سات برس کے بچہ کو وہ لڑکا ہو یا لڑکی نماز اور نماز کے متعلقات مثلاً بدن کی پاکی، کپڑے کی پاکی، استنجے کے آداب وغیرہ کا خوب علم ہو جائے۔ اور لڑکے کو اِن امور کے ساتھ مسجد کے آداب سے بھی آگاہی ہو جائے۔ پھر ان کو عادی بنانے کے لئے لڑکی کو گھر میں والدہ نماز پڑھوائے۔ اور لڑکے کو باپ مسجد لیجائے۔ انشاء اللہ مسلسل تین سال تربیت سے بچے نماز کے پابند ہو جائیں گے۔ پھر بھی کسی وجہ سے اگر وہ کوتاہی کریں تو والدین کو حکم ہے کہ دس سال کی عمر میں نماز چھوڑنے پر اُن کو ماریں۔ یاد رکھیے کہ دس سال سے کم عمر والے بچہ کو مارنا نہیں چاہیئے۔ اور دس سال کا ہو جاتے تو تربیت کے لئے مارنا کچھ شرائط کے ساتھ جائز ہے۔

(۱) ضرب شدید نہو (۲) غصہ کی حالت میں نہو، کیونکہ اِس میں نفس کو دخل ہو گا۔ اور تربیت بگڑ جائیگی۔ (۳) غصہ کا اظہار کرے (۴) لکڑی سے نہ مارے (۵) سر، چہرے اور نازک مقامات پر نہ مارے۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں مکاتب کے اساتذہ خصوصاً اور دوسرا اساتذہ عموماً ضرب کے معاملہ میں بھی اصول کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور تربیت کے سلسلہ میں بھی کوتاہی۔ یہی حال والدین کا ہے۔ سات سال کی عمر سے شعور و تمیز کا دور شروع ہو جاتا ہے۔ اور دس سال کی عمر سے وہ شہوت کی لائن کی چیزوں کو سمجھنے لگتے ہیں۔ خصوصاً لڑکیاں تو بعض بعض نو سال کی عمر میں بالغ ہو جاتی ہیں بہر حال دس برس کی عمر سے اِس سلسلہ میں بھی احتیاط کرنی چاہیئے کہ وہ ایک بستر میں سوئیں۔ چنانچہ فرمایا وَفَرِّقُوْا بَيْنَهُمْ فِي الْمَضَاجِعِ۔ ظاہر یہ ہے کہ تفریق بین البنین والبنات مراد ہے۔ کیونکہ دو مردوں کو ایک ساتھ اور دو عورتوں کو ایک بستر پر بشرطیکہ اُن کے بدن کا وہ حصہ کھلا ہوا نہو جس کا پردہ ضروری ہے جائز ہے۔ وقال الطیبیؒ لان بلوغ العشرۃ مظنۃ الشھوۃ وان کن اخوات۔ اور بعض شراح نے کہا ہے کہ مطلقاً چاہیے وہ دو لڑکے ہوں یا لڑکیاں۔ دس سال کے دو بچوں کو ایک جگہ نہ سُلایا جائے۔ کیونکہ یہ ابتدائے شہوت اور کم عقلی کا دور ہوتا ہے۔ اور

دورِ حاضر میں احتیاط اسی میں ہے کہ دو لڑکوں کو اور دو لڑکیوں کو بھی ایک بستر میں نہ سونے دیا جائے۔ بلکہ الگ الگ سونے کی عادت ڈالی جائے۔

سوال :۔ صلوٰۃ اور تفریق بین المضاجع اِن دونوں حکموں کو دس سال کی عمر میں جمع کرنے کی کیا وجہ ہے ؟

جواب :۔ دراصل تادیب اور اللہ کے اَوَامِر کی محافظت اور منہیات سے اجتناب کی عادت ڈالنا مقصود ہے۔ اَوَامِر میں سب سے اہم ترین امر نماز ہے۔ اِس عمر میں جسکا خوگر بنانے کا حکم ہے۔ اور نَوَاہی و محارم میں سب سے بڑی چیز بدکاری ہے۔ تو تفریق بین المضاجع سے محارم تک رسائی کا دروازہ بند کردیا گیا۔ یا اول میں عباداتِ حق کی تعلیم ہے۔ اور ثانی معاشرۃ بین الخلق کی تعلیم ہے۔ واللہ اعلم

حضرتِ عمرو بن شعیبؓ

ان کا نسب نامہ اس طرح ہے۔ عمرو بن شعیب بن محمد بن عبد اللہ بن عمرو بن العاص السہمیؒ۔ حضرتِ عمرو بن شعیب کا سماع اپنے والد شعیب بن محمد اور حضرتِ سعید بن المسیبؒ اور حضرت طاؤسؒ سے ہے۔ اور ان سے روایت کرنیوالے امام زہریؒ و امام ابن جُریجؒ اور حضرتِ عطاءؒ جیسے جلیل القدر محدثین اور اُن کے سوا ایک بڑی مخلوق ہے۔ لیکن امام بخاریؒ و امام مسلمؒ نے صحیحین میں ان کی کوئی حدیث نہیں لی۔ کیونکہ ان کی سند میں عن ابیہٖ عن جدّہٖ ہے جو مشتبہ ہے۔ اگر عن ابیہٖ عن جدّہٖ سے مراد خود ان کے اب وجد ہیں، تو مطلب یہ ہوگا عمرو نے اپنے باپ شعیب سے نقل کیا۔ انہوں نے ان کے دادا محمد سے، اور محمد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حالانکہ انکے دادا محمد نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں پایا۔ تو سند سے صحابی کا واسطہ حذف ہوا۔ اور روایت مرسل ہوگئی۔ اور اگر عن ابیہ سے مراد اُن کے اپنے باپ یعنی شعیب ہیں، اور جد سے مراد جدِ شعیب یعنی عبد اللہ بن عمرو ہیں۔ تو شعیب نے اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمرؓ کو نہیں پایا۔ اس صورت میں صحابی کے بعد کا واسطہ سند سے حذف ہوکر روایت منقطع رہی۔ اسی گڑبڑ کی وجہ سے کہ ایک صورت میں ارسال لازم آتا ہے۔ اور ایک صورت میں انقطاع۔ امامِ بخاریؒ و امام مسلمؒ نے اپنی صحیحین میں اِن کی روایات کو بالکل نہیں لیا۔ اگرچہ ایک قول یہ بھی ہے کہ شعیب نے اپنے دادا حضرت عبد اللہ بن عمر کو پایا ہے۔ مگر یہ قول قوی نہیں۔ واللہ اعلم

وَاٰتَی الزَّکٰوۃَ

(۹۳) قَالَ تَعَالٰی وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔ اور ہرگز خیال نہ کریں وہ لوگ جو اُس چیز میں بخل کرتے ہیں جو ان کو اللہ نے اپنے فضل

فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ۔ (پ ۴ ع ۹)

سے دی ہے۔ کہ ان کا بخل ان کے لئے کچھ بہتر ہوگا۔ بلکہ یہ ان کے حق میں بہت برا ہے (کیونکہ) انکے گلوں میں وہ مال قیامت کے دن طوق بنا کر ڈالا جائیگا۔ جس میں انہوں نے بخل کیا تھا۔

(۹۴) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ مُثِّلَ لَهٗ مَالُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ شُجَاعًا اَقْرَعَ لَهٗ زَبِيْبَتَانِ يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ثُمَّ يَاْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِیْ شِدْقَيْهِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَنَا مَالُكَ اَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ الْاٰيَةَ۔ (بخاری شریف ۱۸۸/۱ و مشکوٰۃ شریف ۱۵۵)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو اللہ نے کوئی مال دیا پھر اس نے اسکی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن اسکا مال ایک ایسا سخت زہریلا سانپ بنا دیا جائے گا کہ جس کی آنکھوں کے اوپر دو سیاہ نقطے ہوں گے قیامت کے دن اس کو اس کے گلے کا ہار بنا دیا جائیگا پھر وہ اس شخص کی دونوں باچھیں پکڑیگا اور کہیگا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا سرمایہ ہوں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت ولا یحسبن الذین یبخلون اخیر تک تلاوت فرمائی۔

لغات

سَيُطَوَّقُوْنَ باب تفعیل سے طوق پہنانا۔ طَوْق گلے کا زیور، ہار، ہر احاطہ کرنیوالی چیز ج اَطْوَاقٌ، طَاقَ طَوْقًا طَاقَةً (ن) قادر ہونا۔ مُثِّلَ باب تفعیل سے تصویر بنانا، عذاب دینا، مثلہ کرنا، سامنے کھڑا ہونا۔ (ن ض) عذاب دینا، مثلہ کرنا، مشابہت دینا۔ شُجَاعًا بضم الشین وبکسرہا۔ ایک قسم کا مذکر سانپ۔ ج شُجْعَانٌ وشِجْعَانٌ واَشْجِعَةٌ۔ اَقْرَعَ وہ زہریلا گنجا سانپ کہ زہر اور طول عمر کی وجہ سے اس کے سر کے بال گر گئے ہوں۔ مؤنث قَرْعَاء ج قُرْعٌ وقُرْعَانٌ۔ زَبِيْبَتَانِ وہ دو سیاہ نقطے جو کتے یا سانپ کی آنکھ کے اوپر ہوتے ہیں، اور ایسا سانپ اَخْبَثُ الحَيَّات ہوتا ہے۔ زَبِيْبَةٌ کے معنی جھاگ کے بھی آتے ہیں۔ بعض شراح نے یہی معنی لیے ہیں کہ اس سانپ کی دونوں باچھوں میں غصہ کیوجہ سے جھاگ ہونگے لِهْزِمَتَيْنِ بکسر اللام وسکون الہاء۔ دونوں جبڑے، کانوں کے نیچے کی دونوں طرف کی ہڈیاں۔ ج لَهَازِم، شِدْقَيْهِ۔ بکسر الشین وسکون الدال۔ باچھیں (ای طرفی فمہ) وبفتح الشین ایضًا ج اَشْدَاق وشُدُوق۔ كَنْزٌ ہر ذخیرہ کی ہوئی قابل رغبت چیز، زمین میں دفن کیا ہوا مال، جس میں مال محفوظ رکھا جائے جیسے صندوق وغیرہ۔ ج كُنُوْزٌ (ض) مال جمع کرنا، ذخیرہ کرنا، زمین میں دفن کرنا۔

ترکیب

(۹۳) وَلَا يَحْسَبَنَّ کا مفعولِ اول محذوف ہے۔ عبارت کی تقدیر اس طرح ہوگی وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بخلہم ہو خیراً لّہم۔ لَا يَحْسَبَنَّ فعل اَلَّذِيْنَ اسم موصول يَبْخَلُوْنَ فعل ضمیر هُمْ فاعل بَا جار۔ مَا موصولہ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فعل مفعول بہ فاعل اور متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ صلہ۔ مَا موصولہ اپنے صلہ سے مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق يَبْخَلُوْنَ کے جملہ فعلیہ اَلَّذِيْنَ کا صلہ۔ موصول صلہ مل کر فاعل لَا يَحْسَبَنَّ کا بُخْلَهُمْ مفعولِ اول۔ هُوَ ضمیر فصل خَيْرًا لَّهُمْ مفعولِ ثانی جملہ فعلیہ۔ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ جملہ اسمیہ۔ سَيُطَوَّقُوْنَ فعلِ مجہول۔ ضمیر هُمْ اس میں اس کا نائب فاعل۔ مَا موصولہ اپنے صلہ جملہ فعلیہ سے مل کر مفعول بہ ثانی جملہ فعلیہ جملہ سابقہ کی تفسیر۔

(۹۴) مَنْ شرطیہ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالًا فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں سے ملکر جملہ فعلیہ معطوف علیہ ـــ فَلَمْ يُؤَدِّ زَكٰوتَهٗ جملہ فعلیہ معطوف۔ شرط۔ مُثِّلَ فعل مجہول لَهٗ متعلق مَالُهٗ نائب فاعل يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ظرف شُجَاعًا موصوف اَقْرَعَ صفتِ اولیٰ لَهٗ خبر مقدم زَبِيْبَتَانِ مبتدا مؤخر جملہ اسمیہ صفت ثانی يُطَوَّقُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فعل، نائب فاعل، مفعول بہ، مفعول فیہ، جملہ فعلیہ صفتِ ثالث، موصوف اپنی تینوں صفتوں سے مل کر مُثِّلَ کا مفعولِ ثانی۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ ثُمَّ يَاْخُذُ فعل ضمیر فاعل بِلِهْزِمَتَيْهِ جار مجرور متعلق جملہ فعلیہ معطوف يَعْنِیْ فعل هُوَ ضمیر مستتر فاعل شِدْقَيْهِ مفعول بہ جملہ فعلیہ تفسیر لہزمتیہ کی۔ ثُمَّ يَقُوْلُ فعل اَنَا مَالُكَ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ اَنَا كَنْزُكَ اسی طرح بحذف حرفِ عطف۔ معطوفین يقول کا مقولہ۔ جملہ فعلیہ معطوف ثُمَّ تَلَا فعل ضمیر ہو مستتر فاعل اٰيت مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف الاٰية کی ترکیبیں حسبِ سابق۔

تشریح

(۹۳) آیتِ پاک میں بخل کی مذمت اور اُسپر وعید مذکور ہے۔ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ شرعًا بخل نفقاتِ واجبہ کو اَدا نہ کرنا کہلاتا ہے۔ اسی لئے بخل حرام اور اسپر جہنم کی وعیدِ شدید ہے نفقاتِ مستحبہ میں کوتاہی کو شرعًا بخل نہ کہیں گے۔ البتہ عرفًا اُس کو بھی بخل کہتے ہیں۔ یہ قسم ثانی کا بخل حرام نہیں۔ البتہ خلافِ اولیٰ، بے مروتی اور بداخلاقی ہے۔ بخل ہی کے معنٰی میں نصوص میں ایک لفظ شُح آیا ہے۔ اِس لفظ کے معنی یہ ہیں کہ نفقاتِ واجبہ ادا نہیں کرتا، مزید برآں مال بڑھانے کی حرص میں بھی مُبتلا رہتا ہے۔ یہ جُرم بخل سے بھی بڑھکر ہے۔ اِسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لَا يَجْتَمِعُ شُحٌّ وَاِيْمَانٌ فِیْ قَلْبِ رَجُلٍ مُّسْلِمٍ۔ (نسائی) یعنی شح اور ایمان دونوں کسی مسلمان کے قلب میں جمع نہیں ہو سکتے۔

بخل کی جو سزا اس آیت شریفہ میں مذکور ہے۔ اس کی تفسیر حدیث ابوہریرہ (۹۴) میں مذکور ہے۔ اور اس حدیثِ پاک کا مطلب بالکل ظاہر ہے کہ اس کے اس مال کو جس میں سے زکوٰۃ نہیں نکالی تھی ایک خطرناک سانپ کی شکل دیکر اس کے گلے میں ڈالدیا جائیگا۔ اور وہ اس کی باچھیں پکڑ پکڑ کر چیریگا۔

یُطَوَّقُہٗ میں دوسرا احتمال یہ بھی ہے کہ اس زکوٰۃ نہ دینے والے کو شجاعِ اقرع کے گلے کا ہار بنا دیا جائیگا۔ اور وہ اس شخص کو دونوں طرف سے خوب ڈسیگا۔ ملا علی قاریؒ اس دوسرے مطلب کے متعلق فرماتے ہیں۔ وَھُوَ الموافق لقولہ تعالیٰ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِہٖ۔

بہرحال اس ظالم موذی کے عمل (عدمِ ادائے زکوٰۃ) کی وجہ سے اس مال کو سانپ کی صورت دیجائیگی۔ جیسا عمل ویسی ہی جزا۔ دنیا میں یہ ظالم و موذی بھی بخل اور کنجوسی کا زہر اپنے اندر لیئے دولت پر سانپ بنا بیٹھا تھا اور خلقِ خدا کی زندگیوں سے کھیل رہا تھا۔ قیامت کے دن اسی نوع کی سزا اس کو بھگتنی پڑیگی۔

(۹۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا عَلَی الْیَمَنِ قَالَ اِنَّکَ تَقْدَمُ عَلٰی قَوْمٍ اَھْلِ الْکِتٰبِ فَلْیَکُنْ اَوَّلَ مَا تَدْعُوْھُمْ اِلَیْہِ عِبَادَۃُ اللّٰہِ فَاِذَا عَرَفُوا اللّٰہَ فَاَخْبِرْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ خَمْسَ صَلَوٰتٍ فِیْ یَوْمِھِمْ وَلَیْلَتِھِمْ فَاِذَا فَعَلُوْا فَاَخْبِرْھُمْ اَنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدْ فَرَضَ عَلَیْھِمْ زَکٰوۃً تُؤْخَذُ مِنْ اَمْوَالِھِمْ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِھِمْ فَاِذَا اَطَاعُوْا بِھَا فَخُذْ مِنْھُمْ وَتَوَقَّ کَرَائِمَ اَمْوَالِ النَّاسِ۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ بن جبلؓ کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تو ارشاد فرمایا کہ تم ایسے لوگوں کے پاس پہونچ رہے ہو جو اہلِ کتاب ہیں تو اول اُن کو اللہ کی توحید کی دعوت دینا۔ پھر جب وہ اللہ کو پہچان لیں تو اُن کو بتلاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر شب و روز میں پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ پس جب وہ کرلیں تو اُن کو خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے اُن پر زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو اُن کے (مالداروں کے) مالوں میں سے لیجائیگی اور اُن کے غریبوں کو دیجائے گی۔ پھر جب اس کو مان لیں تو اُن سے (زکوٰۃ) لیلو۔ اور لوگوں کے عمدہ مالوں سے احتیاط رکھو۔

(بخاری شریف ج۱ ص۱۸۷ ومشکوٰۃ شریف ص۱۵۵)

لغات تَوَقَّ باب تفعّل سے توقّی بچنا۔ احتیاط کرنا۔ مجرد میں ضَرَبَ سے اسی معنی ہیں۔ کَرَائِمُ جمع کَرِیْمَۃ کی۔ عمدہ اور اعلیٰ مال۔

ترکیب رَسُوْلَ اللّٰہِ اَنَّ کا اسم ۔ لَمَّا بَعَثَ مُعَاذًا عَلَی الْیَمَنِ فعل، فاعل مفعول بہ اور متعلق جملہ فعلیہ شرط۔ کَ اَنَّ کا اسم۔ تَقْدَمُ فعل بافاعل عَلٰی جار قَوْمٍ موصوف اپنی صفت اَھْلِ الْکِتٰبِ سے مل کر مجرور متعلق تَقْدَمُ کے۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ اَوَّلَ مضاف مَا موصولہ اپنے صلہ جملہ فعلیہ مَا تَدْعُوْھُمْ

اِلَیۡہِ سے مل کر مضاف الیہ خبر مقدم فَلْیَکُنْ کی عِبَادَۃُ اللہِ اسم مؤخر۔ جملہ فعلیہ معطوف اول فَاِذَا عَرَفُوا اللہَ شرط فَاَخۡبِرۡہُمۡ فعل با فاعل مفعول بہ اَنَّ اپنے اسم لفظ اللہَ اور خبر قَدۡ فَرَضَ اللہُ الخ جملہ فعلیہ سے مل کر خبر، جملہ اسمیہ مفعول ثانی۔ جملہ فعلیہ انشائیہ جزا۔ شرط وجزا معطوف ثانی۔ اسی طرح اگلا جملہ شرط وجزا معطوف ثالث، اس میں تُؤۡخَذُ مِنۡ اَمۡوَالِہِمۡ وَتُرَدُّ عَلٰی فُقَرَائِہِمۡ معطوفین صفت ہیں زَکوٰۃً کی۔ فَاِذَا اَطَاعُوا الخ شرط و جزا معطوف رابع۔ معطوف علیہ اپنے تمام معطوفات سے مل کر خبر ہوئی اِنَّ کی۔ اِنَّ اپنے اسم وخبر سے ملکر مقولہ مفعول بہ قَالَ کا۔ قَالَ اپنے فاعل ومفعول بہ سے مل کر جزا ہوئی شرط (لَمَّا بَعَثَ الخ) کی۔ شرط وجزا مل کر خبر اَنَّ کی۔ اور وہ جملہ بتأویل مفرد مبتدائے مؤخر۔ عَنِ ابۡنِ عَبَّاسٍ اپنے متعلق سے مل کر خبر مقدم۔

تَشۡرِیح حب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرتِ معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا امیر و قاضی بنا کر بھیجا تو اُن کو جو چند ہدایات فرمائیں، اِس روایت میں اُن کا بیان ہے۔ فرمایا اِنَّکَ تَاۡتِیۡ قَوۡمًا اَھۡلَ الۡکِتٰبِ گو یمن میں مشرکین بھی تھے، مگر آپ نے تعفیلاً اور تغلیبًا یہ ارشاد فرمایا کہ تم ایسے لوگوں میں جا رہے ہو جو اہلِ کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں۔ فلیکن اوّل الخ یہ فعل بالتاء اسوجہ سے ہے کہ عبادۃ اللہ اس کا اسم ہے۔ اور چونکہ درمیان میں فاصلہ ہے اسلئے بالیاء بھی روایت ہے۔ اس جگہ عبادۃ اللہ مذکور ہے۔ مشکوٰۃ و مسلم میں فادعہم الی شہادۃ اَن لا الٰہ الا اللہ واَنّ محمدًا رسول اللہ ہے۔ اور عبادۃ اللہ سے مراد بھی یہی ہے۔ یعنی عبادۃ اللہ علیٰ طریق محمد رسول اللہ۔ توحید کی دعوت کی ضرورت اس لئے تھی کہ مشرکین بھی وہاں رہتے تھے۔ اور اہلِ کتاب میں بھی شرک آچکا تھا۔ پھر موحدین بعض رسالت کے منکر ہو سکتے ہیں، اور بلا تصدیق و اقرارِ رسالت توحید ناقص ہے۔ اسوجہ سے توحید و رسالت دونوں چیزوں کی دعوت کا حکم دیا گیا۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ کفار کو قتال وغیرہ سے قبل دعوت الی الاسلام دینا ضروری ہے۔ ہاں اگر اُن کو دعوتِ اسلام پہونچ چکی ہو تو پھر قتال سے پہلے دعوت دینا واجب نہیں مستحب ہے۔ چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ بنی مصطلق پر ۵ھ میں بلا دعوت و اطلاع حملہ کیا۔ کیونکہ انکے پاس دعوت پہونچ چکی تھی۔ فاذا عرفوا دوسری کتابوں میں فاذا اطاعوا لذٰلک ہے یعنی جب وہ اسلام کی فرمانبرداری کا اعتراف و عہد کرلیں۔ فاخبرہم بخاری کے علاوہ میں اس جگہ فاعلمہم ہے۔ مطلب ایک ہی ہے۔ کہ جب وہ ایمان لا چکیں تو اُن کو یہ سمجھاؤ کہ رات دن میں تمہارے ذمہ نماز پنجگانہ ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی۔ کہ کفار فروع کے مخاطب نہیں ہیں، بلکہ وہ صرف اصول کے مخاطب ہیں۔ فروع کے مخاطب صرف اہلِ ایمان ہیں۔ جیسا کہ احناف کا مسلک ہے۔ وجہ یہ ہے کہ نماز کی تعلیم کو موقوف فرمایا گیا ایمان قبول کرنے پر۔ اس طرح سے کہ قبولِ ایمان کو شرط اور اعلامِ صلوات کو جزا قرار دیا گیا، جس سے فروع کا اصول پر مرتب ہونا ثابت ہوتا ہے (ذکرہ الطیبیؒ) لیکن حدیث سے صرف اتنا معلوم

ہوتا ہے کہ کفار فروع کے ادا کرنے کے مکلف نہیں۔ اور حضرات شوافع وغیرہ جو کفار کے مکلف بالفروع ہونے کے قائل ہیں ان کا منشا صرف یہ ہے کہ کفار جس طرح ترک اصول پر معذب ہوں گے اسی طرح ترک فروع پر بھی ان کو عذاب ہوگا۔ جیساکہ فَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِينَ الَّذِينَ لَا يُؤْتُونَ الزَّكٰوةَ اور قَالُوا لَمْ نَكُ مِنَ الْمُصَلِّينَ ۝ وَلَمْ نَكُ نُطْعِمُ الْمِسْكِينَ ۝ اور إِنَّهُ كَانَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ الْعَظِيمِ ۝ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِينِ ۝ وغیرہ بہت سی آیات میں ترک فروعات پر کفار کے معذب ہونے کا ذکر ہے۔ اسپر علماء کا اتفاق ہے کہ ایمان اعمال کے لئے شرط ہے۔ ہاں احناف کا مسلک اپنی جگہ پر مدلل ہے۔ اور اسپر عقلی ونقلی دلائل کتب اصول میں موجود ہیں۔ یہ ان کے ذکر کا محل نہیں۔

حافظ ابن حجر شافعیؒ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ وتر وصلوٰۃ العیدین واجب نہیں۔ ورنہ جس طرح نماز اور زکوٰۃ کو ذکر فرمایا گیا۔ اسی طرح نماز وتر ونماز عید کو بھی ذکر فرماتے۔ لیکن افسوس ہے کہ اتنے بڑے آدمی نے اتنی سطحی بات کہی۔ اسلئے کہ اس حدیث میں نماز وتر ونماز عید کا نفیاً واثباتاً کوئی تذکرہ ہی نہیں۔ اور اگر عدم ذکر عدم وجوب وفرضیت کو مستلزم ہے، تو صوم وحج کا بھی تو اس میں ذکر نہیں۔ لہٰذا ان کے استدلال کی رو سے یہ حدیث ان دونوں کی عدم فرضیت پر بھی دلیل ہونی چاہیئے۔ اسی طرح صلوٰۃ جنازہ کا بھی ذکر نہیں۔ اس کی فرضیت کی بھی نفی ہونی چاہیئے۔ اگر ان فرائض کے ذکر سے حدیث خاموش ہے۔ اور دوسری نصوص سے ان کی فرضیت ثابت ہوتی ہے۔ تو بالکل اسی طرح وتر وصلوٰۃ عید کا وجوب بھی دیگر نصوص سے ثابت ہے۔ پھر حدیث میں بعض فرائض کا ذکر ہے۔ اور وتر وصلوٰۃ عید کی فرضیت کا کوئی قائل نہیں، ہاں احناف ان کے وجوب کے قائل ہیں۔ بلکہ ہم کہتے ہیں کہ صلوٰۃ وتر کا تذکرہ حدیث میں موجود ہے۔ اس طرح سے کہ وتر صلوٰۃ عشاء کے تابع ہیں۔ اور صلوات خمسہ میں صلوٰۃ عشاء بھی ہے۔ تو گویا ضمناً نماز وتر بھی اس میں آگئی۔ یہ بھی ممکن ہے کہ صوم وحج اور وتر وصلوٰۃ عید کا وجوب اس حدیث کے وارد ہونے کے بعد ہوا ہو۔ واللہ اعلم (مرقاۃ)

پھر روزہ سال میں ایک بار آتا ہے، اور حج شرائط کے ساتھ زندگی میں ایک بار فرض ہے۔ نیز مقصود عبادات کا احصار نہیں ہے۔ بلکہ ایک اہم ترین بدنی عبادت (نماز) اور ایک مالی عبادت (زکوٰۃ) کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور دوسری بدنی عبادت (روزہ) اسی طرح ہر دو سے مرکب عبادت (حج) کا تذکرہ نہیں کیا گیا۔ کیونکہ جو شخص یہ دونوں مذکورہ عبادتیں (نماز وزکوٰۃ) ادا کریگا، وہ باقی دو بھی نہ چھوڑیگا۔ پھر نو مسلموں کو ایک دم ایسی مجاہدہ اور مشقت والی عبادات کی دعوت خطرہ بن سکتی ہے۔ جب وہ لوگ نماز وزکوٰۃ کے عادی ہوجائینگے تو صوم وحج کی جانب بسہولت آسکیں گے۔ گویا حضرت معاذ کو جو دعوت کا نقشہ عطا کیا گیا وہ انتہائی حکیمانہ تھا۔ جیساکہ تعلیمات نبوی کا ہر اسلوب وطرز حکیمانہ ہی ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ فروعات میں اولاً نماز کو اور ثانیاً زکوٰۃ کو ذکر فرمایا گیا ہے اسلئے کہ نماز اہم ترین عبادت ہے۔ نیز عبادت بدنی ہونے کے سبب زکوٰۃ سے آسان بھی ہے۔ کیونکہ انسان کا "چمڑی دیدوں دمڑی نہ دوں" کا مزاج ہوتا ہے۔ یعنی انفاق

مال اس پر زیادہ شاق گذرتا ہے۔ اسلئے اولاً الیسر واہم اور اعم عبادت کی دعوت کا حکم فرمایا۔ پھر اشق واخص عبادت کی دعوت کا حکم دیا۔ پھر اسلام میں نئے آنیوالے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرات صحابہؓ کے متعلق یہ شبہ دل میں لاسکتے تھے کہ یہ تو مال کے بھوکے معلوم ہوتے ہیں (نعوذ باللہ) اسلئے عبادت مالی کی اولاً دعوت نہیں دی گئی۔ بلکہ جب عملِ نماز سے انکا ایمان خوب مضبوط ہوجائے تو زکوٰۃ کی طرف متوجہ فرمانے کا حکم دیا۔ یہ ترتیب بھی "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ" الخ کی زندہ تصویر اور واضح تفسیر ہے۔

تُؤْخَذُ مِنْ اَغْنِیَائِھِمْ وَتُرَدُّ اِلٰی فُقَرَائِھِمْ، حدیث کے اس جملہ سے چند امور معلوم ہوئے۔ (۱) اس میں مِنْ اَمْوَالِھِمْ کا لفظ ہے جس کے معنی من اموال اغنیائہم ہیں، اور اغنیاء سے مراد مکلفین ہیں۔ لہٰذا اس روایت سے مالِ صبی میں زکوٰۃ کے وجوب پر استدلال کرنا غلط ہے، جیسا کہ علامہ طیبیؒ نے کیا ہے۔ اسی طرح مالِ مجنون میں وجوب زکوٰۃ پر استدلال صحیح نہوگا۔ جیسا کہ حافظ ابن حجرؒ نے کیا ہے۔ (۲) اس جملہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اگر مستحقینِ زکوٰۃ کسی شہر میں موجود ہیں، تو وہاں کے فقراء و مستحقین کو محروم کرکے دوسری جگہ زکوٰۃ و صدقات کے اموال کو منتقل نہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ جس شہر اور جس علاقہ کے صدقات ہوں اولاً وہیں کے مقامی مستحقین کو دینا چاہیئے۔ اِلّا یہ کہ اُن کی حاجت سے بچ رہے۔ یا کسی دوسری جگہ وہاں سے زیادہ شدید حاجت واہمیت ہو، یا وہاں اہل قرابت ہوں، تو باہر بھیجنے میں مضائقہ نہیں۔ لان الضرورات تبیح المحظورات، لیکن اگر کسی نے مقامی مستحقین کو محروم کرکے دوسری جگہ زکوٰۃ و صدقات منتقل کردیئے، اور وہ صحیح مصارف میں صرف ہوگئے تو بالاجماع زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اور صدقات کا اجر ملیگا۔

البتہ مستحقین کو محروم کرنیکا وبال وگناہ بھی ہوگا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور خلافت میں جب خراسان کے صدقات ملک شام بھیجے گئے، تو انہوں نے واپس کرادیئے تھے، اس سے بعض لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ اُن کے نزدیک زکوٰۃ منتقل کرنے میں فرض ساقط نہیں ہوتا تھا یعنی اُن کی رائے اجماع کے خلاف تھی۔ لیکن یہ اُن لوگوں کا قصورِ فہم معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کے اس فعل سے کمالِ عدل کا اظہار ہوتا ہے۔ اور اجماعِ امت کی خلاف ورزی ثابت نہیں ہوتی۔ (۳) اس جملہ سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ زکوٰۃ (اسی طرح صدقاتِ واجبہ بھی کیونکہ وہ بھی زکوٰۃ کے حکم میں ہوتے ہیں) ذمیوں کو دینا جائز نہیں۔ یہ بات اِلٰی فُقَرَائِھِمْ کی وضاحت سے سمجھ میں آتی ہے۔ وفی الھدایۃ "ولولا حدیث معاذ لقلنا بجواز دفع الزکوٰۃ

ع‍ه ویکرہ نقلھا الیٰ بلد اٰخر الا الیٰ قریبہ او الیٰ احوج من اھل بلدہٖ قال ابن الھمام وجھہ قول معاذ لاھل الیمن ایتونی بعرض ثیاب خمیس اولبیس فی الصّدقۃ مکان الشعیر والذرۃ اھون علیکم وخیر لاصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ ویجب ان یکون من فی المدینۃ احوج اوذلک مایفضل بعد اعطاء فقرائھم وعلم منہ جواز دفع قیمۃ مایجب فی الزکوٰۃ واما النقل للقرابۃ فلما فیہ من صلۃ الرحم زیادۃ علی قربۃ الزکوٰۃ ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری

ای کما قلنا بجواز دفع الصدقۃ النافلۃ الیھم لما روی ابن شیبۃ عن سعید بن جبیر مرسلاً قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تصدقوا علی اھل الادیان کلھا۔ (اگر حدیث معاذ نہ ہوتی تو ہم ذمیوں کو زکوٰۃ دینے کے جواز کے بھی قائل ہوجاتے جیسا کہ ہم نفلی صدقات اُن کو دینے کے جواز کے قائل ہیں۔ اور نفلی صدقات کے جواز کی دلیل وہ حدیث ہے جو ابن شیبہ نے سعید بن جبیرؓ سے مرسلاً روایت کی ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم تمام مذہبوں کے انسانوں پر صدقہ کرو۔)

(۴) شیخ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ حدیث لاتحل الصدقۃ لغنی سے اور اس حدیث معاذؓ سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ غُزاۃ و غارمین میں سے اغنیاء زکوٰۃ کے مستحق نہیں ہیں۔ یہ حضرت امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہے کہ وہ اُس غنی غازی کے لئے جو مالِ غنیمت میں سے نہ لے اور اُس کی تنخواہ بھی مقرر نہ ہو زکوٰۃ کو جائز قرار دیتے ہیں۔

(۵) اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مصارفِ زکوٰۃ کے اصناف میں سے ایک ہی صنف کو اگر زکوٰۃ دیدی جائے تو ادا ہوجائیگی، بلکہ ایک ہی شخص کو زکوٰۃ دیدینا بھی کافی ہوگا۔ کیونکہ جملہ مصارف (جن کا بیان آگے آرہا ہے) میں سے اس حدیث میں صرف فقراء کو ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور شخصِ واحد کو دیدینا کافی ہوگا یہ مقابلۃ الجمع بالجمع سے مفہوم ہوتا ہے۔ یہی حضراتِ احناف کا مسلک ہے۔ جس کی اس جملہ سے تائید ہوتی ہے۔ اور امام شافعیؒ وغیرہ حضرات کے مقابلہ میں یہ حدیث حجت ہے۔

اس جملۂ حدیث سے علماء نے اس کے علاوہ بھی متعدد مسائل مستنبط فرمائے ہیں جن کا ذکر موجب طوالت ہے۔

وتوقّ کرائمَ اَموالِ النّاسِ۔ مشکوٰۃ میں ہے وَاِیّاکَ وَکَرائمَ اَموالِھِم۔ مطلب ایک ہی ہے کہ لوگوں کے عمدہ مال نہ لو، بلکہ اوسط درجہ کے مال لو۔ اس میں عدل کی تعلیم ہے کہ اس میں اغنیاء اور فقراء دونوں کی برابر رعایت ہے۔ ہاں زکوٰۃ دینے والے بخوشی تبرعًا زیادہ مقدار میں یا اعلیٰ چیز دیدیں، تو لینے میں کوئی حرج نہیں۔ مشکوٰۃ میں اُس کے بعد یہ جملہ بھی ہے۔ واتق دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینھا وبین اللہ حجاب۔ (مظلوم کی بددعاء سے ڈرتے رہنا کیونکہ اس کی دعاء کے اور اللہ کی قبولیت کے درمیان کوئی رکاوٹ نہیں ہوتی۔ یعنی مظلوم کی دعا بہت جلد قبول ہوتی ہے) اس میں حکم عدل کی تاکید ہے۔ یعنی اگر مقدار سے زیادہ یا اعلیٰ درجہ کا مال زکوٰۃ میں لیا۔ یا ان کو زبان سے سخت سست کہہ کر تکلیف پہونچائی تو ظالم ہوجاؤگے، اور مظلوم کے دل سے جو بددعاء نکلے گی وہ اللہ کی بارگاہ میں بہت جلد قبول ہوتی ہے ؎

بترس از آہِ مظلوماں کہ ہنگامِ دُعا کردن ٭ اجابت از درِ حق بہرِ استقبال می آید

غور کیجئے کہ عدل کی تلقین و تاکید پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم نے کس بلیغ انداز میں ارشاد فرمائی۔ اور کیوں نہ فرماتے۔ آپ کی تشریف آوری ہی عدل گستری کے لئے ہوئی ہے۔ صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ نھایۃ ما ینبغی ان یسئلہ السائلون۔

(۹۶) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالیٰ اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ وَالْعٰمِلِیْنَ

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور اس کے ملازموں کے لئے ہے۔

عَلَیْھَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُھُمْ وَفِی الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ

اور (ان کے لئے ہے) جن کے دلوں کو مانوس کیا جاتا ہے اور غلاموں کو آزاد کرنے کے لئے اور قرضداروں کیلئے ہے۔

وَابْنِ السَّبِیْلِ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ (پ۱۰ ع۱۴)

اور راہِ خدا میں اور مسافروں کیلئے ہے، یہ حکم اللہ کی طرف سے مقرر کیا گیا ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے حکمت والے ہیں۔

لغات وَالْمُؤَلَّفَةِ جوڑنا، ملانا، جمع کرنا، محبت ڈالنا، بابِ تفعیل۔ (س) مانوس ہونا، محبت کرنا۔ اِلْفٌ دوست ج اُلَّافٌ۔ (ن ض) ایک ہزار دینار دینا۔ وَالْغٰرِمِیْنَ غارم کی جمع۔ وہ مدیون جو مالکِ نصاب نہو۔ (س) قرض ادا کرنا، نقصان اٹھانا۔ اِغْتِرَام اپنے اوپر تاوان لازم کرنا۔ اَلْغَرَامَةُ وَالْغُرْمُ تاوان۔

ترکیب اَلصَّدَقَاتُ مبتدا لِلْفُقَرَاءِ اپنے تمام معطوفات سے ملکر کائنۃ کے متعلق ہوکر خبر جملہ اسمیہ فَرِیْضَةً مفعولِ مطلق فعل محذوف کا ای فَرَضَ اللّٰہُ فَرِیْضَةً او فُرِضَ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰہِ۔ جملہ فعلیہ۔ وَاللّٰہُ مبتدا اپنی دونوں خبروں عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ سے ملکر جملہ اسمیہ۔

تشریح اللہ تعالیٰ نے کلام اللہ میں نماز کے بعد سب سے زیادہ جس حکم کا زبردست اہتمام فرمایا ہے وہ زکوٰۃ ہے۔ چنانچہ قرآنِ پاک میں اس کے حکم کو نماز جیسی اہم ترین عبادت کیساتھ بتیس (۳۲) جگہ ذکر فرمایا ہے۔ اور ان بتیس (۳۲) مقامات کے علاوہ بھی جابجا صراحۃً واشارۃً اس کی تاکید وفضیلت سے اپنے کلامِ مقدس کو زینت دی ہے۔ مذکورہ بالا آیت بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں مصارفِ زکوٰۃ یعنی زکوٰۃ کے مستحقین کی پوری تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔ اس بارے میں فقہاء نے جو کچھ لکھا ہے وہ اسی آیت گرامی کی تفصیل وتفسیر ہے۔ اس آیتِ شریفہ میں زکوٰۃ کے مستحق آٹھ قسم کے لوگوں کو قرار دیا گیا ہے۔ ان آٹھ قسموں میں سے مؤلفۃ القلوب کا حصہ حنفیہ کے نزدیک ساقط ہوگیا ہے۔ حضرتِ امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، اسحٰق بن راہویہؒ کا بھی یہی مذہب ہے۔ البتہ حضرتِ امام شافعیؒ کا اصح قول (علی مانقلہ السیوطی فی تفسیر الجلالین) یہ ہے کہ مؤلفۃ القلوب کی بعض اقسام کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ حضرتِ امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر ضرورت ومصلحت کا تقاضا ہو تو دے سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

مؤلفۃ القلوب:۔ اسلام کے ابتدائی دور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کو زکوٰۃ و صدقات اسلئے دیدیتے تھے کہ وہ لوگ اسلام سے مانوس ہوں گے۔ اور اس احسان کیوجہ سے ان کے قلب میں اسلام

کی محبت پیدا ہوجائے گی۔ لان الانسان عبد الاحسان، یا ان کے شر سے حفاظت رہیگی۔ مؤلفۃ القلوب چار قسم کے لوگ تھے۔ (۱) وہ غیر مسلم جن کے اسلام میں داخل ہونے کی توقع تھی، ان کو زکوٰۃ وصدقات کیذریعہ اسلام کے قریب کیا جاتا تھا۔ (۲) وہ نو مسلم جو اسلام پر پورے طور پر پختہ اور مضبوط نہیں ہوتے تھے۔ ان کو اسلام پر جمانے کے لئے زکوٰۃ وصدقات دیتے تھے۔ (۳) جو لوگ مسلمان ہوتے ان پر اس مصلحت سے مالِ زکوٰۃ صرف کیا جاتا تھا کہ ان کے قبیلوں کے دوسرے کفار بھی اسلام قبول کریں گے۔ اور اسلام کی نوازشوں اور ہمدردیوں کو دیکھتے ہوئے ان سے فائدہ اٹھانے کا لالچ ان کو ہدایت وایمان سے سرفراز کردیگا۔ (۴) بعض کو اس مصلحت سے مالِ زکوٰۃ دیا جاتا تھا کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے دفاع کریں گے اور کفار کے شر سے مسلمان محفوظ رہیں گے۔ غالباً یہ غیر مسلم ہوتے تھے۔ بعض مفسرین نے ان کو بھی مسلمان لکھا ہے۔ بہرحال اسلام ومسلمین کے زمانۂ ضعف میں ان چاروں قسم کے لوگوں کی اموالِ زکوٰۃ وصدقات سے تالیفِ قلب کی جاتی تھی لیکن جب اللہ نے اسلام اور مسلمانوں کو عزت وغلبہ سے سرفراز فرمایا تو علت کے مرتفع ہوجانے سے حکم بھی مرتفع ہوگیا۔ جیساکہ جمہور علماء کا مذہب مذکور ہوا حضرتِ امام شافعیؒ بھی ان اقسامِ اربعہ میں سے پہلی اور چوتھی قسم کے لوگوں کے لئے زکوٰۃ کو جائز قرار نہیں دیتے۔ البتہ دوسری اور تیسری قسم کے لوگوں کے لئے جواز کے قائل ہیں۔ (علی القول الاصح کما مرّ انفاً)

واضح رہے کہ اقسامِ اربعہ مذکورہ کو مصالح متذکرہ کی بنا پر زکوٰۃ وصدقات دیئے جاتے رہے۔ اور خلافتِ صدیقِ اکبرؓ کے بالکل ابتدائی دور میں بھی اُن لوگوں کے وظائف باقاعدہ بیت المال سے جاری رہے۔ ایک بار یہ لوگ صدیقِ اکبرؓ سے اپنے وظائف لینے کے لئے آئے۔ اولاً حضرتِ فاروقِ اعظمؓ سے ملاقات ہوگئی۔ حضرتِ فاروقِ اعظمؓ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہاری تالیفِ قلب کے پیشِ نظر تمکو صدقات عطاء فرماتے رہے۔ لیکن اب تمہاری تالیفِ قلب کی ہمکو ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسلام کو عزت وشوکت عطاء فرمادی ہے۔ اب ہمارے پاس تمہارے لئے دو ہی راستے ہیں۔ اسلام یا تلوار۔ یہ فرماکر اُن کی دستاویزیں پھاڑ کر پھینک دیں۔ وہ لوگ حضرتِ عمرؓ کے سامنے تو کچھ کہہ نہ سکے۔ حضرتِ صدیقِ اکبرؓ کی بارگاہ میں حاضر ہوکر کہا کہ یہ بتلائیے کہ خلیفۃ المسلمین آپ ہیں یا عمرؓ۔ آپنے فرمایا عمرؓ ہیں۔ اگر وہ چاہیں اور واقعہ معلوم ہونے پر حضرتِ عمرؓ کی رائے کی تصویب فرماکر تمام صحابۂ کرامؓ کی موجودگی میں زکوٰۃ وصدقات سے اُن کا حصہ ختم فرمادیا۔ اس طرح مؤلفۃ القلوب کا حصہ صحابۂ کرامؓ کے اجماع سے ساقط ہوگیا۔

سوال:۔ قرآن وحدیث کے صریح حکم کو صحابہؓ کی رائے سے کیسے منسوخ قرار دیا جاسکتا ہے؟

جواب:۔ اس حکم کو منسوخ قرار نہیں دیا گیا بلکہ یہ انتہاء الحکم بانتہاء العلۃ کے قبیل سے ہے۔ یعنی جبتک علتِ تالیفِ قلب باقی تھی، حکمِ تالیف بھی باقی رہا۔ اور جب علتِ تالیف ختم ہوگئی۔ تو حکم بھی ختم ہوگیا۔ مسئلہ کی پوری وضاحت وتفصیل اصولِ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ

(۱) فقیر وہ شخص جو کسی ایسے نصاب کا مالک نہو جسپر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے۔ مگر بالکل تہی دست بھی نہو۔

(۲) مسکین جو کسی شئی کا مالک نہو۔ (فقیر و مسکین کی یہ تعریف حنفیہ کے نزدیک ہے۔ کہ مسکین کا درجہ فقر میں فقیر سے بڑھا ہوا ہے۔ بعض ائمہ کے نزدیک دونوں میں کچھ فرق نہیں۔ (ولکن لایصح لانہ مقتضی العطف فی الاٰیۃ خلاف ذلك) اور امام شافعیؒ کے نزدیک فقیر کی تعریف وہ ہے جو ہمارے نزدیک مسکین کی۔ اور مسکین کی وہ ہے جو ہمارے نزدیک فقیر کی ہے۔ (ای علیٰ عکس ما قالہ الاحناف والدلائل فی کتب الفقہ)

(۳) عاملینِ صدقہ۔ وہ لوگ جو تحصیل زکوٰۃ کے لئے حاکمِ اسلام کی جانب سے مقرر ہوں۔ عشر وصول کرنیوالے بھی ان میں داخل ہے۔ ان کی تنخواہ زکوٰۃ کے مال سے دیجائیگی۔ اور تنخواہ کی مقدار ہر شخص کے کام اور ضروریات کے موافق حاکمِ وقت مقرر کریگا۔ (یقدر مایکفیہ واعوانہ وعیالہ مدۃ ذہابہ وایابہ لانہ فرغ نفسہ لھٰذا العمل وکل من فرغ نفسہ لعمل من امور المسلمین یستحق علیٰ ذلك رزقًا کالقاضی ولھٰذا یاخذہ وان کان غنیًا والغنی لایمنع من تناول الزکوٰۃ عند الحاجۃ کابن السبیل) البتہ حضرات سادات و بنی ھاشم کو اگر عامل مقرر کیا جائے تو ان کی تنخواہ زکوٰۃ و عشر کے مال میں سے نہ دیجائیگی۔ ان کے علاوہ اور اموال سے دیجائیگی۔ بعض فقہاء نے جو یہ لکھدیا ہے کہ بنی ہاشم کا عامل مقرر کرنا درست نہیں ہے، درست نہیں۔ درست یہ ہے کہ درست ہے۔

(۴) وفی الرقاب۔ اس سے مراد مکاتب[ع] ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی ہاشمی کی ملک میں نہو، خواہ اس کا آقا غنی ہو یا فقیر۔ بہرحال اس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے۔ تاکہ وہ بدلِ کتابت میں آقا کو دیکر آزادی حاصل کرلے۔ یہ مذہبِ احناف ہے۔ ان کے نزدیک وفی الرقاب سے غلام کی یہی خاص قسم مراد ہے۔ اور یہی اکثر اہلِ علم کا مذہب ہے۔ حضرت حسن بصریؒ سے بھی یہی منقول ہے۔ الحاصل حنفیہ کے نزدیک مکاتب کے سوا اور کسی قسم کے غلام کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ اور نہ مالِ زکوٰۃ سے غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا جائز ہے۔

(۵) وَالْغَارِمِیْنَ۔ جمع الغارم یعنی وہ شخص جس کے ذمہ کسی کا قرض چاہتا ہو۔ اور اس کے پاس اس قدر مال نہو کہ اس قرض کو ادا کرسکے تو اس کو زکوٰۃ و صدقات کا مال دیا جائے۔ تاکہ وہ اپنا قرض ادا کرکے اس بارِ عظیم سے سبکدوش ہوجائے۔

(وقال فی الھدایۃ ص۱۸۵ ج۱) والغارم من لزمہ دین ولایملك نصابًا فاضلًا عن دینہ	غارم وہ شخص ہے جسکے ذمہ قرض ہوگیا ہو اور وہ ایسے نصاب کا مالک نہیں جو قرض ادا کرکے اسکے پاس بچ رہے۔
وقال الشافعیؒ من تحمل غرامۃ فی اصلاح ذات البین واطفاء النائرۃ بین القبیلتین	اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ غارم سے مراد وہ شخص ہے جس نے دو فریقوں کے درمیان صلح صفائی کرانے اور دو قبیلوں کے درمیان لڑائی

ع المکاتب ھو العبد الذی قال لہ مولاہ اذا ادیت الیّ الف دینار مثلًا فانت حر او قال کاتبتك علیٰ کذا ونحو ذلك۔ ۱۲ ن

کی آگ بجھانے کے لئے اپنے ذمہ تاوان لے لیا ہو۔

(۶) وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اس کی تفسیر حضرت امام ابو یوسفؒ نے منقطع الغزاۃ سے کی ہے۔ یعنی وہ مجاہد لوگ جو ناداری و مفلسی کے سبب لشکر اسلام کے ساتھ جہاد کے لئے نہ جا سکتے ہوں۔ (الذی عجز عن اللحوق بجیش الاسلام بہلاک النفقۃ والدابۃ ونحوھا فی السفر وان کان فی بیتہ مالٌ وکذا من عجز ابتداءً) اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد منقطع الحاج ہیں۔ یعنی جو لوگ حج کا ارادہ کر کے گھر سے نکلے ہوں۔ اور اثنائے سفر میں کسی سبب سے ایسے مفلس ہو جائیں کہ حج کو نہ جا سکیں۔ (وقال السکاکی منقطع الغزاۃ ھو المراد من قولہ تعالیٰ فی سبیل اللہ عند ابی حنیفۃ وابی یوسف حاشیہ ھدایہ ج۱ ص۱۸۵)

مگر صحیح اور مفتی بہ عند الاحناف یہ ہے کہ فی سبیل اللہ سے وہ لوگ مراد ہیں جو عبادت و خدمت دین میں جد و جہد کر رہے ہوں اور وہ مفلس و حاجتمند ہوں۔ اس میں نادار مجاہدین، مفلس حجاج، غریب عبادت گذار، اور وہ طلبہ علم دین جو بے سروسامانی و افلاس کا شکار ہوں۔ یہ سب ہی داخل ہیں۔ کما فی رد المحتار وغیرہ صراحۃً ولا یصرف الی اغنیاء الغزاۃ عندنا خلافاً للشافعیؒ لان المصرف ھو الفقراء کذا فی الھدایۃ۔

(۷) وابن السبیل یعنی وہ مسافر کہ وطن میں تو اس کی ملک میں مال ہے مگر بالفعل مال اس کے قبضہ میں نہیں ہے۔ خواہ اس سبب سے کہ وہ اپنے وطن سے باہر ہے۔ یا اس سبب سے کہ اس کا مال دوسروں پر قرض ہے۔ اور وہ ان سے وصول کرنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ یا اور کوئی ایسی صورت پیش آگئی کہ مال اسکے قبضہ سے نکل گیا ہو، اور بالفعل اس کے قبضہ میں نہ آ سکتا ہو۔ یہ معنی مسافر کے تعمیماً بیان کیے گئے ہیں۔ ورنہ درحقیقت مسافر اس کو کہتے ہیں جو اپنے وطن سے باہر ہو۔ لیکن بلاشک مذکورہ بالا صورتوں میں زکوٰۃ و صدقاتِ واجبہ کو صرف کیا جا سکتا ہے۔ کما صرح بہ الفقہاء۔

زکوٰۃ دینے والے کو اختیار ہے کہ ان اقسام میں سے جس قسم کو چاہے اپنی زکوٰۃ کا مال دیدے۔ اور ایک قسم میں سے بھی چاہے ایک ہی شخص کو دے یا کئی شخصوں کو۔ امام شافعیؒ کے نزدیک تمام قسموں کے تین تین آدمیوں کو دینا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کا مال ان مصارفِ مذکورہ کے علاوہ کسی اور کام میں صرف کرنا جائز نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ صدقاتِ واجبہ عُشر، صدقۂ فطر، نذر، کفارہ وغیرہ کے مصارف بھی وہی زکوٰۃ کے مذکورہ مصارف ہیں۔ البتہ صدقۂ فطر ذمی کو دے سکتے ہیں۔ صدقۂ فطر کے مسائل کا بالتفصیل مطالعہ ہماری کتاب، تحفۂ عید رمضان، میں کیجیئے۔ اور زکوٰۃ کی تفاصیل کا فقہ کی دیگر کتب میں۔

فَهٰؤُلَاۗءِ مَصَارِفُ الصَّدَقَاتِ الْوَاجِبَةِ لَا يَجُوْزُ صَرْفُهَا فِیْ غَيْرِهِمْ وَمَا

پس یہ لوگ واجب صدقات کے مصارف ہیں ان کے سوا پر صدقاتِ واجبہ کا صرف کرنا جائز نہیں ہے۔ اور ان کے

كَانَ مِنَ الْحَاجَاتِ الْمِلِّيَّةِ فَيُصْرَفُ فِيْهَا مَا يُؤْخَذُ مِنَ الْخَرَاجِ وَالْجِزْيَةِ

علاوہ جو ملی ضروریات ہیں ان میں وہ مال خرچ کیا جائیگا جو خراج اور جزیہ

اَوْمِنْ خُمُسِ الْغَنِيْمَةِ وَخُمُسِ الرِّكَازِ وَغَيْرِهَا فَاِنْ لَّمْ تَتَيَسَّرْ هٰذِهِ الْمُدَّاتُ

یا مالِ غنیمت کے خمس اور رکاز وغیرہ کے خمس سے لیا جاتا ہے۔ پھر اگر یہ مدات حاصل نہ ہوسکیں یا

اَوْقَصُرَتْ عَنِ الْحَوَائِجِ يُسْتَقْرَضُ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَا

ضروریات سے کم رہ جائیں تو مسلمانوں سے راہِ خدا میں قرض لیا جائیگا جیساکہ باری تعالیٰ نے خود

(۹۷) قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ

ارشاد فرمایا کہ تم نماز کی پابندی کرو اور زکوٰۃ دیتے رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کو

قَرْضًا حَسَنًا۔ (۹۸) وَقَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا

عمدہ قرض دو۔ (۹۸) اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کون ہے وہ جو اللہ کو اچھا قرض دے کہ

حَسَنًا فَيُضَاعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ط وَعَدَّ اللّٰهُ تَعَالٰى هٰذَا الْقَرْضَ

اللہ اس کے قرض کو خوب بڑھا کر دے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اس قرض کو اپنی مدد شمار فرمایا

نُصْرَةً لَّهٗ حَيْثُ قَالَ وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِيٌّ عَزِيْزٌ

ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے کہ ”اور ضرور بالضرور اللہ تعالیٰ اس کی مدد فرمائیں گے جو اسکی مدد کریگا بیشک اللہ تعالیٰ قوت والے زبردست ہیں۔

ترکیب فھؤلاء مبتدا مصارفُ الصّدقاتِ الواجبۃِ مرکب اضافی موصوف لا یجوز فعل صرفھا فاعل فی غیرھم متعلق۔ جملہ فعلیہ صفت۔ موصوف وصفت خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ وما اسم موصول کانَ اسم ضمیر اور خبر مِنَ الحاجاتِ المِلّیۃ سے ملکر جملہ صلہ۔ موصول وصلہ مبتدا۔ فیصرف فعل مجہول فیھا متعلق ما موصولہ یُؤخَذُ فعل مجہول۔ ضمیر نائب فاعل مِنَ الخراج غیرھا تک تمام معطوفات سے مل کر متعلق جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول وصلہ فاعل لیصرف کا جملہ فعلیہ خبر۔ فان لم تتیسّر اپنے فاعل ھٰذہ المدّات جملہ فعلیہ معطوف علیہ او قصرت عن الحوائج جملہ فعلیہ معطوف شرط یُستَقرَضُ اپنے نائب فاعل ضمیر اور دونوں متعلقوں سے ملکر جملہ فعلیہ جزا۔ اقیموا الصّلوٰۃ جملہ فعلیہ انشائیہ اپنے دونوں معطوفات سے ملکر مقولہ مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ من الخ شرط وجزا مقولہ قول کا۔ جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوف علیہ ومعطوف صلہ۔ ما موصولہ اپنے صلہ سے مل کر مجرور کاف خبر مبتدا محذوف مِثالُہٗ کی جملہ اسمیہ۔ عَدَّ فعل اللّٰہُ فاعل ھٰذا القرض مفعول اول نصرۃً لہٗ مفعول ثانی جملہ فعلیہ۔ وَلَیَنصُرَنَّ اللّٰہ الخ شرط وجزا مقولہ مفعولٌ جملہ فعلیہ مضاف الیہ حَیثُ کا، مضاف ومضاف الیہ عَدَّ مذکور کا ظرف اِنَّ اللّٰہَ لَقَوِیٌّ عَزِیزٌ جملہ اسمیہ خبریہ۔

تشریح عشر وخراج پیداوار میں سے ایک مخصوص مقدار کا نام ہے۔ جو اسلامی حکومت کاشتکاروں سے وصول کرکے ان کے مواقع پر خرچ کرتی ہے عشر کا معاملہ تو زکوٰۃ کے مثل ہوتا ہے۔

خراج وغیرہ کے مصارف، زکوٰۃ وعُشر کے مصارف کے علاوہ ہیں۔ عُشر ایک قسم کی عبادت ہے۔ اور خراج محصول ہے۔ قدرے وضاحت کے لئے یہ سمجھیے کہ زمین کی تین قسمیں ہیں۔ عشری، خراجی، تضعیفی۔

عشری وہ زمین ہے جس کو مسلمانوں نے بزورِ شمشیر فتح کیا ہو۔ اور وہ مجاہدین پر تقسیم کر دی گئی ہو۔ یا وہاں کے رہنے والے اپنی خوشی سے مسلمان ہو گئے ہوں۔ اور اُن کی زمینوں پر انہیں لوگوں کو بحال رکھا گیا ہو۔ عرب اور بصرہ کی زمینیں باوجودِ مذکورہ شرائط نہ پائے جانے کے بھی عُشری ہوں گی۔

خراجی وہ زمین ہے جس کو اہلِ اسلام نے بزورِ شمشیر نہ فتح کیا ہو، اور وہاں کی زمین بذریعہ صلح فتح ہوئی ہو۔ عراق کی زمین باوجود شرائطِ خراج نہ پائے جانے کے بھی خراجی ہوگی۔

تضعیفی وہ عشری زمین ہے جو قبیلہ بنی تغلب کے کسی نصرانی کے قبضہ میں ہو۔ اُس قبیلہ کے نصرانیوں سے حضرتِ عمرؓ نے یہ معاہدہ کیا تھا کہ جس قدر مسلمانوں سے لیا جاتا ہے اس کا دونا تم سے لیا جائیگا۔ اسی سبب سے اُن کی زمین کو تضعیفی کہتے ہیں۔ کہ بنی تغلب کے نصرانیوں کو عُشری زمین کی پیداوار میں عُشر کا دونا یعنی پیداوار کا پانچواں حصہ دینا ہوتا ہے۔

مسلمان اگر عشری زمین خریدیگا تو اس کے پاس بھی عُشری رہیگی۔ خراجی خریدیگا تو خراجی، اور تضعیفی خریدیگا تو تو اُس کے پاس بھی تضعیفی ہی رہیگی۔ تغلبی اگر عُشری خریدیگا تو وہ تضعیفی ہو جائیگی۔ خراجی خریدیگا تو خراجی۔ اور تضعیفی خریدیگا تو تضعیفی رہیگی۔

اگر کوئی ذمی خراجی یا تضعیفی زمین کو خریدیگا تو اس کے پاس بھی بدستور خراجی اور تضعیفی ہی رہیگی۔ اور اگر عُشری خریدیگا تو اس کے پاس آتے ہی خراجی ہو جائیگی۔ ہاں اگر اُس ذمی سے بحقِ شفعہ کوئی مسلمان خرید لیگا تو وہ خراجی نہ ہوگی عُشری ہی رہ جائیگی۔

جزیہ وہ مال ہے جو ذمیوں سے (یعنی ان کفار سے جو مسلمانوں سے عہد و پیمان کیساتھ اُن کی حکومت میں رہتے ہیں) لیا جاتا ہے۔ انّما سمّیت بها لانها تجزئ عن الذمّی ان تقضی عن القتل فانه اذا قبلها سقط عنه القتل قال رسُول الله صلی الله علیه وسلم انما بذلوا اموالهم لیکون دِمائهم کدِمائنا واموالهم کاموالنا۔

پھر جزیہ دو قسم پر ہے۔ ایک تو وہ جو صلح و تراضی سے مقرر ہوا۔ تو جو بھی اہلِ ذمّہ اور مسلمانوں کے درمیان طے ہو جائے، اتنی ہی مقدار کی پابندی ہوگی۔ دوسری قسم یہ ہے کہ امام المسلمین خود اُن پر مقرر کر دے تو وہ مالدار ذمی پر اڑتالیس ۴۸ درہم سال میں مقرر کریگا۔ ہر ماہ چار درہم وصول کیے جائیں گے۔ اور متوسط الحال پر چوبیس ۲۴ درہم ہوں گے۔ ہر ماہ دو درہم وصول کیے جائیں گے۔ اور اُس فقیر پر جو کاروبار اور کمائی کرتا ہے بارہ درہم سال میں مقرر ہوں گے۔ اور ہر ماہ ایک درہم وصول ہوگا۔

رِکاز وہ مال جو زمین میں مدفون (گڑا ہوا) ملے، خواہ کسی نے اس کو دفن کیا تھا، یا وہ قدرتاً زمین میں پیدا

ہوا تھا۔ اور معدن وہ مال ہے جو کسی نے گاڑا نہیں بلکہ وہ وہیں پیدا ہوا (اس کو اردو میں کان کہتے ہیں۔ اور کنز وہ مال جو کسی نے دفن کیا تھا۔ اگر کسی کو کان ایسی عشری یا خراجی زمین میں ملی کہ اس کا کوئی مالک نہیں تو اس کا پانچواں حصہ بیت المال میں داخل کردیں گے اور باقی چار حصے پانیوالے کو ملیں گے۔ اور اگر وہ زمین کسی کی ملک ہے تو خمس بیت المال کا اور باقی چار حصے زمین کے مالک کے ہوں گے۔ اور کنز (دفینہ) پر اگر کوئی اسلامی نشان ہے تو اس کا حکم لقطہ (پائی ہوئی چیز) کا ہوگا۔ یعنی مالک کو تلاش کرکے پہونچایا جائیگا۔ اور مالک کے پائے جانے سے مایوسی کی صورت میں صدقہ کردیا جائیگا۔ اور اگر اس پر کفر کی علامت ہے تو ایک خمس بیت المال کا اور باقی پانیوالے کا ہوگا۔ اور رکاز اگر دار الحرب کے جنگل میں ملا ہے تو سب پانیوالے کا ہوگا۔ اور اگر کسی کے گھر میں ملا ہے اور پانیوالا مستامن ہے تو گھر کے مالک کو دیدیگا۔ اور اگر اہلِ حرب کے سامان کا دفینہ دار الحرب کی ایسی زمین میں ملا ہے کہ اس کا کوئی مالک نہیں تو خمس بیت المال کا اور باقی پانیوالے کا ہوگا۔

مالِ غنیمت۔ کافروں سے جہاد کرکے جو کفار کا مال مجاہدین کے ہاتھ آیا وہ مالِ غنیمت کہلاتا ہے۔ اسمیں سے بھی خمس بیت المال میں داخل کیا جاتا ہے۔ اور باقی چار حصے مجاہدین کے درمیان تقسیم ہوتے ہیں عشر و خراج، جزیہ و رکاز وغیرہ کی تفصیلات کتب فقہ میں دیکھیے۔ یہاں الفاظِ عبارت کی وضاحت کے پیشِ نظر بقدرِ ضرورت بیان پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

عبارت کا خلاصہ مطلب یہ ہے کہ عشر و زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ کے مصارف تو وہی سات قسموں کے لوگ ہیں جن کا ذکر آیت انما الصدقات الخ کے اندر آچکا ہے۔ اس کے علاوہ جس قدر ملّی ضروریات ہیں انمیں خراج و جزیہ اور مالِ غنیمت کا خمس، رکاز وغیرہ کا خمس خرچ کیا جائیگا۔ لیکن اگر مذکورہ جہات کی آمدنی ناکافی ہے تو مسلمانوں سے راہِ خدا میں چندہ وصول کرکے ان ملّی ضروریات کو پورا کیا جائیگا۔ اور اس حکم کی اصل جو آیات ہیں اُن میں سے دو آیتوں کو بطورِ استدلال و استشہاد ذکر فرمادیا ہے۔ اور اخیر میں قرآنی آیت سے یہ جتلادیا گیا ہے کہ اگر تم کو اللہ کی مدد درکار ہے تو وہ دین کی مدد اور اللہ کی رضا پر جان و مال قربان کرنے سے حاصل ہوسکتی ہے۔ اسلئے ملّی حاجات پر مال کو خرچ کرنا مسلمانوں کے ذمہ ہے ؎

فضائے بدر پیدا کر فرشتے تیری نصرت کو
اُتر سکتے ہیں گردوں سے قطار اندر قطار

وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ إِذَا عَاهَدُوْا

(۹۹) عَنْ سُلَيْمِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ كَانَ بَيْنَ مُعَاوِيَةَ وَبَيْنَ الرُّوْمِ عَهْدٌ وَ

سُلیم بن عامرؓ سے نقل ہے وہ کہتے ہیں کہ حضرتِ امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان معاہدہ تھا۔ اور

كَانَ يَسِيْرُ نَحْوَ بِلَادِهِمْ حَتّٰى إِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ غَزَاهُمْ فَجَاءَ رَجُلٌ عَلٰى
امیر معاویہؓ انکے شہروں کی جانب سفر کر رہے تھے تاکہ جب مدتِ عہد پوری ہو جائے تو ان سے غزوہ کریں کہ ایک شخص ترکی
بِرْذَوْنٍ وَهُوَ يَقُوْلُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ فَنَظَرُوْا فَإِذَا
گھوڑے پر سوار آئے اور کہنے لگے اللہ اکبر اللہ اکبر عہد پورا کرنا چاہیئے عہد شکنی مناسب نہیں لوگوں نے دیکھا تو وہ
عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ فَاَرْسَلَ اِلَيْهِ مُعَاوِيَةُ فَسَأَلَهُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ
عمرو بن عبسہؓ ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے پاس کسی کو ان سے معلوم کرنے کیلئے بھیجا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے
اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ كَانَ بَيْنَهُ وَبَيْنَ قَوْمٍ عَهْدٌ فَلَا
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ ارشاد فرماتے تھے کہ جس شخص کا کسی قوم سے عہد ہو تو وہ نہ گرہ کو
يَشُدُّ عُقْدَةً وَلَا يَحُلُّهَا حَتّٰى يَنْقَضِيَ اَمَدُهَا اَوْ يَنْبِذُ اِلَيْهِمْ عَلٰى
مضبوط کرے اور نہ اس کو کھولے یہانتک کہ اس کی مدت گذرجائے یا (ان کا عہد) ان کی طرف پھینکدے تاکہ
سَوَاءٍ فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ (رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ)۔
دونوں برابر خبردار ہو جائیں۔ یہ سنکر حضرت امیر معاویہ واپس ہو گئے۔

{ابوداؤد شریف ص ۳۸۲ ج ۲ و ترمذی شریف ص ۱۸۷ ج ۱ و مشکوٰۃ شریف باب الامان ص ۳۴۷}

لغات

يَسِيْرُ (ض) چلنا، سفر کرنا۔ بِلَادٌ جمع بَلَدٌ یا بَلْدَةٌ کی شہر بُلْدَانٌ بھی جمع آتی ہے۔ (ن) اقامت کرنا، شہر بنانا۔ (س) کشادہ ابرو ہونا۔ (ك) سست و کندخاطر ہونا۔ بِرْذَوْنٌ ٹٹو گھوڑا، ترکی گھوڑا۔ جمع بَرَاذِيْنُ۔ غَدْرٌ (ن ض س) خیانت کرنا، عہد توڑنا۔ يَشُدُّ (ن ض) دشمن پر حملہ کرنا دوڑنا، بلند کرنا، قوی کرنا، باندھنا، مضبوط کرنا (ض) قوی ہونا۔ اَمَدٌ مدت، غایت، آخری حد، غصہ، ج آمَادٌ (س) غضبناک ہونا، مدت بیان کرنا۔ يُنْبِذُ اِفعال یا ضرب سے پھینکنا، توڑنا، بے کار کر دینا۔ نَبِيْذٌ پھینکا ہوا۔ یا کھجور کی نچوڑی ہوئی شراب۔ مِنْبَذَةٌ تکیہ ج مَنَابِذُ۔

ترکیب

بَيْنَ مُعَاوِيَةَ معطوف علیہ وَبَيْنَ الرُّوْمِ معطوف كَانَ کی خبر۔ عَهْدٌ اسم جملہ فعلیہ معطوف علیہ كَانَ فعل ناقص ضمیر هو اسم يَسِيْرُ اپنے فاعل ضمیر اور مفعول فیہ سے مل کر جملہ فعلیہ خبر۔ اِذَا انْقَضَى الْعَهْدُ جملہ شرط۔ غَزَاهُمْ جملہ فعلیہ جزاء۔ فَجَاءَ فعل اپنے فاعل و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ۔ وَفَاءٌ لَا غَدْرٌ ای يجب عليك وفاء لا غدر معه۔ جملہ فعلیہ۔ فَنَظَرُوْا جملہ فعلیہ عَمْرُو بْنُ عَبَسَةَ مبتدا قائل خبر فَاَرْسَلَ فعل اِلَيْهِ متعلق مُعَاوِيَةُ فاعل جملہ فعلیہ فَسَأَلَهُ جملہ فعلیہ مَنْ كَانَ اپنے اسم مؤخر عَهْدٌ اور خبر مقدم بَيْنَهُ الخ سے ملکر شرط۔ لَا يَشُدُّ عُقْدَةً فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ معطوف علیہ وَلَا يَحُلُّهَا جملہ فعلیہ معطوف۔ معطوف علیہ و معطوف مل کر جزا۔ حَتّٰى يَنْقَضِيَ اَجَلُهَا جملہ فعلیہ معطوف علیہ يَنْبِذُ فعل

ضمیر ھو فاعل الیھم متعلق اول علی سواءٍ متعلق ثانی. جملہ فعلیہ معطوف. معطوف علیہ و معطوف ملکر بتأویل مفرد مجرور حتّٰی متعلق لَایَشُدُّ یا لَا یَحُلّ کے. فرجع معاویۃ جملہ فعلیہ۔

تشریح حضرت سلیم بن عامرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت امیر معاویہؓ اور رومیوں کے درمیان ایک مرتبہ مدت معینہ تک کے لئے جنگ بندی کا معاہدہ تھا۔ اس معاہدہ کے اخیر ایام میں حضرت امیر معاویہؓ لشکر لیکر اُن کے شہروں کیطرف اسلئے سفر کر رہے تھے کہ اُن کے قریب پہونچ جائیں۔ اور مدتِ عہد ختم ہوتے ہی رومیوں پر اَچانک حملہ کردیں۔ تو اچانک ایک شخص ایک ترکی گھوڑے پر سوار یہ کہتا ہوا آیا۔ اللہ اکبرُ اللہ اکبر وفاء لا غدر (اللہ بہت بڑا ہے اللہ بہت بڑا ہے وفا ضروری ہے عہد شکنی بُری بات ہے) اللہ اکبر مکرر کہنے کا مقصد اللہ کی کبریائی اور عظمت کا دھیان دلانا اور اس کا خوف دل میں بٹھلا کر عہد شکنی سے باز رکھنا ہے۔ لوگوں نے دیکھا کہ یہ کون صاحب ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی حضرتِ عمرو بن عبسہؓ ہیں۔ حضرتِ امیر معاویہؓ نے کسی شخص کو اُن کے پاس بھیجا کہ وہ انکے اس قول ، وفاء لا غدر ، کی وضاحت اور دلیل معلوم کر کے آئے۔ چنانچہ معلوم کرنے پر اُنہوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے آپنے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کا کسی قوم سے معاہدہ ہو تو وہ نہ اس کو مضبوط کرے اور نہ اُس عہد کو توڑے۔ مطلب یہ ہے کہ معاہدہ کی پوری پوری حفاظت اسی طرح کرے جس طرح عہد کیا تھا۔ اس میں کمی زیادتی یا توڑ پھوڑ نہ کرے، اسی طرح مدتِ عہد پوری کرلے۔ لیکن اگر مدت کا پورا کرنا مصلحت وسیاست کے خلاف ہو تو جس قوم سے عہد کیا ہے اس کا عہد واپس کردے اور صفائی سے کہدے کہ ہم نے عہد ختم کردیا۔ اب تمہارے ہمارے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ہے۔

عَلٰی سَوَاءٍ کا مطلب یہ ہے کہ فریقین نقضِ عہد یا صلح و معاہدہ ختم ہوجانے کے علم میں برابر ہوجائیں جیساکہ قرآنِ پاک میں سورۂ انفال کے اخیر میں ہے وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِیَانَۃً فَانْبِذْ اِلَیْھِمْ عَلٰی سَوَآءٍ یعنی اگر آپ کو ان لوگوں سے جنہوں نے آپ سے عہد کر رکھا ہے یہ خطرہ ہو کہ وہ معاہدہ کا احترام نہ کریں گے اور علامات کے ذریعہ خیانت و نقضِ عہد کا اندیشہ ہوجائے تو ان کا عہد ان کی طرف پھینکدیجئے یعنی ان کو یہ بتلادیجئے کہ ہمارے اور تمہارے درمیان معاہدہ ختم ہوچکا۔ ایسا نہ کیا جائے کہ اچانک شکستِ عہد کی اطلاع دیجائے۔ اور فوراً حملہ کردیا جائے۔ بلکہ پہلے سے جتادینا چاہیئے تاکہ فریقین کو یکساں طور پر تیاری کی مہلت ملجائے۔ علامہ سیوطیؒ نے اس آیت میں عَلٰی سَوَاءٍ پر لکھا ہے ای مستویًا انت وھم فی العلم بنقض العھد بان تعلمھم بہ لئلا یتھموک بالغدر (درانحالیکہ آپ اور

ؔ شبہ العھد بالشئ الذی یرمٰی وطوٰی ذکر المشبہ بہ ورمز لہ بشئ من لوازمہ وھو النبذ فاثباتہ تخییل۔ ۱۲ ن

وہ لوگ عہد ختم ہو جانے کے علم میں برابر ہوں اس طور پر کہ آپ ان کو معاہدہ ختم ہو جانے کی اطلاع دیدیں۔ تاکہ وہ لوگ آپ کو عہد شکنی کے ساتھ متہم نہ کریں) اسی طرح سورۃ حج کے اخیر میں علامہ محلیؒ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُلْ آذَنْتُكُمْ عَلَىٰ سَوَاءٍ کی تفسیر میں لکھتے ہیں حال من الفاعل والمفعول ای مستوین فی علمہ لا استبد بہ دونکم لتتاھبوا، (یہ فاعل یا مفعول سے حال ہے۔ اور مطلب یہ ہے تاکہ ہم تم دونوں فریق معاہدہ ختم ہونے کے علم میں برابر ہو جائیں۔ اور بغیر تمہارے میں ہی تنہا اس کے علم کے ساتھ مخصوص نہ رہوں۔ اور یہ اس لئے کہ تم بھی تیار ہو جاؤ۔) اسی طرح اس حدیث میں عَلَىٰ سَوَاءٍ بمعنی صفت حال ہے خوب سمجھ لیجئے۔

فَرَجَعَ مُعَاوِيَةُ۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سنتے ہی حضرت امیر معاویہؓ فوراً واپس ہو گئے۔ اگرچہ درحقیقت یہ نقض عہد نہ تھا۔ بلکہ عہد کی مدت ختم ہو جانے کے بعد ہی حملہ کرنے کا ارادہ تھا۔ مگر صورت نقض عہد کی تھی۔ کہ اعداء اپنی جگہ پر غافل و بے خبر تھے۔ اور جنگ کے لئے تیار نہ تھے۔ حضرات صحابہ کرامؓ کی یہ ایک امتیازی شان تھی کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کو سنتے ہی اپنے بڑے سے بڑے منصوبوں کو منسوخ کر دینا اور اپنے مصمم عزائم کو ختم کر دینا اور اشارہ پاتے ہی جان و مال اور اپنی تمام خواہشات کو قربان کر دینا ان کے لئے بالکل آسان تھا۔ اور کیوں نہ ہوتا جبکہ انہوں نے حق پر مرمٹنا اور اللہ و رسول کی مرضیات پر قربان اور فنا ہو جانا مقصد حیات اور اپنی زندگی کا نصب العین قرار دیا تھا۔ رضی اللہ عنہم وعنا اجمعین۔

حضرت سلیمؓ و حضرت عمرو بن عبسہؓ

حضرت سُلیم بن عامر (سُلیم مصغراً) جلیل القدر تابعی اور قبیلہ حمیر کی ایک عظیم شخصیت ہیں۔ (ابوداؤد شریف)

حضرت عمرو بن عبسہ کی کنیت ابو نجیح سلمی ہے۔ آپ نے شروع ہی میں مکہ مکرمہ میں اسلام قبول کیا۔ ایک قول کے مطابق آپ چوتھے نمبر پر مسلمان ہوئے یعنی آپ سے پہلے صرف تین حضرات نے اسلام قبول کیا تھا آپ حلقہ بگوش اسلام ہو کر اپنی قوم بنی سلیم میں تشریف لے گئے۔ واپسی کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو یہ ہدایت فرمائی تھی کہ جب تم یہ سن لو کہ میں نے شہر مکہ سے ہجرت کر لی تو میرے پاس چلے آنا چنانچہ آپ فتح خیبر تک اپنی قوم میں مقیم رہے (غالباً ان کو ہجرت کا علم نہ ہوا ہوگا۔ یا کسی عذر کی بنا پر ہجرت نہ کر سکے ہوں گے) فتح خیبر کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اور مدینہ منورہ ہی میں مقیم ہو گئے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے دور خلافت میں وفات پائی۔ آپ کا شمار شامیین میں ہوتا ہے۔ آپ سے احادیث نقل کرنیوالی ایک بڑی جماعت ہے۔ عَبَسَہ عین مہملہ، بائے موحدہ اور سین مہملہ تینوں کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور نجیح نون کے فتحہ اور جیم کے کسرہ اور یاء کے بعد حاء مہملہ کے ساتھ ہے۔

(۱۰۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَیْفَ اَنْتُمْ اِذَا لَمْ تَجْتَبُوْا دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل ہے انہوں نے فرمایا تمہارا کیا حال ہوگا اسوقت جبکہ تم خراج کا کوئی دینار اور درہم

فَقِیْلَ لَهٗ وَکَیْفَ تَرٰی ذٰلِكَ کَائِنًا یَا اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ اِیْ وَالَّذِیْ نَفْسُ

جمع نہ کر سکو گے، اُن سے عرض کیا گیا کہ آپ کو کیسے معلوم ہے کہ ایسا ہوگا اے ابوہریرہؓ فرمایا ہاں قسم ہے اس ذات کی جسکی

اَبِیْ هُرَیْرَةَ بِیَدِهٖ عَنْ قَوْلِ الصَّادِقِ الْمَصْدُوْقِ قَالُوْا عَمَّ ذٰلِكَ قَالَ

قدرت میں ابوہریرہؓ کی جان ہے میں یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے جانتا ہوں لوگوں نے کہا یہ کس سبب سے ہوگا فرمایا

تُنْتَهَكُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ فَیَشُدُّ اللّٰهُ قُلُوْبَ اَهْلِ الذِّمَّةِ

کہ اللہ کے عہد کو اور اسکے رسول کے عہد کو توڑا جائیگا۔ تو اللہ تعالیٰ ذمیوں کے دلوں کو سخت کر دیں گے۔ لہٰذا وہ

فَیَمْنَعُوْنَ مَا فِیْ اَیْدِیْهِمْ۔

اپنے مال نہ دیں گے۔ (بخاری شریف صفحہ ۴۵۱ ج ۱)

لغات تَجْتَبُوْا پسند کرنا، چُن لینا، جمع کرنا جَبًا جَبْوًا جُبْیًا جَبْوَةً جَبَاوَةً (ن) وجِبَایَةً (ض) جمع کرنا الجِبَایَةُ والمُجْتَبٰی خراج، ٹیکس عَمَّ عَنْ مَا تھا، ہمزۂ استفہام پر جب حرف جر داخل ہوتا ہے تو اُس کا الف گر جاتا ہے جیسے عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ، مِمَّ خُلِقَ وغیرہ۔ تُنْتَهَكُ بے عزتی کرنا۔ بے آبروئی کرنا۔ اپنے چال چلن کو خراب کرنا۔ لاغر اور دُبلا کرنا نَهْكًا ونَهَاکَةً (ف) غالب ہونا، بوسیدہ کرنا، بہت کھانا، دُبلا کرنا، مشقت میں مبتلا کرنا نَهْكًا ونَهْکَةً (س) سخت سزا دینا، ختم کرنا، لاغر اور دبلا ہونا نَهَاکَةً (ك) دلیر ہونا۔

ترکیب کَیْفَ اسم مبہم مبنی بر فتحہ برائے استفہام مبتدا۔ اَنْتُمْ خبر یا برعکس جملہ اسمیہ انشائیہ جزائے مقدم ای فی ایّ حَالٍ من الاحوال تکونون انتم اذا لم الخ اِذَا لَمْ تَجْتَبُوْا اپنے فاعل اور مفعول بہ (دِیْنَارًا وَّلَا دِرْهَمًا) سے مل کر جملہ فعلیہ شرط مؤخر۔ فَقِیْلَ لَهٗ جملہ فعلیہ قول تقول هٰذا مثلاً جملہ معطوف علیہ محذوف وکیف ترٰی ذٰلك کائنًا جملہ معطوف۔ معطوفین وال علیٰ جواب الندا یا ابا هریرة ندا مقولہ مفعول بہ۔ اِیْ حرف ایجاب۔ اُس کے آگے جملہ قسم علمتُ هٰذا یا اقول هٰذا فعل با فاعل محذوف عن اپنے مجرور سے مل کر متعلق جملہ جواب ندا۔ عَمَّ جار مجرور کائنٌ محذوف کے متعلق خبر ذٰلك مبتدا۔ جملہ مقولہ مفعول بہ قَالُوْا کا۔ تُنْتَهَكُ فعل مجہول ذِمَّةُ اللّٰهِ معطوف علیہ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهٖ معطوف نائب فاعل۔ جملہ فعلیہ معطوف علیہ۔ فَیَشُدُّ فعل اپنے فاعل ومفعول بہ ملکر جملہ فعلیہ معطوف فَیَمْنَعُوْنَ فعل ضمیر هم فاعل مَا موصولہ فِیْ اَیْدِیْهِمْ حصل کے متعلق جملہ فعلیہ صلہ مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ معطوف۔

تشریح حضرت ابوہریرہؓ کے ارشاد کا منشاء یہ ہے کہ ایک وقت وہ آنیوالا ہے کہ تم لوگ اہلِ ذمہ سے جو جزیہ اور ٹیکس وصول کرتے ہو وہ وصول نہ کر سکو گے۔ لوگوں نے تعجب سے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ جبکہ وہ ہمارے ماتحت ہیں، تو لامحالہ اُن کو دینا ہی پڑیگا۔ اے ابوہریرہؓ آپ یہ بات اپنی جانب سے اندازاً فرما رہے ہیں، یا آپ کو کسی طرح اس کا یقینی علم ہے کہ ایسا ہوگا۔ انہوں نے فرمایا کہ یہ بات میں اپنی جانب سے نہیں کہتا ہوں۔ اس سچے کے فرمانے کی وجہ سے جانتا ہوں جسکی سچائی پر زمانہ گواہ ہے یعنی جس کی صداقت میں ذرّہ برابر شک و شبہ نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خبر دی ہے۔ لوگوں نے معلوم کیا کہ آخر ایسا کس سبب سے ہوگا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ ذمیوں سے جو عہد و پیمان ہے اور شرعاً اُن کو جو حقوق حاصل ہیں اہلِ اسلام کی جانب سے اُن میں کوتاہی ہوگی، اور اس ظلم و زیادتی اور حق تلفی کی بنا پر اُن کے دل سخت ہو جائیں گے۔ اور وہ مسلمانوں کے مطیع نہ رہیں گے۔ لہٰذا جو جزیہ وغیرہ ادا کرتے تھے وہ نہ کریں گے۔ اس روایت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ظلم و زیادتی اور حق تلفی، سرکشی و بغاوت کا سبب ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج حاکم و محکوم کا باہمی ربط ختم ہو گیا۔ حکام کے ظلم کے نتیجہ میں محکومین میں نافرمانی آگئی۔ اور ملکی سیاست درہم برہم ہوگئی۔ اسی طرح والدین نے اولاد کی حق تلفی کی، تو اولاد کے قلوب سخت ہو گئے، اور والدین کی اطاعت کے جذبات اُن کے دلوں سے رخصت ہو گئے۔ اسی طرح ہمارے مدارس میں جب حق تلفیوں کی وبار داخل ہوئی تو ملازمین میں جذبۂ امتثال مفقود ہو گیا۔ اور طلبہ سے اطاعت شعاری معدوم ہوگئی، اور جوڑ توڑ، پارٹی بازی، اسٹرائک جیسی ملعون چیزوں نے ادب و احترام دیانت و تقویٰ، للّٰہیت و اخلاص اور ہمدردی و اخلاق کی جگہ لے لی۔ انّا للّٰہ الخ یہ روایت ہم لوگوں کیلئے خصوصاً نہایت عبرتناک اور قابلِ توجہ ہے۔

---

(۱۰۱) عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرمایا کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

وَاِنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ اَنْ تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا بِاِذْنٍ

اور بیشک اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کی کہ تم بغیر اجازت اہلِ کتاب کے گھروں میں داخل ہو۔ اور نہ اُن کی

وَلَا ضَرْبَ نِسَائِهِمْ وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ اِذَا اَعْطَوْكُمُ الَّذِيْ عَلَيْهِمْ۔

عورتوں کو مارنا حلال کیا ہے، اور نہ ان کے پھل (بغیر اجازت) کھانا حلال کیا ہے جبکہ تمکو دیتے رہیں وہ (جزیہ) جو اُن پر واجب ہے

(مشکوٰۃ شریف باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ ص۲۹ و ابوداؤد شریف مجتبائی ص۷۷/۲)

عہ قال القاری وفی بعض النسخ المصححۃ الآباذنہم ای الآان یاذنوا لکم بالطوع والرغبۃ کما لایحل لکم ان تدخلوا بیوت المسلمین بغیر اذنہم ۱۲ ن

لغات ثِمَارِهِمْ ثَمَرَةٌ کی جمع ثَمَرٌ جیسے شَجَرَةٌ کی جمع شَجَرٌ۔ ثَمَرٌ کی جمع ثِمَارٌ جمع اَثْمَارٌ وثُمُرٌ۔ الثَّمَرَةُ نسل پھل، اولاد وغیرہ (ن) پھلدار ہونا۔

ترکیب لفظ اللہ اسم اِنَّ۔ لَمْ يُحِلَّ فعل ضمیر فاعل لَكُمْ متعلق اَنْ تَدْخُلُوْا فعل بافاعل بُيُوْتَ اَهْلِ الْكِتٰبِ مرکب اضافی مفعول فیہ۔ اِلَّا حرفِ استثناء لغو بِاِذْنٍ ای باذنهم متعلق جملہ فعلیہ بتاویل مفرد معطوف علیہ اپنے آئندہ دونوں معطوفوں سے ملکر لَمْ يُحِلَّ کا مفعول بہ۔ جملہ فعلیہ ہوکر خبر اِنَّ۔ جملہ اسمیہ جزائے مقدم اِذَا اَعْطُوْكُمْ فعل فاعل مفعول الَّذِیْ (ثبت) عليهم مفعول بہ جملہ فعلیہ شرط مؤخر۔

تشریح یہاں حدیث کا آخر حصہ ہے۔ شروع الفاظِ حدیث اس طرح ہیں۔

عَنِ الْعِرْبَاضِ بْنِ سَارِيَةَ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَيَحْسَبُ اَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ يَظُنُّ اَنَّ اللّٰهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا اِلَّا مَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ اَلَا وَاِنِّيْ وَاللّٰهِ قَدْ اَمَرْتُ وَوَعَظْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ اَشْيَاءَ [عسه] اِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْاٰنِ اَوْ اَكْثَرُ [عمه] الخ۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہوکر خطبہ دیا تو ارشاد فرمایا تم میں کوئی شخص اپنی مسہری پر ٹیک لگاکر یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ نے بس وہی چیزیں حرام فرمائی ہیں جو قرآن میں ہیں۔ کان کھول کر سن لو کہ بیشک بخدا میں نے حکم دیا اور وعظ کہا۔ اور بہت سی چیزوں سے منع کیا ہے، یقیناً وہ بھی (مقدار میں) قرآن کے برابر ہیں بلکہ اس سے بھی زیادہ ہیں۔

یہ جزو اول تمہید ہے اس حصہ کی جو یہاں مشکوٰۃ الآثار میں مذکور ہے۔ مُتَّكِئًا عَلٰى اَرِيْكَتِهٖ کی قید اس وجہ سے ہے کہ عموماً ضلالت وگمراہی اور فاسد خیالات کا رجحان تموّل وتنعّم ہی سے پیدا ہوتا ہے۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اُمت پر مال سے خطرہ اور اندیشہ ظاہر فرمایا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی یہ خیال نہ کرے کہ تمام اوامر ونواہی اور احکام قرآن ہی میں ہیں۔ اور اس خیال کے تحت احادیث کی جانب توجہ اور

عسه ای الاشیاء المامورة والمنهیة علی لسانی بالوحی الخفی قال تعالیٰ وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحیٰ ۱۲ ن

عمه وقد یتشکل هذا بقوله تعالیٰ ونزلنا علیك الکتٰب تبیاناً لکل شیٔ بناءً علی بقائه علی عمومه ای فیما یحتاج الیه فی الدین ویجاب بان نسبة هذا الیه صلی اللہ علیہ وسلم انما هو لکونه الذی استنبطه واستخرجه من القرآن لذا قال الشافعی کل ما حکم به رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فهو مما فهمه من القرآن ثم اخرج ما یؤیده وهو قوله صلی اللہ علیہ وسلم انی لا احل الا ما احل اللہ فی کتابه ولا احرم الا ما حرم اللہ فی کتابه قال جمیع ما تقوله الائمة شرح للسنة وجمیع السنة شرح للقرآن وقال ابن مسعودؓ اذا حدثتکم بحدیث انباتکم بتصدیقه من کتاب اللہ وعن ابن جبیر ما بلغنی حدیث علی وجهه الا وجدت مصداقه فی کتاب اللہ تعالیٰ۔ مرقاة ۱۲ نسیم احمد غازی مظاہری

التفات نہ کرے۔ جیسا کہ فرقہ اہل قرآن کا باطل عقیدہ ہے۔ بلکہ جس طرح قرآن میں احکام اَوَامِر و نَوَاہی وغیرہ ہیں احادیث میں بھی ہیں، بلکہ احادیث میں قرآن شریف سے زیادہ ہیں۔ اس تمہید کے بعد ایسی چیز ارشاد فرمائی جس کی حرمت قرآن پاک میں صراحۃً موجود نہیں ہے۔ آپنے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اس کی اجازت نہیں دی کہ اہل کتاب یعنی ذمیوں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل ہو جاؤ، یا ان کی عورتوں کو مارپیٹ کرو، یا ان کے پھل وغیرہ بغیر اجازت کھاؤ، جبتک وہ اپنے معاہدہ کو پورا کرتے رہیں۔ اور جو کچھ ان پر واجب ہے اس کو ادا کرتے رہیں۔

وَلَا ضَرْبَ نِسَاءِهِمْ کا مطلب یہ ہے کہ یہ جائز نہیں کہ تم ان کی عورتوں کو مارپیٹ کر زبردستی ان سے کھانا یا اور کوئی چیز حاصل کرو۔ اور ممکن ہے کہ ضرب جماع سے کنایہ ہو۔ تو اس صورت میں یہ معنی ہوں گے کہ تم اہل ذمہ کی عورتوں کو اپنے لئے حلال سمجھکر ان سے جماع کرو تو یہ تمہارے لئے جائز نہیں۔

وَلَا اَكْلَ ثِمَارِهِمْ۔ مسلمانوں کے باغات کے بھی اُن پھلوں کے کھانے کی دستورِ عرب کے موافق اجازت تھی جو خود بخود گرگئے ہوں۔ اس سے کسی کو یہ شبہ ہو جائے کہ ذمیوں کے باغات کے پھل کھانے کی مطلقاً اجازت ہوگی۔ اسلئے فرمایا کہ اُن کے پھل بھی بغیر ان کی رضا و اجازت کھانا حلال نہیں۔ اور جب پھل کھانا بغیر انکی اجازت جائز نہیں جنمیں کسی درجہ کی گنجائش کا شبہ بھی ہو سکتا تھا۔ تو ان کی اور چیزوں اور دیگر اموال کا بغیر اجازت لینا اور استعمال کرنا بدرجۂ اولیٰ حرام ہوگا۔

اِذَا اَعْطَوْكُمْ الخ یہ حکم اُن کے معاہد اور ذمّی ہونے کے سبب ہے۔ کیونکہ اہل ذمّہ کے متعلق اصول ہے کہ اُن کے جان و مال ہمارے جان و مال کی طرح ہیں۔ اور جب وہ جزیہ دینے سے انکار کردیں تو انکا عہد ٹوٹ جائیگا، اور اُن کا ذمہ ختم ہو جائیگا۔ اور مسلمانوں کے لئے ان کے دماء، اموال اور نساء سب چیزیں حلال ہو جائینگی۔ اور تمام احکام میں وہ اہل حرب کے مثل ہو جائیں گے۔

حضرت عرباض بن ساریہؓ

ان کی کنیت ابو نجیح السلمی (بفتح النون وکسر الجیم وبالحاء المہملہ) ہے۔ آپ اہل صفہ میں سے تھے۔ شام میں رہے۔ اور وہیں ۷۵ھ میں وفات پائی۔ اُن سے حضرت ابو امامہ باہلیؓ اور تابعین کی ایک جماعت نے احادیث نقل کیں۔

(۱۰۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے منقول ہے فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

اَرْبَعٌ خِلَالٍ مَنْ كُنَّ فِيْهِ كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ

چار عادتیں جس میں ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا وہ شخص کہ جب بات کرے جھوٹ بولے

وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ مَنْ كَانَتْ فِيْهِ
اور جب وعدہ کرے پورا نہ کرے اور جب عہد کرے تو توڑ دے اور جب جھگڑا کرے تو گالی بکے۔ جسمیں ان چاروں میں سے ایک
خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيْهِ خَصْلَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ حَتّٰى يَدَعَهَا۔
عادت ہوگی تو اس میں نفاق کی ایک عادت پائی جائیگی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ دے۔

(بخاری شریف ص۱۰ ج۱ ومسلم شریف ص۵۶ ج۱ ومشکوٰۃ شریف ص۱۷)

لغات خِلَالٌ جمع خَلَّةٌ کی عادت، خصلت، سوراخ، حاجت، محتاجی وغیرہ۔ (ن ض) دُبلا ہونا۔ سوراخ کرنا۔ خاص کرنا۔ مُنَافِقٌ دل میں کُفر چھپا کر زبان سے ایمان ظاہر کرنیوالا۔ نِفَاقٌ و مُنَافَقَةٌ مصدر، منافق کا فعل (ن س) ختم ہونا۔ مرنا۔ کم ہونا۔ سوراخ میں داخل ہونا۔ سوراخ سے نکلنا۔ كَذَبَ (ض) جھوٹ بولنا۔ غلط خبر دینا۔ وَعَدَ وَعْدًا عِدَةً مَوْعِدًا مَوْعِدَةً (ض) وعدہ کرنا (وَعِيْدًا) دھمکی دینا بڑبڑانا۔ اِيْعَادٌ وعدہ کرنا۔ دھمکی دینا۔ اَخْلَفَ وعدہ پورا نہ کرنا۔ قائم مقام کرنا وغیرہ۔ تحقیق گذر چکی۔ خَاصَمَ مُخَاصَمَةً ایک دوسرے سے جھگڑا کرنا (ض) جھگڑے میں غالب آنا۔ فَجَرَ فُجُوْرًا (ن) نافرمانی کرنا۔ گالی گلوچ بکنا۔ جھوٹ بولنا۔ زِنا کرنا وغیرہ۔ خَصْلَةٌ عادت۔ جمع خَصَائِلُ خِصَالٌ (ن) کاٹنا۔ جدا کرنا۔ مرتبہ میں بلند ہونا۔ فائق ہونا۔

ترکیب اَرْبَعُ خِلَالٍ مبتدا مَنْ كُنَّ فِيْهِ شرط كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا جزا۔ خبر۔ مَنْ اسم موصول۔ آئندہ چاروں شرط وجزا معطوفات صلہ۔ موصول وصلہ مبتدا محذوف هُوَ کی خبر۔ اگلا جملہ بھی شرط وجزا ہے۔

تشریح اس روایت میں مسلم شریف میں تقدیم وتاخیر ہے۔ اور ایک آدھ لفظ کا فرق بھی ہے۔ مشکوٰۃ شریف میں مسلم کے الفاظ ہیں۔ حدیث کا مطلب ظاہر ہے۔ کہ جس میں یہ چار عادتیں ہوں گی (جھوٹ بولنے کی عادت، وعدہ خلافی کی عادت، عہد شکنی کی عادت، جھگڑے اور غصہ میں گالیاں بکنے کی عادت) وہ شخص خالص منافق ہوگا۔ اور جس میں ان چاروں میں سے ایک عادت ہوگی اس میں نفاق کی ایک خصلت یعنی چوتھائی نفاق ہوگا۔ ہاں اس عادت کو چھوڑ دے اور تائب ہوجائے، تو وہ نفاق سے بری ہوجائیگا۔

حدیث کا مطلب ظاہر ہونے کے باوجود اس میں ایک زبردست اشکال یہ ہے کہ یہ خصلتیں بعض ایسے سچے پکے مسلمانوں میں بھی پائی جاتی ہیں جن کے قلب میں شک اور تردّد کا گذر بھی نہیں ہوتا۔ اور اس پر علمائے امّت کا اجماع ہے کہ جس کو تصدیقِ قلبی اور اقرارِ لسانی حاصل ہو، اور اس میں یہ خصلتیں بھی

موجود ہوں تو اسپر کفر کا فتویٰ نہ لگایا جائیگا، اور نہ وہ منافق مُخَلَّد فی النَّار ہوگا ...... دیکھیے حضرت یوسف علیہ السّلام کے بھائیوں میں یہ خصال پائی گئیں۔ انہوں نے یوسف علیہ السّلام سے متعلق اپنے والد کے سامنے جھوٹ بولا کہ اُن کو بھیڑیا کھا گیا (فَاَكَلَهُ الذِّئْبُ) اور اپنے والد کے پاس شام کو آکر روئے اور خلاف واقعہ اظہارِ حزن کیا (وَجَآءُوْٓا اَبَاهُمْ عِشَآءً يَّبْكُوْنَ) اسی طرح خلافِ واقعہ اظہارِ ہمدردی کرکے یوسف علیہ السّلام کو لے گئے (مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنَاصِحُوْنَ) اسی طرح انہوں نے وعدۂ حفاظت کرکے اس کی خلاف ورزی کی (وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ) اسی طرح یوسف علیہ السّلام کو کنویں میں ڈالکر اور پھر فروخت کرکے عہد شکنی کی۔ اور ان کو تکلیف دہ باتیں کہکر چوتھی خصلت کے بھی مرتکب ہوئے۔ اسی طرح بعض سلف اور علماء میں بھی یہ خصلتیں سب یا ان میں سے بعض پائی گئیں۔ اور اب تو بکثرت پائی جاتی ہیں۔ حالانکہ اہلِ حق میں سے کسی نے نہ ان کی تکفیر کی، اور نہ انپر نفاق کا حکم لگایا۔ بلکہ علماء کا ایک طبقہ اخوۃ یوسفؑ کی نبوت کا بھی قائل ہے۔ اِس اشکال کے علماء نے مختلف جوابات دیئے جن میں سے مشہور جوابات حسبِ ذیل ہیں۔

(۱) جمہور محققین اِس حدیث کے یہ معنیٰ بیان کرتے ہیں کہ یہ خصلتیں نفاق کی خصلتیں ہیں، اور جس میں یہ خصلتیں پائی جائیں وہ اِن خصال میں منافقین کے مشابہ ہیں۔ فهذا الحديث مبني على التشبيه اي من وجدت فيه هٰذه الخصال فهو كالمنافق بحذف اداة التشبيه مثل زيدٌ اسدٌ۔ اور لفظ خالصًا سے شدت و تاکیدِ تشبیہ مراد ہے۔ علامہ نوویؒ اس جواب کے متعلق فرماتے ہیں وهو الصحيح المختار۔

(۲) نفاق کی تین قسمیں ہیں۔ ایک نفاقِ اعتقادی وهو ابطان الكفر واظهار الاسلام (دل میں کفر چھپانا اور اسلام ظاہر کرنا) اس کو نفاقِ قلبی بھی کہتے ہیں۔ دوسری قسم نفاقِ عملی۔ وهو ابطان المعصية واظهار الطاعة (گناہ اور نافرمانی کو دل میں رکھکر طاعت کا اظہار کرنا) تیسری قسم نفاقِ عرفی ہے۔ وهو اختلاف السرّ والعلانية مطلقًا (ظاہر و باطن کا مختلف ہونا مطلقًا (خواہ یہ اختلاف کفر و ایمان کے اعتبار سے ہو یا معصیت و طاعت کے اعتبار سے، یا اور کسی اعتبار سے ہو)۔ اس تمہید کے بعد سمجھیے کہ یہاں نفاق سے مراد دوسری قسم یعنی نفاقِ عملی ہے۔ امام ترمذیؒ نے حدیث کے یہ معنیٰ اہلِ علم سے نقل کیے ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں (انما معنى هٰذا عند اهل العلم نفاق العمل (علماء کے نزدیک اس حدیث میں نفاق سے مراد نفاقِ عملی ہے۔ اگر غور کیا جائے تو جواب ثانی بھی جوابِ اول کے مثل ہے۔ فرق صرف تعبیر کا ہے واطلاق النفاق على العملي كاطلاق الكفر على بعض كبائر الذنوب في نحو قوله عليه الصّلوٰة والسّلام سِبَابُ المُسلِمِ فسوق وقتاله كفر۔

(۳) اس حدیث میں منافق سے مراد منافقِ عرفی ہے۔ (وهو من يخالف سرّهٗ علنهٗ مطلقًا) کیونکہ جن خصلتوں سے ظاہر و باطن کی مخالفت درجۂ کمال کو پہونچتی ہے وہ ان چار مذکورہ خصلتوں سے زائد

نہ ہوگی۔ چنانچہ لفظ خالصاً سے اسی درجۂ کمال کو بیان فرمایا گیا ہے۔ اور ومن کانت فیہ خصلۃ سے بھی اسی مطلب کی تائید ہوتی ہے۔ لیکن اس میں اشکال یہ ہے کہ دوسری حدیث کو (جسمیں منافق کی تین علامات بیان کی گئی ہیں) اس کے ساتھ ملاکر مجموعی تعداد ان کی پانچ ہوتی ہے۔ جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا، عہد شکنی کرنا، جھگڑے کے وقت گالی گلوچ کرنا۔ لہٰذا تکمیلِ نفاق چار خصلتوں میں منحصر نہ ہوئی۔ اسلئے علامہ نوویؒ نے شرح مسلم میں فرمایا ہے کہ عہد شکنی (اذا عاھد غدر) خیانت (اذا اؤتمن خان) میں داخل ہے۔ اس طرح کل خصلتیں چار ہی رہ گئیں۔ لیکن ایسی تاویلات تو اور بھی ہو سکتی ہیں۔ مثلاً وعدہ خلافی۔ کیونکہ ایک قسم کا جھوٹ ہی ہے۔ اسلئے اس کو جھوٹ میں داخل کردیں تو علاماتِ نفاق کی تعداد کل تین ہی رہ جاتی ہے۔ بلکہ خیانت بھی وعدہ خلافی کی طرح جھوٹ ہی کی ایک قسم ہے لہٰذا اس کو بھی جھوٹ میں داخل کردیں تو علامات وخصالِ نفاق دو رہ جائیں گی۔ اور فجور (گالی گلوچ) بھی جھوٹ میں داخل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ واقعۃً یا تو وہ گالی جھوٹ ہے۔ یا کم از کم گالی گلوچ کرنیوالا اظہارِ اسلام واطاعت میں جھوٹا ہے۔ اسوجہ سے کہ گالی دینا مسلم ومطیع کی شان کے خلاف ہے۔ لہٰذا نفاق کی ایک خصلت وعلامت رہ گئی۔ اسوجہ سے صحیح یہی ہے کہ علامات وخصالِ نفاق پانچ ہی ہیں۔ جیساکہ دونوں حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے۔ (حدیثِ ثانی کا ذکر عنقریب صراحۃً آرہا ہے۔) لہٰذا جواب میں مذکورہ علت وحکمت کے بکھیڑے کی ضرورت نہیں۔ بس اتنا کہدینا جواب کے لئے کافی ہے کہ حدیث میں منافق سے مراد منافقِ عرفی ہے۔ اور خالصاً کا لفظ مبالغۃً للاکثر حکم الکل کے اعتبار سے وارد ہوا ہے۔

(۴) اویکون نفاق مرتکب ھٰذہ الخصال فی حقّ من حدثہٗ ووعدہٗ وأتمنہٗ وخاصمہٗ وعاھدہٗ من الناس لا انہٗ منافق فیظھرھا وھو یبطن الکفر ولم یرد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بھٰذا انہٗ منافق نفاق الکفار المخلدین فی الدّرک الاسفل من النار۔ وھٰذا المعنیٰ قریبٌ من معنی الثالث۔

(۵) یہ چار چیزیں بطورِ عادت واِصرار صرف منافق ہی میں جمع ہو سکتی ہیں۔ مؤمن کی شان سے بعید ہے کہ اس کے اندر یہ چاروں خصلتیں بیک وقت جمع ہوجائیں۔ اور اگر کسی مؤمن میں جمع بھی ہوجائیں تو یہ نہ ہوگا کہ وہ اصرار واستمرار کے ساتھ اُن کو اپنی عادت بنالے۔ قالہ التورپشتیؒ۔

(۶) علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث کا منشاء ان قبیح عادتوں سے مسلمانوں کو زجر وتحذیر اور احتیاط کی تعلیم دینا ہے۔ اسوجہ سے کہ اس بات کا سخت اندیشہ ہے کہ یہ عادتیں اپنے مرتکب کو حقیقتِ نفاق تک پہونچادیں۔

(۷) علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ مضمونِ حدیث کو نفاق کی کسی قسم کے ساتھ خاص نہ کیا جائے بلکہ

عام رکھا جائے اور مراد اس سے نہایت بلیغ و مؤکد انداز میں مسلمانوں کو آگاہ کرنا ہے، کہ یہ چاروں چیزیں نفاق کے سرچشمے اور بدترین کافرانہ خصلتیں ہیں۔ دراصل ان چاروں میں سے ہر ایک ربّ الارباب و مسبب الاسباب کی بارگاہ میں سخت گستاخی۔ استہزاء اور دھوکہ کے ہم معنیٰ ہے ہرگز کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں کہ وہ اِن کا مرتکب ہوکر کفر و نفاق کے گہرے غار میں جا گرے۔ گویا یہ چاروں خصلتیں نفاق کے چار دروازے ہیں۔ جو جانور چراگاہ کے آس پاس چرتا ہے وہ چراگاہ میں بھی داخل ہو جاتا ہے جو نفاق کے ان چاروں دروازوں تک پہونچ جائے، اس کا حدودِ نفاق میں پہونچ جانا بعید نہیں۔ الحاصل یہ خلالِ اربعہ مفضی الی النفاق ہیں۔ اس لئے اس حدیث میں اُن سے بچنے کی تاکید بلیغ فرمائی گئی۔ اور تقریباً یہی منشاء ہے اُن لوگوں کا جنہوں نے حدیث کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ الحدیث محمول علی من غلبت علیہ ھٰذہ الخصال لانھا مفضیۃ الی النفاق فی المآل۔

(۸) علماء کی ایک جماعت کہتی ہے کہ اس سے مراد وہ منافقین ہیں جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے کہ انہوں نے اپنے ایمان کے بارے میں جھوٹ بولا جس کو سورۂ منافقون میں بیان فرمایا گیا۔ اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ۔ (جب آپکے پاس منافق آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم (دل سے) گواہی دیتے ہیں کہ بیشک آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور اللہ کو معلوم ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ جانتے ہیں کہ منافقین جھوٹے ہیں)

اور اُنہوں نے امرِ دین میں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نُصرت کرنے میں اور بہت سی چیزوں میں وعدہ کر کے اُس کی خلاف ورزی کی۔ بیشمار وعدہ خلافیوں میں سے ایک وعدہ خلافی کو دسویں پارہ کے پندرھویں رکوع میں بیان فرمایا گیا ہے۔

اور امانت میں خیانت انہوں نے یہ کی کہ اللہ نے جو ایک خاص امانت انسان کے پاس رکھی تھی اُس کو انہوں نے ضائع کر دیا۔ جس کو اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَةَ عَلَى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الخ میں بیان فرمایا گیا۔ (اور وہ اللہ کی محبت و معرفت اور ایمان و عبادت ہے۔ اور اُن کا فجور تو ہر معاملہ اور ہر خصومت میں ظاہر ہوتا ہی رہتا تھا۔ یہ قول حضرتِ سعید بن جبیرؒ، حضرتِ عطاء بن ابی رباحؒ، حضرت ابن عباسؓ حضرتِ ابن عمرؓ وغیرہم کا ہے۔ قاضی عیاضؒ کہتے ہیں کہ ہمارے اکثر ائمہ کا میلان اسی طرف ہے۔ حضرتِ حسن بصریؒ اِس بات کے قائل تھے کہ جو اِن خصال کا مرتکب ہوگا وہ واقعی منافق ہو جائیگا۔ لیکن انہوں نے پھر اس سے حضرتِ سعید بن جبیرؒ وغیرہ کے قول کی طرف رجوع کر لیا۔ رجوع کرنے کی وجہ یہ بیان کی گئی ہے کہ حضرتِ عطاءؒ کو جب یہ معلوم ہوا کہ اِن امورِ مذکورہ کے مرتکب کو حضرتِ حسن بصریؒ منافق کہتے ہیں تو انہوں نے کسی کے ذریعہ اُن کے پاس یہ کہلوا بھیجا کہ یہ خصلتیں تو یوسف علیہ السلام کے بھائیوں میں

بھی پائی گئیں، تو کیا آپ ان کو بھی منافق سمجھتے ہیں۔ حضرت عطاؒ کی اس تنبیہ پر حضرت حسن بصریؒ مسرور ہوئے، اور اپنے قول سے رجوع کرلیا۔

نقل ہے کہ حضرت مقاتلؒ نے حضرت سعید بن جبیرؒ سے کہا کہ اِس حدیث (اٰیۃ المنافق ثلٰث اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا ائتمن خان) نے میری زندگی خراب کردی ہے۔ اسلئے کہ میرا خیال ہے کہ میں ان امور سے بچ نہ سکوں گا۔ حضرت سعیدؒ ہنسے اور فرمایا کہ مجھ کو بھی اسی حدیث نے فکرمند کردیا تھا تو میں نے حضرت ابن عمرؓ و ابن عباسؓ سے معلوم کیا تو وہ دونوں حضرات ہنس پڑے اور فرمایا کہ ہم کو بھی اس حدیث نے مبتلائے غم کردیا تھا تو ہم نے اس کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو آپ نے ہنس کر ارشاد فرمایا کہ تمہارا اس سے کیا تعلق ہے۔ دیکھو میں نے جو اذا حدث کذب کہا تو اس کا مصداق وہ ہے جس کو اللہ نے مجھ پر نازل فرمایا یعنی واللہ یشھد ان المنٰفقین لکٰذبون ۰ اور اذا وعد اخلف سے مراد وہ ہے جو قولِ باری فاعقبھم نفاقاً فی قلوبھم الاٰیۃ میں ہے اور اذا ائتمن خان سے انا عرضنا الامانۃ الاٰیۃ کی طرف اشارہ ہے۔ اور تم لوگ تو اس سے بری ہو۔ مطلب یہ ہے کہ مضمونِ حدیث سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دور کے منافقین مراد ہیں۔

(۹) بعض علماء سے یہ بھی منقول ہے کہ حدیث کسی خاص منافق کے بارے میں وارد ہے۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادتِ مبارکہ تھی کہ خاص شخص کو خطابِ عام کے طور پر نصیحت فرماتے تھے۔ مثلاً کسی خاص شخص کو کہنا مقصود ہے تو آپ فرمایا کرتے تھے مَا بَالُ اقوامٍ یفعلون کذا (لوگوں کو کیا ہوگیا کہ ایسا کرتے ہیں) یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ آپ نے اُس خاص شخص کا نام نہیں لیا۔ عام الفاظ ارشاد فرمائے۔ کیونکہ ترکِ تصریح نصیحت میں زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔ پھر اس سے فضیحت و پردہ دری اور لوگوں کے سامنے اس کی رسوائی بھی نہیں ہوتی۔ نیز یہ طرزِ نصیحت کیونکہ انتہائی مشفقانہ ہے تو ممکن ہے کہ وہ اُس کی توبہ و ایمان کا ذریعہ بنجائے۔ اور جس کو اس طور پر نصیحت ہو رہی ہے اس کے دل میں نفرت و جذبۂ دشمنی بھی نہ اُبھریگا۔ واللہ اعلم

(ف) امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اسپر علمائے اُمّت کا اجماع ہے کہ جو دشمن کسی انسان سے ایسا وعدہ کرے جو شرعاً ممنوع نہو، اس کا ایفاء کرنا چاہیئے۔ لیکن اِس ایفاء کے وجوب و استحباب میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ حضرت امام شافعیؒ و حضرت امام ابو حنیفہؒ اور جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ ایفائے وعدہ مستحب ہے۔ اگر ایفائے وعدہ نہ کیا تو کوئی گناہ نہیں۔ ہاں کیونکہ وعدہ خلافی شانِ مؤمن کے خلاف ہے اسلئے سخت مکروہ ہے۔ اور اگر وعدہ خلافی سے دوسرے شخص کی ایذا رسانی کا قصد ہے تو گناہ بھی ہے۔ یعنی ایذا رسانی کے قصد کا گناہ ہوگا۔ یہ تفصیل جب ہے کہ وعدہ کیساتھ انشاء اللہ یا عسٰی (توقع) یا اس کے ہم معنی کوئی لفظ کہدیا ہو۔ لیکن اگر جزماً وعدہ کیا ہو تو اس کا ایفاء ضروری اور بلا عذر

ایفاء نہ کرنا گناہ ہوگا۔ خصوصاً جبکہ اس سے کسی کو اذیت پہونچے۔ کیونکہ ایذائے مسلم حرام ہے۔ اور اگر وعدہ کے وقت پورا نہ کرنیکا عزم اور پختہ ارادہ تھا تو یہ وہ نفاق ہے جس کا بیان اوپر ہوا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ اور علماء کی ایک جماعت اس کی قائل ہے کہ ایفائے وعد مطلقاً واجب ہے۔

(ف ۲) وعد کا لفظ خیر و شر دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ کہتے ہیں وَعَدْتُہٗ خَیْرًا وَوَعَدْتُہٗ شَرًّا۔ لیکن جب لفظ وعد کے ساتھ خیر یا شر کا ذکر نہ کیا جائے تو خیر میں وَعْدٌ، وَعْدَۃٌ، عِدَۃٌ کا استعمال ہوتا ہے۔ اور شر میں اِیْعَادٌ اور وَعِیْدٌ کا لفظ۔ یہ بھی یاد رکھیئے کہ وعدہ کا پورا کرنا اکثر کمال شمار ہوتا ہے۔ اور وعید کا پورا نہ کرنا عموماً بہتر سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ؎

وَاِنِّیْ وَاِنْ اَوْعَدْتُہٗ اَوْ وَعَدْتُہٗ ⁂ لَمُخْلِفُ اِیْعَادِیْ وَمُنْجِزُ مَوْعِدِیْ

(میں جب دھمکاتا ہوں اس کو یا اس سے وعدہ کرتا ہوں تو اپنے دھمکانے کی خلاف ورزی کرتا ہوں اور وعدہ پورا کرتا ہوں۔)

(ف ۳) اس حدیث میں تو نفاق کی چار خصلتوں کا ذکر ہے۔ دوسری حدیث میں (جس کا ذکر بالتصریح اسی حدیث کی شرح میں جواب (۸) میں گذرا) تین علامات کا ذکر ہے جس سے تین میں حصر سمجھ میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔

(۱) علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم میں ہر آن اضافہ ہوتا رہا ہے۔ ممکن ہے کہ پہلے آپؐ کو نفاق کی تین علامتوں کا علم ہوا ہو، تو آپ نے تین کی خبر دیدی ہو، اور پھر چار کا علم ہوا تو آپ نے چار بتلادیں۔

(۲) بعض علماء کہتے ہیں کہ علامت و خصلت میں فرق ہے۔ بعض مرتبہ ایک شئی کی بہت سی علامات ہوتی ہیں۔ اور ہر علامت سے ایک صفت و خصلت حاصل ہوتی ہے۔ اور بعض مرتبہ ایک شئی کی کئی علامتیں ہوتی ہیں۔ اور سب مل کر ایک خصلت حاصل ہوتی ہے۔ اور دونوں حدیثوں میں صرف خصلتوں کا یا صرف علامتوں کا ذکر نہیں، بلکہ ایک میں خصال کا اور دوسری میں آیت (علامت) کا ذکر ہے۔ فلا منافاۃ بینہما۔

(۳) ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مفہوم عدد اور استیعاب و حصر مقصود نہیں، بلکہ ان حدیثوں میں موٹی موٹی اور بنیادی علامات و خصائل کا بیان مقصود ہے۔ نیز بعض اوقات میں بعض علامات اور بعض اوقات دیگر علامات کا بیان ہوا ہے۔ اور صحیح ملا علی قاریؒ ہی کا قول ہے کہ ان حدیثوں سے علامات و خصائل نفاق کا حصر مقصود نہیں۔ چنانچہ قرآنی آیات اور حدیثی روایات میں نفاق کی اور بہت سی علامات مذکور ہیں۔ جن کا احاطہ اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ بطور مثال چند علامات پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

(۱) جہاد کے موقع پر جھوٹی قسمیں کھاکر جان بچالینا۔ (۲) اگر شریک جہاد ہوں تو اس میں فتنہ پردازی کی فکر رکھنا۔ (۳) مسلمانوں کی خوشی میں ناخوش ہونا اور انکی ناخوشی میں خوش ہونا۔

(۴) نمازوں میں کاہلی سے شریک ہونا۔ (۵) اگر راہِ خدا میں مجبوراً خرچ کرنا پڑے تو بے دلی سے خرچ کرنا۔
(۶) اپنی دورخی پالیسی کیوجہ سے ہروقت ڈرتے اور سہمتے رہنا اور اس پس وپیش میں رہنا کہ فتح ونصرت کے جو وعدے مسلمانوں سے کیئے گئے ہیں کہیں وہ پورے نہو جائیں۔ (۷) مسلمانوں اور رسولِ خدا پر نکتہ چینی کرنا۔
(۸) ان کی خوشی وناخوشی کا مدار متاعِ دنیوی کے ہونے یا نہونے پر ہونا۔ (۹) اللہ ورسول کے ساتھ استہزار کرنا، اور جب تحقیق ہوجاتے تو مذاق اور تفریح کا بہانہ بنا دینا۔ (۱۰) ان کا اصل تعلق اپنے ہم جنسوں (منافقین) سے ہونا۔ (۱۱) بُرائی کا حکم کرنا اور بھلائی میں آڑے آنا۔ (۱۲) اللہ کے عہد کو توڑنا۔
یہ سب علامات سورۂ براءت میں مذکور ہیں۔ لیکن جب آپ ان جملہ خصائل میں غور کریں گے تو معلوم ہوگا کہ یہ بالکل وہی خصائل ہیں جو مذکورہ حدیثوں میں بیان ہوچکی ہیں (دروغ گوئی، وعدہ خلافی، عہد شکنی وخودغرضی بداخلاقی وخباثت، بے ایمانی وخیانت) اسی لیئے خصائلِ مذکورہ کو منافق کی علامات قرار دیدیا گیا۔ اور جسمیں یہ خصلتیں جمع ہوجائیں اس کو تنبیہ کردیگئی کہ اب اس کا نقشۂ زندگی ٹھیک ٹھیک منافق کے برابر ہوگیا ہے، اگر وہ مدعیِ ایمان ہے تو اس کو اپنی زندگی کا نقشہ بدلنا چاہیئے۔
(ف۴) مولانا بدرِ عالمؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ کسی کلام کا مفہوم سمجھنے کیلئے اس کے ماحول کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ ان احادیث کو بھی اسی ماحول میں پڑھیئے، جبکہ ایک طرف منافقین کی جماعت تھی جو ان مذموم خصائل میں سرتاپا غرق تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کی وہ جماعت جو ان حرکات کو انتہائی نفرت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ ان حالات میں ان احادیث میں کسی بحث کی ضرورت ہی نہ تھی۔ لیکن ہمارے دورِ انحطاط میں ایک قدیم العہد مسلمان میں بھی جب یہ خصائل موجود نظر آنے لگے، تو بلاشبہ معاملہ قابلِ بحث بن گیا۔ اور نفاقِ اصلی وعملی کی تقسیمیں کرنی پڑیں۔ یہ تقسیم گو پہلے سے موجود تھی مگر سلف کی نظروں میں عملی نفاق بھی اصلی نفاق کے برابر نظر آتا تھا اسلیئے وہ اس تقسیم کے قائل نہ تھے۔ وہ اسلام کے مجموعۂ اعمال کو اسلام سمجھتے تھے۔ اور کفر ونفاق کی ایک ایک خصلت سے انتہائی بیزار ہونے کے سبب تقسیمیں اور تاویلیں کرنا اُن کے مذاقِ بلند کے خلاف چیزیں تھیں۔ اس قسم کی حدیثوں کا اصل منشاء اسپر تنبیہ ہے کہ مسلمان کو ہرگز زیبا نہیں کہ وہ اپنی زبان سے تو اسلام وایمان کا دعوٰی کرتا رہے، اور اُس میں کھلے ہوتے منافق کی علامتیں بھی پائی جائیں۔ اِسلیئے لازم ہے کہ وہ نفاق کی ایک ایک خصلت سے بیزار ہو، اگر وہ اسلام کا مدعی ہے تو اپنے ظاہر وباطن میں پوری یک رنگی پیدا کرے۔ اور اپنے نقشۂ عمل کو ایسا بدنما ہونے سے بچائے جسے دیکھکر یہ حکم لگانا درست ہو کہ یہ ٹھیک ایک منافق کا نقشۂ عمل ہے۔

اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنَ النِّفَاقِ وَالشِّقَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ
(آمین)

(۱۰۳) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَاءٌ
حضرت انس رضی اللہ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہر عہد شکن (غدار) کیلئے
یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُرٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ یُعْرَفُ بِہٖ (وَفِیْ رِوَایَۃٍ یُنْصَبُ بِغَدْرَتِہٖ)
قیامت کے دن ایک جھنڈا ہوگا دکھلا یا جائیگا قیامت کیدن پہچانا جائیگا اس سے، اور ایک روایت میں ہے کہ وہ جھنڈا کھڑا کیا جائیگا اس کے غدر کے موافق۔ (بخاری شریف ص۴۵۲)

(۱۰۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ قَتَلَ
حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتے ہیں آپ نے ارشاد فرمایا کہ جو کسی ایسے
نَفْسًا مُعَاھِدَۃً لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِہٖ فَقَدْ اَخْفَرَ بِذِمَّۃِ اللّٰہِ
معاہد کو قتل کر دے جس کیلئے اللہ کا ذمہ ہے اور اسکے رسول کا عہد ہے تو اس نے اللہ کے عہد کو توڑ دیا
فَلَا یُرِحْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ وَاِنَّ رِیْحَھَا لَتُوْجَدُ مِنْ مَسِیْرَۃِ سَبْعِیْنَ
لہٰذا وہ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیگا حالانکہ اسکی خوشبو ستر سال چلنے کی دوری سے پائی جاتی ہے۔
خَرِیْفًا۔
(ترمذی شریف ص۱۶۵ ج۱)

(۱۰۵) وَقَالَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاھِدًا اَوِ انْتَقَصَہٗ
اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار جو شخص کسی معاہد (ذمی یا مستامن) پر ظلم کریگا یا اسکا حق کم کریگا
اَوْ کَلَّفَہٗ فَوْقَ طَاقَتِہٖ اَوْ اَخَذَ مِنْہُ شَیْئًا بِغَیْرِ طِیْبِ نَفْسٍ فَاَنَا
یا اُس کی طاقت سے زیادہ اُس کو تکلیف دیگا یا اس سے بغیر اسکی پوری رضامندی کے کوئی چیز لیگا تو میں
حَجِیْجُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ۔
قیامت کے دن اُس سے جھگڑونگا۔ (مشکوٰۃ شریف باب الصلح ص۳۵۴)

لغات لِوَاءٌ جھنڈا۔ اور یہ رَایَۃ سے چھوٹا ہوتا ہے۔ لِوَاء کو لِوَاء اس وجہ سے کہتے ہیں کہ بڑا ہونیکی وجہ سے موڑ کر رکھا جاتا ہے، اور ضرورت ہی کے وقت کھولا جاتا ہے ج اَلْوِیَۃٌ و اَلْوِیَاتٌ (ض) موڑنا خمیدہ کرنا (س) مڑنا خمیدہ ہونا۔ اور بھی بہت سے معنی آتے ہیں۔ یَنْصَبُ (ض) کھڑا کرنا،

ے قولہ اوانتقصہ ای نقص حقہ وقال الطیبیؒ ای عابہ وقذفہ اوکلفہ ای فی اداء الجزیۃ والخراج فوق طاقتہ بان اخذ ممن لا یجب علیہ او اکثر مما یجب علیہ اوفوق نصف العشر من الذمی اوفوق عشر مال تجارۃ المستامن اواخذ منہ شیئًا تعمیم لہم اوتخصیص تاکید فانا حجیجہ ای خصمہ ومحاجہ ومغالبہ باظہار الحجج علیہ والحجۃ الدلیل والبرھان۔ واللہ اعلم ۱۲
نسیم احمد غازی مظاہری

مقرر کرنا۔ اَخْفَرَ عہد توڑنا، بے وفائی کرنا۔ (ن ض) پناہ دینا، حفاظت کرنا، امن دینا، عہد توڑنا، بیوفائی
کرنا، عہد پورا کرنا، پناہ دینے کی اُجرت لینا۔ (س) شرمیلا ہونا۔ خَفِیر بروزن فقیر، پناہ دیا ہوا، پناہ
دینے والا۔ حمایت و حفاظت کرنیوالا۔ ج خُفَرَاء۔ فَلَا یُرِحْ باب افعال سے بو محسوس کرنا، بھلائی حاصل
کرنا۔ پانا۔ (س) کسی کام کے لیے بخوشی متوجہ ہونا۔ آرام پانا۔ رَائِحَۃ۔ رَائِحٌ کا مؤنث، بُو۔ ج رَائِحَاتٌ
وَرَوَائِحُ۔ رِیْحُھَا۔ رِیْحٌ ہوا، مؤنث ج اَرْیَاحٌ وَاَرْوَاحٌ وَرِیَاحٌ وَرِیَحٌ۔ جج اَرَاوِیْحُ وَ اَرَایِیْحُ۔ بُو۔ اچھی
چیز، رحمت، مدد، غلبہ و قوت۔ ہوائیں چار ہیں۔ الجنوب دکھنی ہوا۔ الشمال اُتری ہوا۔ الصَّبا پُروائی ہوا
الدَّبور پچھوائی ہوا۔ خَرِیْفًا موسم خریف، گرمی اور جاڑے کے درمیان کا زمانہ۔ موسم خریف کی بارش،
یہاں سال مراد ہے۔ (ن) چُننا۔ (س) بڑھاپے کی وجہ سے فاسد العقل ہونا۔ تَکَلُّفٌ دشوار کام کا حکم دینا
(س) چہرہ کا جھائیں والا ہونا، عاشق زار ہونا، مشقت پر برانگیختہ کرنا۔ طِیْبٌ (ض) لذیذ ہونا، میٹھا ہونا۔
اچھا اور عمدہ ہونا۔ حَجِیْجُہٗ دلیل میں غالب آنیوالا (ن) دلیل میں غالب آنا، قصد کرنا۔ سلائی لگا کر
زخم دیکھنا۔

ترکیب

(۱۰۳) لِکُلِّ غَادِرٍ جار مجرور متعلق کائن کے خبر مقدم۔ لِوَاءٌ موصوف اپنی صفت کائن یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ سے ملکر مبتدا مؤخر۔ یا یوم القیٰمۃ ظرف خبر ہے۔ یُرٰی فعل مجہول اپنے نائب فاعل ومفعول فیہ سے مل کر جملہ الگ۔ اسی طرح یُعْرَفُ بِہٖ جملہ اسی طرح یُنْصَبُ بِہٖ بھی ہے۔

(۱۰۴) مَنْ برائے شرط۔ قَتَلَ فعل ضمیر ہو فاعل نَفْسًا اپنی دونوں صفتوں (معاھدۃ اول۔ اور ذِمَّۃَ اللّٰہِ اپنے معطوف سے ملکر مبتدا۔ لَہٗ کَائِنَۃٌ سے ملکر خبر۔ جملہ اسمیہ صفت ثانی) سے مل کر جملہ فعلیہ شرط، فَقَدْ الخ جملہ فعلیہ جزا۔ فَلَا یُرِحْ رَائِحَۃَ الْجَنَّۃِ جملہ جزا پر عطف یا مستقل جزا۔ وَاِنَّ الخ جملہ حالیہ۔

(۱۰۵) مَنْ شرط ظَلَمَ فعل، فاعل، مفعول بہ معطوف علیہ اپنے اگلے تینوں معطوفوں سے ملکر شرط۔ فَاَنَا حَجِیْجُہٗ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ جملہ اسمیہ جزا۔

تشریح

(۱۰۳) زمانۂ جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص عہد شکنی و غدّاری کرتا تھا تو اُس کو مشہور کرنے کے لئے ایامِ حج میں خصوصی نشان اُٹھایا جاتا اور عَلَم بلند کر کے اُس کو رُسوا کیا جاتا تھا، تو لوگ رُسوائی سے بچنے کے لئے عہد شکنی سے بچتے تھے۔ اِس حدیث میں جو لواء کا بیان ہے اس سے مقصود یہی ہے کہ غدّار کو قیامت کے دن اولین و آخرین کے سامنے رُسوا کیا جائیگا۔ اور سب کے سامنے اس کی عہد شکنی اور غداری کو فاش اور مشہور کیا جائیگا۔ خواہ اُس کا طریقہ کچھ بھی ہو۔ اس رسوائی کو ذہنوں سے قریب تر کر کے سمجھانے کے لئے متعارف طریقہ اختیار

فرمایا گیا۔ لیکن صحیح یہی ہے کہ اس کے حقیقی معنیٰ ہی مراد ہیں۔ کیونکہ جب تک حقیقی معنیٰ مراد ہو سکتے ہوں مجازی معنیٰ مراد لینا اچھا نہیں۔ اس سلسلہ کی احادیث میں وارد ہونیوالے الفاظ بعض روایات میں ینصب بغدرتہٖ ہیں۔ (اس کی عہد شکنی کے موافق وہ جھنڈا نصب کیا جائیگا۔ یعنی جس قدر بڑی غداری ہوگی اتنا ہی بڑا اس کی رسوائی کا نشان بلند ہوگا)۔ اسی طرح ایک روایت میں عند استہٖ ہے (اس کے چوتڑ کے پاس، یعنی جھنڈا غدار کے پیچھے گاڑا جائیگا، تاکہ رسوائی زیادہ ہو) اس قسم کے سب الفاظ معنیٰ حقیقی کے مؤید ہیں۔ واللہ اعلم

(۱۰۴) جو کفار دارالاسلام میں جزیہ دیکر رہتے ہیں یا دارالاسلام میں ویزہ اور اجازت سے تجارت کی غرض سے آتے ہیں وہ معاہد کہلاتے ہیں۔ قسمِ اول کو ذمی اور اہلِ ذمہ کہتے ہیں۔ اور قسمِ ثانی کو مستامن کہتے ہیں۔ کیونکہ ان لوگوں کی جان و مال کی حفاظت کا مسلمانوں سے معاہدہ ہوتا ہے۔ اسلئے دونوں قسم کے کفار کو معاہد کہتے ہیں۔ ان کے جان و مال، مسلمانوں کے جان و مال کی طرح مامون و مصون ہوتے ہیں، لہٰذا جو شخص ان میں سے کسی کو ناحق قتل کردے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ اور شرعی عہد میں دست درازی اور غداری کی۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جرم کی سزا یہ ارشاد فرمائی کہ اس کا جنت میں داخل ہونا تو درکنار اس کو جنت کی خوشبو بھی نہ پہونچیگی، جبکہ جنت کی خوشبو اتنی دور تک پہونچتی ہے کہ آدمی وہاں سے ستر سال چلے تب جنت میں پہونچے۔ یاد رکھیئے کہ اگر اس قتل کو اس نے حلال سمجھا ہے تو وہ شخص کافر ہوگیا۔ کیونکہ حرام کو حلال اعتقاد کرنا کفر ہے۔ اور اگر حرام سمجھتے ہوئے اس جرم کا مرتکب ہوا ہے، تو اس کا ایمان خطرہ کی حد تک پہونچ گیا۔ اور کم از کم دخولِ اوّلی سے محروم ہوگیا۔ گو سزا بھگت کر وہ جنت میں داخل ہوجاتے۔ مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اسپر رحم فرماکر دخولِ اوّلی نصیب فرمادیں۔ تو یہ دستور سے بالاتر محض فضل و کرم ہوگا۔ کیونکہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ دوسری بات یہ یاد رکھیئے کہ سبعین خریفاً تحدید کے لئے نہیں بلکہ تکثیر کے لئے ہے۔ لہٰذا کسی روایت میں اگر اس سے کم یا زیادہ عدد کا ذکر ہو تو اس سے تعارض کا اشکال پیش نہ آویگا۔

(۱۰۵) اس حدیث میں بھی عہد کی خلاف ورزی پر سخت وعید مذکور ہے۔ جبکہ اہلِ ذمہ اور مستامن کی جان و مال کی حفاظت کا عہد کیا جاچکا تو اس کی خلاف ورزی نقضِ عہد اور کھلی ہوئی غداری ہوگی۔ ان کی حق تلفی کرنا، یا کسی حاکم کا ان کو ان کی طاقت سے زیادہ کا حکم دینا یعنی جزیہ اور ٹیکس وغیرہ جو اُن سے طے ہے اس سے زیادہ وصول کرنا۔ یا بغیر ان کی مکمل رضامندی کے ان کا مال لے لینا یہ سب چیزیں معاہدہ کے خلاف اور غداری و عہد شکنی میں داخل ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر دی کہ قیامت کے دن میں غداروں کا ساتھ نہ دونگا۔ بلکہ جن کے ساتھ غداری کی گئی میں ان کی طرف سے

غداروں کے مقابلہ میں بارگاہِ حق میں کھڑا ہو کر غداروں کا مقابلہ کرونگا۔ اور معاہد کی طرف سے دعویٰ دائر کرکے اس کے حقوق دلواؤنگا۔

وَالصّٰبِرِیْنَ

فِی الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِیْنَ الْبَاْسِ ط اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

میں تعریف کرتا ہوں سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کیوقت صبر کرنیوالوں کی وہی لوگ سچے ہیں۔ اور وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

(۱۰۶) عَنْ اَنَسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ اُخِفْتُ فِی اللّٰهِ وَمَا یُخَافُ اَحَدٌ وَلَقَدْ اُوْذِیْتُ فِی اللّٰهِ وَمَا یُؤْذٰی اَحَدٌ وَلَقَدْ اَتَتْ عَلَیَّ ثَلٰثُوْنَ مِنْ بَیْنِ لَیْلَةٍ وَیَوْمٍ وَمَالِیْ وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ یَّاْكُلُهٗ ذُوْكَبِدٍ اِلَّا شَیْءٌ یُّوَارِیْهِ اِبْطُ بِلَالٍ۔ (ترمذی ص۲۲ ج۲ ومشکوٰۃ ص۴۴۸)

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ یقیناً مجھ کو اللہ کے (دین کے) بارے میں ڈرایا گیا (درانحالیکہ) کوئی ڈرایا نہ جاتا تھا اور بیشک میں ستایا گیا ہوں اللہ کے (دین کے) بارے میں درانحالیکہ کوئی ستایا نہ جاتا تھا اور واقعی مجھ پر متواتر تیس رات دن ایسے گذرے ہیں کہ میرے اور بلال کے پاس کھانے کی کوئی ایسی چیز نہ تھی جس کو کوئی جاندار کھا سکے مگر اتنی کہ جس کو بلال کی بغل چھپالے۔

ترکیب لَقَدْ اُخِفْتُ فعل با فاعل فِی اللّٰهِ متعلق جملہ فعلیہ وَمَا یُخَافُ فعل مجہول اَحَدٌ نائب فاعل جملہ فعلیہ حالیہ۔ اسی طرح اگلا جملہ ہے۔ لَقَدْ اَتَتْ فعل عَلَیَّ متعلق۔ ثَلٰثُوْنَ موصوف یا ذوالحال۔ مِنْ اپنے مجرور سے مل کر متعلق محذوف صفت یا حال۔ جملہ فعلیہ۔ مَا مشابہ بلیس لِیْ وَلِبِلَالٍ کائنا کے متعلق ہو کر خبر مقدم طَعَامٌ موصوف یَاْكُلُ فعل اپنے مفعول ہٗ اور فاعل ذُوْكَبِدٍ سے مل کر جملہ فعلیہ صفت طعام کی۔ موصوف وصفت مستثنیٰ منہ شَیْءٌ موصوف یُوَارِیْ مفعول بہ اور فاعل اِبْطُ بِلَالٍ سے مل کر جملہ فعلیہ صفت۔ موصوف وصفت مستثنیٰ۔ مستثنیٰ منہ ومستثنیٰ اسم مَا ہوا۔ مَا اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ اسمیہ حالیہ۔

تشریح حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بطور حکایتِ حال وتحدیثِ نعمت نہ کہ بطور شکایت ارشاد

فرمایا کہ مجھ کو اللہ کے دین کے اظہار و تبلیغ میں اسوقت ڈرایا گیا جبکہ میرے ساتھ کوئی دوسرا نہ تھا۔ اور مجھ کو راہِ خدا میں اسوقت ستایا گیا جبکہ میں اکیلا تھا۔ فطرتِ انسانی کا تقاضا ہے کہ جب کسی مصیبت میں انسان اکیلا ہوتا ہے۔ تو اس کو احساس بھی زیادہ ہوتا ہے۔ اور اگر دوسرے ابنائے جنس اس کے شریکِ حال ہوتے ہیں تو مصائب آسان ہوجاتی ہیں اِذَا عَمَّتِ الْبَلِیَّۃُ طَابَتْ۔ مطلب یہ ہے کہ جب میں تن تنہا دعوتِ دین دیتا ہوا ڈرایا جارہا تھا اور راہِ حق میں مجھے اکیلے کو کفار ستارہے تھے، حق تعالیٰ نے مجھے صبر کی توفیق عطاء فرمائی، یہ اللہ کا فضل ہے۔ اے میری امت والو! اگر تم کو کوئی مصیبت پیش آئے تو تم بھی میری اتباع میں صبر و استقلال سے کام لینا۔ اور ایک اللہ کی مدد کے بھروسہ پر دین کی دعوت پر مستقل مزاجی سے جمے رہنا۔ فقر و فاقہ اور محتاجی سے بھی نہ گھبرانا۔ کیونکہ مجھ پر مسلسل تیس تیس رات دن ایسے گذرے ہیں کہ میرے اور بلال کے پاس کھانیکا کوئی انتظام نہ تھا۔ اگر کھانیکے لئے کچھ تھا بھی تو وہ اتنا قلیل مقدار میں جس کو بلال کی بغل چھپالے۔ حدیث مذکور کے بعد مشکوٰۃ شریف میں لکھا ہے۔

رواہ الترمذی وقال ومعنی الحدیث حین خرج النبی صلی اللہ علیہ وسلم ھارِبًا مِن مَکَّۃَ ومعہٗ بلال اِنَّمَا کَانَ مَعَ بِلَالٍ مِنَ الطعامِ مَا یحمل تحت ابطہٖ۔

یعنی اس حدیث کو امام ترمذیؒ نے روایت کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے (کفار کی اذیتوں سے) بھاگ کر نکلے تھے اور آپکے ہمراہ حضرت بلالؓ تھے تو حضرت بلال کے پاس اتنا کھانا تھا، جو وہ اپنی بغل کے نیچے دبائے ہوئے تھے۔

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خروج اخیر ماہ شوال سنہ۱۰ نبوی میں حضرتِ خدیجۃ الکبریٰؓ کی وفات کے تین ماہ بعد طائف کی جانب ہوا، جبکہ آپکے چچا ابوطالب کا بھی انتقال ہوچکا تھا۔ اور کفارِ مکہ آپ کو اب کھل کر ایذائیں پہنچارہے تھے۔ آپ کے متبنیٰ زید بن حارثہؓ آپکے ہمراہ تھے۔ آپنے وہاں ایک ماہ قیام فرمایا۔ قبیلۂ ثقیف کے سرداروں کو آپ دعوت دیتے رہے۔ لیکن انہوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہ کیا۔ بلکہ اپنے بچوں اور غلاموں کو آپکے پیچھے لگادیا کہ وہ لوگ آپ کو ستائیں اور گالیاں دیں۔ موسیٰ بن عقبہؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے آپ کی پنڈلیوں اور ایڑیوں میں اتنے پتھر مارے کہ آپ کے نعلین رنگین ہوگئے۔ آپ تکلیف کی شدت سے تھک کر بیٹھ جاتے تو وہ لوگ آپ کے بازو پکڑ کر کھڑا کردیتے۔ اور جب آپ چل پڑتے تو پھر آپ کے پتھر مارتے اور ہنستے تھے۔ اِدھر حضرت زید بن حارثہ پتھر روکتے روکتے بُری طرح زخمی ہوچکے تھے۔ بخاری و مسلم میں روایت ہے کہ حضرتِ عائشہؓ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ پر کوئی دن اُحد کے دن سے بھی زیادہ سخت آیا ہے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ تیری قوم سے مجھ کو بڑی سخت مصیبتیں پہونچی ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ سخت یومِ عقبہ تھا جبکہ میں

عبدیالیل بن عبد کلال کے پاس گیا اور اُس کو دعوت دی، تو اس نے میری بات نہ مانی۔ میں غمزدہ اور مصیبت زدہ وہاں سے واپس ہوا۔ مقام قرن الثعالب میں پہونچکر مجھ کو ان لوگوں سے چھٹکارا ملا۔ تو میں نے اپنا سر اٹھایا، دیکھتا کیا ہوں کہ ایک بادل نے مجھ پر سایہ کر رکھا ہے۔ میں نے بغور دیکھا تو اس میں جبرئیل ہیں۔ اُنہوں نے مجھ کو آواز دی اور کہا کہ آپ کی جو کچھ گفتگو اپنی قوم سے ہوئی اللہ تعالیٰ نے وہ بھی سُنی۔ اور اُن لوگوں نے آپ کو جو جواب دیا وہ بھی سُنا۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپکے پاس پہاڑوں کا فرشتہ بھیجا ہے فرماتے ہیں کہ فوراً ملک الجبال نے مجھ کو سلام کیا اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی گفتگو سنی۔ اور میں ملک الجبال ہوں (میرے قبضہ میں پہاڑ ہیں) مجھ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی خدمت میں بھیجا ہے۔ آپ مجھ کو حکم دیجیے۔ آپ اگر چاہیں تو یہ دونوں پہاڑ (جبل ابی قبیس وجبل احمر یا مِنیٰ کے دونوں پہاڑ) ان پر مِلاکر ان کو ہلاک کر دوں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اِرشاد فرمایا: نہیں، میں یہ نہیں چاہتا ہوں۔ مجھ کو توقع ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سے ایسی اولاد پیدا فرمائیں گے جو اللہ وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت کریگی۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریگی۔ (عبدیالیل یا کیساتھ ہے اس کے بعد الف پھر لام مکسورہ، پھر یائے ساکنہ پھر لام ہے۔ یہ عبد کُلال (بضم الکاف وتخفیف اللام) کا بیٹا اور قبیلۂ ثقیف کا اہم فرد واہلِ طائف کے رؤسا میں سے تھا۔ اور قرن الثعالب ایک جگہ ہے۔ جو اہلِ نجد کی میقات بھی ہے۔ اس مقام کو قرن المنازل بھی کہتے ہیں)

طبرانی نے کتاب الدعاء میں عبداللہ بن جعفرؓ کی روایت نقل کی ہے، جس میں یہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم طائف پیدل تشریف لے گئے۔ اور ان لوگوں کو اسلام کی دعوت دی، ان لوگوں نے آپ کی دعوت قبول کرنے سے اِنکار کر دیا۔ تو آپ ایک درخت کے سایہ میں تشریف لائے اور دو رکعت نماز پڑھکر یہ دعاء فرمائی۔

اَللّٰهُمَّ اِلَيْكَ اَشْكُوْ ضُعْفَ قُوَّتِيْ وَقِلَّةَ حِيْلَتِيْ وَهَوَانِيْ عَلَى النَّاسِ اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ اَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ اَنْتَ رَبُّ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ اِلٰى مَنْ تَكِلُنِيْ اِلٰى عَدُوٍّ بَعِيْدٍ يَتَجَهَّمُنِيْ اَمْ اِلٰى صَدِيْقٍ قَرِيْبٍ مَلَّكْتَهٗ اَمْرِيْ اِنْ لَمْ تَكُنْ غَضْبَانًا عَلَيَّ فَلَا اُبَالِيْ غَيْرَ اَنَّ عَافِيَتَكَ اَوْسَعُ لِيْ اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْهِكَ الَّذِيْ اَشْرَقَتْ لَهُ الظُّلُمٰتُ وَصَلُحَ عَلَيْهِ اَمْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اَنْ يَنْزِلَ بِيْ غَضَبُكَ اَوْ يَحُلَّ بِيْ سَخَطُكَ لَكَ الْعُتْبٰى حَتّٰى تَرْضٰى

اے اللہ میں اپنی کمزوری اور بے بسی اور لوگوں میں رُسوائی کی آپ ہی سے شکایت کرتا ہوں، اے سب سے بڑے مہربان آپ ہی سب سے بڑے مہربان ہیں، آپ ہی کمزوروں کے پروردگار اور میرے پالنہار ہیں۔ کیا آپ مجھے کسی ایسے بیگانہ دشمن کے حوالے فرماتے ہیں جو مجھ کو دیکھکر خفا اور تُرش رو ہوتا ہے یا کسی ایسے قریبی دوست کے جسکو آپنے مجھ پر قابو دیدیا ہے، آپ اگر مجھ سے خفا نہیں تو مجھکو کسی کی پرواہ نہیں۔ لیکن آپکی عافیت میرے لئے باعث سہولت ہے، میں آپکے چہرہ کے اس نور کے طفیل جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں اور جس سے دنیا و آخرت کے تمام کام درست ہو جاتے ہیں اس

ولاحول ولا قوۃ الّا بك ۔

(مرقاۃ ص۶۴ ج۵)

بات سے پناہ مانگتا ہوں کہ مجھ پر آپ کا غضب نازل ہو یا مجھ پر آپکا غصہ اُترے۔ آپسے ناراضگی دور کرنیکی درخواست ہے تاکہ آپ راضی ہوجائیں، آپکے سوا نہ کوئی طاقت ہے اور نہ قوت۔

(س) مشہور روایات میں یہ ہے کہ اِس سفر میں حضرتِ زید بن حارثہ آپکے ساتھ تھے۔ اگر اس حدیث میں اسی واقعہ کی جانب اشارہ ہے تو اس میں حضرت بلالؓ کا ذکر ہے نہ کہ زید بن حارثہؓ کا۔

(ج) اولاً یہ کہ زید بن حارثہؓ کے ہونیسے بلالؓ کے ہونے کی نفی لازم نہیں آتی۔ ثانیاً ممکن ہے کہ متعدد بار آپؐ تشریف لے گئے ہوں، کسی مرتبہ حضرتِ زیدؓ ہمراہ ہوں اور کسی مرتبہ حضرتِ بلالؓ۔ واللہ اعلم

ہاں اس خروج سے جس کو امام ترمذیؒ نے "حین خرج النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم ھاربًا من مکّۃ" سے بیان فرمایا۔ مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کا خروج ہرگز مراد نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ یہ بات اپنی جگہ پر محقق ہے کہ اس خروج میں حضرتِ بلالؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نہ تھے۔ لہٰذا ہجرتِ مدینہ کے علاوہ کوئی اور خروج ہی مراد ہوسکتا ہے۔ خواہ وہ خروج ہو جس کا ذکر اوپر ہوا یا اس کے علاوہ کوئی دوسرا خروج مراد ہو۔ واللہ اعلم

---

(۱۰۷) حَدَّثَ قَيْسٌ قَالَ سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ أَبِي وَقَّاصٍ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرتِ قیسؓ نے بیان کیا فرماتے ہیں کہ میں نے سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے سُنا وہ فرماتے تھے کہ میں عرب میں وہ شخص ہوں

يَقُولُ إِنِّي لَأَوَّلُ الْعَرَبِ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللهِ وَكُنَّا نَغْزُو مَعَ النَّبِيِّ

جس نے راہِ خدا (جہاد) میں سب سے پہلے تیراندازی کی ہے۔ اور ہم لوگ (صحابہؓ ابتدا میں) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ

صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ حَتَّى أَنَّ أَحَدَنَا

ایسی حالت میں جہاد کیا کرتے تھے کہ درختوں کے پتوں کے سوا ہمارے پاس کوئی کھانیکی چیز نہ ہوتی تھی یہاں تک کہ ہم میں

لَيَضَعُ كَمَا يَضَعُ الْبَعِيرُ أَوِ الشَّاةُ مَا لَهُ خِلْطٌ ۔

سے جو کوئی رفع حاجت کرتا تھا تو اس طرح جیسے اونٹ اور بکری مینگنیاں کرتے ہیں کہ اس میں کوئی (تری اور) چپک نہ ہوتی تھی۔

(بخاری شریف ص۵۲۸ ج۱ ومشکوٰۃ شریف ص۵۶۷ وشمائل ترمذی ص۲۷)

لغات

سَهْمٌ تیر ج سِهَامٌ (ف س) لاغری کیوجہ سے رنگ متغیر ہونا۔ تیوری چڑھا ہوا ہونا۔ تیراندازی میں غالب آنا۔ نَغْزُوْ (ن) طلب کرنا۔ قصد کرنا۔ جہاد کے لئے نکلنا۔ ورق پتّا۔ ج اَوْرَاقٌ۔ لیضع ای یخرج من بطنہ۔ خِلْطٌ ہر وہ چیز جو دوسری چیز سے ملے۔ ملاوٹ (ض) ملانا۔

ترکیب حَدَّثَ قَیْسٌ فعل فاعل جملہ فعلیہ۔ اِنَّ حرف مشبہ بہ فعل یٌ اسم لَاَوَّلُ الْعَرَبِ مع اپنی صفت جملہ فعلیہ رَمیٰ الخ سے مل کر خبر۔ جملہ اسمیہ مقولہ مفعول بہ یقول کا اور وہ جملہ فعلیہ سعد مفعول سَمِعْتُ سے حال الخ وَکُنَّا نَغْزُوْ فعل با فاعل مَعَ النَّبِیِّ فاعل سے حال۔ مَا مشابہ بلیس اپنی خبر مقدم لَنَا مَعَہٗ متعلق اور اسم مؤخر (مستثنیٰ منہ و مستثنیٰ) سے مل کر جملہ۔ حَتّٰی مستانفہ۔ اَحَدَنَا اسم اِنَّ۔ لَیَضَعُ فعل ضمیر ہو فاعل۔ کاف حرف جر۔ مَا اسم موصول یا مصدریہ۔ اسم موصول مع اپنے صلہ کے یا جملہ بتأویل مصدر موصوف۔ مَا اپنے اسم مؤخر خلط اور خبر مقدم لَنَا مَعَہٗ متعلق سے ملکر جملہ صفت۔ موصوف وصفت مجرور۔ جار مجرور متعلق لَیَضَعُ کے جملہ فعلیہ خبر اِنَّ کی۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہوگیا۔

تشریح یہاں حضرت مؤلف نے حدیث کے صرف وہ اجزاء نقل فرمائے ہیں جن کا عنوانِ صبر سے زیادہ کھلا ہوا ربط ہے۔ شمائل ترمذی میں بھی گو یہ حدیث مختصراً مذکور ہے، مگر اس میں یہاں سے زائد الفاظ اس طرح ہیں۔

سَمِعْتُ سَعْدَ بْنَ وَقَّاصٍ یَقُوْلُ اِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ اِهْرَاقَ دَمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَاِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰی بِسَهْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَقَدْ رَاَیْتُنِیْ اَغْزُوْ فِی الْعِصَابَةِ مِنْ اَصْحَابِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا نَاْكُلُ اِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةَ حَتّٰی تَقَرَّحَتْ اَشْدَاقُنَا حَتّٰی اِنَّ اَحَدَنَا لَیَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِیْرُ وَاَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ یُعَزِّرُوْنَنِیْ فِی الدِّیْنِ لَقَدْ خِبْتُ اِذَنْ وَضَلَّ عَمَلِیْ وَفِی الْبُخَارِیْ بَعْدَهٗ وَكَانُوْا وَشَوْا بِهٖ اِلٰی عُمَرَ قَالُوْا لَا یُحْسِنُ یُصَلِّیْ۔	حضرت سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں (اسلام میں) سب سے پہلا شخص ہوں جس نے راہِ خدا میں کافر کا خون بہایا اور میں ہی وہ شخص ہوں جس نے جہاد میں سب سے پہلے تیر چلایا۔ مجھے معلوم ہے کہ میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ کی ایک جماعت میں جہاد کر رہا تھا کہ ہم لوگ درختوں کے پتوں اور کیکر کی پھلیوں کے سوا کچھ نہ کھاتے تھے (کیونکہ کھانے کی کوئی چیز موجود نہ تھی) یہاں تک کہ ہماری باچھیں زخمی ہوگئیں اور (پتے کھانے کی وجہ سے) پاخانہ میں اونٹ اور بکری کی سی خشک مینگنیاں نکلتی تھیں (لیکن افسوس ہے کہ پھر) قبیلہ بنو اسد کے لوگ مجھکو دین کے بارے میں دھمکاتے ہیں، اگر انکی شکایت درست ہے تو میں

واقعی نامراد ہوگیا۔ اور میرا کیا کرایا سب اکارت ہوگیا۔ بخاری شریف میں اسکے بعد یہ بھی ہے کہ بنو اسد نے حضرت عمرؓ سے انکی چغلی کی تھی اور شکایات کا سلسلہ یہانتک پہونچگیا تھا کہ ان لوگوں نے یہ بھی کہدیا تھا کہ وہ نماز بھی صحیح طور پر ادا نہیں کرتے۔ (پوری حدیث کا خلاصہ ذیل میں مذکور ہے۔)

حضرت سعدؓ نے اپنے اس ارشاد میں جو اپنے کارنامے بیان فرماتے ہیں وہ فخر اور گھمنڈ کے طور پر بیان نہیں فرماتے، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی (جیسا کہ روایت بخاری شریف کے آخری جملوں سے بھی معلوم ہوا) کہ حضرت سعدؓ دورِ فاروقی میں امیر کوفہ تھے۔ کوفہ کے کچھ لوگوں نے خصوصًا بنو اسد نے آپ کی بہت سی شکایات

حضرت عمرؓ سے کیں۔ حتیٰ کہ اچھی طرح نماز نہ پڑھنے کی بھی شکایت کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے ان کو بلاکر دریافت فرمایا کہ اہلِ کوفہ آپ کی بہت شکایات کرتے ہیں یہاں تک کہ نماز کی بھی شکایت ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس ارشاد کے جواب میں حضرت سعدؓ نے اپنی صفائی میں اپنے کارنامے اور قدیم الاسلام ہونا (چنانچہ بخاری میں ہے۔ مَا اَسْلَمَ اَحَدٌ اِلَّا فِی الْیَوْمِ الَّذِیْ اَسْلَمْتُ فِیْهِ ولقد مکثت سبعة ایام وانی لثلث الاسلام ای وانا ثالث ثلثة مع النبیّ صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسلام کے لئے مصائب و مشکلات برداشت کرنے کا ذکر کرکے عرض کیا کہ ان سب چیزوں کے باوجود یہ لوگ میری شکایات کرتے ہیں۔ اور نماز کی کوتاہی کا الزام لگاتے ہیں۔ میں نے جس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھا اس میں قطعاً کوتاہی نہیں کرتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کے ہمراہ تحقیقِ حال کے لئے دو آدمی کوفہ بھیجے۔ انہوں نے کوفہ کی تمام مساجد کے نمازیوں سے حضرت سعدؓ کے حالات کی تحقیق کی۔ سب نے حضرت سعد کی بہت تعریف کی۔ البتہ مسجد بنی عبس میں ایک شخص ابو سعدہ نامی نے یہ کہا کہ جب تم قسم دیکر پوچھتے ہو تو میں تم سے سچ سچ بتادونگا حضرت سعدؓ جہاد کے لئے نہیں جاتے (گویا ان کو اپنی زندگی موت کے مقابلہ میں پیاری ہے) دوسرے وہ تقسیم میں مساوات اور برابری نہیں کرتے۔ تیسرے فیصلہ میں انصاف نہیں کرتے۔ حضرت سعدؓ نے فرمایا کہ اس نے میری تین جھوٹی شکایات کیں۔ تو میں بھی اس کے لئے تین ایسی بددعائیں کرتا ہوں، جو اس کی شکایات کے مناسب ہوں گی۔

(۱) اے اللہ اگر یہ جھوٹا ہے، شہرت اور دنیا کو دکھلانے کے لئے یہ شکایات کرتا ہے (کیونکہ بڑے آدمی پر تنقید کرنے سے شہرت ہوا کرتی ہے) تو اس کی عمر بڑھا دے۔ (۲) فقر میں اضافہ کردے۔ (۳) اور فتنوں میں مبتلا کردے۔ بعض روایات میں پہلی بددعا اَللّٰھُمَّ اَعْمِ بَصَرَہٗ مذکور ہے۔ یعنی اے اللہ اس کو نابینا کردے۔ دیکھنے والا اپنا مشاہدہ بیان کرتا ہے کہ میں نے اس شخص کو ایسے حال میں دیکھا کہ بڑھاپے کیوجہ سے اس کی پلکیں آنکھوں پر گر گئی تھیں۔ اور وہ انتہائی تنگدستی کے عالم میں زندگی گذارتا تھا۔ نیز لڑکیوں کو چھیڑتا پھرتا تھا۔ اگر اس سے کوئی پوچھتا کہ یہ کیا حال ہوگیا تو وہ کہتا تھا کہ سعد کی بددعا لگ گئی (اللّٰھم نعوذ بك من غضبك وغضب رسولك وغضب اولیائك) حضرت سعدؓ نے اپنے اس ارشاد میں تین قصوں کی طرف اشارہ فرمایا ہے جن کی قدرے وضاحت ضروری ہے۔

(۱) اِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ اَهْرَاقَ دَمًا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ میں ایسا شخص ہوں جس نے اللہ کی راہ میں سب سے پہلے کافر کا خون بہایا ہے۔ یہ جملہ شمائل کی مذکورہ روایت میں ہے۔ یہ ہجرت سے پہلے کا واقعہ ہے جبکہ مسلمان سخت پریشان اور مصائب و مشکلات کے شکار تھے۔ نماز کفار سے چھپ چھپ کر ادا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ چند حضرات جن میں حضرت سعدؓ بھی تھے ایک گھاٹی میں نماز پڑھ رہے تھے

کہ مشرکوں کا ایک گروہ وہاں پہونچگیا۔ اُن کو بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا، اور لڑائی پر آمادہ ہوگئے۔ تو حضرتِ سعدؓ نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر ایک کافر کے ماری جس سے اس کافر کے خون جاری ہوگیا۔ مذکورہ جملہ سے اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔

(۲) وَاِنِّیْ لَاَوَّلُ رَجُلٍ رَمٰی بِسَہْمٍ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ یہ ہجرت کے بعد سنہ ۱ھ کا واقعہ ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سریہ (مجاہدین کی فوج کا دستہ) روانہ فرمایا جو ساٹھ حضراتِ مہاجرین پر مشتمل تھا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا امیر عبیدہ بن الحارثؓ کو بنایا۔ اور اپنے دستِ مبارک سے جھنڈا باندھا تھا۔ یہ اسلام میں سب سے پہلا سریہ تھا جو سفیان بن حرب اور مشرکین کے مقابلہ میں مقامِ رابغ کی جانب روانہ کیا گیا تھا۔ اِس جنگ میں باقاعدہ مقاتلہ نہیں ہوا تھا۔ طرفین سے تیر چلائے گئے۔ مسلمانوں کی طرف سے سب سے پہلا تیر حضرتِ سعدؓ نے چلایا تھا (اس قصہ میں ایسی کئی چیزیں ہیں جن کو اسلام میں اوّلیت حاصل ہے۔ (۱) حضرتِ سعدؓ کا تیر چلانا۔ (۲) جھنڈا باندھنا۔ (۳) جنگ کیلئے مجاہدین کی جماعت۔ (۴) کفار و مسلمین کے درمیان جنگ۔ یہ چاروں چیزیں اس موقع پر اسلام میں پہلی بار پیش آئیں۔

(۳) تیسرے اِس جنگ کا ذکر ہے جس میں حضرتِ سعدؓ اور حضراتِ صحابہؓ نے درخت کے پتّے اور کیکر کی پھلیاں کھا کر جہاد کیا۔ جس جماعتِ صحابہؓ کو یہ قصہ پیش آیا اس کو سریّۃ الخبط بھی کہتے ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے باختلافِ اقوال سنہ ۸ھ یا رجب سنہ ۸ھ میں حضرتِ ابو عبیدۃ بن الجراحؓ کی سرکردگی میں مدینۂ منورہ سے پانچ روز کی منزل پر سمندر کے کنارہ تین سو صحابۂ کرامؓ کو قبیلۂ جُہینہ کے مقابلہ کے لئے بھیجا۔ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تھیلی میں اُن کو کھجوروں کا توشہ بھی عنایت فرمایا تھا۔ پندرہ دن ان حضرات کا وہاں قیام رہا، اور توشہ ختم ہوگیا۔ تو حضرتِ قیسؓ نے جو اس قافلہ میں تھے مدینۂ منورہ میں قیمت ادا کرنے کے وعدہ پر قافلہ والوں سے اونٹ خرید کر تین تین اونٹ روزانہ ذبح کرنا شروع کر دیئے۔ مگر امیرِ قافلہ نے تیسرے دن اس خیال سے کہ اگر سواریاں ختم ہوگئیں تو واپسی بھی مشکل ہو جائیگی ذبح کی ممانعت کر دی۔ لوگوں کے پاس اپنی اپنی جو کھجوریں موجود تھیں، امیرِ لشکر نے سب جمع کر کے ایک تھیلہ میں بھر لیں۔ اور روزانہ ایک ایک کھجور ہر مجاہد کو تقسیم فرمانے لگے۔ جس کو چوس کر یہ حضرات پانی پی لیتے تھے۔ سارے دِن کا کھانا بس یہی ایک کھجور تھی۔ کہنے کو تو یہ ایک معمولی سی بات ہے۔ مگر جنگ کے مورچہ پر جبکہ طاقت و قوت کی بے پناہ ضرورت ہوتی ہے۔ صرف ایک کھجور پر پورا دن گذار دینا بڑے دل گردے کی بات ہے۔ چنانچہ حضرتِ جابرؓ نے جب لوگوں سے یہ قصّہ بیان کیا تو ایک شاگرد نے یہ سوال کیا کہ حضرت ایک کھجور سے کیا کام چلتا ہوگا۔ آپنے فرمایا اس کی قدر اسوقت معلوم

ہوئی جبکہ وہ ایک بھی میسر نہ آسکی، اور بجز فاقہ کے کچھ نہ رہا۔ اسوقت حضرات صحابہؓ درختوں کے خشک پتے جھاڑتے اور پانی میں بھگو کر کھا لیتے تھے۔ کیونکہ مجبوری سب کچھ کرا دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ وہ ہر تنگی کے بعد فراخی وسہولت عطاء فرماتے ہیں۔ چنانچہ حق تعالیٰ نے ان مشقتوں کے بعد سمندر سے ایک مچھلی ان لوگوں کو عنایت فرمائی جس کو عنبر کہتے ہیں۔ وہ مچھلی اتنی بڑی تھی کہ اٹھارہ دن تک یہ حضرات اس میں سے کھاتے رہے اور مدینہ منورہ پہونچنے تک اسکا گوشت ان کے پاس رہا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر کی کارگذاری اور تنگی و فراخی کا قصہ سُنایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا، یہ اللہ کا رزق تھا جو اس نے تمکو بھیجا تھا۔

بخاری ص ۶۲۵/۲ میں ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے اس کی ایک پسلی کو کھڑا کر کے ایک شخص (قیس بن سعد بن عبادہ جو بہت طویل القد تھے۔) کو ایک اونٹ پر سوار کر کے اس کے نیچے سے گذارا تو وہ بسہولت گذر گئے۔ (یہ قصہ اسی کتاب میں (۱۱۰) پر آرہا ہے)

حضرتِ قیسؒ

آپ قیس بن ابی حازم الاحمسی البجلی ہیں۔ آپنے زمانۂ جاہلیت بھی پایا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک دور بھی۔ مسلمان ہوکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کے قصد سے مدینہ طیبہ حاضر ہوئے تو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے پردہ فرما چکے تھے۔ بحالتِ ایمان حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کا شرف حاصل نہ ہو سکا۔ اس لئے آپ کا شمار تابعین میں ہوتا ہے۔ بعض حضرات نے آپ کو حضرات صحابہؓ کی فہرست میں شمار کیا۔ لیکن اس بات کی تصریح بھی کردی کہ ان کو پیغمبرِ اعظم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت میسر نہیں آسکی۔ آپکا شمار تابعینِ کوفہ میں ہوتا ہے۔ آپ کی یہ خصوصیت ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے سوا تمام عشرۂ مبشرہ سے آپ احادیث نقل کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بہت سے صحابہؓ سے روایت کرتے ہیں۔ اور آپسے تابعین کی ایک بڑی جماعت نے احادیث روایت کی ہیں۔ ان کے علاوہ کوئی تابعی ایسا نہیں جس کو عشرہ مبشرہ میں سے ان نو حضرات سے شرفِ تلمذ حاصل ہو سکا ہو۔ آپ جنگ نہروان میں حضرتِ علیؓ کے ہمراہ تھے۔ ان کی عمر شریف ایک سو سال سے زائد ہوئی، اور ۹۸ھ میں وفات پائی۔

حضرتِ سعد بن ابی وقاصؓ

آپ کی کنیت ابو اسحاق تھی، اور ان کے والد ابو وقاص کا نام مالک بن وُہیب الزہری القرشی تھا۔ حضرتِ سعد عشرۂ مبشرہ میں سے تھے۔ حضراتِ عشرہ مبشرہ کے اسماء، استاذ محترم حجۃ الاسلام حضرت اقدس مولانا وسیدنا محمد اسعد اللہ صاحب نور اللہ مرقدہٗ کے ان دو اشعار میں مندرج ہیں۔ ؎

دہ یار بہشتی اند قطعاً ٭ بو بکرؓ و عمرؓ، علیؓ و عثمانؓ
سعد است و سعید و بو عبیدہ ٭ طلحہ است و زبیرؓ و عبدالرحمان

حضرت سعدؓ اسلام کے بالکل ابتدائی دور میں حلقہ بگوش اسلام ہوگئے تھے۔ وہ خود ارشاد فرماتے ہیں رایتنی وانا ثالث الاسلام وما اسلم احدٌ الا فی الیوم الذی اسلمت فیہ ولقد مکثت سبعۃ ایام وانی لثلث الاسلام۔ مشکوٰۃ شریف ص۵۶۷ (مجھے معلوم ہے کہ میں اہل اسلام میں تیسرے نمبر پر مسلمان ہوا تھا، اور کوئی شخص مسلمان نہیں ہوا تھا مگر اس دن کہ میں مسلمان ہوا تھا۔ اور میں سات دن ایسی حالت میں رہا کہ میں تین مسلمانوں میں کا ایک تھا۔ غالبًا ان کے علاوہ دو حضرات حضرت ابوبکر صدیق وحضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہما تھے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ٹھیک بات یہ ہے کہ ثالث الاسلام سے مراد ثالث الرجال (تین مردوں میں سے ایک) ہے۔ بلکہ تین آزاد مردوں میں سے ایک مراد ہے۔ اور استیعاب میں جو یہ کہا ہو سابع سبعۃ فی الاسلام (وہ سات میں سے ساتویں مسلمان تھے) تو وہ رجال ونساء سب کو عام ہے۔ شیخ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ نے یہ اپنے علم کے اعتبار سے ارشاد فرمایا۔ ورنہ تو ان سے پہلے ابوبکرؓ و علیؓ و زیدؓ وغیرہم بہت سے حضرات مسلمان ہو چکے تھے۔ حدیث بالا سے آپ کی یہ خصوصیات بھی معلوم ہوئیں کہ سب سے پہلے کافر کا خون حضرت سعدؓ نے بہایا۔ اور راہ خدا میں سب سے پہلے تیر بھی انہوں نے ہی چلایا۔ آپ بنی زہرہ بنت کلاب میں سے تھے۔ جو قریش ہی کا ایک خاندان تھا۔ اسی لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا کہ یہ میرے ماموں ہیں کوئی شخص اپنا ماموں ایسا دکھلائے۔ اور ایک روایت میں صرف اتنا ہے کہ یہ میرے ماموں ہیں۔ اور ایک میں فلیرنی کی بجائے فلیک من ہے۔ یعنی یہ میرے ماموں ہیں، ان کا اکرام کرنا ضروری ہے۔ اور ماموں اس لئے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ ماجدہ بھی قبیلہ بنی زہرہ سے تھیں۔

(مشکوٰۃ شریف ص۵۶۷)

قبول اسلام کے وقت آپ کی عمر شریف صرف ۱۷ سترہ برس تھی۔ آپ تمام غزوات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ آپ مشہور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ کی بددعاء سے لوگ گھبراتے، اور دعاء کے امیدوار رہتے تھے۔ اور یہ دولت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء کی برکت سے حاصل ہوئی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن ان کے لئے یہ دعاء فرمائی تھی اللّٰھم اشدد رمیتہٗ واجب دعوتہٗ (اے اللہ سعد کے نشانہ کو سخت فرما اور ان کی دعاء کو قبول فرما۔ ایک روایت میں سدد سھمتہٗ ہے۔ یعنی ان کے تیر کو درست فرمادے۔ ترمذی کی روایت میں ہے۔ آپنے فرمایا اللّٰھم استجب لسعد اذا دعاک (اے اللہ سعد جب دعاء کرے تو اس کی دعاء قبول فرما۔ (مشکوٰۃ شریف ص۵۶۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے احد کے دن حضرت سعدؓ سے فرمایا تھا ارم فداك ابی وامی۔ تیر مار میرے ماں باپ تجھ پر قربان۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نہیں سنا کہ سعدؓ کے علاوہ کسی کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ماں باپ کو جمع کیا ہو یعنی فداک ابی وامی کہا ہو۔ حضرت زبیرؓ کی روایت سے

معلوم ہوتا ہے کہ بنو قریظہ کی خبر لانے پر حضرت زبیرؓ کے لئے بھی آپ نے فداك ابی واُمّی ارشاد فرمایا تھا۔ آپ ٹھنگنے موٹے مضبوط تھے۔ آپ کا رنگ گندمی تھا۔ بدن پر بال بہت تھے۔ مقامِ عقیق میں اپنے محل میں وفات پائی، جو مدینہ کے قریب ہی واقع تھا۔ آپ کے جنازہ کو مدینہ لایا گیا۔ اور مروان بن الحکم نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ کیونکہ اسوقت وہی والی مدینہ تھا۔ جنۃ البقیع میں آپ کو دفن کیا گیا۔ عمر شریف ستر سال سے زائد ہوئی۔ عشرہ مبشرہ میں سب سے اخیر میں آپ کی وفات ۵۵ھ میں ہوئی۔ حضرت عمرؓ پھر حضرت عثمانؓ نے آپ کو کوفہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ آپ سے احادیث نقل کرنیوالی صحابہؓ و تابعینؒ کی ایک بڑی جماعت ہے۔ رضی اللہ عنہم۔

(۱۰۸) قَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَسَابِعُ سَبْعَةٍ

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے اپنی یہ حالت دیکھی ہے کہ میں اُن سات آدمیوں میں سے ایک تھا جو

مَعَ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَنَا طَعَامٌ إِلَّا وَرَقُ الشَّجَرِ حَتّٰى

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے کہ ہمارے پاس درختوں کے پتوں کے سوا کوئی کھانے کی چیز نہ تھی اور

تَقَرَّحَتْ أَشْدَاقُنَا فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً فَقَسَمْتُهَا بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدٍ۔

ہمارے جبڑے چھل گئے تھے مجھے (اتفاقاً) ایک چادر مل گئی تو میں نے وہ اپنے اور سعد کے درمیان (آدھی آدھی) تقسیم کرلی تھی۔

(شمائل ترمذی شریف ص۲۷)

لغات تَقَرَّحَتْ زخمی ہونا (س) پھوڑوں اور زخموں والا ہونا (ف) اونٹنی کا حمل ظاہر ہونا، زخمی کرنا وغیرہ۔ فَالْتَقَطْتُ زمین سے اُٹھانا، بغیر قصد وطلب کے مطلع ہونا، جمع کرنا۔ لُقْطَةٌ وہ چیز جو تم کو راستہ میں پڑی ہوئی ملے اور تم اٹھالو، یا وہ شئی متروک جس کا مالک معلوم نہو۔ (ن) زمین سے اٹھانا۔ لَقِيْطٌ اُٹھایا ہوا، وہ نومولود بچہ جو پھینکدیا جاتے۔ بُرْدَةٌ کالا کمل، چادر بُرْدٌ، بُرَدٌ۔

ترکیب رَأَيْتُ فعل بافاعل ی مفعول بہ وَإِنِّي الخ جملہ حالیہ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ سَابِعٌ یا سَبْعَةٍ سے حال مَا لَنَا الخ حسبِ سابق جملہ قائم مقام رَأَيْتُ کے مفعول ثانی کے آگے ترکیب ظاہر ہے۔

تشریح حضرت عُتبہ رضی اللہ عنہ کے تین سو مجاہدین کے ساتھ خراسان جانے اور اُس کو فتح کرنے کا پورا قصہ راوی نے بیان کیا لیکن امام ترمذیؒ نے شمائل کے باب ماجاء فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں بالاختصار ذکر فرمایا کیونکہ اصل مقصود تنگ حالی کو بیان کرنا ہے

جس کا ذکر اِس حدیث کے اخیر حصہ میں ہے۔ اسلئے اُنہوں نے تمام حدیث کو مختصر کرکے اُس کے آخری حصّہ کو ذکر کردیا۔ اور صاحبِ مشکوٰة الآثار نے مزید اختصار کرتے ہوئے صرف مذکورہ بالا اِن جملوں کو لے لیا ہے جو کہ عنوان پر بالمطابقة دال ہیں۔

پورے قصے کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرتِ عُتبہ بن غزوانؓ کو حکم دیا کہ تم اپنے ساتھیوں (تین سو مجاہدین) کے ساتھ عجم کی طرف چلے جاؤ۔ اور جب سرزمینِ عرب کی اُن آخری حدود پر پہونچو جہاں سے سرزمینِ عجم بہت ہی قریب رہ جاتی ہے تو وہاں پر قیام کرلینا۔ (مقصدِ ان کی روانگی کا یہ تھا کہ دربارِ عمری میں یہ اطلاع پہونچی تھی کہ اہلِ عجم کا ارادہ عرب پر حملہ آور ہونیکا ہے۔ دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے، شاہِ ایران یزدگرد کے اہلِ عجم سے اِمداد منگانے کی خبر پہونچی تھی جس کے آنیکا راستہ یہ جگہ تھی جہاں پر لشکر کو قیام کرنے کی ہدایت دی گئی تھی، گویا حضرت عمرؓ نے یہ لشکر ناکہ بندی کرنے کے لیئے اِرسال فرمایا تھا۔) الغرض وہ لشکر چلا اور جب مربدِ بصرہ[عه] پر پہونچا تو وہاں عجیب قسم کے سفید سفید پتھروں پر اہلِ لشکر کی نظریں پڑیں تو لوگوں نے ایک دوسرے سے حیرت کے ساتھ پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ بتایا گیا کہ بصرہ ہیں (بصرہ لغت میں سفیدی مائل پتھروں کو کہتے ہیں۔ بعد میں[عسه] یہی شہر کا نام پڑ گیا۔) اس کے بعد حضرتِ عمرؓ کی ہدایت کے مطابق آگے بڑھتے گئے۔ اور جب دجلہ کے چھوٹے پُل کے قریب پہونچے تو لوگوں نے یہ تجویز کیا کہ حضرتِ عمرؓ کی متعینہ جگہ یہی موقع ہے۔ اسلئے وہاں پڑاؤ ڈالدیا گیا۔ اس جگہ پر راوی نے خُراسان میں لشکر آنے اور حضرتِ علبہؓ کا اس کو فتح کرنیکا پورا قصہ مفصل بیان کیا ہے۔ فتح کے بعد حضرتِ علبہؓ نے ایک زبردست خطبہ دیا، جس کا خلاصہ یہ ہے۔

حمد وصلوٰة کے بعد فرمایا کہ دنیا ختم ہورہی ہے اور مُنہ پھیر کر جارہی ہے۔ دنیا کا حصہ صرف اتنا باقی رہگیا ہے جیساکہ برتن کا پانی ختم ہوجانے کے بعد اس میں کچھ قطرے رہ جاتے ہیں۔ تم لوگ اس دنیا سے ایسے عالم کی جانب جارہے ہو جو ہمیشہ رہنے والا ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ بہترین سروسامان کے ساتھ اس دنیا سے وہاں جاؤ۔ کیونکہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جہنم (جو نافرمانوں کا گھر ہوگا) اتنی گہری ہے کہ اگر اُس کے اُوپر کے کنارہ سے ایک ڈھیلہ پھینکا جائے تو ستّر برس تک بھی وہ جہنم کے نیچے کے حصہ میں نہیں پہونچتا۔ اور آدمیوں سے اُس کو بھرا جائیگا۔ کس قدر عبرت کا مقام ہے۔

عه مِرْبَد دراصل اونٹوں کے ٹھہرانیکی جگہ کو کہتے ہیں، اسی وجہ سے اس مقام کا نام مربدِ بصرہ ہوگیا۔ ۱۲ ان

عسه شہر بصرہ کو حضرتِ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے خلافتِ فاروقی کے زمانہ میں حضرتِ عمرؓ کے حکم سے ۱۴ھ میں تعمیر کیا۔ اور ۱۸ھ سے لوگ وہاں رہنے لگے۔ کہتے ہیں کہ بصرہ کی سرزمین پر بُت پرستی نہیں ہوئی۔ بصرہ کو قبةُ الاسلام اور خزانة العرب بھی کہا جاتا رہا ہے۔ ۱۲ ان

نیز ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت (جو اللہ کے فرمانبرداروں کا مکان ہے) اس قدر وسیع ہے کہ اس کے دروازے کی چوڑائی میں ایک جانب سے دوسری جانب تک چالیس برس کی مسافت ہے۔ اور آدمیوں ہی سے اس کو بھی پُر کیا جائیگا۔ (اسلئے ایسے اعمال اختیار کرو جن کی وجہ سے پہلے مکان سے نجات ملے۔ اور اس مکان میں جو اللہ کی رضا کا مکان ہے داخلہ نصیب ہو) اس کے بعد انہوں نے اپنا گذشتہ حال بیان کیا (جو یہاں مذکور ہے) کہ میں نے اپنی حالت یہ دیکھی کہ میں ان سات آدمیوں میں سے ایک تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے، کہ ہم لوگوں کے پاس درختوں کے پتوں کے سوا کھانے کی کوئی چیز بھی نہ تھی۔ پتوں کے کھانے کی وجہ سے ہمارے منہ چھل گئے تھے۔ مجھے اتفاقاً ایک چادر (یا کالی کملی) مل گئی۔ میں نے اور سعدؓ نے اس کو آدھا آدھا تقسیم کرلیا۔ شمائل میں روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں فما منا من اولئك السبعة احد الا وهو امير مصر من الامصار وستجربون الامراء بعدنا۔ یعنی حق تعالیٰ نے اس تنگ حالی اور تکلیف کا دنیا میں بھی یہ اجر اور صلہ مرحمت فرمایا کہ ہم ساتوں میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی نہ کسی شہر کا امیر نہ ہو۔ کیونکہ یہ لوگ مشقتوں کے بعد امیر ہوئے ہیں۔ اسلئے لوگوں کے ساتھ انکا معاملہ بہترین ہے۔ اور تمکو ہمارے بعد آنیوالے امیروں کا تجربہ ہوجائیگا۔

روایت کے آخری جملوں میں اپنی حالت کے بیان کرنیسے حضرت عتبہؓ کا مقصد بظاہر دو چیزیں ہیں۔ اول یہ کہ دین کے لئے مشقت برداشت کرنے کے عمدہ ثمرات اور اچھے نتائج دنیا میں بھی اکثر ظاہر ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہم نے ایسی مشکلات جھیلیں کہ پتے چبا چبا کر جہاد کیا اور اللہ کے کلمہ کو بلند کیا۔ اللہ نے دنیا میں بھی ہم کو بلندی دیدی کہ ہم ساتوں صحابہ شہروں کے اُمَراء اور حُکّام ہیں۔ اسلئے تم لوگ بھی اگر دین کے لئے مشقتیں برداشت کروگے تو اس کے پھل آخرت میں تو ملیں گے ہی، دنیا میں بھی محروم نہ رہوگے۔ دوسرے یہ کہ اگر اسوقت کے امراء سے کوئی ناگوار خاطر بات پیش آئے تو اس پر صبر کرو۔ کیونکہ ان حضرات کا وجود بعد میں آنیوالوں کے حالات کی بہ نسبت بہت غنیمت اور نہایت بہتر ہے۔

حضرت عتبہ بن غزوانؓ

حضرت عتبہ بن غزوانؓ مازنی قدیم الاسلام صحابی ہیں۔ ایک قول کے مطابق چھ مردوں کے بعد آپ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ آپ سابع سبعة في الاسلام في الرجال ہوئے۔ اولاً حبشہ کی طرف ہجرت کی، پھر مدینۂ پاک کی طرف ہجرت کی دولت میسر آئی۔ آپ کو غزوہ بدر میں شرکت کی عظیم سعادت بھی نصیب ہوئی حضرت عمرؓ نے ان کو بصرہ کا حاکم مقرر فرمایا تھا۔ ایک عرصہ کے بعد حضرت عمرؓ کے پاس واپس آگئے اور مستعفی ہونا چاہا۔ مگر حضرت عمرؓ نے پھر ان کو وہیں کا والی بناکر واپس کردیا۔ بصرہ واپس جاتے ہوئے راستہ ہی میں بعمر ستاون سال ۱۵ھ میں وفات پائی۔ آپکے شاگرد خالد بن عمیرؓ نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں۔

(۱۰۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ غَزَاۃٍ وَّ
حضرتِ ابوموسٰی رضی اللہ عنہ سے نقل ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک غزوہ میں گئے

نَحْنُ سِتَّۃُ نَفَرٍ بَیْنَنَا بَعِیْرٌ نَعْتَقِبُہٗ فَنَقِبَتْ اَقْدَامُنَا وَنَقِبَتْ قَدَمَایَ
درانحالیکہ ہم چھ آدمی ایسے تھے کہ ہمارے درمیان ایک اونٹ تھا جس پر ہم نمبروار سوار ہوتے تھے تو ہمارے پیر گھس گئے

وَسَقَطَتْ اَظْفَارِیْ فَکُنَّا نَلُفُّ عَلٰی اَرْجُلِنَا الْخِرَقَ فَسُمِّیَتْ غَزْوَۃَ ذَاتِ
اور میرے دونوں پیر بھی گھس کر زخمی ہو گئے اور میرے ناخن گر پڑے تو ہم اپنے پیروں پر چیتھڑے لپیٹتے تھے۔ اسی وجہ سے اس

الرِّقَاعِ لِمَا کُنَّا نُعَصِّبُ مِنَ الْخِرَقِ عَلٰی اَرْجُلِنَا وَحَدَّثَ اَبُوْمُوْسٰی ہٰذَا
غزوہ کا نام غزوۃ ذات الرقاع (چیتھڑوں والا غزوہ) رکھا گیا کیونکہ ہم اپنے پیروں پر چیتھڑوں کی پٹیاں لپیٹتے تھے۔ حضرت ابوموسٰی

ثُمَّ کَرِہَ ذٰلِکَ قَالَ مَاکُنْتُ اَصْنَعُ بِاَنْ اَذْکُرَہٗ کَاَنَّہٗ کَرِہَ اَنْ یَّکُوْنَ
نے اس کو بیان فرمایا پھر اس کے ذکر کو مناسب نہ سمجھا فرمایا کہ اس کو بیان کر کے کیا کرونگا گویا کہ انہوں نے اس کو پسند

شَیْءٌ مِّنْ عَمَلِہٖ اَفْشَاہُ۔ (بخاری شریف ص ۵۹۲/۲)
نہ فرمایا کہ ان کا کوئی عمل ہو اور اسکو وہ ظاہر کرتے پھریں۔

لغات

غَزَاۃٌ اسم ہے غَزْوٌ کا ج غَزَوَاتٌ۔ جنگ، وہ لڑائی جس میں خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شرکت فرمائی ہو، اس کو غزوہ کہتے ہیں۔ نَفَرٌ سارے لوگ، تین سے دس تک مردوں کی جماعت ج اَنْفَار۔ ثَلٰثَۃُ نفر اور ثَلٰثَۃُ اَنْفَارٍ ہر دو طرح مستعمل ہے۔ نعتقبہ یہاں پر نمبروار اور نوبت بہ نوبت سوار ہونے کے معنی ہیں۔ فنقبت (س) پھٹنا، گھسنا، پہاڑی راستوں میں چلنا، (ن س ک) سردار قوم ہونا، بھاگتے ہوئے ملک میں گھسنا۔ خوب کھود کرید کرنا۔ اَظْفَار ظُفْرٌ کی جمع ناخن ج اَظَافِیْر۔ نَلُفُّ (ن) لپیٹنا۔ اَلْخِرَقُ جمع خِرْقَۃٌ کی۔ کپڑے کا ایک ٹکڑا۔ چیتھڑا، دھجی (ن ض) پھاڑنا، نیزہ مارنا، جھوٹ گھڑنا، عادت کے خلاف کرنا۔ خُرُوْقًا (ن) لگاتار قیام کرنا۔ خَرْقًا (س) خوف یا شرم سے دہشت زدہ ہونا۔ خَرَاقَۃٌ (س ک) بیوقوف اور ناتجربہ کار ہونا، ادھورا کام کرنا۔ الرِّقَاع رُقْعَۃٌ کی جمع۔ تحریر کا پرزہ، کپڑے کا پیوند، چیتھڑا، زمین یا کپڑے کا ٹکڑا وغیرہ۔ رقعًا (ف) کپڑے پر پیوند لگانا، نشانہ پر مارنا، ہجو کرنا۔ رِقَاعَۃٌ (ک) بیوقوف و بےحیا ہونا۔ نُعَصِّبُ تفعیل سے پٹی باندھنا (ض) لپیٹنا موڑنا، بٹنا، باندھنا وغیرہ۔ عَصْبٌ عمامہ، پگڑی۔ ایک قسم کی چادر۔ عَصَبٌ پٹھا ج اَعْصَابٌ عِصَابٌ جس سے باندھا جائے۔ پٹی۔ عِصَابَۃٌ مردوں، گھوڑوں یا پرندوں کی جماعت۔ عمامہ، پٹی۔ ج عَصَائِبُ۔ کَرِہَ (س) ناپسند کرنا، مکروہ ہونا۔ اَفْشَاہُ اِفعال سے پھیلانا، ظاہر کرنا فَشْوًا فُشُوًّا فُشِیًّا (ن) ظاہر ہونا، پھیل جانا۔

ترکیب خَرَجْنَا فعل بافاعل مَعَ النَّبِيِّ ظرف فِي غَزَاةٍ متعلق جملہ فعلیہ نَحْنُ مبتدا سِتَّةُ نَفَرٍ مرکب اضافی موصوف یا ذوالحال بَيْنَنَا متعلق مقدر ہوکر خبر مقدم۔ بَعِيْرٌ موصوف نَعْتَقِبُهُ فعل بافاعل ومفعول بہ جملہ فعلیہ صفت مرکب توصیفی مبتدا مؤخر جملہ اسمیہ صفت ماقبل یا حال پھر نحن کی خبر جملہ اسمیہ۔ فَنَقِبَتْ اَقْدَامُنَا فعل فاعل جملہ فعلیہ۔ اگلے دونوں جملے بھی اسی طرح ہیں۔ فَكُنَّا نَلُفُّ فعل با فاعل عَلٰى اَرْجُلِنَا جار مجرور متعلق اَلْخِرَقَ مفعول بہ جملہ فعلیہ۔ فَسُمِّيَتْ فعل مجہول ضمیر نائب فاعل غَزْوَةَ ذَاتِ الرِّقَاعِ مرکب اضافی مفعول ثانی لام جار مَا موصولہ كُنَّا نُعَصِّبُ فعل با فاعل مِنَ الْخِرَقِ متعلق اوّل عَلٰى اَرْجُلِنَا متعلق ثانی جملہ فعلیہ صلہ۔ موصول وصلہ مجرور متعلق سُمِّيَتْ فعل کے جملہ فعلیہ ہوا۔ حَدَّثَ اَبُوْمُوْسٰى فعل وفاعل بِهٰذَا جار مجرور متعلق جملہ فعلیہ ثُمَّ كَرِهَ فعل ضمیر ھو فاعل ذٰلِكَ مفعول بہ جملہ فعلیہ۔ قَالَ فعل ضمیر فاعل مَا استفہامیہ كُنْتُ اَصْنَعُ فعل با فاعل اَذْكُرُهُ فعل فاعل مفعول بہ جملہ بتاویل مفرد ہوکر مجرور متعلق فعل جملہ فعلیہ۔ كَاَنَّ حرف مشبہ بفعل ہٗ اسم كَرِهَ فعل ھو فاعل اَنْ يَكُوْنَ فعل ناقص۔ شَيْءٌ موصوف مِنْ عَمَلِهٖ جار مجرور متعلق کائن کے ہوکر صفت موصوف وصفت مل کر اسم۔ اَفْشَاهُ فعل ضمیر ھو فاعل ہٗ مفعول بہ جملہ فعلیہ خبر اَنْ يَكُوْنَ اپنے اسم وخبر سے مل کر جملہ فعلیہ بتاویل مفرد کَرِہَ کا مفعول بہ جملہ فعلیہ ہوکر کَاَنَّ کی خبر۔ جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

تشریح اس میں بھی ایک غزوہ اور اس میں پیش آنیوالی مشکلات نیز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جانثاروں کے مشقتوں پر صبر کرنے اور اللہ کے کلمہ کی بلندی کے لئے نہایت حوصلہ اور پامردی سے جان کھپانیکا بیان ہے۔ پھر حضرات صحابہؓ کے اخلاص کا ذکر ہے کہ اس عظیم الشان کارنامہ کو ایک دو بار بطور عبرت ونصیحت ذکر فرماکر پھر اس کا اظہار ہی ناپسند فرمایا۔ اور اپنے اس عمل کو جو صرف رضائے حق کے لئے کیا تھا، خلق کے سامنے پیش کرنا بھی گوارا نہ فرمایا۔

غزوہ ذات الرقاع علامہ شبلیؒ نے "سیرۃ النبی" میں لکھا ہے "قریش اور یہود کی متفقہ سازش نے جب مکہ سے لیکر مدینہ تک آگ لگادی۔ جسقدر قبائل تھے سب نے مدینہ پر حملہ کی تیاریاں شروع کردیں۔ اور سب سے پہلے انمار اور ثعلبہ نے یہ ارادہ کیا۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی تو ۱۰ محرم ۵ھ کو آپ مدینہ سے ۴۰۰ صحابہؓ کو لیکر نکلے اور ذات الرقاع تک تشریف لے گئے۔ لیکن آپ کی آمد سنکر وہ پہاڑوں میں بھاگ گئے۔

"سیرۃ النبی" کے حاشیہ میں ہے۔ صحیح بخاری سے ظاہر ہوتا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع "خندق" کے بعد واقع ہوا۔ صلوٰۃ الخوف سب سے پہلے اسی غزوہ میں ادا کی گئی۔ ابن اسحٰق نے جس کی پیروی طبری اور ابن ہشام نے کی ہے اس غزوہ کو ۶ھ میں ذکر کیا ہے۔ موسٰی بن عقبہؓ کی روایت ہے

کہ ۵ھ میں واقع ہوا۔ امام بخاریؒ بھی اپنی صحیح میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے۔ لیکن غلطی سے ۵ھ کے بجائے ابن عقبہ کی طرف ۴ھ کی نسبت کی گئی۔ ابن حجرؒ نے فتح الباری ص۳۳۱ ج۷ میں بیہقی، حاکم، موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کی روایتوں سے ۵ھ کو ترجیح دی ہے۔ ابن سعدؒ نے بھی ۵ھ ہی لکھا ہے۔ مولانا عاشق الٰہی تاریخ اسلام حصہ دوم ص۲۷۵ میں ۷ھ کے تحت لکھتے ہیں، خیبر ہی کے بعد نجد کی جانب غزوۂ ذات الرقاع ہوا جسمیں ننگے پاؤں میں زخم اور چھالے ہو جانے کی وجہ سے مسلمانوں نے چیتھڑے باندھے تھے۔ اور اس غزوہ کا نام غزوۂ نجد اور غزوۂ انمار بھی ہے۔ اس غزوہ کی مشہور وجہ تسمیہ تو یہی ہے جو روایت میں بھی مذکور ہے۔ یعنی چھالے پڑجانے کی وجہ سے پاؤں میں چیتھڑے اور پٹیاں لپیٹنا۔ اور قاموس میں ہے کہ ذات الرقاع ایک پہاڑ کا نام ہے جس میں سفید اور سیاہ پتھر ہیں۔ اور اسی کی طرف اس غزوہ کو منسوب کرکے جو قبیلۂ انمار و بنی ثعلبہ سے ہوا ہے غزوۂ ذات الرقاع کہتے ہیں۔ یا وہاں کی زمین ایسی ہے کہ اس کے کچھ حصے سفید اور کچھ سیاہ ہیں۔ گویا وہ زمین پیوندوں والی ہے۔ یا اس غزوہ میں جھنڈے پیوند زدہ تھے۔ یا گھوڑوں کے سرخ و سفید ہونے کی وجہ سے اس غزوہ کو غزوۂ ذات الرقاع کہتے ہیں (یعنی مختلف الوان کے پیوندوں سے تشبیہ دی گئی ہے) غرض اس مشہور وجہ تسمیہ کے علاوہ اس کی وجہ تسمیہ میں اور بھی متعدد اقوال ہیں۔ (مزید معلومات کیلئے حواشی بخاری اور فتح الباری دیکھئے۔)

---

(۱۱۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا اَنَّهٗ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساحل کی

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْثًا قِبَلَ السَّاحِلِ فَاَمَّرَ عَلَيْهِمْ اَبَا عُبَيْدَةَ

جانب ایک لشکر بھیجا اور ان (مجاہدین) پر حضرت ابو عبیدہ بن الجراحؓ کو امیر بنایا۔

بْنَ الْجَرَّاحِ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ وَهُمْ ثَلَاثُمِائَةٍ وَاَنَا فِيْهِمْ فَخَرَجْنَا حَتّٰى

اور وہ تین سو (مجاہدین) تھے اور میں بھی ان میں تھا تو ہم لوگ چلے یہانتک کہ

اِذَا كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ فَنِيَ الزَّادُ فَاَمَرَ اَبُوْ عُبَيْدَةَ بِاَزْوَادِ ذٰلِكَ الْجَيْشِ

جب ہم ایک راستہ ہی میں تھے کہ توشہ ختم ہوگیا تو ابو عبیدہؓ نے اس لشکر کے توشوں کو جمع کرنیکا حکم دیا

فَجُمِعَ ذٰلِكَ كُلُّهٗ فَكَانَ مِزْوَدَيْ تَمْرٌ وَكَانَ يُقَوِّتُنَا كُلَّ يَوْمٍ قَلِيْلًا قَلِيْلًا

چنانچہ سب توشے جمع کر دیئے گئے میرا توشہ چھوارے تھے اور وہ ہمکو روزانہ تھوڑی تھوڑی خوراک دیتے تھے

حَتّٰى فَنِيَ فَلَمْ تَكُنْ تُصِيْبُنَا اِلَّا تَمْرَةٌ تَمْرَةٌ فَقُلْتُ وَمَا تُغْنِيْ تَمْرَةٌ

یہانتک کہ توشہ قریب الختم ہوگیا تو ہم کو صرف ایک ایک چھوارہ ملتا تھا۔ میں نے کہا کہ ایک چھوارہ کیا فائدہ

فَقَالَ لَقَدْ وَجَدْنَا فَقْدَهَا حِيْنَ فَنِيَتْ قَالَ ثُمَّ انْتَهَيْنَا إِلَى الْبَحْرِ

پہونچانا ہوگا؟ فرمایا ہم نے اُس کے نہونے کو اُسوقت محسوس کیا جبکہ وہ بھی ختم ہوگیا فرمایا کہ پھر ہم لوگ سمندر پر

فَإِذَا حُوْتٌ مِثْلَ الظَّرِبِ فَأَكَلَ مِنْهُ ذٰلِكَ الْجَيْشُ ثَمَانِيَ عَشْرَةَ لَيْلَةً

پہونچے تو ہم کو ایک بہت بڑی مچھلی ٹیلہ جیسی ملی تو اس مچھلی کو یہ لشکر (مسلسل) اٹھارہ دن کھاتا رہا۔ پھر حضرت

ثُمَّ أَمَرَ أَبُوْ عُبَيْدَةَ بِضِلْعَيْنِ مِنْ أَضْلَاعِهِ فَنُصِبَا ثُمَّ أَمَرَ بِرَاحِلَةٍ

ابو عبیدہؓ نے اس کی پسلیوں میں سے دو پسلیوں کو کھڑا کرنیکا حکم دیا چنانچہ کھڑی کردی گئیں پھر ایک اونٹنی پر

فَرُحِلَتْ ثُمَّ مَرَّتْ تَحْتَهَا فَلَمْ تُصِبْهُمَا۔

کجاوہ کسنے کا حکم دیا چنانچہ کجاوہ کس دیا گیا پھر ان دونوں پسلیوں کے نیچے سے (اونٹنی پر سوار بٹھلاکر) گذارا گیا۔ تو وہ پسلیاں سوار کو نہ لگیں۔ (بخاری شریف ص۳۳۷ ج۱ و ص۶۲۵ ج۲ و ص۸۲۶ ج۲)

لغات

بَعْثًا فوج، ہر وہ جماعت جو کہیں بھیجی جائے۔ ج بُعُوْثٌ وبُعُوْثٌ مرّ تحقیقہ۔ السَّاحِل سمندر کا کنارہ۔ ج سَوَاحِل (ف) رونا، ہنہنانا۔ مُسَاحَلَةٌ ایک دوسرے کو گالی دینا، فَنِيَ (س) معدوم ہونا، بہت بوڑھا ہونا ختم ہونا۔ الفاني پیر، فانی، بڈھا کھوسٹ۔ الجیش لشکر۔ ج جُيُوْش (ض) جوش مارنا، اُبلنا، جی متلانا، گھمسان کی لڑائی ہونا وغیرہ۔ مِزْوَدٌ توشہ دان۔ ج مَزَاوِدُ۔ يُقَوِّتُنَا باب تفعیل سے خوراک دینا۔ قُوْتٌ خوراک، گذارے کے لائق کھانا ج أَقْوَاتٌ (ن) روزی دینا، خوراک دینا۔ حُوْتٌ مچھلی۔ اس کا اطلاق عموماً بڑی مچھلی پر ہوتا ہے۔ ج حِيْتَانٌ أَحْوَاتٌ حَوْتًا وحَوَتَانًا (ن) منڈلانا۔ مفاعلۃ مدافعت اور مکر و فریب کرنا۔ الظَّرِب مثل الکتف ابھرا ہوا تیز پتھر چھوٹا ٹیلہ ج ظِرَابٌ وأَظْرُبٌ۔ (س) چپکنا۔ ضِلَعٌ وضِلْعٌ پسلی (مؤنث) مثنی ضِلَعَانِ وضِلَعَيْنِ ج أَضْلُعٌ وضُلُوْعٌ وأَضْلَاعٌ ضِلَعٌ کے اور معنی بھی آتے ہیں۔ مثلاً خربوزہ کی پھانک، چھوٹا پہاڑ۔ پھندا، جال، ابرو، ضلع۔ رحلت (ف) کجاوہ کسنا، ترک وطن کرنا، کوچ کرنا، سوار ہونا تفعیل سے متعدی رَحْلٌ کجاوہ، منزل، قیام گاہ۔ ج رِحَال وأَرْحُلٌ رَاحِلَةٌ سواری کے لائق اونٹ۔

ترکیب

بَعَثَ فعل رَسُوْلُ اللّٰهِ فاعل بَعْثًا مفعول مطلق قِبَلَ السَّاحِلِ مفعول فیہ۔ جملہ فَأَمَّرَ فعل ضمیر ہو فاعل عَلَيْهِمْ متعلق أَبَا عُبَيْدَةَ بْنَ الْجَرَّاحِ مرکب اضافی مفعول بہٖ جملہ فعلیہ وَهُمْ ثَلَاثُمِائَةٍ مبتدا و خبر جملہ اسمیہ معطوف علیہ۔ وَأَنَا فِيْهِمْ جملہ اسمیہ معطوف۔ معطوفین جملہ حالیہ فَخَرَجْنَا جملہ فعلیہ حَتّٰى إِذَا كُنَّا الخ شرط و جزا جملہ استینافیہ فَأَمَرَ فعل أَبُوْ عُبَيْدَةَ فاعل أَزْوَادِ مضاف الیہ سے مل کر مجرور متعلق فعل جملہ فعلیہ۔ اِس سے اگلا جملہ بھی فعلیہ ہے۔ فَكَانَ اپنے اسم تمر اور

خبر مِنْ وَدِيٍّ سے مل کر جملہ فعلیہ۔ وَكَانَ يُقَوِّتُ فعل ضمیر فاعل نَا مفعول بہٖ کُلَّ يَوْمٍ ظرف قَلِيْلًا قَلِيْلًا مفعول مطلق باعتبار موصوف اور ثانی قلیلاً اول کی تاکید لفظی ای قُوْتًا قَلِيْلًا قَلِيْلًا۔ حَتّٰى فَنِيَ جملہ فعلیہ مستانفہ۔ فَلَمْ تَكُنْ مَعَهٗ اسم موخر وخبر مقدم جملہ فعلیہ۔ مَا استفہامیہ مبتدا تغنی تمرۃ جملہ فعلیہ خبر لَقَدْ وَجَدْنَا فعل با فاعل مفعول بہٖ ظرف (حِيْنَ مضاف جملہ فعلیہ فَنِيَتْ مضاف الیہ) سے مل کر جملہ فعلیہ فَاِذَا مفاجاتیہ حُوْتٌ ذو الحال اپنے حال مِثْلِ الظِّرَابِ سے مل کر مبتدا خبر مَوْجُوْدٌ وغیرہ محذوف فَاَكَلَ ... فعل مِنْهُ متعلق ذٰلِكَ الْجَيْشُ فاعل ثَمَانِيْ عَشْرَةَ لَيْلَةً ممیز وتمیز مل کر مفعول فیہ جملہ ہوا۔ ثُمَّ اَمَرَ فعل اپنے فاعل اَبُوْ عُبَيْدَةَ اور متعلق بِضِلْعَيْنِ الخ سے مل کر جملہ فعلیہ مِنْ اَضْلَاعِهٖ ضلعین سے حال۔ یا اس کی صفت ہے۔ فَنُصِبَا جملہ فعلیہ ماقبل پر معطوف۔ اسی طرح اگلے چاروں جملے ہیں۔

تشریح حدیث (۱۰۷) کی تشریح میں گذر چکا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تین ۳۰۰ سو مجاہدین، (مہاجرین وانصار) کو حضرت ابو عبیدہؓ کی سرکردگی میں ساحل سمندر کی جانب روانہ کیا تھا۔ تاکہ وہ قبیلہ جُہینہ کی سرکوبی کریں۔ جو مدینہ سے پانچ دن کی مسافت پر تھا۔ چنانچہ یہ لوگ مکمل پندرہ ۱۵ دن ساحل بحر پر پڑے رہے۔ اول تین تین اونٹ روزانہ ذبح کرتے رہے۔ اور ممانعت امیر کے بعد درختوں کے خشک پتے جھاڑ جھاڑ کر کھانے کی نوبت آئی۔ اسی لئے اس سریہ کا نام سریہ خبط بھی ہے (خبط کے معنی پتے جھاڑنے کے ہیں) اس غزوہ کا تیسرا نام غزوۂ سیف البحر بھی ہے۔ کیونکہ سیف کے معنی عربی میں ساحل اور کنارہ کے آتے ہیں۔

اس غزوہ میں مجاہدین کی فاقہ کی تکلیف کو دیکھکر سب کے بچے کھچے چھوارے وغیرہ جمع کیے گئے۔ تو دو ۲ تھیلیاں بھر گئیں، جو تین آدمیوں کو بھی ناکافی تھیں۔ مجبوراً یہ مشترکہ توشہ تھوڑا تھوڑا تقسیم ہوتا رہا لیکن جب قریب الختم ہوگیا (حتی فنی فلم تکن تصیبنا الخ سے یہی مراد ہے، بالکل ختم ہوجانا مراد نہیں) تو ہر سپاہی کو ایک ایک چھوارہ ملنے لگا۔ شاگرد کے سوال پر حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ اس کی قدر جب معلوم ہوئی جبکہ وہ ایک بھی نہ ملا۔ آخر اس صابر وقانع اور فاقہ کش لشکر اسلام کی غیب سے مہمان نوازی ہوئی، اور اتنی بڑی مچھلی سمندر سے باہر ڈالی گئی کہ تین ۳۰۰ سو مجاہدین اس کو اٹھارہ ۱۸ دن مسلسل کھاتے اور اس کی چربی نکالتے اور بدن پر ملتے رہے۔ یہانتک کہ لاغر فربہ اور دبلے موٹے ہوگئے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے دو ۲ پسلیاں زمین پر کھڑی کرائیں۔ اور ایک اونچا اونٹ مع محمل وسوار اسکے نیچے سے اس طرح گذر گیا کہ پسلی کی ہڈی اس کو مس نہ کرسکی اور اس کی آنکھ کے حلقہ میں منوں آٹا گوندھ کر خمیر کیا گیا۔ مدینہ حاضر ہوکر جب صحابہؓ نے اس نصرت غیبی کا ذکر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اس میں سے بچا ہوا

کچھ گوشت ہے بھی ؟ صحابہؓ نے باقی ماندہ گوشت پیش کیا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تناول فرمایا۔ اس مچھلی کا نام احادیث میں عنبر مذکور ہے، اسی لئے اس کو سریّۃ العنبر بھی کہہ دیتے ہیں بعض مؤرخین کی رائے ہے کہ یہ لشکر اس قریشی قافلہ سے تعرض کرنے کو چلا تھا جو سمندر کے کنارے کنارے جا رہا تھا۔ اور چونکہ صلح حدیبیہ کے بعد تعرض صلح کی بنا پر چھوڑ دیا گیا تھا اسلئے مؤرخین کو اس بات کا قائل ہونا پڑا کہ اس سریۂ خبط کا واقعہ صلح حدیبیہ ۶ھ سے قبل ظہور پذیر ہوا یہی وجہ اختلاف ہے جس کی جانب حدیث (۱۰۷) میں اشارہ کیا گیا۔

حضرت جابر بن عبد اللہؓ

آپ کی کنیت ابو عبد اللہ اور نسبت الانصاری السّلمی ہے۔ مشہور صحابی ہیں۔ اور مکثرین فی الحدیث صحابہؓ میں آپکا شمار ہے غزوۂ بدر میں شرکت کا شرف بھی آپ کو عطا ہوا۔ اس کے علاوہ اٹھارہ غزوات میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ رہے۔ آپ شام اور مصر بھی تشریف لے گئے ہیں۔ اخیر عمر میں نابینا ہو گئے تھے۔ آپ سے حدیث شریف کا فیض ایک بہت بڑی جماعت نے حاصل کیا۔ ۷۴ھ میں چورانوے سال کی عمر پاکر مدینہ منورہ میں رحلت فرمائی۔ جبکہ عبد الملک بن مروان کا دورِ خلافت تھا۔ ایک قول کے مطابق تمام مدنی صحابہؓ کے بعد مدینہ میں آپ کی وفات ہوئی ہے۔ رضی اللہ عنہ۔

(۱۱۱) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيْرِيْنَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ

حضرت امام ابن سیرینؒ فرماتے ہیں کہ ہم لوگ حضرتِ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس تھے درانحالیکہ ان پر کتان

وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ أَبُوْهُرَيْرَةَ فِيْ أَحَدِهِمَا

کے دو رنگین کپڑے تھے تو حضرتِ ابوہریرہؓ نے ان میں سے ایک میں ناک سِنک کر فرمایا

ثُمَّ قَالَ بَخْ بَخْ يَتَمَخَّطُ أَبُوْهُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ لَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَإِنِّيْ لَأَخِرُّ

واہ واہ ابوہریرہ تو کتان میں ناک صاف کر رہے ہیں یقیناً مجھے خوب یاد ہے کہ میں منبر رسول اللہ

فِيْمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مِنَ

صلی اللہ علیہ وسلم اور حجرۂ عائشہؓ کے درمیان بھوک کی وجہ سے بیہوش ہوکر گرجاتا تھا،

الْجُوْعِ مَغْشِيًّا عَلَيَّ فَيَجِيْءُ الْجَائِيْ فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلٰى عُنُقِيْ يُرٰى أَنَّ

پھر آنیوالا آتا اور میری گردن پر اپنا پیر اس خیال سے رکھتا کہ مجھ کو

بِيَ الْجُنُوْنَ وَمَا بِيْ جُنُوْنٌ وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوْعُ۔ (ترمذی شریف ص ۲/۵۹)

جنون ہوگیا ہے۔ (یا جن لپٹ گیا ہے) اور واقعۃً مجھ کو جنون نہ ہوتا تھا بلکہ وہ تو بھوک ہی (کا کرشمہ اور برکت) تھی۔

(۱۱۲) عَنْ فَضَالَةَ بْنِ عُبَيْدٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

كَانَ إِذَا صَلَّى بِالنَّاسِ يَخِرُّ رِجَالٌ مِّنْ قَامَتِهِمْ فِي الصَّلٰوةِ مِنَ الْخَصَاصَةِ

جب لوگوں کو نماز پڑھاتے تھے تو بہت سے لوگ نماز میں بھوک کیوجہ سے کھڑے کھڑے گر پڑتے تھے۔

وَهُمْ أَصْحٰبُ الصُّفَّةِ حَتّٰى تَقُوْلَ الْأَعْرَابُ هٰؤُلَاءِ مَجَانِيْنُ أَوْ مَجَانُوْنَ

اور وہ گرنیوالے لوگ اصحاب صفہ تھے یہانتک کہ گاؤں کے لوگ (ناواقفیت کیوجہ سے) کہتے تھے کہ یہ لوگ پاگل

فَإِذَا صَلّٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ انْصَرَفَ إِلَيْهِمْ فَقَالَ

ہوگئے ہیں۔ پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے بعد ان کی طرف متوجہ ہوتے تو ارشاد فرماتے کہ اگر تم کو یہ معلوم

لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا لَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ لَأَحْبَبْتُمْ أَنْ تَزْدَادُوْا فَاقَةً وَّحَاجَةً۔

ہوجائے کہ (اس تکلیف پر) تمکو اللہ کے پاس کیا اجر ملنے والا ہے تو تم اس بات کی تمنا کرو کہ فاقہ اور محتاجی میں تم اور ترقی کرجاؤ۔ (ترمذی شریف ص ۵۹ ج ۲)

لغات مُمَشَّقَانِ مُمَشَّقٌ کا مثنی۔ گیرو سے رنگا ہوا کپڑا مَشْقًا (ن) جلدی نیزہ مارنا، جلدی کام کرنا، کنگھی کرنا، دراز ہونے کے لئے کھینچنا، ٹکڑے ٹکڑے کرنا وغیرہ۔ (س) رانوں کی رگڑ سے سوزش ہونا۔ اَمْشَقَ گیرو سے رنگنا۔ المشق گیرو۔ کَتَّان اَلسی کا پودہ، سبز کائی، ایک عمدہ قسم کا کپڑا۔ صاحب لغات القرآن نے لکھا ہے کہ کتان ایک باریک قسم کا کپڑا ہوتا ہے۔ جو گھاس کی چھال سے تیار کیا جاتا ہے۔ اور صاحب محیط اعظم لکھتے ہیں کہ کتان کو ہندی میں اَلسی کہتے ہیں، اسی کی چھال سے کپڑا بھی بُنا جاتا ہے۔ فَتَمَخَّطَ ناک سے رینٹ کو صاف کرنا مَخْطًا (ف ن) کھینچکر لمبا کرنا، تیز دوڑنا، رینٹ صاف کرنا، مارنا، تیر کا پار ہونا۔ مُخَاط ناک کی ریزش، رینٹ ج اَمْخِطَة۔ المَخَاطِی رینٹ والا۔ بَخْ بَخْ اسم فعل ہے۔ تعریف اور اظہار خوشنودی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اور تاکید کے لئے مکرر بولتے ہیں۔ ساکن اور منوّن مکسور اور بتشدید الخاء وبسکونہا مستعمل ہے۔ بمعنی واہ واہ، شاباش، آفریں۔ (ن) خرانٹے لینا، غصہ ٹھنڈا کرنا۔ لَاخِرٌ خَرِيْرًا (ض ن)، پانی بہنے یا ہوا چلنے کی آواز ہونا۔ خرانٹے لینا۔ خُرُوْرًا (ن ض) اوپر سے نیچے گرنا، سجدہ میں گر پڑنا، مرنا، نامعلوم جگہ سے اچانک آپڑنا۔ حُجْرَةٌ چھوٹا کمرہ، قبر، باڑہ، کنارہ ج حُجَرٌ، حُجَرَاتٌ، حجرًا وحجرانًا بتثلیث الحاء فی المصدر (ن) منع کرنا، روکنا۔ ویقال للبیت الحجرۃ لمنعھا وحفظھا۔ الجُنُوْنُ دیوانگی پاگل پن جَنًّا وجُنُوْنًا (ن) دیوانہ ہونا، پاگل ہونا، چھپنا، لمبا ہونا، گتھ جانا، گھنا ہونا وغیرہ۔ مجانین جمع تکسیر لمجنون والمجانون شاذ۔ کقراءۃ تتلوا الشیاطون۔

ترکیب (۱۱۱) کُنَّا فعل ناقص مع اسم عِنْدَ اپنے مضاف الیہ سے مل کر متعلق محذوف ہو کر خبر۔ عَلَیْہِ کائنان کے متعلق ہو کر خبر مقدم۔ ثَوْبَانِ موصوف۔ مُمَشَّقَانِ اپنی صفت یا حال مِنْ کَتَّانٍ سے مل کر صفت۔ مرکب توصیفی مبتدا مؤخر۔ جملہ اسمیہ حالیہ۔ فَتَمَخَّطَ فعل اپنے فاعل و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ۔ بَخٍ بَخٍ اسم فعل اپنے فاعل انت ضمیر سے مل کر جملہ فعلیہ۔ یَتَمَخَّطُ اپنے فاعل و متعلق سے مل کر جملہ فعلیہ حالیہ۔ لَقَدْ رَأَیْتُنِی فعل فاعل مفعول بہ جملہ فعلیہ یائے متکلم اسم اِنّ لَاَخِرُّ فعل با فاعل فِی حرف جر مَا موصولہ ظرف فعل محذوف کے متعلق ہو کر صلہ مجرور متعلق اول۔ مِنَ الْجُوْعِ متعلق ثانی مَغْشِیًّا عَلَیَّ فاعل سے حال جملہ فعلیہ۔ آئندہ دونوں جملے فعلیے ہیں۔ ان اپنے اسم مؤخر الْجُنُوْنَ اور خبر مقدم بِی معہ متعلق محذوف جملہ اسمیہ قائمقام یری کے دونوں مفعولوں کے۔ جملہ فعلیہ حالیہ۔ مَا مشابہ لیس اپنے اسم جنون اور خبر بِی مَعَہ متعلق محذوف جملہ اسمیہ اسی طرح وَمَا هُوَ اِلَّا الْجُوْعُ ہے۔

(۱۱۲) اِذَا صَلّٰی بِالنَّاسِ جملہ فعلیہ شرط یَخِرُّ فعل اپنے فاعل رِجَالٌ اور تینوں متعلقوں سے ملکر جزاء۔ شرط و جزا خبر کان۔ پھر یہ جملہ خبر ان الخ وَهُمْ اَصْحٰبُ الصُّفَّۃِ جملہ اسمیہ رِجَالٌ سے حال حَتّٰی تقول فعل الْاَعْرَابُ فاعل هٰؤُلَاءِ مَجَانُوْنَ یا مَجَانِیْنَ مبتدا و خبر۔ یہ شک راوی ہے کہ فضالہؓ نے مجانون فرمایا یا مجانین۔ قاعدہ کی رُو سے مجانین بروزن مساکین زیادہ ظاہر ہے۔ آگے ترکیب بالکل آسان ہے۔

تشریح (۱۱۱) یہ وقت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا وسعت و فراخدستی کا زمانہ ہے کہ کتان کا لباس زیب تن فرمائے ہوئے ہیں۔ کم ظرف لوگ فراخدستی میں تنگدستی کے وقت کو بھول جاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ اس بیش قیمت کپڑے سے ناک صاف کرتے ہوتے کہتے ہیں۔ ابو ہریرہ واہ واہ تم کتنے خوشحال ہو گئے ہو یعنی اپنے نفس کو خطاب فرما کر اس کو پچھلا وقت یاد دلا رہے ہیں۔ اور شکر نعمت پر آمادہ فرما رہے ہیں۔ فرماتے ہیں مجھے اپنا وہ وقت یاد ہے کہ بھوک کی شدت سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا تھا۔ لیکن جو میرے حال سے واقف نہ ہوتے وہ سمجھتے کہ مجھ کو جنون ہو گیا ہے اسلئے وہ اس زمانہ کے دستور کے مطابق میری گردن پر پیر رکھ رکھ کر مجھ کو ہوش میں لانے کی کوشش کرتے تھے۔ (اس طرح اس زمانہ میں بے ہوشی سے ہوش میں لایا جاتا تھا۔)

(۱۱۲) اس میں بھی حضرات صحابہؓ کی تنگدستی کا ایک منظر پیش فرمایا گیا ہے۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے ہیں۔ اور بھوک کی وجہ سے کھڑے ہونے کی تاب نہ لا کر صف کی صف گر پڑتی ہے۔ آپ نماز سے فارغ ہو کر ان لوگوں کے پاس تشریف لا کر تسلی دیتے اور فرماتے کہ اگر تمکو اس تنگدستی

اور زبردست مجاہدہ کے ثواب وثمرہ کا علم ہوجائے تو تم اس بات کی تمنا کرو کہ اس سے زیادہ سختی ومشقت تم پر آجاتے۔ اور محتاجی وفقرو فاقہ سے تمکو ایسا پیار ہوجائے کہ اس میں زیادتی وترقی کی آرزو کرنے لگو۔ یہ گرجانے والے حضرات کون تھے؟ یہ اصحاب صفہ تھے۔ یعنی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مدرسہ صفہ (چبوترہ) کے طالب علم تھے۔ جو ہمہ وقت درِ اقدس پر پڑے رہتے تھے۔ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ آجاتا تو ان کو کھلا دیتے ورنہ یہ لوگ بھوکے رہتے۔ آخر ان کی تنگدستی اور فقرو فاقہ وہ رنگ لائے کہ شاگردوں کے شاگرد بھی بڑے بڑے ائمۂ ومحدثین بن گئے۔ اور آخرت کا بے حساب اجر تو بہرحال ایک یقینی چیز ہے۔ اس دور کے طلبہ دیکھیں کہ بہترین مکانات، بجلی کے قمقمے، پنکھے، بیش قیمت فرش وفروش ہیں۔ اور دو وقتہ طعام، اور بہت سے مدارس میں ناشتہ وغیرہ کے انتظامات بھی ہیں۔ اتنی راحتوں اور آسائشوں کے باوجود علم اور سعی علم کے نام صفر ہے۔ پھر راحت وآرام اور سلسلۂ آسائش میں اگر کبھی تھوڑی سی کمی آگئی تو اپنے محسن، اساتذہ وارباب انتظام کے ساتھ کیا کیا برتاؤ ہوتے ہیں۔ تعلیمی مقاطعہ اور اسٹرائک جیسی ملعون ونازیبا حرکات تک کر بیٹھتے ہیں۔ طلبۂ عزیزان مذکورہ ہر دو حدیثوں کو ہمیشہ اپنے پیشِ نظر رکھیں، اور یاد رکھیں کہ مشکلات ومصائب پر صبر کرنے ہی سے علومِ نبویہ کے دروازے کھلتے ہیں۔ کہ پُر معدہ باشد زِ حکمت تہی۔

حضرتِ محمد بن سیرینؒ

آپ کی کنیت ابوبکر تھی، انس بن مالکؓ کے آزاد شدہ غلام تھے۔ آپ کے اساتذہ حضرتِ انس، حضرتِ ابوہریرہ اور حضرتِ ابن عمر رضی اللہ عنہم ہوئے۔ اور تلامذہ کی ایک بہت بڑی جماعت ہے۔ آپ بہت بڑے فقیہ، عابد وزاہد جلیل القدر محدث وعالم اور تعبیر رؤیا کے امام تھے۔ آپکا شمار مشاہیر تابعین اور اکابرِ علماء میں ہے۔ علومِ شریعت میں آپ کی زبردست شہرت ہے۔ بعض اکابرِ تابعین کا قول ہے مَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَفْقَهَ فِي وَرَعِهِ وَلَا أَوْرَعَ فِي فِقْهِهِ مِنَ ابْنِ سِيْرِيْنَ۔ خلف ابن ہشام کہتے ہیں کہ ابن سیرینؒ کو بہترین اخلاق اور ایسی عمدہ عادتیں میسر آئی تھیں کہ ان کو دیکھنے سے اللہ یاد آتا تھا۔ اشعث کہتے ہیں کہ محمد بن سیرینؒ سے جب کوئی فقہ اور حلال وحرام کا مسئلہ پوچھا جاتا تو ان کا رنگ متغیر ہوجاتا، اور بالکل ایسے بدل جاتے گویا کہ وہ محمد بن سیرینؒ ہی نہیں ہیں۔ اور یہ خشیتِ الٰہی کے غلبہ کے سبب تھا۔ مہدیؒ کہتے ہیں کہ ہم ان کے پاس بیٹھتے اور ایک دوسرے سے خوب باتیں کرتے رہتے۔ اسی اثناء میں اگر موت کا ذکر آجاتا تو اُن کا رنگ تبدیل ہوجاتا اور وہ زرد پڑجاتے اور حالت بالکل غیر ہوجاتی، حتی کہ وہ پہچاننے میں نہ آتے۔ ۱۱۰ھ میں بعمر ۷۷ سال وفات پائی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت فضالہ بن عبیدؓ

آپ حضرات انصار کے قبیلہ اوس کے ایک اہم فرد ہیں سب سے پہلے غزوۂ احد میں شرکت ہوسکی۔ اسکے بعد تمام غزوات و مشاہد میں، بیعت رضوان میں بھی شریک رہے۔ آپ ملک شام میں جاکر ساکن ہوئے پھر دمشق کو اپنا مسکن بنایا حضرت امیر معاویہؓ جب جنگ صفین میں تشریف لے گئے تو موصوف قاضی دمشق تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ کے زمانہ ہی میں وفات پائی۔ بعض کا قول ہے کہ ۵۳ھ میں وفات پائی۔ آپ کے غلام میسرہ نے آپ سے احادیث نقل کی ہیں۔ فضالة بفتح الفاء والضاد المعجمة وعبيد بضم العين مصغرا۔

هذا اٰخر الجزء الاول من "مرآة الانوار لشرح مشكوٰة الاٰثار" ويتلوه الجزء الثانى انشاء الله تعالىٰ اوله "ومن ابواب البر والاحسان الى الجار والعبيد" وقد وقع الفراغ من ترقيم هٰذه الاوراق بعون الله سبحانه وتعالىٰ مع ما بى من الشواغل المانعة والموانع الشاغلة ليلة يوم الاحد الثالث عشر من الجمادى الاخرى سنة ۱۳۹۸ من الهجرة النبوية على صاحبها الف الف تحية الموافق احدا وعشرين من المايو سنة ۱۹۷۸ من العيسوية فالحمد لله الوهاب المستعان والصلوٰة والسلام على سيد الانس والجان وعلى اٰله وصحبه ما دام الملوان عدد ما يحب ويرضىٰ ربنا الرحمٰن۔

العبد
نسیم احمد غازی مظاہری مقیم
سرائے ترین مرادآباد۔